مسلم مفکرین کی مطالعۂ مذاہب میں خدمات-I

کوڈ نمبر:4960 یونٹ:1 تا9

بی ایس علوم اسلامیہ

شعبہ مطالعات بین المذاہب
کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ
علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

مسلم مفکرین کی مطالعۂ مذاہب میں خدمات۔I

کورس کوڈ:4960 یونٹ9-1

برائے بی ایس علوم اسلامیہ

کورس رابطہ کار

ڈاکٹر حسن بیگ



شعبہ مطالعات بین المذاہب

کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیمِ

(صَلَّی اللّٰہُ عَلٰی حَبِیْبِہٖ سَیِّدُنَامُحَمَّدٍ وَّآلِہٖ وَاَصحٰابِہٖ وَ بَارِکْ وَسَلَّمْ)

(جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں)

ایڈیشن۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔2025

تعداد اشاعت۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔10000

قیمت۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

کمپوزنگ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ذاکر امین

طابع۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد

ناشر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد

کورس ٹیم

چیئرمین	پروفیسر ڈاکٹر غلام شمس الرحمن چیئرمین شعبہ مطالعات بین المذاہب
مؤلف	پروفیسر ڈاکٹر عاصم نعیم ڈاکٹر حسن بیگ حافظہ حفصہ مجید شمع ناز
نظر ثانی	پروفیسر ڈاکٹر غلام شمس الرحمن ڈاکٹر محمد سجاد عثمان علی شیخ ڈاکٹر احمد رضا ڈاکٹر حسن بیگ حافظہ حفصہ مجید شمع ناز ڈاکٹر محمد خرم شہزاد
کورس رابطہ کار	ڈاکٹر حسن بیگ لیکچرار شعبہ مطالعات بین المذاہب
کمپوزنگ	ذاکر امین
ایڈیٹر	---

تقریظ

مذہب ثقافتی نظاموں، عقائد، آفاقی تصورات نیز انسانیت، روحانیت اور اخلاقی اقدار و تصورات کا ایک مرکب ہے۔ ہر مذہب کی تعلیمات جداگانہ ہونے کے باوجود قدر مشترک یہ ہے کہ تمام مذاہب حق کی تلاش میں ہیں اور انسان کی فوز وفلاح کے داعی اور علمبردار ہیں، قطع نظر اس کے غیر الہامی مذاہب میں الوہی نظام سفارت کے فقدان کی وجہ سے وہ راہ یاب نہ ہو سکے اور الہامی مذاہب میں سے یہودیت وعیسائیت کی اصل تعلیمات گردش زمانہ کی دست برد سے محفوظ نہ رہ سکیں۔ البتہ اسلام کی تمام تر تعلیمات حرف بہ حرف نہ صرف محفوظ ومصون بل کہ از منہ امکنہ کی قید کے بغیر ہمیشہ کے لیے قابل عمل اور فوز وفلاح کی ضامن ہیں۔

مطالعہ مذاہب اور تقابل ادیان سماجی علوم میں مستقل ایک موضوع ہے۔ دور حاضر میں دینی ومذہبی جامعات کے ساتھ عصری تعلیم گاہوں اور یونیورسٹیز میں بھی تقابل ادیان پر توجہ مبذول کی گئی۔ پچھلے چند صدیوں میں مغربی ممالک میں دیگر علوم کی طرح اس فن میں بھی اختصاص حاصل کرنے کا رجحان بڑھا، جس میں میکس مولر کو تقابل ادیان کا بابا آدم ثابت کرنے کی کوشش کی گئی۔ آکسفورڈ اور ہارورڈ جیسے اداروں نے اس غلط فہمی کی تشہیر میں تعاون کیا۔ مغربی ممالک نے سائنسی علوم کے ساتھ ہر علوم وفنون کی ابتداء کا سہرا اپنے ہی سر باندھنے کی ایک کوشش کی، جس میں تقابل ادیان اور تاریخ مذاہب بھی ہے۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ اس فن پہ سب سے پہلے مسلمانوں نے توجہ دی۔ مسلمانوں نے دوسرے مذاہب کا مطالعہ دیانت داری سے کیا، پھر ان کے ماننے والوں سے مکالمے کیے اور حسب ضرورت مناظرے بھی کیے۔ قرآن کریم نے سابقہ اقوام کے درست حالات وواقعات کو بیان کرکے اس علمی روایت کی ابتداء کی۔ مذاہب عالم کے تعارف کے سلسلہ میں قرآن وسنت کی تعلیمات اور مسلمانوں کی خدمات کو علمی اور تجزیاتی پیرایہ میں پیش کرنے کی ضرورت تھی تاکہ طلباء زیادہ سے زیادہ استفادہ کر سکیں۔

اس ضرورت کی تکمیل کے لئے اور تاریخی حوالوں اور واقعات کی روشنی میں اپنی بات کو ثابت کرنے کے لئے زیر نظر کتاب "مسلم مفکرین کی مطالعۂ مذاہب میں خدمات۔I" ڈاکٹر حسن بیگ کی بحیثیت کورس رابطہ کار بہترین علمی کاوش ہے۔ جس میں انہوں نے دنیا میں پائے جانے والے متفرق مسلم مفکرین کی مطالعہ مذاہب میں گوناں گوں خدمات کو اجاگر کرتے ہوئے طلباء کے لیے اس کورس میں نئی جہت کو متعارف کروایا ہے۔ مطالعۂ مذاہب عالم کے تعارف اور ان کی اہمیت کے حوالے سے یہ ایک مفید تالیف ہے۔ امید ہے طلباء وطالبات، اہل علم اور محققین اس کتاب سے بہتر انداز میں استفادہ کر سکیں گے۔ اللہ تعالی ہم سب کو دین اسلام کی حقانیت اور مذاہب عالم کے سلسلے میں انجام دی جانے والی ان کی خدمات کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے۔ آمین۔

پروفیسر ڈاکٹر ناصر محمود

شیخ الجامعہ

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد

پیش لفظ

ادیان و مذاہب کا مطالعہ بڑا دلچسپ موضوع ہے۔اس سے ہمیں بڑے اسباق اور عبرتیں حاصل ہوتی ہیں۔اس وقت دنیا میں کئی جو مذاہب پائے جاتے ہیں، جن کی اپنی اپنی تہذیب و ثقافت اور زندگی گزارنے کی لئے تعلیمات ہیں۔علاوہ ازیں مسلم اہل علم کے ہاں دوسرے مذاہب سے اعتناء اور ان کا مطالعہ ایک معروف اور مسلمہ حقیقت ہے اور بہت سے حوالوں سے مسلمانوں کو مذاہب کے مطالعات میں تقدم اور امتیازی حیثیت حاصل ہے۔ بالخصوص دور جدید سے قبل جب مغرب میں ابھی مذاہب کے وصفی مطالعات کا آغاز نہیں ہوا تھا، مسلمانوں کے ہاں مذاہب کے وصفی اور غیر جانبدارانہ مطالعات کی ایک روایت موجود تھی۔اسی طرح منہجی حوالوں سے بھی عصور وسطی کے مسلم مفکرین کے مطالعات مذاہب میں اختراعات ملتی ہیں۔

دور جدید میں مسلمانوں کے ہاں مذاہب عالم کے مطالعے میں دلچسپی کا از سر نو احیا ہوا۔اس ضمن میں بالخصوص استعماری عہد میں مسیحی مشنریوں کی سرگرمیوں اور مغربی مفکرین کے مختلف ثقافتوں اور مذاہب کے مطالعات نے مہمیز کا کام کیا۔ دور جدید میں مسلم مفکرین کے قلم سے مذاہب عالم کے مطالعات کے حوالے سے بہت سے وقیع علمی کام منظر عام پر آئے ہیں۔ان مطالعات میں اگرچہ مختلف اسالیب ملتے ہیں، تاہم برصغیر میں دور استعمار میں مختلف مذاہب کے پیروکاروں کے درمیان کشمکش سے پیدا ہونے والے ماحول کے پس منظر میں مناظرانہ اسلوب زیادہ غالب نظر آتا ہے۔

زیر نظر کورس ''مسلم مفکرین کی مطالعۂ مذاہب عالم میں خدمات I'' میں لگ بھگ عہد نبوی ﷺ سے بیسویں صدی سے تعلق رکھنے والے برصغیر کے چنیدہ مگر اہم مسلم اہل علم کی مطالعہ ادیان میں خدمات کا تعارف پیش کیا جارہا ہے۔اس کورس کو تیار کرنے میں جن حضرات کا تعاون حاصل رہا، شعبہ مطالعات بین المذاہب ان کا تہہ دل سے شکر گزار ہے، بالخصوص پروفیسر ڈاکٹر عاصم نعیم (سیرت چیئر) انسٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز، پنجاب یونیورسٹی، لاہور اور ڈاکٹر حسن بیگ ہمارے شکریے کے مستحق ہیں۔امید ہے کہ شعبے کے طلبہ وطالبات بالخصوص اور اہل علم بالعموم اس کتاب سے استفادہ کریں گے۔

پروفیسر ڈاکٹر غلام شمس الرحمٰن

چیئرمین، شعبہ مطالعات بین المذاہب

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

کورس کا تعارف

مذہب کی تعریف اس کا واضح تعین اتنا آسان نہیں جتنا بادی النظر میں معلوم ہوتا ہے۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ مذہب کوئی یک جہتی مظہر نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج تک اس کی تعریف پر اہلِ علم متفق نہیں ہو سکے ہیں۔ مذہب کے نام کے ساتھ ہی پہلا تصور ہمارا مذاہب کی طرف جاتا ہے کیونکہ مذہب سے سابقہ ہم کو ایک تاریخی مظہر کی حیثیت سے ہوتا ہے۔ دنیا کے بڑے مذاہب انسانی تہذیب کا ایک جزو ہیں اور ان عظیم مذاہب کے ساتھ ساتھ ایسی چھوٹی مذہبی جماعتیں ہیں جن کی اپنی خصوصیات ہیں اور جن کی مذہبی انفرادیت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اس لیے ایک مذہب کے محقق کا یہ کہنا کسی حد تک صحیح ہے کہ ہم مذہب کو مذاہب ہی کے اندر ڈھونڈ سکتے ہیں۔ اسی کے ساتھ ہر مذہب کے اندر مختلف قسم کے رجحانات پائے جاتے ہیں۔ جن کا تعلق عقائد کی تعیین و توضیح اور ان عقائد پر مبنی مذہبی اعمال و رسوم سے ہوتا ہے۔ یعنی ایک طرف تو مذہب کچھ متعین عقائد پر دلالت کرتا ہے جیسے وجودِ خدا پر ایقان، آخرت پر، جزا و سزا پر ایمان وغیرہ۔ دوسری طرف اس کا اظہار مقررہ عبادات کے مخصوص طریقوں پر بجالانے اور اخلاقی اوامر و نواہی کی تکمیل میں ہوتا ہے۔ لیکن اگر ہم مذہب پر زیادہ غائر نظر ڈالیں اور ہماری نگاہ صرف اس مذہب تک محدود نہ ہو جس میں ہم پیدا ہوئے ہیں تو ہم کو ان اختلافات کا بھی شدت سے احساس ہوتا ہے، جو تاریخی مذاہب میں پائے جاتے ہیں۔ اور ان اشتراکات کا بھی جو ان اختلافات کے باوجود مختلف مذاہب میں موجود ہوتے ہیں۔ تو پھر یہ سوال خود بخود پیدا ہوتا ہے کہ وہ کیا عنصر ہے جو تمام مذاہب میں مشترک ہے اور جس کی بنا پر ہم مذہب کے اس مظہر کو، جہاں شخصی ذاتِ مطلق کا تصور بنیادی حیثیت رکھتا ہے (جیسے یہودیت، مسیحیت، و اسلام) اور اس مظہر کو بھی جس کی اساس محض غیر شخصی حقیقت ہے اور جس کا صرف سلبی طور پر اظہار ممکن ہے (جیسے کہ بدھ مت)، مذہب کا نام دیتے ہیں۔

مذہب اور دین، عام طور پر مترادف بولے اور سمجھے جاتے ہیں۔ اسلامی نقطہ نظر سے مطالعہ ادیان سے مراد وہ علم ہے جس میں مذاہبِ عالم کے ہادیان، کتب و تعلیمات کا ہادیءِ اسلام حضور اکرم ﷺ، صحیفۂ ہدایت یعنی قرآنِ کریم اور تعلیماتِ اسلامی سے غیر متعصبانہ اور غیر جانبدارانہ موازنہ کیا جائے۔ نیز اسلام کی حقانیت کو دلائل سے ثابت کیا جائے اور حق و باطل کے درمیان خطِ امتیاز کھینچا جائے۔ اسلام کی عقلی و نقلی فضیلت ثابت کی جائے تاکہ نئی نسلیں اور پڑھے لکھے ذہن اس پر شعوری ایمان لائیں اور ان کی زندگی میں مطلوبہ تبدیلی واقع ہو۔

زیر نظر کورس ''مسلم مفکرین کی مطالعۂ مذاہب عالم میں خدمات I'' (کورس کوڈ: 4960) بی ایس علوم اسلامیہ، تخصص مطالعات بین المذاہب کے طلبہ و طالبات کے لیے پیش کیا جا رہا ہے۔ اس کورس میں طلبہ و طالبات کو مختلف مسلم مفکرین کے مذاہب عالم کے

مطالعات اور اس حوالے سے ان کے اختیار کردہ مناہج و اسالیب سے روشناس کرایا جائے گا۔ اس ضمن میں جن مسلم اہل علم و مشاہیر کا انتخاب کیا گیا ہے وہ یہ ہیں: ابن حزم، امام ابو المنصور عبد القاہر بغدادی، البیرونی، عبد الکریم شہرستانی، ابن تیمیہ، ابن قیم، حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی الشیخ احمد فاروقی و حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، داراشکوہ، علامہ احمد رضا خان بریلوی، پیر کرم علی شاہ الازہری، علامہ سعید احمد کاظمی، علامہ غلام رسول سعیدی، علامہ حمید الدین فراحی، علامہ عبد الرحمن کیلانی اور مولانا اشرف علی تھانوی۔

اس کورس میں ان مفکرین کی مختصر سوانح، مطالعہ مذاہب میں ان کی خدمات اور اہم کتب و کارناموں کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہ کورس بعنوان: "مسلم مفکرین کی مطالعۂ مذاہب عالم میں خدمات جو کہ راقم اور اس کے ساتھ دیگر شریک مولفین کا تحریر و تدوین کردہ ہے۔ یہ کورس ایک تعارف اور نو یونٹس پر مشتمل ہے ۔ تعارف میں تقریظ، پیش لفظ، کورس تعارف اور مقاصد پر مشتمل ہے۔ پہلے یونٹ میں عہد نبوی ﷺ اور عہد صحابہ میں بین المذاہب مکالمہ کو جامع انداز میں بیان کیا گیا ہے جبکہ دوسرے یونٹ میں ابن حزم اور اامام ابو المنصور عبد القاہر بغدادی کی خدمات پر مشتمل ہے کے مطالعہ پر مشتمل ہے۔۔ تیسرا یونٹ البیرونی کی خدمات و مطالعہ پر مشتمل ہے۔ چوتھے اور پانچویں یونٹ میں علامہ عبد الکریم شہرستانی، ابن تیمیہ، ابن قیم کی خدمات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ علاوہ ازیں چھٹے یونٹ میں گیارہویں صدی کی عظیم شخصیت مجدد ہزارہ دوم حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کی مطالعۂ مذاہب میں کی زریں خدمات کو پیش کیا گیا ہے۔ سات یونٹ میں داراشکوہ اور آٹھواں یونٹ چودھویں صدی کے مجدد علامہ امام احمد رضا خان، پیر کرم علی شاہ الازہری، علامہ سعید احمد کاظمی اور علامہ غلام رسول سعیدی رحمہ اللہ علیہم اجمعین کی مطالعۂ مذاہب میں خدمات پر مشتمل ہے اور نواں یونٹ پروفیسر داکٹر عاصم نعیم کی کاوش ہے ، جس میں علامہ حمید الدین فراہی، علامہ عبد الرحمن کیلانی اور مولانا اشرف علی تھانوی کی خدمات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

آخر میں اللہ تعالی کا بے حد و بے حساب شکر ہے جس کی توفیق و عنایات سے یہ کورس مرتب ہوا اور تکمیل کو پہنچا۔ میں اپنے پیارے نبی خاتم النبیین، مخبر صادق حضرت سیدنا محمد مصطفی ﷺ کی نظرِ کرم کا ہر گھڑی احسان مند ہوں جس کی بدولت مجھ پر ہمہ وقت اللہ تعالی کی رحمت سایہ فگن رہتی ہے۔

جناب عزت مآب شیخ الجامعہ پروفیسر ڈاکٹر ناصر محمود، رئیسِ کلیہ، صدرِ شعبہ پروفیسر ڈاکٹر غلام شمس الرحمن، ڈاکٹر حافظ محمد سجاد اور ان تمام صاحبان علم و دانش کی راہنمائی اور سرپرستی کے لیے سپاس گزار ہوں۔ نیز محترمہ حافظہ حفصہ مجید لیکچرار شعبہ علوم اسلامیہ او پی ایف کالج راولپنڈی، شمع ناز، وزیٹنگ لیکچرار، شعبہ علوم اسلامیہ، جی سی ویمن یونیورسٹی کا شکر گزار ہوں جن کا علمی تعاون میسر رہا۔ خاص طور پر برادر گرامی ڈاکٹر احمد رضا استاذ شعبہ فکر اسلامی تاریخ و ثقافت اور عثمان علی شیخ لیکچرار شعبہ مطالعات بین المذاہب کا تہہ دل سے ممنون ہوں جنہوں نے تمام یونٹس کی تیاری، نظر ثانی و اصلاح کا کام انجام دیا۔ اللہ تعالی انہیں اس کی جزائے خیر عطا فرمائے اور ہم سب کو امن و سلامتی، علمِ نافع، عمل صالح، اخلاص اور

قوت ایمان عطا فرمائے۔ وطن عزیز پاکستان کو تا قیامت امن و سلامتی اور ترقی و خوش حالی عطا فرمائے۔ دوران تحریر اگر کوئی غلطی ہو گئی ہو تو اللہ تعالیٰ اسے محض اپنے فضل و کرم سے معاف فرمائے۔

آمین بجاہ خاتم النبیّین صلی اللہ علیہ وآلہ وأصحابہ اجمعین وسلم تسلیما کثیرا کثیرا

ڈاکٹر حسن بیگ مجددی

کورس رابطہ کار /پروگرام کوآرڈینیٹر بی ایس انٹر فیتھ سٹڈیز

لیکچرر شعبہ مطالعات بین المذاہب

کلیہ عربی و علوم اسلامیہ

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد

فہرست عنوانات

یونٹ نمبر	نام یونٹ	صفحہ نمبر
یونٹ نمبر 1	عہد نبوی ﷺ اور عہد صحابہ میں بین المذاہب مکالمہ	2
یونٹ نمبر 2	ابن حزم اور الامام ابو المنصور عبد القاہر بغدادی کی مطالعۂ مذاہب میں خدمات	30
یونٹ نمبر 3	البیرونی کی مطالعۂ مذاہب میں خدمات	60
یونٹ نمبر 4	عبد الکریم شہرستانی کی مطالعۂ مذاہب میں خدمات	86
یونٹ نمبر 5	ابن تیمیہ اور ابن قیم کا مطالعۂ مذاہب	108
یونٹ نمبر 6	حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ اور شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی مطالعۂ مذاہب میں خدمات	147
یونٹ نمبر 7	شہزادہ دارا شکوہ کی مطالعۂ مذاہب میں خدمات	181
یونٹ نمبر 8	علامہ امام احمد رضا خان، پیر کرم علی شاہ الازہری، علامہ سعید احمد کاظمی اور علامہ غلام رسول سعیدی رحمہ اللہ علیہم اجمعین کی مطالعۂ مذاہب میں خدمات	224
یونٹ نمبر 9	علامہ حمید الدین فراہی، علامہ عبد الرحمن کیلانی اور مولانا اشرف علی تھانوی کی مطالعۂ مذاہب میں خدمات	305

کورس کے مقاصد

زیر نظر کورس کے مطالعے کے بعد ہمیں امید ہے کہ آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ

1. عہد نبوی ﷺ اور عہد صحابہؓ میں مکالمہ بین المذاہب پر تفصیلا بحث سے آشنا ہو سکیں۔
2. مطالعہ مذاہب کی مسلم روایت سے واقف ہو سکیں۔
3. متقدمین مسلم علما و مفکرین کی مطالعہ مذاہب عالم میں خدمات کا جائزہ لے سکیں۔
4. برصغیر کے مسلم مفکرین کے مطالعہ مذاہب میں تحقیقی اور غیر جانبدارانہ اسلوب کو جان سکیں۔
5. مسلم مفکرین کے مطالعہ مذاہب میں کلامی اور الزامی رجحان کو جان سکیں۔
6. مطالعہ مذاہب عالم میں مسلم اہل علم کے مناظرانہ و مجادلانہ اسلوب سے واقف ہو سکیں۔
7. برصغیر کے مسلم مفکرین کے مطالعہ مذاہب کے حوالے سے مطبوعہ کام سے آگاہ ہو سکیں۔

یونٹ نمبر1

عہد نبوی ﷺ اور عہد صحابہؓ میں بین المذاہب مکالمہ

مؤلف: ڈاکٹر حسن بیگ، حافظہ حفصہ مجید

نظر ثانی: پروفیسر ڈاکٹر غلام شمس الرحمن، عثمان علی شیخ

فہرست مضامین

عنوانات	صفحہ نمبر
یونٹ کا تعارف	4
یونٹ کے مقاصد	5
تعارف	6
عہد نبوی ﷺ اور عہد صحابہؓ میں بین المذاہب مکالمہ	7
قرآن کریم اور بین المذاہب مکالمہ	8
رسول کریم ﷺ اور عتبہ بن ربیعہ کا مکالمہ	10
رسول کریم ﷺ اور یہودی علماء کا مکالمہ	12
رسول کریم ﷺ اور عیسائی وفد کا مکالمہ	14
صحابہ کرامؓ اور بین المذاہب مکالمہ	16
مصعب بن عمیرؓ اور اسید بن حضیر کا مکالمہ	18
عمرو بن العاص اور شاہان عمان کا مکالمہ	19
حاطبؓ اور شاہ مصر کا مکالمہ	22
زہرہؓ اور رستم کا مکالمہ	24
ہشام اور شاہ روم کا مکالمہ	26
حضرت علیؓ اور عیسائی پادری کا مکالمہ	27
خود آزمائی	28
جوابات	29
مصادر و مآخذ/مزید مطالعہ	29

یونٹ کا تعارف

دین اسلام ایک ایسا فطری اور عالمگیر مذہب ہے جس کے اصول و فرامین قیامت تک کے لوگوں کے لیے شمع ہدایت کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جبکہ دیگر الہامی مذاہب تحریف کا شکار ہو کر ضلالت و گمراہی کے گڑھوں میں جا پڑے۔ مگر قرآن مجید واحد کتاب ہے جو تقریباً ساڑھے چودہ سو سال گزر جانے کے باوجود ہر طرح کی تحریف سے پاک ہے، کیونکہ اس کی حفاظت کی ذمہ داری خود اللہ تعالیٰ نے اٹھائی ہے۔ دین اسلام کو نیست و نابود کرنے کے لیے دشمنان اسلام نے کوئی کسر نہیں چھوڑی اور آج اگر موجودہ دور کو کفر و الحاد کا دور کہا جائے تو یہ ایک ایسی حقیقت کا اظہار ہو گا، جسے ہم چشمِ سر سے دیکھ رہے ہیں۔ ہدایت و ضلالت کی کشمش روز اوّل سے ہے، مگر کفر و الحاد کو ایسا ہمہ گیر اثر و رسوخ کسی زمانے میں حاصل نہ ہوا تھا جیسا موجودہ زمانہ میں ہے۔ کفر نے دنیا کے بڑے حصے پر حاکمانہ اقتدار حاصل کر لیا، کہیں تعلیم و تہذیب کی راہ سے، کہیں افکار و نظریات کی راہ سے، کہیں سائنس و فلسفہ کی راہ سے اور کہیں سیاست و حکومت کی راہ سے اسلام پر یلغار کی ہے۔ مسلمانوں کی موجودہ نسل تعلیم گاہوں سے تعلیم یافتہ ہو کر بھی یا تو اسلام سے ناآشنا ہیں یا پھر موجودہ سائنسی و سیاسی افکار و نظام سے متاثر ہو کر اسلام کی طرف سے احساس کمتری کا شکار ہوتی ہے۔

عہد نبوی ﷺ اور عہد صحابہؓ میں بین المذاہب مکالمہ کو سمجھنے کے لیے قرآنی اسلوب کا جاننا ضروری ہے۔ تاکہ طرز صحابہ کرامؓ اور متفرق مذاہب کے ماننے والوں کے عقائد و تعلیمات کو سمجھا جا سکے۔ جہاں عقائد اور تعلیمات میں خرابی دَر آئی اور کتب و صحائف میں تحریف و تبدیلی ہو گئی تو ان نفوس قدسی شخصیات نے کس طرح سے اپنے رب العالمین اور مخبر صادق ﷺ کی دی ہی ہوئی تعلیمات کے مطابق مکالمہ کو اختیار کیا اور اسلام کی اشاعت میں اہم سبب بنے۔ اس یونٹ میں طلباء عہد نبوی ﷺ اور عہد صحابہؓ میں بین المذاہب مکالمہ سے متعلق اہم معلومات سے استفادہ کریں گے۔

یونٹ کے مقاصد

امید ہے کہ اس یونٹ کے مطالعے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ

1. مطالعۂ مذاہب کا قرآنی اسلوب جان سکیں۔
2. عہد نبوی ﷺ میں بین المذاہب مکالمہ سے واقفیت حاصل کر سکیں۔
3. عہد صحابہؓ میں بین المذاہب مکالمہ سے آگاہی حاصل کر سکیں۔
4. قرآنی فرامین کی روشنی میں مطالعۂ مذاہب کے تحقیقی اسلوب سے آگاہی حاصل کر سکیں۔
5. مطالعۂ مذاہب کے مکالمہ و قرابت کے اسلوب سے واقفیت حاصل کر سکیں۔
6. مطالعۂ مذاہب کے الزامی اسلوب پر سیر حاصل بحث کر سکیں۔
7. مطالعۂ مذاہب کے مناظرانہ اسلوب پر اظہارِ خیال کر سکیں۔

تعارف:

انسان مدنی الطبع ہے، وہ اپنی معاشرت اور تمدن میں مذہب کا محتاج ہے۔ مذہب سے مراد وہ روحانی تعلق ہے جو خالقِ کائنات کا انسان کے ساتھ وحی کے ذریعے قائم ہوتا ہے۔ دنیا میں آنے والا پہلا انسان اللہ تعالیٰ کا پیغمبر بھی تھا جو نسل انسانی کے لیے ہدایت و رہنمائی کا سرچشمہ بنا۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کا ہر پیغمبر وحی الٰہی سے مستفید ہو کر صراطِ مستقیم کی تلقین کرتا رہا۔ ہدایت کے ساتھ گمراہی، نور کے ساتھ ظلمت کا سفر بھی جاری رہا کہ شیطان لوگوں کو رحمٰن و رحیم کے راستے سے ہٹا کر اپنے راستے پر چلاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی معرفت انسان کی فطرت میں شامل ہے جو عقیدۂ توحید کی صورت میں ہر پیغمبر کی تعلیم کا لازمی جزو رہی ہے۔ شرک اور دیگر گمراہیاں بعد کی پیداوار ہیں۔ ان گمراہیوں کے سدّباب اور انسانیت کو راہ ہدایت پر ڈالنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ہر دور میں انبیاء و رسل مبعوث فرمائے۔ کوئی قوم، علاقہ اور زمانہ ایسا نہیں تھا جس میں اللہ تعالیٰ کے رسول نہ آئے ہوں۔ قرآن حکیم نے اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ۔ (الرعد:7)۔

(ہر قوم کے لیے رہنما بنائے گئے ہیں)

دوسری جگہ فرمایا:

وَإِن مِّنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ ۔ (فاطر:24)

(اور کوئی امت ایسی نہیں جس میں کوئی ڈرانے والا نہ گزرا ہو)

اس آیت کے مصداق جہاں بھی نسل انسانی آباد ہے وہاں اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام بھیجے یا ان کا پیغام بھیجا تاکہ اتمامِ حجّت ہو سکے۔

یہ پیغام وحی کی صورت میں انبیائے کرام پر کتب اور صحائف کی صورت میں نازل فرمایا گیا۔ ان انبیائے کرام اور ان کی کتب پر ایمان لانا لازم ٹھہرا، مگر وقت کے ساتھ ساتھ گمراہیاں بھی راہ پا گئیں اور انبیا کی تعلیمات سے انحراف ہوتا چلا گیا۔ بلکہ آسمانی کتب میں بھی تحریفات ہوتی چلی گئیں۔

قرآنِ حکیم نے ان تمام گروہوں اور ان کے عقائد کا ذکر نہایت تفصیل سے کیا ہے جو راہ حق سے ہٹ گئے۔ شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے ایسے گروہوں کی تعداد چار بتائی ہے۔ ان میں مشرکین، یہود، نصاریٰ اور منافقین شامل ہیں۔ اگر دیکھا جائے تو زمرۂ مشرکین میں دنیا کے تمام اصنام پرست گروہ آجاتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے علاوہ غیروں کو معبود مانتے ہیں۔

شاہ ولی اللہؒ نے اپنی کتاب **الفوز الکبیر** میں ایسے تمام گروہوں کے عقائد و تعلیمات کا ایک اصول بھی بتا دیا ہے اور وہ یہ ہے کہ پہلے قرآن حکیم ان کے باطل عقائد کو واضح کرتا ہے اور ان کی تمام تر تفصیلات مہیا کرتا ہے، پھر ان کی تردید کرتا ہے۔ یہ تردید عقل و نقل کے حوالے سے مدلّل ہوتی ہے۔ان مذاہب اور گروہوں سے بحث کرنے والوں کو متکلم قرار دیا گیا ہے۔

برّصغیر، جو دنیا کی آبادی کا بہت بڑا حصّہ اور نہایت قدیم تہذیب ہے، اس میں مذاہب کے حوالے سے غیر معمولی تنوّع پایا جاتا ہے۔ کچھ مذاہب ایسے ہیں جنھوں نے اسی دھرتی پر جنم لیا اور کچھ مذاہب ایسے ہیں جو ہندوستان سے باہر وارد ہوئے۔

مسلمانوں نے جب ہندوستان کی سر زمین پر قدم رکھا تو ان کا واسطہ ان تمام مذاہب سے پڑا جو یہاں پہلے سے موجود تھے، وہ ہندومت، بدھ مت اور جین مت کی صورت میں تھے۔ مسلمانوں نے دعوتی نقطہ نظر سے اور علمی نقطہ نظر سے بھی اہل ہند سے تعامل کیا۔اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) اور مجوس سے تو مسلمانوں کا پہلے ہی واسطہ تھا مگر ہندوستانی مذاہب اور ان کے باشندوں سے پہلی مرتبہ سابقہ پیش آیا تھا۔

علما و فقہا اور متکلمین نے یہاں کے مذاہب کا مطالعہ کس نہج سے کیا، ہمارے خیال میں اب تک درج ذیل مناہج سامنے آتے ہیں۔

عہد نبوی ﷺ اور عہد صحابہؓ میں بین المذاہب مکالمہ:

اس دنیا میں عقیدہ و تہذیب کی رنگا رنگی پائی جاتی ہے، فکر و خیال کا تنوع بکثرت پایا جاتا ہے۔ یہاں عقیدہ و عمل اور فکر و نظر کا اختلاف ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔اسے کسی طاقت کے ذریعہ ختم نہیں کیا جا سکتا۔ دنیا کے زندہ مذاہب میں اسلام آخری مذہب ہے جو تہذیب و عقیدہ کے اس اختلاف کو نہ صرف تسلیم کرتا ہے بلکہ اسے منشائے الٰہی سمجھتا ہے۔قرآن کہتا ہے:

وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَا يَزَالُونَ مُخْتَلِفِينَ
(ھود:118)

تیرا رب اگر چاہتا تو انسانوں کو ایک گروہ بنا سکتا تھا، مگر اب تو وہ مختلف طریقوں ہی پر چلتے رہیں گے۔

اسلام مومنوں کو جس طرح اپنے مذہبی شعائر اور شخصیات کا احترام کرنے کی تلقین کرتا ہے۔اسی طرح دوسرے مذاہب اور ان کی شخصیات کے ساتھ ہمدردی، رواداری اور احترام کا رویہ اختیار کرنے کا حکم دیتا ہے۔

قرآن کہتا ہے:

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ كَذَٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ أُمَّةٍ عَمَلَهُمْ
(الانعام:108)

(اے ایمان والو!) یہ لوگ اللہ کے سوا جن کو پکارتے ہیں انھیں گالیاں نہ دو، کہیں ایسا نہ ہو یہ جہالت کی بنا پر اللہ کو گالیاں دینے لگیں۔ ہم نے تو اسی طرح ہر گروہ کے لیے اس کے عمل کو خوشنما بنا دیا ہے۔

قرآن کریم مسلمانوں کو اسلامی عقائد اور اصول واحکام پر عمل کی تاکید کرنے کے ساتھ دوسرے لوگوں کو اس سے آگاہ کرنے اور ان کو دعوت دینے کی تلقین کرتا ہے۔ وہ عقیدہ کا اظہار کرنے اور اس کی تبلیغ کرنے میں معقول انسانی رویہ اپنانے کی نصیحت کرتا ہے۔ ابلاغ و ترسیل اور دعوت و تبلیغ میں زور زبردستی، دھونس، دھاندلی اور جبر و تشدد کی وہ نفی کرتا ہے۔ کیوں کہ فکر و نظر کی آزادی اور دو قبول کا اختیار انسان کا بنیادی حق ہے اور اس حق سے اسے محروم نہیں کیا جاسکتا۔ زور زبردستی اور طاقت کے زور پر جو عقیدہ منوایا جائے گا وہ طاقت کے کمزور پڑنے پر بدل جائے گا۔ چنانچہ قرآن کہتا ہے:

الْأَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيعاً أَفَأَنتَ وَلَوْ شَاء رَبُّكَ لَآمَنَ مَن فِي تكْرِهُ النَّاسَ حَتَّى يَكُونُوا مُؤْمِنِين
(یونس:99)

اور اگر تمہارا رب چاہتا تو زمین میں بسنے والے تمام لوگ ایمان لے آتے۔ تو کیا تم لوگوں کو مجبور کروگے کہ وہ مومن ہو جائیں۔

قرآن کریم اور بین المذاہب مکالمہ:

اسلام اپنے ماننے والوں کو دوسرے مذاہب کے ساتھ افہام و تفہیم، مذاکرہ و مکالمہ اور حکمت و نصیحت کا راستہ اختیار کرنے کی تاکید کرتا ہے۔ کیوں کہ یہی پرامن بقائے باہمی کا ذریعہ ہے اور یہی سچے مذہب کا طریقہ ہے:

ادْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَن ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينِ
(النحل:125)

اے نبی! اپنے رب کے راستے کی طرف دعوت دو حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ لوگوں سے مباحثہ کرو ایسے طریقہ سے جو بہترین ہو۔ تمہارا رب ہی زیادہ بہتر جانتا ہے کہ کون اس کی راہ سے بھٹکا ہوا ہے اور کون راہ راست پر ہے۔

مختلف مذاہب میں عقیدہ و عمل، سماجی اصول اور طور و طریق کی بہت سی چیزیں مختلف ہوتی ہیں اور بہت سی باتیں باہم مشترک بھی ہوتی ہیں۔ اہل مذاہب میں عموماً اتفاق و مطالعہ مذاہب کی اسلامی روایت اشتراک کی شکلیں کمزور ہو جاتی ہیں اور اختلاف و عناد کی باتیں زیادہ ابھر کر سامنے آتی ہیں۔ اسلام چاہتا ہے کہ اہل مذاہب کو ان کی مشترکہ وراثت اور متحدہ تعلیمات کے حوالے سے مذاکرہ اور مباحثہ کی دعوت دی جائے اور قدر مشترک کی بنیاد پر افہام و تفہیم اور تعاون کا عمل آگے بڑھایا جائے۔

چنانچہ یہود و نصاری کو مخاطب کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے:

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ كَلَمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا شَيْئاً وَلَا يَتَّخِذَ أَرْبَاباً مِّن دُونِ اللَّهِ تَعَالَوْا إِلَى وَبَيْنَكُمْ أَلَّا أَشْرِكَ بِهِ بَعْضُنَا بَعْضاً فَإِن تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا

کہو، اے اہل کتاب! آؤ اس کلمہ کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے۔ یہ کہ ہم اللہ کے علاوہ کسی اور کی عبادت نہ کریں

بِأَنَّا مُسْلِمُونَ
(آل عمران:64)

اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں اور ہم میں سے بعض بعض کو اللہ کے علاوہ اپنا رب نہ بنالے۔ پس اگر وہ لوگ مکر جائیں تو کہو کہ گواہ رہنا کہ ہم مسلمان ہیں۔

قرآن پاک بین المذاہب مکالمہ میں تہذیب و شائستگی اور باہمی احترام کو غیر معمولی اہمیت دیتا ہے۔ افہام و تفہیم اگر سنجیدہ علمی اور تہذیبی ماحول میں ہو تو اس کی افادیت ہے اور اگر تعصب و عناد کے ماحول میں ہو اور ایک دوسرے کی توہین و تذلیل کے پیش نظر ہو تو یہ نقصان دہ ہے۔ اسی لیے قرآن نے مومنوں کو ہدایت کی ہے:

وَلَا تُجَادِلُوا أَهْلَ الْكِتَابِ إِلَّابِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ إِلَّا الَّذِينَظَلَمُوا مِنْهُمْ وَقُولُوا آمَنَّابِالَّذِي أُنزِلَ إِلَيْنَا وَأُنزِلَ إِلَيْكُمْ وَإِلَهُنَا وَإِلَهُكُمْ وَاحِدٌ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ
العنکبوت : 46

اور اہل کتاب سے بحث نہ کرو مگر عمدہ طریقہ سے، سوائے ان لوگوں کے جو ان میں ظالم ہیں اور کہو کہ ہم ایمان لائے اس کتاب پر جو ہماری طرف نازل ہوئی اور اس کتاب پر جو تمہاری طرف نازل ہوئی اور ہمارا اور تمہارا معبود ایک ہی ہے اور ہم اسی کے فرماں بردار ہیں۔

قرآن کریم میں انبیاء علیہم السلام کی دعوت و تبلیغ کے ساتھ ان کے مکالموں کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے جو اپنی قوم کے سربرآوردہ لوگوں سے، مذہبی پجاریوں سے اور حکمران وقت سے انھوں نے کیا تھا۔ اس سلسلہ میں حضرت نوح کا مکالمہ قوم کے سربراہوں سے، حضرت ابراہیم کا مکالمہ اپنے باپ آذر، اپنی قوم کے پجاری اور حکمراں نمرود سے اور حضرت موسیٰ کا مکالمہ فرعون سے بہت مشہور ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں قرآن میں ارشاد ہے:

وَتِلْكَ حُجَّتُنَا آتَيْنَاهَا إِبْرَاهِيمَ عَلَى قَوْمِهِ نَرْفَعُ دَرَجَاتٍ مَّن نَّشَاءُ إِنَّ رَبَّكَ حَكِيمٌ عَلِيم
(الانعام:83)

یہ ہماری دلیل ہے جو ہم نے ابراہیم کو اس کی قوم کے مقابلہ میں عطا کی، ہم جس کے چاہتے ہیں مرتبے بلند کرتے ہیں، بے شک تمہارا رب حکیم و علیم ہے۔

حضرت ابراہیم اور نمرود بادشاہ کے درمیان جو مکالمے ہوئے ان میں سے ایک مکالمہ کا تذکرہ کرتے ہوئے قرآن پاک میں ارشاد ہے:

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِي حَاجَّ إِبْرَاهِيمَفِي رَبِّهِ أَنْ آتَاهُ اللهُ الْمُلْكَ إِذْ اقَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّيَ الَّذِي يُحْيِنُوَيُمِيتُ قَالَ أَنَا أُحْيِي وَأُمِيتُقَالَ إِبْرَاهِيمُ فَإِنَّ اللَّهَ يَأْتِيبِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَأْتِ بِهَامِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِى كَفَرَوَاللَّهُ

کیا تم نے اس شخص کو نہیں دیکھا جس نے براہیم سے اس کے رب کے بارے میں مباحثہ کیا، اس وجہ سے کہ اللہ نے اسے حکومت عطا کی تھی۔ جب ابراہیم نے کہا کہ میرا رب تو وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور

لا یَھْدِی الْقَوْمَ الظّالِمِینَ
(البقرہ:258)

موت دیتا ہے۔ تو اس نے کہا کہ میں بھی جلاتا اور مارتا ہوں۔ ابراہیم نے کہا کہ بے شک اللہ سورج کو مشرق سے طلوع کرتا ہے تو مغرب سے طلوع کر دے۔ تو وہ کافر حیران رہ گیا اور اللہ ظالم لوگوں کو سیدھی راہ نہیں دکھاتا۔

حضرت ابراہیم کا جو مکالمہ اپنے باپ آذر اور اپنی قوم کے پجاریوں سے توحید اور بت پرستی کے بارے میں ہوا، قرآن پاک میں اسے مفصل بیان کیا گیا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے:

جب ابراہیم نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا کہ یہ کیسی مورتیاں ہیں جن کے تم پجاری بنے بیٹھے ہو؟ ان لوگوں نے کہا کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو انہی کی پوجا کرتے ہوئے پایا۔ ابراہیم نے کہا کہ تم اور تمہارے باپ دادا صریح گمراہی میں ہیں، ان لوگوں نے کہا کہ تم ہمارے پاس حق لائے ہو یا تم کھلواڑ کر رہے ہو۔ ابراہیم نے کہا کہ تمہارا رب وہی ہے جو آسمان وزمین کا رب ہے، جس نے ان کو پیدا کیا اور میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں۔ الانبیاء(52-56)

رسول کریم ﷺ اور عتبہ بن ربیعہ کا مکالمہ:

رسول کریم اور کفار مکہ کے درمیان بہت سے مکالمے ہوئے۔ سیرت کی کتابوں میں ان کی تفصیل موجود ہے۔ ایک مکالمہ کی تفصیل درج ذیل ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہ روایت کرتے ہیں کہ ایک دن قریش کے سر برآوردہ لوگ جمع ہوئے اور باہم مشورہ کیا کہ دیکھو ہم میں سے کون آدمی ایسا ہے جو جادو، کہانت اور شعر گوئی میں سب سے زیادہ ماہر ہے۔ وہ اس آدمی (محمد ﷺ) کے پاس جائے جس نے ہماری جماعت میں پھوٹ ڈال دی ہے۔ ہمارے کام کو منتشر کر دیا ہے۔ ہمارے مذہب میں عیب لگایا ہے۔ وہ اس سے بات کرے اور دیکھے کہ وہ کیا جواب دیتا ہے۔ قریش کے لوگوں نے متفقہ طور پر کہا کہ عقبہ بن ربیعہ کے علاوہ کوئی آدمی اس صلاحیت کا نہیں ہے۔ کفار قریش نے عقبہ بن ربیعہ سے مخاطب ہو کر کہا کہ آپ محمدؐ کے پاس جائیں اور گفتگو کریں۔ (عقبہ ابوسفیان کا خسر تھا، عقلمند اور دولت مند تھا)۔

چنانچہ عقبہ بن ربیعہ محمد کے پاس آیا اور کہا کہ اے محمد آپ بہتر ہیں یا عبدالمطلب؟ محمد خاموش رہے۔ پھر عقبہ نے کہا کہ آپ بہتر ہیں یا عبداللہ کی ماں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے۔ تب عتبہ بن ربیعہ نے کہا کہ اگر آپ سمجھتے ہیں کہ یہ لوگ آپ سے بہتر تھے تو یہ لوگ ان خداؤں کی پوجا کرتے تھے جن کی میں پوجا کرتا ہوں۔ اور اگر آپ سمجھتے ہیں کہ آپ ان لوگوں سے بہتر ہیں تو آپ بتائیں تاکہ میں آپ کی بات بھی سنوں خدا کی قسم میں نے آپ سے زیادہ کسی کو ناسمجھ نہیں دیکھا جو اپنی قوم پر شامت لایا ہو۔ آپ نے ہماری جماعت میں پھوٹ ڈال دی اور ہمارے نظام کو منتشر کر دیا۔ ہمارے مذہب میں عیب لگایا اور ہمیں پورے عرب میں رسوا کر دیا۔ یہاں تک کہ ہر جگہ یہ بات مشہور

ہو گئی کہ قریش میں ایک جادو گر اور کاہن پیدا ہوا ہے۔ خدا کی قسم ہم تو اس بات کے منتظر ہیں کہ ہم میں سے بعض دوسرے کو اپنی تلوار سے ختم کر دے۔

اے آدمی! اگر تم محتاج ہو تو ہم تمہارے لیے مال جمع کریں گے یہاں تک کہ تم قریش کے سب سے مالدار آدمی بن جاؤ گے اور اگر تمہیں شادی کی ضرورت ہے تو قریش کی حسین لڑکیوں کو چاہو پسند کر لو، ہم دس لڑکیوں سے تمہاری شادی کر دیں گے۔ جب عقبہ اپنی بات مکمل کر چکا تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا آپ اپنی بات سے فارغ ہو چکے؟ اس نے کہا ہاں! تب محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے عقبہ کی تقریر اور پیش کش کے جواب میں قرآن کریم کی سورہ (حم سجدہ) فصلت کی تیرہ آیتیں سنائیں جن کا ترجمہ حسب ذیل ہے:

تم۔ یہ خدائے رحمان ورحیم کی طرف سے نازل کردہ کتاب ہے جس کی آیات خوب کھول کر بیان کی گئی ہیں۔ عربی زبان میں قرآن ان لوگوں کے لیے ہے جو علم رکھتے ہیں۔ خوش خبری دینے والا اور ڈرانے والا۔ مگر ان میں سے اکثر لوگوں نے رو گردانی کی اور وہ سن کر نہیں دیتے۔ اور کہتے ہیں کہ تم جس چیز کی طرف ہم کو بلاتے ہو اس کے لیے ہمارے دلوں پر غلاف چڑھے ہوئے ہیں۔ ہمارے کان بہرے ہو گئے ہیں اور ہمارے اور تمہارے درمیان ایک پردہ حائل ہو گیا ہے۔

تم! اپنا کام کرو ہم اپنا کام کریں گے۔ اے نبی ان سے کہو کہ میں تمہارے جیسا انسان ہوں؟ میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود ایک خدا ہے۔ لہذا تم سیدھے اس کی طرف متوجہ ہو جاؤ اور اس سے مغفرت طلب کرو۔ اور تباہی ہے مشرکوں کے لیے جو زکوۃ نہیں دیتے اور آخرت کا انکار کرتے ہیں۔ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جن لوگوں نے عمل صالح کیا ان کے لیے نہ ختم ہونے والا اجر ہے۔ اے نبی! ان سے کہو کہ کیا تم اس خدا کا انکار کرتے ہو جس نے زمین کو دو دنوں میں بنایا اور اس کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہراتے ہو۔ وہی ایک خدا سارے جہاں کا پروردگار ہے۔ اسی نے زمین کے اوپر پہاڑ گاڑ دیے اور اس میں برکتیں رکھیں اور اس میں سب کے لیے رزق رکھ دیا۔ یہ سب کام چار دنوں میں ہوئے۔ سب مانگنے والوں کے لیے۔ پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا جو اس وقت دھواں تھا۔ اس نے آسمان اور زمین سے کہا کہ آجاؤ خوشی سے یا ناپسندیدگی سے۔ دونوں نے کہا ہم فرماں بردار بن کر آئے۔ تب اس نے دو دنوں میں سات آسمان بنا دیے اور ہر آسمان کو اس کا امر وحی کر دیا۔ اور دنیا کے آسمان کو چراغوں سے آراستہ کیا اور محفوظ کر دیا۔ یہ سب کچھ ایک غالب اور علیم خدا کا منصوبہ ہے۔

پس اگر یہ لوگ منہ موڑتے ہیں تو ان سے کہہ دو کہ میں تم کو اسی طرح - زان کے ٹوٹ پڑنے والے عذاب سے ڈراتا ہوں جیسا عاد اور ثمود پر نازل ہوا تھا۔ (حم السجدہ 13-1)

ان آیتوں کو سن کر عقبہ نے کہا بس کرو۔ کیا اس کے علاوہ بھی تمہارے پاس کچھ ہے؟ محمد نے فرمایا کہ نہیں۔ پھر عقبہ اٹھا اور سرداران قریش کے پاس گیا جو اس کی آمد کے منتظر بیٹھے تھے۔ عقبہ کے جاتے ہی ان لوگوں نے پوچھا کیا ہوا؟ عقبہ نے کہا تم لوگ جو باتیں کہتے ہو ان میں سے ایک بھی میں نے نہیں چھوڑی۔ سب میں نے محمدؐ سے پوچھ لیا۔ ان لوگوں نے کہا تو کیا جواب دیا؟ اس نے کہا کہ ہاں محمد نے جو کچھ کہا اسے میں

نے نہیں سمجھا سوائے اس کے کہ وہ عاد و ثمود پر نازل ہونے والے صاعقہ جیسے عذاب سے تمہیں ڈرا رہا ہے۔ سردارانِ قریش کہنے لگے، تیرا ناس ہو، وہ آدمی تم سے عربی میں بات کر رہا تھا اور تم نہیں سمجھ پائے کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔؟ عقبہ نے کہا کہ نہیں، خدا کی قسم صاعقہ کے عذاب کے علاوہ میں نے کچھ نہیں سمجھا۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ پھر عقبہ اپنے گھر چلا گیا تو ابو جہل نے کہا کہ عقبہ کو محمد کی ضیافت اچھی لگی اور اس نے محمد کا دین اختیار کر لیا۔ چنانچہ یہ سرداران قریش اس کے گھر گئے اور یہی الزام دہرایا، تب عقبہ نے ناراض ہو کر کہا کہ خدا کی قسم تم جانتے ہو کہ میں قریش میں سب سے زیادہ مالدار آدمی ہوں مگر میں محمد کے پاس گیا اور پوری گفتگو کی تو اس نے جواب میں جو کچھ کہا وہ نہ تو جادو ہے، نہ کہانت ہے اور نہ شعر ہے۔ پھر عقبہ نے وہ آیات دہرائیں اور محمد کو تکلیف پہنچانے سے باز رہنے کی تلقین کی اور کہا تم جانتے ہو کہ محمد جب کہتے ہیں تو وہ جھوٹ نہیں ہوتا۔ اس لیے مجھے تم لوگوں پر عذاب آنے کا ڈر ہوا۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکوں کے علاوہ یہود و نصاری سے بھی مکالمے کیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں دوسرے مذاہب کے ماننے والوں سے مذاکرہ اور مکالمہ کی متعدد مثالیں موجود ہیں۔ جن میں مشرکین، علماء یہود اور علماء نصاری سے مذہبی امور پر یعنی توحید، رسالت اور آخرت کے موضوعات پر مذاکرے ملتے ہیں۔ خاص طور پر عیسائی پادریوں سے جو مذہبی مذاکرہ ہوا اس کی تفصیل تفسیر و حدیث اور سیرت کیکتابوں میں مفصل دستیاب ہے۔

رسول کریم ﷺ اور یہودی علماء کا مکالمہ:

حضرت ثوبان بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کھڑا ہوا تھا۔ اس درمیان میں یہودیوں کا ایک بڑا عالم حاضر ہوا اور کہا السلام علیکم یا محمد، میں نے اسے دھکا دیا، اس نے کہا کہ تم نے مجھے دھکا کیوں دیا؟ میں نے کہا کہ کیا تم رسول اللہ نہیں کہہ سکتے تھے؟ اس نے کہا کہ میں نے محمد کو اسی نام سے پکارا ہے جس نام سے ان کے گھر والے پکارتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر بولے ہاں میرا نام محمد ہے جو میرے گھر والوں نے رکھا ہے۔ یہودی عالم نے کہا کہ میں آپ کے پاس کچھ سوالات لے کر آیا ہوں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے جواب سے تم کو فائدہ ہو گا۔ اس نے کہا کہ میں کان لگا کر سنوں گا۔ آپ نے فرمایا کہ سوال کرو۔

یہودی عالم نے پوچھا کہ جس دن یہ زمین (قیامت کے دن) بدل جائے گی اور آسمان بدل جائے گا، اس دن لوگ کہاں ہوں گے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ پل پر نہیں بلکہ تاریکی میں ہوں گے۔ یہودی نے عالم نے سوال کیا کہ کس کو سب سے پہلے جنت میں جانے کی اجازت دی جائے گی؟ رسول پاک نے فرمایا کہ فقراء مہاجرین کو۔ یہودی عالم نے پوچھا کہ جب وہ داخل ہوں گے تو ان کا تحفہ کیا ہو گا؟ رسول

پاک نے فرمایا کہ مچھلی کی کلیجی۔ یہودی عالم نے پوچھا کہ اس کے بعد ان کی غذا کیا ہو گی؟ رسول پاک نے فرمایا کہ ان کے لیے جنت کا بیل ذبح کیا جائے گا۔ یہودی عالم نے پوچھا کہ ان کو پینے کے لیے کیا دیا جائے گا؟ رسول پاک نے فرمایا کہ ایک چشمہ کا پانی جس کا نام سلسبیل ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جوابات سن کر یہودی عالم نے کہا کہ آپ نے بالکل ٹھیک جواب دیا۔ اس نے مزید کہا کہ میں کچھ اور سوال کرنے حاضر ہوا ہوں جن کا جواب نبی کے علاوہ کوئی نہیں جانتا یا ایک دو افراد جانتے ہیں۔ رسول پاک نے فرمایا کہ میرے جواب سے تم کو فائدہ ہو گا۔ اس نے کہا کہ میں کان لگا کر سنوں گا۔ پھر بولا کہ میں یہ سوال کرنے آیا ہوں کہ بچہ کس طرح پیدا ہوتا ہے۔ رسول پاک نے فرمایا مرد کا پانی سفید اور عورت کا پانی زردی مائل ہوتا ہے۔ جب دونوں جمع ہوتے ہیں اور مرد کا پانی عورت کے پانی پر غالب آتا ہے تو لڑکا پیدا ہوتا ہے اور جب عورت کا پانی مرد کے پانی پر غالب آتا ہے تو لڑکی پیدا ہوتی ہے اور یہ اللہ کے حکم سے ہوتا ہے۔ اس یہودی عالم نے کہا کہ آپ نے ٹھیک جواب دیا اور آپ اللہ کے نبی ہیں۔ یہ نے نبی ہیں۔ یہ کہہ کر وہ واپس چلا گیا۔

یہودی عالم اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا یا چھوٹا مکالمہ تھا۔ سوالات یہودی عالم نے کیے اور جواب رسول کریم نے دیا۔ خود رسول کریم نے یہودی عالم سے کوئی سوال نہیں کیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ یہودی عالم اپنی معلومات میں اضافہ کرنے نہیں آیا تھا بلکہ آسمانی کتابوں کا اس کے پاس کے پاس جو علم تھا اس کی روشنی میں محمد ﷺ کا امتحان لینے آیا تھا کہ وہ سچ مچ للہ کے نبی ہیں یا جھوٹے مدعی نبوت ہیں۔ جب رسول پاک ﷺ نے اس کے سوالوں کا جواب دے دیا تو اسے یقین ہو گیا کہ آپ للہ کے نبی ہیں۔

ایک مرتبہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں یہودیوں کی درس گاہ اور عبادت گاہ بیت المدراس میں تشریف لے گئے۔ وہاں کے عالموں کو اللہ پر ایمان لانے کی دعوت دی تو یہودی علماء میں سے نعمان بن عمرو اور حرث بن زید نے سوال کیا کہ اے محمد ﷺ! آپ کسی دین پر قائم ہیں؟ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا "علی ملة ابراهيم و دينه" ابراہیم کی ملت اور ان کے دین پر۔ تب ان دونوں یہودیوں نے کہا کہ ابراہیم تو یہودی تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان علماء یہود سے فرمایا کہ توریت لے کر آؤ۔ وہی ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ کرے گی۔ یہ سن کر وہ دونوں مکر گئے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کی

حسب ذیل آیت نازل فرمائی:

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيباً مِّنَ الْكِتَابِ يُدْعَوُنَ إِلَى كِتَابِ اللَّهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلَّى فَرِيقٌ مِّنْهُمْ وَهُم مُّعْرِضُونَ (آل عمران: 23)

کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو کتاب کا کچھ حصہ ملا تھا۔ جب ان کو بلایا جاتا ہے اللہ کی کتاب کی طرف تاکہ ان کے تنازع میں فیصلہ کرے تو پھر ان میں سے ایک فریق منہ پھیرتا ہے اور وہ اعراض کرنے والے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رض روایت کرتے ہیں کہ ہم لوگ مدینہ کے کھیت میں ٹہل رہے تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کھجور کی چھڑی سے ٹیک لگائے ہوئے تھے۔ وہاں کچھ یہودی آگئے۔ ان لوگوں نے آپس میں ایک دوسرے سے کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے روح کے بارے میں سوال کرو۔ دوسرے نے کہا کہ مت سوال کرو۔ وہ کوئی ایسا جواب دیں گے جو تم کو پسند نہیں آئے گا۔ پہلے نے کہا کہ ضرور پوچھو۔ چنانچہ انھوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ روح کیا ہے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے اور کوئی جواب نہیں دیا۔ میں نے جان لیا کہ آپ پر وحی آئے گی۔ چنانچہ میں اپنی جگہ کھڑا ہو گیا۔ جب وحی نازل ہوئی تو آپ نے پڑھ کر سنایا۔

يَسْئَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلا
(بنی اسرائیل: 85)

وہ لوگ آپ سے روح کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ روح میرے رب کے امر سے ہے اور تم کو بہت تھوڑا علم دیا گیا ہے۔"

رسول کریم ﷺ اور عیسائی وفد کا مکالمہ:

قرآن کریم کی سورہ آل عمران کا نزول عیسائی مسلم مذاکرات کے تناظر میں ہوا ہے۔ سورہ آل عمران کی آیت نمبر 60 کی تفسیر بیان کرتے ہوئے علامہ حافظ اسماعیل ابن کثیر لکھتے ہیں: سورہ کی ابتدا سے اس آیت تک کی شان نزول یہ ہے کہ نجران کے عیسائیوں کا ایک وفد جو ساٹھ آدمیوں پر مشتمل تھا رسول کریم ﷺ کے پاس مدینہ آیا اور نماز عصر کے وقت مسجد نبوی میں حاضر ہوا۔ جب عیسائیوں کی نماز کا وقت آیا تو وہ لوگ مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کے لیے کھڑے ہو گئے۔ نبی ﷺ نے مسجد نبوی میں ان لوگوں کو اپنے عقیدہ کے مطابق عبادت کرنے کی اجازت دی۔ عبادت سے فارغ ہو کر وفد کے ذمہ داروں میں ابو حارثہ بن علقمہ، عاقب اور عبدالمسیح نے نبی ﷺ کے ساتھ گفتگو کا آغاز کیا۔ ان لوگوں نے عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں حسب ذیل مختلف باتیں کہیں:

1. عیسیٰ علیہ السلام خدا ہیں۔
2. عیسیٰ خدا کے بیٹے ہیں۔
3. عیسیٰ تین خداؤں میں سے ایک ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خدا ہونے کی دلیل یہ دی کہ وہ مردوں کو زندہ کرتے تھے، بیماروں، نابینا اور کوڑھیوں کو شفا عطا کرتے تھے اور غیب کی خبر دیتے تھے۔ مٹی سے پرندہ کی شکل بناتے تھے، اس میں پھونک مارتے تھے تو وہ سچ مچ کا پرندہ بن جاتا تھا اور یہ سب اللہ کے حکم سے ہوتا تھا۔

خدا کا بیٹا ہونے کی دلیل یہ دی کہ حضرت عیسیٰ کے کوئی معروف باپ نہ تھے اور وہ ماں کی گود میں بات کرتے تھے جو ان سے پہلے کسی انسان نے نہیں کی۔

تثلیث یعنی تین میں سے ایک خدا ہونے کی دلیل یہ دی کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ جمع کا صیغہ استعمال کرتا ہے۔ جیسے ہم نے کیا، ہم نے حکم دیا، ہم نے پیدا کیا، ہم نے فیصلہ کیا۔ اگر خدا ایک ہوتا تو کہتا کہ میں نے کیا، میں نے حکم دیا، میں نے پیدا کیا، میں نے فیصلہ کیا، لیکن چونکہ خدا تین ہے یعنی اللہ عیسیٰ اور روح القدس اس لیے اس نے یہ انداز خطاب اختیار کیا۔ اور یہ تمام باتیں قرآن میں موجود ہیں۔

نجران کے پادری جب اپنی بات مکمل کر چکے تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو اسلام پیش کیا، تو انھوں نے کہا کہ ہم آپ سے پہلے اسلام لا چکے ہیں۔ رسول پاک نے فرمایا کہ تم کو اسلام لانے سے جو چیز روکتی ہے وہ یہ ہے کہ تم خدا کا بیٹا ہونے کا دعوی کرتے ہو، صلیب کی پوجا کرتے ہو اور خنزیر کھاتے ہو۔ عیسائی نمائندوں نے کہا تو آپ ہی بتائیے کہ عیسی کے والد کون ہیں؟ رسول اللہ ﷺ خاموش رہے۔ تب اللہ تعالیٰ نے آل عمران کی ابتدا سے اسی سے زیادہ آیت نازل کیں جن میں حضرت عیسی کی شخصیت اور عیسائیوں کے عقائد کا مفصل تذکرہ ہے

قرآن کریم کی یہ آیت جب نازل ہوئی:

اتَّخَذُو أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَاباً مِّنْ دُونِ اللَّهِ وَالْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا إِلَهًا وَاحِداً لَّا إِلَهَ إِلَّا هُوَ سُبْحَانَهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ(التوبہ:31)

تو حاتم طائی کے بیٹے حدی بن حاتم (جو پہلے مشرک تھے بعد میں عیسائی بن گئے تھے اور نبی ﷺ کے خوف سے اپنا علاقہ چھوڑ کر شام چلے گئے تھے) رسول پاک کی خدمت میں مدینہ حاضر ہوئے۔ اس وقت ان کی گردن میں چاندی کی صلیب لٹکی ہوئی تھی۔ مذکورہ آیت پڑھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ عیسائی حضرات اپنے علماء اور پادری کی عبادت نہیں کرتے۔ رسول پاک نے فرمایا کہ بے شک نہیں کرتے۔ مگر یہ علماء حرام کو حلال اور حلال کو حرام کرتے ہیں اور عیسائی حضرات ان کی پیروی کرتے ہیں۔ یہی ان کی عبادت ہے۔ رسول پاک نے عدی بن حاتم سے پوچھا کہ یہ بتاؤ کہ اگر اللہ اکبر کہا جائے تو تمہارا کیا بگڑتا ہے۔ کیا اللہ سے بڑی کوئی چیز ہے؟ اور اگر یہ کہا جائے کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں تو تمہارا کیا بگڑتا ہے، کیا اللہ کے علاوہ بھی کسی معبود کو تم جانتے ہو؟ اس مکالمہ کے بعد نبی ﷺ نے ان کو اسلام کی دعوت دی جسے انھوں نے قبول کر لیا۔

صحابہ کرامؓ اور بین المذاہب مکالمہ:

جعفر طیار اور نجاشی کا مکالمہ: رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں صحابہ کرام بھی مذہبی مکالمہ میں حصہ لیتے تھے۔ دوسرے مذاہب کے بارے میں اسلام کا نقطہ نظر پیش کرتے اور اسلامی عقائد واحکام کا تعارف پیش کرتے تھے۔ اس سلسلہ کا سب سے معروف مکالمہ حضرت جعفر طیار کا مکالمہ ہے جو افریقی ملک حبشہ کے عیسائی بادشاہ حضرت نجاشی کے دربار میں منعقد ہوا۔ مکہ میں رسول کریم ﷺ نے اسلام کی دعوت دی تو کفار مکہ نے رسول کریم، ان کے اہل خانہ اور اسلام کی دعوت قبول کرنے والوں کو سخت سزائیں دیں۔ مکہ میں ان کا جینا دشوار کر دیا۔ مشرکین مکہ کے ظلم وستم سے بچنے کے لیے رسول پاک نے اپنے صحابہ کرام کو حبشہ ہجرت کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ 73 حضرات کا قافلہ ہجرت

کر کے حبشہ چلا گیا اور نجاشی کی حکومت میں پناہ لی۔ کفار مکہ نے ان کا پیچھا کیا اور حبشہ سے ان کو واپس لانے کے لیے اپنے دو نمائندے عبداللہ بن ابی ربیعہ اور عمرو بن العاص کو بھیجا۔ ان حضرات نے بادشاہ نجاشی اور ان کے وزراء کی خدمت میں تحفے پیش کیے اور مسلمانوں کو مشرکانہ مذہب اور عیسائی مذہب دونوں کا دشمن قرار دے کر ان کو واپس مکہ بھیجنے کی درخواست کی۔

انصاف پسند بادشاہ نے کہا کہ جو لوگ میرے یہاں پناہ لینے آئے ہیں ان کو بغیر کسی گناہ کے تمہارے حوالے نہیں کر سکتا جب تک کہ میں خود ان کے مذہبی عقائد کے بارے میں تفصیل نہ معلوم کر لوں۔ چنانچہ بادشاہ نے مشرکین مکہ کے نمائندوں، عیسائی پادریوں اور اپنے درباریوں کی موجودگی میں مسلمانوں کو بلایا اور ان کے مذہب کے بارے میں سوال کیا۔ مسلمانوں کی طرف سے حضرت جعفر طیار نے جواب دیا۔ اس سوال وجواب کی تفصیل ام المومنین حضرت ام سلمہ نے اس طرح بیان فرمائی ہے:

نجاشی: یہ کون سا مذہب ہے جس کی وجہ سے تم نے اپنی قوم کا مذہب چھوڑ دیا۔ نہ میرے عیسائی مذہب کو اختیار کیا اور نہ موجودہ قوموں کے مذاہب میں سے کسی مذہب میں داخل ہوئے؟

جعفر طیار: اے بادشاہ! ہم لوگ جاہلیت میں تھے، بتوں کی پوجا کرتے تھے، مردار کھاتے تھے، بدکاری کرتے تھے، رشتہ داری کاٹ دیتے تھے، پڑوسیوں کا حق بھول جاتے تھے، ہمارا طاقت ور کمزور کو کھا جاتا تھا۔ ہماری یہی حالت تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ہم میں سے ایک رسول بھیجا، جن کے نسب سچائی، امانت اور پاکیزگی سے ہم اچھی طرح واقف ہیں۔ انھوں نے ہم کو دعوت دی کہ ہم صرف ایک اللہ کی عبادت کریں اور ہم اور ہمارے آباواجداد جو پتھروں اور بتوں کی پوجا کرتے تھے، وہ سب چھوڑ دیں۔ انھوں نے ہمیں سچائی، امانت داری، صلہ رحمی، پڑوسیوں سے حسن سلوک اور خونریزی سے پرہیز کرنے کا حکم دیا۔ ہمیں برائیوں سے، جھوٹی گواہی دینے سے یتیم کا مال کھانے سے اور پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانے سے روکا۔ ہمیں حکم دیا کہ ہم ایک خدا کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں۔ انھوں نے ہمیں نماز پڑھنے، زکوۃ دینے اور روزہ رکھنے کا حکم دیا۔ ہم نے ان کی تصدیق کی اور ان پر ایمان لائے اور جو تعلیم وہ اللہ کی طرف سے لائے ان کا اتباع کیا۔ ایک خدا کی عبادت کی، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کیا۔ جو چیزیں حرام قرار دیں ان کو حرام سمجھا، جو چیزیں حلال بتائیں ان کو حلال سمجھا۔ اس کی وجہ سے قوم ہماری دشمن بن گئی اور ہمارے اوپر ظلم ڈھایا، دین کی وجہ سے ہمیں آزمائش میں ڈالا تاکہ وہ ہمیں اللہ کی عبادت سے پھیر کر بتوں کی پوجا میں لگا دیں اور ناپاک چیزوں کو حلال سمجھنے پر مجبور کریں۔ جب انھوں نے ہم پر ظلم و تشدد کیا، ہمارا جینا دوبھر کر دیا اور ہمارے دین میں رکاوٹ بن گئے تو ہم آپ کے ملک میں نکل آئے۔ دوسروں پر آپ کو ترجیح دی اور آپ کے ہم سایہ اس امید پر بنے کہ آپ کے پاس کوئی ہم پر ظلم نہیں کرے گا۔

نجاشی: اللہ نے تمہارے نبی پر جو کچھ نازل کیا ہے، کیا اس میں سے کوئی چیز تمہارے پاس ہے؟

جعفرؓ: جی ہاں۔

نجاشی: پڑھ کر سناؤ۔

جعفرؓ: سورہ مریم کی ابتدائی آیات پڑھ کر سنائیں جن میں حضرت عیسیٰ کی ولادت کا تذکرہ ہے:

وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ مَرْيَمَ إِذِ انتَبَذَتْ مِنْ أَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًا فَاتَّخَذَتْ مِن دُونِهِمْ حِجَاباً فَأَرْسَلْنَا إِلَيْهَا رُوحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًا قَالَتْ إِنِّي أَعُوذُ بِالرَّحْمَن مِنكَ إِن كُنتَ تَقِيّاً، قَالَ إِنَّمَا أَنَا رَسُولُ رَبِّكِ لِأَهَبَ لَكِ غُلاماً زَكِيّاً، قَالَتْ أَنَّى يَكُونُ لِي غُلَامٌ وَلَمْ يَمْسَسْنِي بَشَرٌ وَلَمْ أَكُ بَغِيًّا، قَالَ كَذَلِكِ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَلِنَجْعَلَهُ آيَةً لِلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا وَكَانَ أَمْراً مَّقْضِيّاً، فَحَمَلَتْهُ فَانتَبَذَتْ بِهِ مَكَانًا قَصِيّا، فَأَجَاء هَا الْمَخَاضُ إِلَى جِذْعِ النَّخْلَةِ قَالَتْ يَا لَيْتَنِي مِتُّ قَبْلَ هَذَا وَكُنتُ نَسْياً مَّنسِيّاً، فَنَادَاهَا مِن تَحْتِهَا أَلَّا تَحْزَنِي قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيّاً، وَهُزِّي إِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسَاقِط عَلَيْكِ رُطَباً جَنِيّاً، فَكُلِي وَاشْرَبِي وَقَرِّي عَيْنًا فَإِمَّا تَرَينَّ مِنَ الْبَشَرِ أَحَداً فَقُولِي إِنِّي نَذَرْتُ لِلرَّحْمَنِ صَوْماً فَلَنْ أُكَلِّمَ الْيَوْمَ إِنسِيا، فَأَتَتْ بِهِ قَوْمَهَا تَحْمِلُهُ قَالُوا يَا مَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْئاً فَرِيّا يَا أُخْتَ هَارُونَ مَا كَانَ أَبُوكِ امْرَأَ سَوْءٍ وَمَا كَانَتْ أُمُّكِ بَغِيّا، فَأَشَارَتْ إِلَيْهِ قَالُوا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَن كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيّاً ، قَالَ إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ آتَانِيَ الْكِتَابَ وَجَعَلَنِي نَبِيّاً ، وَجَعَلَنِي مُبَارَكاً أَيْنَ مَا كُنتُ وَأَوْصَانِي بِالصَّلاةِ وَالزَّكَاةِ مَا دُمْتُ حَيّاً، وَبَرًّا بِوَالِدَتِي وَلَمْ يَجْعَلْنِي جَبَّاراً شَقِيّاً ، وَ السَّلامُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدتُّ وَيَوْمَ أَمُوتُ وَيَوْمَ أُبْعَثُ حَيّاً، ذَلِكَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ قَوْلَ الْحَقِ الَّذِي فِيْهِ يَمْتَرُونَ

(سورۃ مریم)

نجاشی نے کہا: ''بے شک یہ مذہب اور جو مذہب حضرت عیسی علیہ السلام لے کر آئے تھے وہ ایک ہی چراغ کے پرتو ہیں۔ اور کفار کے نمائندوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ تم لوگ یہاں سے چلے جاؤ۔ میں ان حضرات کو تمہارے حوالے نہیں کروں گا لیے مشرکین مکہ کے وفد نے ہار نہیں مانی اور بادشاہ کو ورغلانے کے لیے اگلے دن یہ کہا کہ یہ مسلمان حضرت عیسی بن مریم کے بارے میں بہت برا عقیدہ رکھتے ہیں۔ ان کو بلائیے اور جواب طلب کیجئے۔ اگلے دن بادشاہ نے پھر دربار میں مسلمانوں کو پادریوں کو اور مشرکین مکہ کے نمائندوں کو بلایا اور مسلمانوں سے سوال کیا:

تم لوگ حضرت عیسی بن مریم کے بارے میں کیا کہتے ہو؟

حضرت جعفر طیارؓ نے جواب دیا کہ ہم ان کے بارے میں وہی بات کہتے ہیں جس کی تعلیم ہمیں رسول اللہ علی اللہ نے دی ہے کہ وہ اللہ کے بندے ہیں، اللہ کے رسول ہیں، اس کی روح اور اس کا کلمہ ہیں جو کنواری مریم کی طرف ڈالا گیا۔"

حضرت ام سلمہؓ بیان کرتی ہیں کہ نجاشی نے یہ سن کر زمین پر ہاتھ مارا، ایک تنکا اٹھایا اور کہا کہ خدا کی قسم جو کچھ تم نے کہا ہے حضرت عیسیٰ اس سے اس تنکہ کے برابر بھی زیادہ نہ تھے۔

مصعب بن عمیرؓ اور اسید بن حضیر کا مکالمہ:

مکہ میں بیعت عقبہ اولیٰ کے بعد جسے بیعت صغریٰ بھی کہا جاتا ہے، اہل مدینہ کی درخواست پر رسول اللہ علہ نے اپنے صحابی حضرت مصعب بن عمیرہ کو اسلام کی تعلیم دینے کے لیے مدینہ بھیجا۔ حضرت معصب نے اسعد بن زرارہ کے گھر پر قیام کیا اور اپنی دعوتی سر گرمیاں شروع کیں۔ ایک دن حضرت اسعد بن زرارہ حضرت مصعب بن عمیر کو لے کر قبیلہ بنی اشہل اور قبیلہ بنی ظفر کے گھروں کا ارادہ کر کے نکلے۔ قبیلہ بنی ظفر کے ایک باغ میں داخل ہوئے جو بیر مرق کے مقام پر تھا۔ یہ دونوں حضرات وہاں بیٹھ گئے، ان کے آس پاس کچھ اور مسلمان بھی جمع ہو گئے۔ بنی اشہل کے سردار سعد بن معاذ اور اسید بن حضیر (اس وقت تک مشرک تھے) کو جب یہ معلوم ہوا تو اسعد نے اسید سے کہا، ان دونوں کے پاس چلو جو ہمارے یہاں اس لیے آئے ہیں تاکہ ہمارے کمزور لوگوں کو بے وقوف بنائیں۔ ان کو تنبیہ کرو اور ان کو ہمارے یہاں آنے سے روکو۔ خدا کی قسم اگر اسد بن زرارہ میرا رشتہ دار نہ ہوتا تو میں اس کا کام تمام کر دیتا۔ پھر وہ دونوں آگے بڑھے۔ جب سعد بن زرارہ نے اسید کو اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا تو حضرت مصعب رض سے کہا کہ یہ شخص اپنی قوم کا سردار ہے، آپ کے پاس آرہا ہے، اس کے دل میں اللہ کی صداقت ڈال دیجئے۔ اسید غصہ میں آکر کھڑے ہوئے اور بولے کہ کیا تم دونوں یہاں اس لیے آئے ہو کہ ہمارے کمزور لوگوں کو بے وقوف بناؤ۔ اگر تم لوگ جان کی خیریت چاہتے ہو تو یہاں سے نکل جاؤ۔

حضرت مصعب بن عمیرؓ نے اسید بن حضیر سے کہا کہ کیا یہ اچھا نہیں ہو گا کہ آپ بیٹھ جائیں اور ہماری بات سن لیں۔ اگر آپ کو ہماری بات اچھی لگے تو قبول کر لیں اور ناپسند ہو تو آپ اسے رد کر دیں۔ اسید نے کہا کہ تم نے انصاف کی بات کہی۔ پھر وہ اپنے ہتھیار زمین میں گاڑ کر بیٹھ گئے۔ حضرت مصعب بن عمیر نے اسلام کی تعلیمات پیش کیں اور قرآن کی آیات پڑھ کر سنائیں۔ یہ سن کر اسید نے کہا کہ کیا ہی عمدہ اور خوبصورت کلام ہے۔ پھر پوچھا کہ تم لوگ جب اس دین میں داخل ہوتے ہو تو کیا کرتے ہو؟ اسعد بن زرارہ اور مصعب نے فرمایا کہ آپ غسل کر کے پاک ہو جائیں۔ کپڑے پاک کر لیں اور کلمہ شہادت لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھ لیں۔ پھر نماز پڑھیں۔ چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا۔ پھر بولے میرے پیچھے ایک اور آدمی ہے اگر وہ تمہارا اتباع کر لے تو قوم کا کوئی فرد پیچھے نہیں رہے گا۔ سب لوگ کلمہ پڑھ لیں گے۔ میں ابھی اسے تمہارے پاس بھیجتا ہوں۔ چنانچہ انھوں نے حضرت سعد بن معاذ کو بھیجا اور وہ بھی اسی طرح مسلمان ہوئے اور واپس جا کر پورے قبیلہ کو اسلام میں لے آئے۔

عمرو بن العاص اور شاہان عمان کا مکالمہ:

جلندی کے دو بیٹے تھے حیفر اور عبید۔ دونوں عیسائی تھے اور دونوں مل کر عمان پر حکومت کرتے تھے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے حصہ میں ان دونوں بھائیوں کے نام خط لکھا کہ وہ ایمان لے آئیں اور سلامتی پائیں۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خط دے کر حضرت عمرو بن العاص کو عمان بھیجا۔ جب عمرو بن العاص عمان پہنچے تو پہلے عبید سے ملاقات کی۔ وہ بہت نرم اور بردبار آدمی تھے۔ عمرو بن العاص سے ان کا مکالمہ ہوا۔ یہ مکالمہ خود حضرت عمرو بن العاص کی زبانی سنیے:

عمرو: میں آپ کی طرف اور آپ کے بھائی صاحب کی طرف رسول اللہ کا فرستادہ بن کر آیا ہوں۔

عبید: میرے بھائی مجھ سے عمر میں اور حکومت میں بڑے ہیں۔ میں آپ کو ان کے پاس پہنچا دیتا ہوں تاکہ وہ آپ کا خط پڑھ لیں۔ آپ کس چیز کی دعوت دینے آئے ہیں؟

عمرو: میں آپ لوگوں کو اللہ وحدہ لاشریک کی دعوت دینے اور اللہ کے علاوہ ہر دوسری چیز کی عبادت سے روکنے آیا ہوں اور یہ کہ آپ گواہی دیں کہ محمد اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

عبید: اے عمرو! آپ اپنی قوم کے سردار تھے۔ آپ کے والد نے اس معاملہ میں کیا رویہ اپنایا، ہمارے لیے ان کے طریقہ میں رہنمائی ہے۔

عمرو: ہم چاہتے تھے کہ وہ ایمان لائیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کریں۔ مگر ان کا انتقال ہو گیا اور وہ ایمان نہیں لائے۔ میں بھی ان کے طریقۂ کفر پر تھا مگر اللہ نے مجھے اسلام قبول کرنے کی توفیق دی۔

عبید: آپ نے کب اسلام قبول کیا؟

عمرو: کچھ دنوں پہلے۔

عبید: آپ نے کہاں اسلام قبول کیا؟

عمرو: حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے پاس اور نجاشی نے بھی اسلام قبول کیا۔

عبید: نجاشی کی قوم نے اس کی حکومت کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟

عمرو: ان کو بادشاہ بنائے رکھا اور ان کا اتباع کیا۔

عبید: پادریوں اور راہبوں نے کیا معاملہ کیا؟

عمرو: ان لوگوں نے بھی یہی کیا۔

عبید: دیکھئے آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ اس لیے کہ انسان کے لیے جھوٹ سے زیادہ رسوائی کی کوئی اور بات نہیں۔

عمرو: میں نے کوئی جھوٹ نہیں کہا اور جھوٹ بولنا ہمارے دین میں حلال نہیں ہے۔

عبید: میرا خیال ہے کہ ہرقل کو نجاشی کے مسلمان ہونے کا علم نہیں ہے۔

عمرو: جی ہے!

عبید: آپ کو کیسے معلوم ہوا؟

عمرو: نجاشی ہرقل کو خراج دیتا تھا، جب اس نے اسلام قبول کیا اور محمد کی تصدیق کی تو کہا کہ اللہ کی قسم اگر انھوں نے ایک درہم بھی خراج مانگا تو میں نہیں دوں گا۔ جب ہرقل تک یہ بات پہنچی تو اس کے بھائی نے کہا کہ کیا آپ اس غلام کو یوں ہی چھوڑ دیں گے جو آپ کو خراج دینے سے انکار کرتا ہے اور ایک نئے دین کو اختیار کر چکا ہے؟ ہرقل نے کہا کہ اس نے اپنی پسند سے ایک دین قبول کیا ہے۔ اللہ کی قسم اگر مجھے حکومت کے کمزور ہونے کا خطرہ نہ ہوتا تو میں بھی یہی کرتا۔

عبید: سوچ لیجئے کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔

عمرو: اللہ کی قسم میں سب کچھ سچ کہہ رہا ہوں۔

عبید: مجھے بتایئے کہ محمد کس بات کا حکم دیتے ہیں اور کس چیز سے منع کرتے ہیں؟

عمرو: اللہ کی اطاعت کا حکم دیتے ہیں اور اس کی نافرمانی سے روکتے ہیں۔ نیکی اور صلہ رحمی کا حکم دیتے ہیں اور ظلم و زیادتی سے روکتے ہیں۔ زنا کاری، شراب نوشی، پتھر، بت پرستی اور صلیب کی پوجا کرنے سے روکتے ہیں۔

عبید: بہت عمدہ بات ہے جس کی وہ دعوت دیتے ہیں۔ اگر میرے بھائی جان میری بات مان لیں تو ہم دونوں سواری کر کے جائیں گے اور محمد پر ایمان لائیں گے اور ان کی تصدیق کریں گے۔ لیکن میرے بھائی کو حکومت جانے کا اندیشہ ہے۔

عمرو: اگر وہ ایمان لائیں گے تو محمد صل اللہ علیہ وسلم ان کی حکومت کو برقرار رکھیں گے۔ وہ مالداروں سے صدقہ لیں گے اور ناداروں پر خرچ کریں گے۔

عبید: یہ تو عمدہ اخلاق ہے اور یہ صدقہ کیا ہے؟

عمرو: محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اموال میں ڈھائی فیصد صدقہ مقرر کیا ہے اور جانوروں میں بھی (تفصیل بتائی)

عبید: ہمارے چرنے والے جانوروں میں صدقہ ہے جو خود سے چرتے اور پانی پیتے ہیں؟

عمرو: جی ہاں۔

عبید: اللہ کی قسم میں نہیں سمجھتا ہوں کہ میری قوم منتشر مکانوں اور کثرت تعداد کے باوجود اس کو مان لے گی۔

حضرت عمرو بن العاص فرماتے ہیں کہ چند دنوں تک میں ان کے یہاں ٹھہرا رہا۔ عبید اپنے بھائی جبیر کو اطلاع دیتا رہا۔ ایک انھوں نے مجھے اپنے محل میں بلایا۔ میں نے رسول پاک کا نامہ مبارک پیش کیا۔ پہلے انھوں نے خود پڑھا پھر اپنے بھائی کو پڑھوایا۔ پھر انھوں نے مجھ سے قریش کے بارے میں کچھ سوالات کیسے میں نے جوابات دیے۔ پھر انھوں نے اگلے دن بلایا۔ اگلے دن ملاقات نہ ہو سکی۔ پھر جب میرے واپس جانے کا وقت آیا تو دونوں بھائیوں نے اور جو ان کے دربار کے لوگ تھے سب نے ایمان قبول کیا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی تصدیق کی۔

حاطبؓ اور شاہ مصر کا مکالمہ:

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے مصر و اسکندریہ کے بادشاہ مقوقس کے نام بھی خط لکھا۔ اس میں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی گئی تھی۔ یہ خط لے کر حضرت حاطبؓ بن ابی بلتعہ مصر گئے۔ وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ بادشاہ اسکندریہ میں مقیم ہے، چنانچہ وہ اسکندریہ پہنچے۔ بادشاہ سمندر کے کنارے محل کے اوپر تھا۔ انھوں نے رسول کریم کا نامہ مبارک مقوقس کے حوالہ کر دیا۔ مقوقس نے ان کو مہمان بنا کر ایک مکان میں رکھا۔ ایک دن تمام سرداران اور کارکنان حکومت کو جمع کیا اور مجھے بھی بلایا اور کہا کہ میں تم سے کچھ سوالات کرنا چاہتا ہوں، سوچ سمجھ کر جواب دینا۔ حضرت حاطبؓ نے کہا ٹھیک ہے۔

شاہ مصر: تم جن کا خط لے کر آئے ہو کیا وہ نبی نہیں ہیں؟

حاطبؓ: بے شک وہ اللہ کے رسول ہیں۔

شاہ مصر: اگر وہ واقعی اللہ کے رسول ہیں تو جس وقت ان کی قوم نے ان کو مکہ سے نکالا تھا تو انھوں نے ان کے حق میں بد دعا کیوں نہیں کی تاکہ وہ ہلاک ہو جاتے۔

حاطبؓ: کیا آپ شہادت نہیں دیتے کہ حضرت عیسی بن مریم اللہ کے رسول تھے۔

شاہ مصر: بے شک وہ اللہ کے رسول تھے۔

حاطبؓ: اگر وہ اللہ کے رسول تھے تو جس وقت ان کو دشمنوں نے ان کو سولی دینے کا ارادہ کیا اور اللہ نے ان کو آسمان پر اٹھالیا تو حضرت عیسی نے ان کے حق میں بد دعا کیوں نہیں کی تا کہ اللہ ان کو ہلاک کر دیتا۔

شاہ مصر: بے شک تو صاحب حکمت ہے اور حکمت والے کے پاس آیا ہے۔ ہمارے پاس ایک دین ہے۔ ہم اسے چھوڑ نہیں سکتے مگر اس سے بہتر کے لیے۔

حاطبؓ: اس ملک میں ایک بادشاہ (فرعون) گذرا ہے جو دعویٰ کرتا تھا کہ میں ہی سب اس ملک میں ایک باسے بڑا رب ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو پکڑا، سزا دی اور ہلاک کر دیا۔ آپ کو چاہیے کہ اس سے عبرت حاصل کریں نہ یہ کہ دوسرے لوگ آپ سے عبرت حاصل کریں۔

ایک دین ہے جو آپ کے دین سے کہیں بہتر ہے وہ اسلام ہے۔ اس کے متعلق اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ اسے غلبہ عطا کرے گا۔ تمام ادیان اس کے سامنے کمزور ہو جائیں گے۔ اس نبی نے مبعوث ہو کر تمام لوگوں کو اس دین کی دعوت دی۔ اس دین کے خلاف قریش سب سے زیادہ سخت ہو گئے اور یہودی سب سے بڑے دشمن بن گئے اور عیسائی زیادہ قریب ثابت ہوئے۔ اللہ کی قسم حضرت موسی نے جس طرح حضرت عیسیٰ کی بشارت دی اسی طرح حضرت عیسی نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت دی۔ ہم آپ کو قرآن کی دعوت اسی طرح دیتے ہیں جس طرح آپ لوگ یہودیوں کو انجیل کی دعوت دیتے ہیں۔ جو قوم کسی نبی کو پائے وہ اس نبی کی امت ہے۔ اس پر نبی کی اطاعت کرنا لازم ہے۔

اے بادشاہ! آپ بھی انہی لوگوں میں سے ہیں جنھوں نے اس نبی کا زمانہ پایا ہے ہم آپ کو عیسی کے دین سے روکتے نہیں ہیں بلکہ کہتے ہیں کہ عیسی کے حقیقی دین کا اتباع کیجئے۔

شاہ مصر: میں نے اس نبی کے بارے میں غور کیا تو پایا کہ وہ پسندیدہ چیزوں کا حکم دیتے ہیں اور ناپسندیدہ چیزوں سے روکتے ہیں۔ جادو گر اور گمراہ نہیں ہیں۔ کاہن اور جھوٹے نہیں۔ نبوت کی علامتیں ان میں پاتا ہوں، مثلاً غیب کی باتوں کی خبر دینا۔ مقوقس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ اوصاف بیان کیے اور کہا اگر میں اس نبی کا اتباع کر لوں تو میری قبطی قوم میری فرماں برداری نہیں کرے گی۔ ایک دن آئے گا جب وہ میرے ملک پر قبضہ کر لیں گے اور ان کے بعد ان کے صحابہ اس مقام تک پہنچ جائیں گے۔

راوی کا بیان ہے کہ مقوقس شاہ مصر نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خط کو ہاتھی دانت کے بکس میں احترام سے محفوظ کر لیا اور اس کا جواب لکھوا کر قاصد کے حوالہ کر دیا۔ اور آپ کی خدمت میں دو باندیاں، ایک خچر اور کچھ قیمتی کپڑے تحفہ میں ارسال کیے۔ ان باندیوں میں

ایک کا نام ماریہ قبطیہ تھا جو آپ کے حرم میں آئیں اور ان سے حضرت ابراہیم پیدا ہوئے۔ دوسری باندی کا نام سیرین تھا وہ شاعر اسلام حسان بن ثابت کو عطا ہوئیں۔

زہرہؓ اور رستم کا مکالمہ:

خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق کے زمانہ میں فارس سے جنگ ہوئی جو جنگ قادسیہ کے نام سے مشہور ہے۔ اسلامی فوج نے جب سرزمین فارس میں پڑاؤ ڈالا تو ایرانی سپہ سالار رستم کے دربار میں متعدد صحابہ مثلاً ربعی بن عامر اور مغیرہ بن شعبہ کا مکالمہ ہوا۔ ایک مکالمہ رستم اور زہرہ بن الحویہ کے مابین میدان جنگ کے قریب ہوا۔ زہرہ اس وقت حضرت سعد بن ابی وقاص کی طرف سے اسلامی فوج کے ایک دستہ کے کمانڈر تھے۔ مؤرخ محمد بن جریر طبری نے اس کی تفصیل اپنی کتاب تاریخ الرسل والملوک میں جو تاریخ طبری کے نام سے مشہور ہے اس طرح لکھی ہے:

رافیل بیان کرتے ہیں کہ جب رستم مقام عتیق کے قریب فروکش ہوا تو وہ رات وہیں گزاری۔ وہ عتیق سے خفان تک چلتا رہا اور اسلامی فوج کے موڑ تک پہنچ گیا۔ پھر وہ اوپر چڑھ کر ایسی جگہ آیا جہاں سے وہ اسلامی فوج کو اچھی طرح دیکھ سکے۔ جب وہ پل پر کھڑا تھا تو اس نے اسلامی فوج کے کمانڈر حضرت زہرہ کو ملنے کا پیغام بھیجا۔ زہرہ رستم کے پاس آ گئے۔ رستم صلح ملح کرنا چاہتا تھا مگر زبان سے اظہار نہیں کرتا تھا۔ انھوں نے اسلامی فوج کے واپس جانے پر انعام کی پیش کش کی اور کہنے لگا:

رستم: تم ہمارے پڑوسی ہو۔ تمہارا ایک گروہ ہماری رعیت میں تھا۔ ہم نے اس کے ساتھ اچھے پڑوسی کا معاملہ کیا۔ اس کی تکلیفیں دور کیں، اس کے لیے بہت سی سہولتیں فراہم کیں اور اس کی حفاظت کی۔ ہم اس کے بدوؤں کو اپنی چراگاہوں میں جانور چرانے کی اجازت دیتے تھے اور اپنے ملک سے ان کے لیے غلہ فراہم کرتے تھے۔ ان کو ہم اپنے ملک میں کسی چیز کی تجارت سے نہیں روکتے تھے۔ چنانچہ یہی ان کا ذریعہ معاش تھا۔

زہرہؓ: آپ سچ کہتے ہیں۔ آپ نے جیسا کہا ٹھیک ویسا ہی تھا۔ مگر ہمارا معاملہ ان لوگوں سے الگ ہے اور ہمارا مطالبہ بھی ان سے مختلف ہے۔ ہم آپ کے ملک میں دنیا کی طلب میں نہیں آئے ہیں۔ ہماری طلب اور ہمارا مقصد آخرت ہے۔ جیسا کہ آپ نے کہا ہم میں سے کچھ لوگ ضرور ایسے تھے جو آپ کے پاس آتے تھے۔ آپ کی اطاعت کرتے تھے۔ اور آپ سے گڑگڑا کر کچھ چیزیں مانگتے تھے۔ پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہمارے پاس ایک رسول بھیجا۔ اس نے ہمیں اپنے رب کی طرف بلایا۔ ہم نے اس کی دعوت کو قبول کیا۔ اس رب نے اپنے نبی سے کہا کہ میں نے اس مسلمان گروہ کو ان لوگوں پر غالب کر دیا ہے جو میرے دین کو قبول نہیں کرتے۔ میں ان لوگوں سے اس گروہ کے ذریعہ انتقام لوں گا۔

اور جب تک مسلمان دین حق پر قائم رہیں گے اس وقت تک میں ان کو غالب رکھوں گا۔ جو اس دین حق سے رو گردانی کرے گا ذلیل ہو گا اور جو اس کو مضبوطی سے تھام لے گا وہ عزت پائے گا۔

رستم: وہ دین کیا ہے؟

زہرہ: اس دین کا سب سے بڑا ستون جس پر اس دین کا دار و مدار ہے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی شہادت دینا ہے اور اس تعلیم کا اقرار کرنا ہے جسے محمد اللہ کے پاس سے لے کر آئے ہیں۔

رستم: یہ کتنی اچھی بات ہے، اس کے علاوہ اور کیا ہے؟

زہرہ: بندوں کو انسانوں کی بندگی سے نکال کر اللہ کی بندگی میں لے آتا ہے۔

رستم: یہ بہت اچھی بات ہے اور بھی کچھ ہے؟

زہرہؓ: تمام انسان آدم و حوا کی اولاد ہیں اور حقیقی بھائی ہیں (یعنی سارے انسان برابر ہیں)

رستم: یہ بھی بہت عمدہ بات ہے، اچھا یہ بتائیے کہ اگر میں آپ کی باتیں مان لوں اور آپ کی دعوت قبول کر لوں اور میری قوم بھی اس معاملہ میں میرا ساتھ دے تو پھر آپ کیا کریں گے۔ کیا آپ لوگ واپس چلے جائیں گے؟

زہرہؓ: ہاں! اللہ کی قسم! ہم آپ کے ملک میں تجارت یا حاجت کے علاوہ کبھی قدم نہیں رکھیں گے۔

رستم: آپ بالکل سچ کہتے ہیں۔ مگر جب سے اردشیر بادشاہ بنا ہے اہل فارس کا طریقہ یہ ہے کہ وہ کسی کو اپنے مذہب سے نکلنے کی اجازت نہیں دیتے۔ اگر کوئی شخص ان کے مذہب سے نکل جائے تو وہ کہتے ہیں کہ یہ صحیح راستہ سے ہٹ گیا ہے اور اپنے شریف لوگوں کا دشمن بن گیا ہے۔

زہرہؓ: ہم انسانوں کے لیے سب سے اچھے لوگ ہیں۔ ہم ان لوگوں کی طرح نہیں ہو سکتے جیسا کہ آپ کہتے ہیں۔ ہم صرف اللہ کی اطاعت کرتے ہیں، جو اللہ کی نافرمانی کرتا ہے وہ ہمارا کچھ بگاڑ نہیں سکتا۔

رستم: یہ سن کر وہاں سے چلا گیا۔اس نے فارس کے بڑے لوگوں کو بلایااور اس گفتگو کا ذکر کیا۔ان سب نے ناپسندیدگی اور نفرت کا اظہار کیا تو رستم نے ان سے کہا کہاللہ تم کو دور کرے اور ذلیل کرے ہے۔

ہشام اور شاہ روم کا مکالمہ:

حاکم اور بیہقی نے حضرت ہشام بن العاص اور رومی بادشاہ ہرقل کا ایک تفصیلی مکالمہ نقل کیا ہے۔اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ہشام بن العاص قریش کے ایک اور شخص کو ساتھ لے کر روم کے بادشاہ ہرقل کو اسلام کی دعوت دینے گئے۔ حضرت ابو بکر کی خلافت کا زمانہ تھا۔پہلے یہ دونوں حضرات دمشق کے شہر غوطہ گئے جہاں جبلہ بن الایھم غسانی حکمراں تھااور اسے اسلام کی دعوت پیش کی۔اس سے مکالمہ ہوااور اس نے ہشام کو شاہ روم کے پاس اپنے ایک آدمی کے ذریعہ بھیجوادیا۔

جب یہ ہرقل کے محل کے قریب پہنچے تو لا الہ الا اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔ بادشاہ نے آدمی بھیج کر ان سے کہا کہ تم لوگوں کو یہ حق نہیں ہے کہ ہمارے اوپر زور سے اپنے دین کا اظہار کرو۔ پھر انھوں نے ان دونوں کو محل کے اندر بلالیا۔

حضرت ہشامؓ کہتے ہیں کہ وہاں بادشاہ کے علاوہ رومی حکومت کے دوسرے سردار بھی موجود تھے اور وہ سب سرخ لباس پہنے ہوئے تھے۔ پورا ماحول سرخی مائل تھا۔ بادشاہ ہنسااور بولا!

جو سلام تم آپس میں کرتے ہو اگر وہ سلام مجھے بھی کرتے تو کیا حرج تھا؟ حضرت ہشام رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے جواب دیا کہ ہمارا سلام تمہارے لیے درست نہیں ہے اور تمہارا سلام ہمارے لیے درست نہیں ہے۔ بادشاہ نے پوچھا! تم لوگ آپس میں کس طرح سلام کرتے ہو؟ میں نے کہا کہ السلام علیکم۔ بادشاہ نے پوچھا کہ اپنے سردار کو کس طرح سلام کرتے ہو؟ میں نے کہا کہ اسی طرح۔ بادشاہ نے پوچھا کہ وہ جواب کسی طرح دیتا ہے؟ میں نے کہا کہ اسی طرح۔ بادشاہ نے پوچھا کہ تمہارا سب سے بڑا مقدس کلمہ کیا ہے؟ میں نے کہا لا الہ الا اللہ واللہ اکبر۔ ہمارے اس کلمہ سے جھروکے کا دروازہ کھلتا گیا جیسے ہوا سے کھلتا ہے۔

بادشاہ نے پوچھا کہ تم لوگ کس طرح نماز پڑھتے ہو اور کس طرح روزہ رکھتے ہو؟ میں نے نماز اور روزہ کی تفصیل بیان کی۔ پھر اس نے ہم لوگوں کو جانے کے لیے کہا اور ہمارے قیام کا عمدہ انتظام کا کیا اور بہت خاطر مدارات کی۔ ہم لوگ تین دنوں تک وہاں ٹھہرے رہے۔ ایک

رات انھوں نے ہمیں بلایااور ایک نقشہ منگوایا جس میں تمام انبیاء علیہم السلام کی تصویر میں تھیں۔ان میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی تصویر تھی۔اس نے پوچھا کہ ان کو پہچانتے ہو؟

ہم نے کہا کہ ہاں! یہ ہمارے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ پھر اس نے آخری پیغمبر کی علامات بیان کیں اور اس نے ہمیں انعام واکرام سے نوازااور ہم کو رخصت کیا۔

حضرت علیؓ اور عیسائی پادری کا مکالمہ:

حضرت انس بن مالک بیان کرتے ہیں کہ نجران کے پادریوں کی سربراہی میں عیسائیوں کا ایک وفد امیر المومنین حضرت عمر بن الخطاب کے پاس جزیہ ساقط کرنے کی درخواست لے کر آیا۔ حضرت عمر فاروق نے ان لوگوں کو اسلام کی دعوت دی۔ عیسائی پادری نے خلیفہ سے کہا کہ آپ میرے سوال کا جواب دیجئے۔آپ لوگوں کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالی نے جنت بنائی ہے جس کی وسعت آسمان وزمین کے برابر ہے۔اگر ایسا ہے تو جہنم کہاں ہے؟ حضرت عمر نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے فرمایا کہ آپ اس کے سوال کا جواب دیجئے۔ عیسائی پادری نے اپنا سوال دہرایا۔ تو حضرت علی نے جواب دیا کہ'' اذا جاء اللیل این یکون النھار ''جب رات آجاتی ہے تو دن کہاں چلا جاتا ہے۔ یہ جواب سن کر عیسائی خوش ہوا،اور خاموش ہو گیا۔اور کلمہ لاالہ الااللہ محمد رسول اللہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا ہے .

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے ان مکالمات پر غور کیجئے تو دو باتیں بہت واضح طریقے سے معلوم ہو جائیں گی۔اول یہ کہ دین اسلام کے عقائد، احکام اور تعلیمات کو سمجھنے کے ساتھ مسلمانوں نے معاصر مذاہب کی حقیقت اور تعلیم کو بھی سمجھنے کی کوشش کی۔ ان کی خوبیوں اور خامیوں پر نظر رکھی اور ان کی کتابوں میں آخری رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جو علامات اور پیش گوئیاں تھیں ان سب سے بھی واقفیت حاصل کی اور ان مذاہب کے ماننے والوں سے باہمی ربط و تعلق کی راہ نکالی۔

دوم یہ کہ مسلمانوں نے اپنے عقیدے اور اصول زندگی کا اظہار دوسروں کے سامنے نہایت معقولیت اور حکمت کے ساتھ کیا۔ دین اسلام کو متعارف کرانے میں دینی فراست اور ایمانی جرات سے کام لیا۔ نہ معذرت خواہانہ انداز اپنایااور نہ کسی طرح کی مداہنت کی بلکہ جس چیز کو حق جانا اور دین ودنیا کی سعادت کا ذریعہ سمجھا اسے بلا کم وکاست دوسروں کے سامنے پیش کر دیا۔ دنیا کی متمدن قوموں اور ان کے بادشاہوں نے اس

حق کی قوت اور اس کے اثرات کو محسوس کیا۔ مسلمانوں نے اس دین کو پیش کرنے کے لیے تلوار نہیں اٹھائی۔ زور زبردستی کا مظاہرہ نہیں کیا بلکہ افہام و تفہیم اور تبلیغ تلقین کا راستہ اختیار کیا۔ کیوں کہ وہ جانتے تھے کہ جبر و اکراہ کے ذریعہ لوگوں کی گردنوں کو تو جھکایا جاسکتا ہے مگر ان کے دلوں کو مطمئن نہیں کیا جاسکتا۔

جبکہ اسلام انسانوں کے دلوں میں اللہ کی محبت اور اس کی خشیت کو جاگزیں کرنے کے لیے آیا ہے۔ ظاہری اطاعت تو اس کے بعد ہوتی ہے۔ اگر خوف کی وجہ سے لوگ اپنی گردن جھکادیں اور دل سے اسلام کو قبول نہ کریں تو خوف کا سایہ ہٹتے ہی لوگ مرتد ہو جائیں گے اور اسلام کا دامن چھوڑ دیں گے۔

خود آزمائی:

1. قرآن کریم میں بین المذاہب مکالمہ کو کس طرح سے بیان کیا گیا ہے؟
2. رسول کریم کے عتبہ بن ربیعہ اور یہودی علماء کے ساتھ مکالمے کے اہم نکات بیان کریں۔
3. رسول اللہ سے مکالمے کے وقت عیسائی نے کون سے دلائل پیش کئے؟ وضاحت کریں۔
4. صحابہ کرام کی بین المذاہب مکالمے کی مثالیں بیان کریں۔
5. ہشام اور شاہ روم کے مکالمہ پر نوٹ لکھیں۔
6. حضرت علیؓ اور عیسائی پادری کا مکالمہ کس اہمیت کا حامل ہے؟ تفصیلاً بیان کریں۔
7. زہرہؓ اور رستم کا مکالمہ سے کیا نتائج حاصل ہوتے ہیں؟ قلمبند کریں۔
8. حاطبؓ اور شاہ مصر کے مکالمہ کے کلیدی نکات پر تبصرہ کریں۔
9. مصعب بن عمیرؓ اور اسید بن حضیر کا مکالمہ پر نوٹ لکھیں
10. عہد نبوی ﷺ اور عہد صحابہؓ میں بین المذاہب مکالمہ کی تاریخی اہمیت پر نوٹ لکھیں۔
11. رسول کریم ﷺ اور یہودی علماء کے مکالمہ سے اشاعت دین میں کیسے مدد ملتی ہے؟ قلمبند کریں۔
12. رسول کریم ﷺ اور عیسائی وفد کے مقالمہ کو تفصیلا بیان کریں۔
13. عہد نبوی ﷺ میں بین المذاہب مکالمہ کے مقاصد پر روشنی ڈالیں۔
14. یہودی عالم رسول کریم ﷺ کے کون سے جو بات سن کر متاثر ہوا؟

15. روح کے بارے میں کون سی وحی نازل ہوئی؟ تفصیلی نوٹ تحریر کریں۔

16. عیسائیوں کے عقیدہ تثلیث پر نوٹ تحریر کریں۔

17. حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کے دور میں ہونے والی جنگ قادسیہ کا پس منظر بیان کریں۔

18. حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ اور عیسائی پادری کے مکالمہ کے اہم نکات بیان کریں۔

19. اسلام کن کو اپنے مذہبی شعائر پر عمل کرنے کا حکم دیتا ہے؟ وضاحت کریں۔

20. دعوت و تبلیغ میں زور زبردستی کے بارے میں قرآن حکیم کی رو سے نوٹ لکھیں۔

21. مختلف مذاہب میں پائی جانے والی چند مشترکہ باتوں کی مثالوں سے وضاحت کریں۔

22. قرآن کریم میں کن کن انبیاء کے مکالموں کا تزکرہ کیا گیا ہے؟

23. حضرت ابراہیم علیہ السلام اور نمرود کے درمیان ہونے والے مکالمے کی وضاحت کریں۔

24. سورۃ آل عمران میں کس تنازع کی طرف اشارہ کیا گیا ہے؟ وضاحت کریں۔

25. رسول کریم ﷺ نے عیسائی کو حضرت عیسی علیہ السلام سے متعلق کون سے دلائل پیش کئے؟ تفصیلا بیان کریں۔

26. عیسائی حضرت عیسی علیہ السلام کو خدا کا بیٹا ثابت کرنے کے لئے کس دلیل کا سہارا لیتے ہیں؟

27. بیعت صغری کے بعد دوران تبلیغ معصب بن عمیر رضی اللہ تعالی عنہ کے ساتھ پیش آنے والے واقعات کا تزکرہ کریں۔

جوابات:

تمام سوالوں کے جواب متعلقہ یونٹ سے تلاش کریں۔

مصادر و مآخذ/مزید مطالعہ کے لیے:

- قاسمی، محمد سعود عالم، مطالعہ مذاہب کی اسلامی روایت، اعظم گڑھ، شبلی اکیڈمی، 2019ء
- حدوٹی، محمود الرشید، مطالعہ مذاہب، لاہور: مکتبہ آب حیات، 2005ء

یونٹ نمبر02

علامہ ابن حزم اور امام ابو المنصور عبد القاہر بغدادیؒ کی مطالعۂ مذاہب میں خدمات

مؤلف: ڈاکٹر حسن بیگ، حافظہ حفصہ مجید
نظر ثانی: عثمان علی شیخ، ڈاکٹر محمد سجاد

فہرست مضامین

عنوانات	صفحہ نمبر
یونٹ کا تعارف	33
یونٹ کے مقاصد	34
تعارف: الفصل في الملل والاهواء والنحل	35
الملل والنحل کا موضوع	37
فلاسفہ کا مذہب	39
مجوسی مذہب	40
صابئی مذہب	41
مانی کا مذہب	41
برہمنوں کا مذہب	42
یہودی مذہب	43
صدوقیہ	43
عنائیہ	43
ربانیہ	43
عیسویہ	43
عیسائی مذہب	44
عقیدہ صلیب	45
موجودہ انجیل: اینجز کے تفردات	46
امام ابو المنصور عبد القاہر بغدادیؒ کی مطالعہ مذاہب میں خدمات	48

تعارف	48
مطالعہ ادیان میں امام ابو المنصور عبد القاھر بغدادی کی کتاب "الفرق بین الفرق" کا تعارف	50
کتاب الفرق بین الفرق کا تعارف	55
خود آزمائی	58
جوابات	59
مصادر و مآخذ/مزید مطالعہ	59

یونٹ کا تعارف

علامہ ابن حزم (452ھ) تقریباً چار صد کتب کے مولف کہلاتے ہیں۔ آپ کی وہ کتابیں جنھوں نے فقہ ظاہری کی اشاعت میں شہرت پائی وہ المحلی اور "الاحکام" فی اصول الاحکام ہیں۔ المحلی فقہ ظاہری اور دیگر فقہ میں تقابل کا ایک موسوعہ ہے۔ یہ کئی اجزاء پر مشتمل ایک ضخیم فقہی کتاب ہے جس میں فقہ اور اصول فقہ کے ابواب شامل ہیں۔ المحلی کا اردو زبان میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ موخر الذکر کتاب کا موضوع اصول فقہ ہے۔ محققین کے نزدیک اگر یہ دونوں کتابیں نہ ہوتیں تو اس مسلک کا جاننے والا کوئی نہ ہوتا۔ ظاہری مسلک کے متبعین نہ ہونے کے باوجود یہ مسلک ہم تک جس ذریعہ سے پہنچا ہے، وہ ذریعہ یہ دونوں کتابیں ہی ہیں۔ امام ابن حزم بہت بڑے مناظر اور مذاہب و فرق کے مسلّمہ ریسرچ اسکالر تھے۔ علاوہ ازیں معروف کتاب الفرق بین الفرق کے مصنف ابو منصور عبد القاہر بن طاہر بن محمد البغدادی التمیمی (429ھ) ایک ماہر الہیات، بنیاد پرست ائمہ اور قابل ذکر شافعی اشعری فقہاء میں سے ہوئے ہیں۔ آپ چوتھی اور پانچویں صدی میں اپنی علمی شناخت سے معروف ہوئے۔ البغدادی بہت سے علوم اور خاص طور پر ریاضی میں ماہر تھے۔ آپ گرائمر، مطالعہ ادیان اور دیگر دینی علوم میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ آپ کم و بیش سترہ فنون میں کامل دسترس رکھتے ہیں۔ مذکورہ یونٹ میں انہی دو اہم شخصیات کی علمی و دینی خدمات کا جائزہ لیا جائے گا اور ان کے اہم خصائص پر روشنی ڈالی جائے گی۔

یونٹ کے مقاصد

امید ہے کہ اس یونٹ کے مطالعے کے بعد طلباء اس قابل ہو جائیں گے کہ

1. علامہ ابن حزم کے حالاتِ زندگی اور خدمات کے بارے میں آگاہی حاصل کر سکیں۔
2. علامہ ابن حزم کے حالاتِ زندگی اور ان کی تصانیف کے بارے میں واقفیت حاصل کر سکیں۔
3. علامہ ابن حزم کی مطالعۂ مذاہب عالم میں خدمات پر بحث کر سکیں۔
4. ابو منصور عبدالقاہر بن طاہر بن محمد البغدادیؒ کے حالاتِ زندگی اور خدمات کے بارے میں آگاہی حاصل کر سکیں۔
5. ابو منصور عبدالقاہر بن طاہر بن محمد البغدادیؒ کی تصانیف کے بارے میں واقفیت حاصل کر سکیں۔
6. ابو منصور عبدالقاہر بن طاہر بن محمد البغدادیؒ کی خدمات کے بارے میں آگاہی حاصل کر سکیں۔

تعارف: الفصل في الملل والاهواء والنحل

یہ علامہ ابن حزم ظاہری اندلسی کی مشہور زمانہ کتاب ہے۔ اس کتاب کا شمار مطالعہ مذاہب کی اولین کتابوں میں ہوتا ہے۔ ابن حزم کا پورا نام ابو محمد علی بن احمد سعید بن حزم بن غالب تھا۔ ابن حزم اندلس کے شہر قرطبہ میں ۳۰ رمضان ۳۸۴ھ مطابق ۹۴۴ء میں پیدا ہوئے۔ ان کے مورث اعلی یزید فارس کے رہنے والے تھے۔ ابو سفیان صخر بن حرب بن امیہ کے نو مسلم غلام تھے۔ انہوں نے اندلس کو اپنا وطن بنایا تھا۔ ابن حزم بچپن سے نہایت ذہین و فطین تھے۔ حافظہ اتنا قوی تھا کہ جو چیز ایک مرتبہ پڑھ لیتے تھے اسے بھی بھولتے نہیں تھے۔ قرآن کریم کو حفظ کر لیا تھا۔ تفسیر، حدیث، فقہ اور فلسفہ کی تعلیم حاصل کی تھی۔ فلسفہ کی تعلیم محمد بن حسن مدجی الکنانی سے حاصل کی تھی۔ فقہ میں ابتداء فقہ شافعی کے پیرو تھے بعد میں داؤد ظاہری اصفہانی کا مسلک اختیار کر لیا تھا اور ان کے مسلک کو بدلائل ثابت کرتے تھے۔ ظاہری فقہ اپنے استاد ابو الخیار مسعود بن سلیمان م426ھ سے حاصل کی تھی، فقہ اسلامی کے چوتھے ماخذ قیاس کے وہ قائل نہ تھے۔

ابن حزم کے حصول علم اور اخذ و استفادہ کے تین سر چشمے ہیں۔ پہلا سر چشمہ فقہ الحدیث کا ہے۔ جس میں حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم، اقوال صحابہ و تابعین اور ان کے افعال و قضایا کی کتابوں کا مطالعہ شامل ہے۔ دوسرا سر چشمہ ان فقہاء مجتہدین کا ہے جو کسی فقہی مسلک کے مقلد نہ تھے۔ ان میں تیسرا سر چشمہ فقہاء شوافع اور فقہائے ظاہریہ کا ہے۔ ابن حزم خود اجتہادی صلاحیت کے مالک تھے۔ مسائل فقہ پر حدیث کا انطباق کرنے میں غیر معمولی قدرت تھی۔ اس موضوع پر ان کی کتاب الایصال الی فہم الخصال بہت مشہور ہے۔

ابن حزم فقیہ اور مجتہد ہونے کے ساتھ مؤرخ فلسفی، منتظم اور ادیب و شاعر بھی تھے۔ زبردست استدلالی قوت کے مالک تھے۔ ابن حزم کے والد اندلس کی اموی سلطنت میں وزیر کے عہدہ پر فائز تھے۔ ابن حزم نے بھی ملکی سیاست سے دلچسپی لی اور وزارت کے عہدہ تک پہنچے۔ خلیفہ عبد الرحمن المستلمر نے 313ھ میں ان کو وزیر بنایا تھا۔ اس کے باوجود ان کی زندگی میں سادگی اور تواضع تھی۔ وہ عیش و عشرت کے بجائے معمولی زندگی بسر کرتے تھے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ:

"اگر تم امیرانہ زندگی بسر کرنا چاہتے ہو تو ایسا طریقہ اختیار کرو کہ اگر تمہارے پاس دولت ندر ہے تو غربت کی حالت میں بھی گزارا کرنے میں تکلیف نہ ہو[1]۔"

ابن حزم کے مزاج میں شدت تھی اور زبان میں تیزی تھی۔ اس کا اثر ان کی تقریروں اور تحریروں میں بھی موجود تھا۔ وہ اپنی مخالفت گوارا نہیں کرتے تھے۔ معاصر علماء اور فضلا پر سخت تنقید کرتے تھے۔ اس سلسلہ میں ان کے چچازاد بھائی ابو مغیرہ عبد الوہاب بن حرم سے ان کا مناقشہ بہت معروف ہے۔ ابن حزم کی زبان و قلم کی تیزی کی وجہ سے ان کے مخالفین بہت پیدا ہو گئے تھے۔ خلیفہ سے ان کی شکایت کی جاتی اور ان کے خلاف محاذ آرائی ہوتی۔ ابن حرام کو قید و بند کی سزا بھی ملی اور جلاوطنی کا ستم بھی سہنا پڑا۔ خلیفہ معتضد بن عباد) ۴۶۴-۲۲۹ (نے ان

---

[1] قاسمی، محمد سعود عالم، مطالعہ مذاہب کی اسلامی روایت، اعظم گڑھ: شبلی اکیڈمی، 2019ء، ص:122

کی کتابوں کو جلوادیا تھا۔ ابن حیان اندلسی نے لکھا ہے کہ ان کے پیش کردہ دلائل و براہین میں جوزور بیان اور قوت استدلال پائی جاتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان رکیک الفاظ کی موجودگی میں ان کی قدر و قیمت بہت حد تک کم ہو جاتی ہے۔

شدت ہی کی وجہ سے 316ھ میں ان کو جامع قرطبہ کی تدریس چھوڑنی پڑی۔ آخری عمر میں ابن حزم گوشہ نشین ہو گئے تھے اور اپنا زیادہ وقت تصنیف وتالیف میں گزارتے تھے۔ قرطبیہ چھوڑ کر ہفت لیشم نامی گاؤں چلے گئے جہاں ان کے خاندان کی جاگیریں تھیں۔ آج اس گاؤں کا نام موتیہار ہے جو مرلیہ کے شمالی جانب سات کیلو میٹر پر واقع ہے۔ ابن حزم نے یہاں 25 سال گزارے اور یہیں ان کا انتقال 28 رشعبان 1396 مطابق 1064 کو ہوا۔

ابن حزم کثیر التصانیف تھے۔ ان کی تصانیف کے مجموعی اوراق اسی ہزار سے متجاوز تھے۔ محلی ان کی اہم کتاب ہے۔ مسلمانوں کے مختلف فرقوں کے عقائد اور ان کی بدعات کے رد میں انہوں نے النصائح المنجیه من الفضائح المخزية و القبائح المرويه لاهي سیرت رسول پر جوامع السیر و نامی کتاب لکھی۔ علم الانساب پر انہوں نے جمہرۃ انساب العرب لکھی۔ تاریخ پر نقط العروس فی تاریخ الخلفاء لکھی۔ اندلس کے حالات پر طوق الحمامہ لکھی۔ عیسائیوں کے عقائد اور کتب مقدسہ کی تحریف کے سلسلہ میں اظہار تبدیل الیہود والنصاری لتوراۃ والانجیل لکھی۔ امام رازی کی کتاب العلم الالہی کی تردید میں بھی ایک رسالہ لکھا۔

ابن حزم کی بیشتر کتابیں مفقود ہو چکی ہیں اور جو موجود ہیں وہ ان کی علمی فضیلت اور فکری بصیرت کی شہادت دینے کے لئے کافی ہیں۔ ان کتابوں میں ان کے مطالعہ کی وسعت، استدلال کی قوت اور زبان کی سلامت واضح طور پر محسوس کی جاسکتی ہے۔ محمد ابوزہرہ نے ابن حزم کے اسلوب نگارش کے بارے میں لکھا ہے:

"جس طرح ابن حزم کی فقہ ائمہ اربعہ اور دیگر مجتہدین کی فقہ سے طریق استنباط کے اعتبار سے ممتاز ہے اسی طرح ان کی شخصیت بھی فقہاء میں منفرد اور یگانہ ہے، وہ مناظر بھی ہیں اور عظیم محدث بھی۔ وہ ادیان و مذاہب کے لائق ترین عالم ہیں اور بہترین شاعر اور نثر نویس بھی۔ ان کے اشعار کی طرح محول شعراء کے کلام سے کم مرتبہ نہیں۔ ان کی فنی نثر، تفوق معنی، جودت خیال انتخاب الفاظ اور اسلوب کی شان و شوکت نہایت دلکش انداز بیان میں لوگوں کے جذبات کی ترجمانی کرتے ہیں۔"

ابن حزم نے اپنے معاصر علماء پر تنقیدیں کی ہیں اور ان کی کتابوں کا رد بھی لکھا ہے۔ ان میں میں فقہاء منتظمین اور ادبا بھی شامل ہیں۔ دوسرے علماء کی رائے احترام کے اعتبار سے اپنی مثال آپ ہے۔ آپ کی تحریر کردہ فنی نثر جودت تعبیر حسن تصویر سلامت معنی اور دقت فکر و نظر کی جامع مثال ہے۔ ابن حزم کی عبارت جذبات و احساسات سے لبریز ہوتی ہے اور اپنی مثال آپ ہے۔ عدم احترام کے بارے میں ابن حزم نے صاف لکھا ہے کہ:

"لوگوں کی بات کو اہمیت نہ دے۔ کلام ربانی کے ساتھ اتنا واہتمام کرنے کا نام عقل ہے، اور اس میں راحت انسانی کا سامان پایا جاتا ہے، جو شخص یہ کہتا ہو کہ وہ لوگوں کے طعن و تشنیع سے محفوظ ہے وہ مجنون ہے۔ جس شخص نے اپنے آپ کو حقائق کے دامن میں پناہ لینے کا عادی بنالیا ہو اسے لوگوں کی مزمت سن کر ان کی مدح وستائش کی نسبت زیادہ مسرت حاصل ہو گی"

علامہ شبلی نعمانی نے ابن خلکان کے حوالہ سے لکھا ہے کہ علامہ ابن حزم کسی کے مقلد نہ تھے اور ائمہ مجتہدین پر نہایت آزادی اور بے باکی سے نکتہ چینیاں کرتے تھے۔اس لیے تمام فقہاان کے دشمن ہو گئے۔اور اعلان کر دیا کہ کوئی ان سے ملنے نہ پائے۔اس پر بھی اکتفانہ کر کے شہر بدر کر دیااور بے چارے نے اس آوارگی کی میں صحرائے لیلہ میں وفات پائی۔

اندلس کا ماحول کثیر مذہبی تھا۔ حکمراں طبقہ مسلمان تھا مگر مقامی آبادی کی اکثریت عیسائیوں کی تھی مسلمانوں اور عیسائیوں میں سماجی اور مذہبی روابط قائم ہوئے۔اس ماحول میں ابن حزم نے اسلامی علوم کے ساتھ عیسائیوں کے مذہب اور علوم وفنون سے واقفیت حاصل کی۔ بقول محمد ابوزہرہ:

"اندلس میں مسلمانوں کے عیسائیوں سے اختلاط کا نتیجہ یہ ہوا کہ ابن حزم نے بنظر غائر مختلف ادیان ومذاہب کا مطالعہ شروع کیا۔ وہ کامل غور و خوض سے یہ سوچنے لگے کہ عیسائی مذہب میں تحریف کی وجوہات کیا ہیں۔ عیسائیت سے پوری طرح واقفیت حاصل کرنے کے بعد آپ ان سے مصروف جدل ومناظرہ ہوئے۔ان کے مصادر وموارد سے آشنائی پیدا کی اور ان کے افکار ومعتقدات سے آگاہ ہوئے۔"

ابن حزم نے عیسائی پادریوں سے ملاقاتیں کیں،ان کی کتابوں کا مطالعہ کیااور پھر ان سے مذاہبی مناظرے کیے۔یونانی فلسفہ کی اشاعت کے بعد فلسفیوں اور ملحدوں کا بھی ایک طبقہ پیدا ہوا ہو گیا تھا جو خدا کی وحدانیت کا قائل نہ تھا۔ابن حزم نے ان سے بھی مناظر تذکرہ کیا۔

الملل والنحل کا موضوع:

ابن حزم کی تصانیف میں سب سے مشہور کتاب "الفصل في الملل والاھواء والنحل ہے جسے مختصر الملل والنحل کہا جاتا ہے۔مذہبی اعتقادات کا فلسفیانہ تجزیہ اور معاصر مذاہب سے اس کا موازنہ، نیز مسلمانوں کے مشہور مذہبی فرقوں کے عقائد وافکار کا تذکرہ اور محاسبہ کرنا اس کتاب کا موضوع ہے۔ یہ کتاب تین جلدوں میں مصر سے ۱۳۴۷ھ میں شائع ہوئی ہے۔اس کتاب کا اردو ترجمہ مولانا عبداللہ عمادی نے کیا ہے۔اور ۱۳۶۴ھ مطابق ۱۹۴۵ء میں دار الطبع جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن سے شائع ہوا ہے۔کتاب کی پہلی جلد میں اسلام اور دیگر مذاہب کے عقائد کا موازنہ ہے۔دوسری جلد میں مسلمانوں کے مذہبی فرقوں مثلاً خوارج شیعہ، مرجمہ، معتزلہ،اور اہل سنت کے عقائد سے بحث ہے،اور یہ بتایا ہے کہ کون سے فرقے قرآن وسنت سے قریب ہیں اور کون سے بعید ہیں۔ تیسری جلد میں مسئلہ امامت اور فضیلت صحابہ پر گفتگو کی گئی ہے۔ علامہ شبلی نعمانی نے اس کتاب کے بارے میں لکھا ہے:

"غیر مذاہب کے رد میں علماء اسلام کی بہت کی تصانیف ہیں۔ لیکن اس کتاب میں یہ خصوصیت ہے کہ دوسروں کے عقائد وخیالات کو نہایت تحقیق سے لکھا ہے۔ توریت وانجیل کے محرف ہونے پر جو بحث کی ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مصنف کو یہود و نصاری کی کتابوں پر مجتہدانہ عبور تھا۔"

ابن حزم کا علم دوسرے مذاہب کے بارے میں بہت وسیع ہے خصوصا آسمانی مذاہب اور ان کی کتابوں کا مطالعہ انہوں نے باریک بینی سے کیا ہے۔ ایک ایک مسئلہ اور مسئلہ کے ہر جزو پر ان کی نظر ہے۔ کتاب الملل والنحل کے مباحث میں ان کے مطالعہ کی گہرائی پوری طرح جھلکتی ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے دوسرے مذاہب کا موازنہ ایک خاص نقطہ نظر سے کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ تخلیق کائنات، انتظام عالم، خدا کی ذات وصفات، حدوث عالم، تعدد اللہ، توحید، رسالت، رسولوں کی صفات، معجزات اور حیات بعد الموت وغیرہ کے بارے میں مختلف مذاہب کے عقائد کیا ہیں۔ ان عقائد کا تجزیہ، ان کے کمزور پہلوؤں کا محاسبہ اور حق بات کا اظہار کرنا اس کتاب کا مدعا ہے۔ ابن حزم نے یہ کتاب مناظرانہ اور مجادلانہ رنگ وآہنگ میں لکھی ہے اور احقاق حق اور ابطال باطل کا فرض انجام دینے کی سعی مجادلانہ کی ہے۔ وہ بلاخوف وخطر یہ اعلان کرتے ہیں کہ

"تمام شرائع میں صرف ایک ہی شریعت اللہ عزوجل کی جانب سے ہے اور صحیح ہے۔ بقیہ شرائع سب کی سب باطل ہیں۔ لہذا ہر ذی حس پر اس شریعت کی تلاش اور اس کے سوا ہر شریعت کا ترک کر دینا فرض ہے۔ اگرچہ وہ دقیق و باریک ہی کیوں نہ ہو۔ یہاں تک کہ اس سے بدائل صحیحہ واقلیت حاصل کرنا پڑے۔ کیونکہ ابد (قیامت) میں اس سے نفس کی بہتری ہے اور اس کے نہ جاننے سے ابد میں نفس کی ہلاکت ہے۔ جو شخص اس قول میں ہم سے جھگڑا کرے تو ہم میدان مناظرہ میں ہیں اور اقوال کو بدلائل سیر پر محمول کرنے کے لیے تیار ہیں۔ پھر ہم باطل اور بے دلیل دعاوی کو کمزور ثابت کر دیں گے وہ جہاں کہیں بھی ہوں اور جس کسی کے ہاتھ میں بھی ہوں اور حق ثابت ہو کر چمکے گا جہاں کہیں ہو اور جس کسی کے ہاتھ میں ہو۔"

ابن حزم نے مذاہب کے عقائد واحکام پر تنقید و تبصرہ کیا ہے اور ان کے ان اعتراضات کو بھی نقل کیا ہے جو اسلام کے عقائد واحکام پر وہ کرتے ہیں۔ پھر اس کا جواب تفصیل کے ساتھ دیا ہے۔ احکام کی علت و حکمت کو بھی واضح کیا ہے اور مخالفین اسلام کو عقلی طور پر مطمئن کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس کتاب کی تالیف کا مقصد اور اس کے طرز کلام اور اسلوب نگارش کا تعارف کراتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

"اللہ سے استخارہ کر کے ہم نے یہ کتاب مرتب کی ہے۔ مقصد یہ ہے کہ ایسے دلائل و براہین پیش کیے جائیں جو محسوس مقدمات سے نکلے ہوں، یا باختلاف احوال حس قریب یا حس بعید ان کا مرجع ہو۔ استدلال میں یہ شرط رکھی ہے کہ دلیل اپنے مخرج سے الگ نہ ہونے پائے اور جو کچھ ثابت ہو اسی کو شیخ مانا جائے۔ اس لئے کہ حق اس کا نام ہے۔ الفاظ بہت واضح رکھے، پیچیدگی نہیں آنے دی ہے۔

وہ تمام مذاہب و نظریات اور فلسفہ حیات جو اسلام کے مخالف ہیں اور جن پر اکتاب میں نقد و تبصرہ کیا گیا ہے ابن حزم نے ان کو حسب ذیل چھ فرقوں میں تقسیم کیا ہے:

(1) پہلا فرقہ سوفسطائی کا ہے۔ یہ فرقہ حقیقت اشیاء کا منکر ہے۔

(2) دوسرا فرقہ اشیاء کے حقائق کے ماننے والوں کا ہے جو دنیا کو قدیم مانتا ہے اور یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ اس دنیا کا نہ کوئی خالق ہے اور نہ کوئی مدبر و منتظم ہے۔

(3) تیسرا فرقہ بھی حقیقت اشیاء کو تسلیم کرتا ہے مگر یہ کہتا ہے کہ یہ عالم بھی قدیم ہے اور اس کا مدیر و منتظم بھی قدیم ہے۔

(4) چوتھا فرقہ اس دنیا کے مدبر و منتظم (خدا) کو ایک سے زیادہ مانتا ہے۔

(5) پانچواں فرقہ خدا کو تو مانتا ہے مگر نبوت کا انکار کرتا ہے۔

(6) چھٹا فرقہ دنیا کو حادث اور خالق کو ازلی و قدیم اور واحد مانتا ہے نبوت کو بھی تسلیم کرتا ہے مگر بعض انبیاء کا اقرار کرتا ہے اور بعض کا انکار کرتا ہے۔ پھر ان فرقوں کی ذیلی شاخیں ہیں۔

ابن حزم نے سب سے پہلے فلاسفہ کے مذہب پر کلام کیا ہے۔ جو دنیا کو قدیم مانتے ہیں یعنی یہ دنیا خود بخود وجود میں آئی ہے۔ اس کا پیدا کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ ابن حزم نے متکلمانہ انداز راز میں خود فلسفہ کی رو سے ثابت کیا ہے کہ عالم قدیم نہیں بلکہ حادث ہے اور اس کا پیدا کرنے والا ایک خدا ہے۔

فلاسفہ کا مذہب:

ابن حزم نے ان فلاسفہ کے جواب میں جو دنیا کو حادث نہیں قدیم مانتے ہیں بہت سے منطقی اور فلسفیانہ دلائل دیے ہیں۔ ایک دلیل کا حاصل یہ ہے:

"وہ شے جس کی انتہا نہ ہو وہ موجود بالفعل نہیں ہو سکتی اور جو چیز صرف موجود غیر متناہی کے بعد ہی پائی جا سکے اس کے وجود کا ابدی اور دائمی ہونا بھی ناممکن ہے۔ اس لیے کہ اس میں بعدیت کا واقع ہونا ہی اس کا متناہی ہونا ہے۔ جو چیز غیر متناہی ہوتی ہے وہ بعد سے بری ہوتی ہے۔ لہذا کوئی شے جس کا وجود کسی شے کے بعد ہو۔ وہ کبھی ابدی اور دائم نہیں ہو سکتی۔ تمام اشیاء اسی طرح موجود ہیں کہ ان میں بعض اشیا بعض کے بعد ہیں۔ اس لئے تمام اشیاء انتہا والی اور متناہی ہوئیں۔"

متناہی چیز زمان و مکان کے حدود میں ہوتی ہے اس لیے حادث ہے۔ جبکہ اللہ تعالی کی ذات زمان و مکان کی حد بندی سے ماورا ہے اور قدیم ہے۔ اس نکتہ کی وضاحت کرتے ہوئے ابن حزم نے لکھا ہے:

"ہر زمانی چیز کی حرکت کو اس کے ایک مکان سے دوسرے مکان کی طرف منتقل ہونے کو یا مکان واحد میں اس کے ساکن رہنے کی مدت کو زمانہ کہتے ہیں—اللہ تعالیٰ نہ متحرک ہے نہ ساکن، نہ وہ کسی زمانہ میں ہے نہ اس کے لیے کوئی مدت ہے، نہ کسی مکان میں ہے، نہ جسم ہے، نہ جوہر نہ عرض ہے، نہ عدد ہے، نہ جنس ہے، نہ نوع ہے، نہ فصل ہے، یہ شخص، سوائے اس کے کہ وہ اپنی ذات میں حق ہے، موجود مطلق ہے، اس معنی

میں کہ وہ معلوم ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، واحد ہے کہ اس کے سوا عالم میں کوئی واحد نہیں، وہ تمام موجودات کا پیدا کرنے والا ہے۔ وہ اپنی مخلوق سے مشابہ نہیں ہے۔"

مجوسی مذہب:

ابن حزم نے مجوسی مذہب کو جس خانہ میں رکھا ہے وہ یہ ہے کہ یہ لوگ خدا کو تو مانتے ہیں مگر وہ ایک خدا کی جگہ دو خداؤں کو مانتے ہیں۔ کائنات کے نظم و نسق کا مدبر سات سیاروں کو مانتے ہیں اور ان کو ازلی تسلیم کرتے ہیں۔ مجوسی عقیدہ کی اصل تلاش کرتے ہوئے متکلمین کے حوالہ سے لکھا ہے کہ جب خدا کی تنہائی لمبی ہو گئی تو وہ گھبرانے لگا، گھبراہٹ میں کوئی بڑی فکر لاحق ہوئی جو مجسم ہو گئی اور ظلمت میں بدل گئی۔ اس سے اہر من پیدا ہوا اور یہی ہے۔ خدا نے اسے اپنے آپ سے دور رکھنا چاہا مگر قادر نہ ہو سکا تو اس نے نیکیاں ابلیس پیدا کر کے اس سے کنارہ کشی کی۔ اور اہر من نے بدی اور شر پیدا کرنا شروع کر دیا۔

مجوسی لوگ روشنی آگ اور پانی کی تعظیم کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ وہ زرتشت کی نبوت کا اقرار کرتے ہیں۔ اور اپنی شریعت کو زرتشت کی طرف منسوب کرتے ہیں لیے مجوس کے ذیلی فرقوں کا تعارف کراتے ہوئے ابن حزم نے لکھا ہے:

"ان میں ایک فرقہ مزدکیہ ہے۔ یہ لوگ مزدک کے پیرو ہیں جو مجوسیوں میں ایک مذہبی پیشوا گذرا ہے۔ ایسے پیشواؤں کو ان کی اصطلاح میں موبد کہتے ہیں۔ فرقہ مزدکیہ کا فلسفہ یہ ہے کہ ہر شخص جو کچھ کھائے اس میں سب کا حق برابر ہے۔ یہ لوگ عورتوں میں بھی مساوات کے قائل ہیں۔ ہوا اور پانی کی طرح عورتیں بھی مشترک ملکیت ہیں۔ ہر ایک مرد ان سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔"

ابن حزم نے مجوسیوں کو یہود و نصاری کی طرح اہل کتاب میں شامل کیا ہے اور اس پر صحابہ و تابعین کے اقوال سے حجت قائم کی ہے۔ ابن حزم کہتے کہ:

جو لوگ مجوس کو اہل کتاب کہتے ہیں ان میں علی بن ابی طالب اور حذیفہ شامل ہیں۔ اور سعید بن المسیب، قتادہ اور ابو ثور اور جمہور اصحاب اہل ظاہر ہیں۔ ہم نے اس قول کو ثابت کرنے والے دلائل اپنی کتاب الایصال کے باب الجہاد، الذبائح اور النکاح میں بیان کیے ہیں۔"

اگر مجوسی اہل کتاب ہیں اور ان کے پاس آسمانی کتاب ہے تو سوال یہ ہے کہ وہ کون سی کتاب ہے اور کہاں ہے؟ ابن حزم کا خیال ہے کہ مجوسیوں کے پاس آسمانی کتاب تھی۔ اس کا ایک بڑا حصہ ضائع ہو گیا اور جو بچ گیا اس میں توریت و انجیل کی طرح تحریف و ترمیم ہوئی۔ وہ لکھتے ہیں۔

"مجوسی خود ہی اس کا اعتراف کرتے ہیں کہ ان کی وہ کتاب جس میں ان کا دین تھا، سکندر نے جب دارا بن دارا کو قتل کیا تو اس کتاب کو بھی جلا دیا۔ اور اس کے دو ثلث یا زیادہ جاتے رہے۔ اس میں سے ایک ثلث سے کم رہ گیا، جو حصہ جاتا رہا شریعت اسی میں تھی۔

ان کی ایک کتاب جس کا نام خدائی نامہ ہے، اس کتاب کی یہ لوگ بے انتہا تعظیم کرتے ہیں۔ اس میں لکھا ہے کہ بادشاہ نوشیرواں نے حکم دیا تھا کہ سوائے ازدشیر حمزہ کے کہیں اور سے یہ لوگ اپنا دین نہ سیکھیں۔ یہ دین فقط دارا بجرد سے پھیلا۔ اس کے قبل بھی یہ صرف اصطخر میں سیکھا جا

سکتا تھا وہ سوائے مخصوص لوگوں کے کسی کے لیے جائز نہ تھا۔ یہ کتاب جو سکندر کے جلانے کے بعد بچ گئی تھی اس کے تیس اجزا تھے۔ ان لوگوں کے تئیس ہی متولی اور آتش کدہ کے خادم بھی تھے۔ ہر متولی کے لیے ایک جزو تھا۔ جو دوسروں تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔

صابئ مذہب:

صابئ مذہب کا تعارف کراتے ہوئے ابن حزم لکھتے ہیں:

"جو لوگ کہتے کہ مدبر عالم ایک سے زائد ہیں انہی میں صابی بھی ہیں۔ یہ لوگ قدامت اصلین کے قائل ہیں۔ کواکب سبعہ کی تعظیم کرتے ہیں ۔ بارہ بروج کے قائل ہیں۔ اپنے بت خانوں میں ان کی تصویر بناتے ہیں۔ قربانیاں چڑھاتے ہیں، عود کی دھونی دیتے ہیں۔ رات دن میں ان کی بھی پانچ نمازیں ہیں جو مسلمانوں کی نمازوں سے ملتی جلتی ہیں۔ رمضان کے روزے بھی رکھتے ہیں۔ اپنی نماز میں کعبہ اور بیت الحرام کا رخ کرتے ہیں۔ مکہ اور کعبہ کی تعظیم کرتے ہیں۔ مردار، خون اور سور کے گوشت کو حرام سمجھتے ہیں۔ ان رشتہ دار عورتوں کو بھی حرام سمجھتے ہیں جو مسلمانوں کے نزدیک حرام ہیں۔

صابیوں کا مذہب روئے زمین پر قدیم ترین اور تمام دنیا پر غالب تھا۔ یہاں تک کہ اس میں نئی نئی باتیں ایجاد کر لیں اور اس کے طریقے بدل دیے۔ اللہ تعالی نے اپنے خلیل ابراہیم علیہ السلام کو اس دین اسلام کے ساتھ جس پر آج ہم لوگ قائم ہیں اور اس مبارک ملت حنفیہ کی تصحیح قرآن کے لیے مبعوث کیا جو اللہ تعالی کی جانب سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائی گئی ہے۔ ان لوگوں نے کواکب اور عبادت اصنام ایجاد کر لی تھی۔ اس کے بطلان کو حضرت ابراہیم نے صاف صاف بیان کیا۔ اس تبلیغ حق کے سلسلہ میں ان لوگوں کی جانب سے وہ مصائب پیش آئے جن کی تصریح اللہ تعالی نے اپنی کتاب قرآن مجید میں فرمائی ہے۔ وہ لوگ اس زمانہ میں اور اس کے بعد حنفا کہلاتے تھے اب ان میں سے کچھ لوگ حران میں باقی ہیں کے نبوت کے سلسلہ میں صابیوں کا عقیدہ کیا ہے اس سلسلہ میں ابن حزم نے لکھا ہے کہ صابی بعض انبیاء کو مانتے ہیں اور بعض کو نہیں مانتے ہے۔ صابیوں کی عبادت وریاضت اور مجاہدہ نفس کے بارے میں ابن حزم بیان کرتے ہیں کہ صابین کے یہاں ان سے (عیسائیوں) بھی بڑھ کر مجاہدہ وریاضت ہے، اس کی شدت نے ان لوگوں کو اس حد تک پہونچا دیا ہے کہ ایک شخص اپنے آپ کو خصی کر ڈالتا ہے، ایک شخص بطور مجاہدہ عبادت کے خود اپنی دونوں آنکھوں کے ڈھیلے نکال ڈالتا ہے۔"

مانی کا مذہب:

ابن حزم کے مطابق مانی مذہب کا فلسفہ یہ ہے کہ دو اصل یعنی نور اور ظلمت ازلی ہیں اور دونوں زندہ ہیں۔ یہ دونوں ہر سمت سے غیر متناہی ہیں۔ سوائے اس سمت کے جس میں دونوں باہم ملتے ہیں۔ نور وظلمت دو جسم ہیں اور اپنی پانچ سمتوں میں غیر متناہی ہیں۔ نور وظلمت کے امتزاج کے طریقے بھی مانی کے پیروں نے بیان کیے ہیں مگر ان کو ابن حزم نے خرافات قرار دیا ہے۔ مانی حران کا راہب تھا۔ اس نے یہ دین ایجاد کیا۔ جس شخص نے اسے قتل کیا وہ باشاہ بہرام بن بہرام تھا۔ اس بادشاہ کے سامنے قطع نسل اور دنیا سے چھٹکارا پانے کی تعمیل کے مسئلہ میں آذر بازبن مار

کفند موبذ موبذان نے مانی سے مناظرہ کیااور کہا کہ تمہارا عقیدہ ہے کہ نکاح حرام ہے تاکہ دنیا جلد فنا ہو جائے اور ہر شکل اپنی اصل شکل کی طرف لوٹ جائے اور یہ حق اور واجب ہے۔

مانی نے جواب دیا کہ نسل کو جس میں نور و ظلمت کا امتزاج ہے قطع کر کے نور کی رہائی میں مدد کرنا واجب ہے۔ آذر باز نے جواب دیا کہ تب تو یہ بھی واجب ہے کہ سب سے پہلے تمہیں وہ رہائی دی جائے جس کی تم دعوت دیتے ہو۔ اور اس امتزاج مذموم کے باطل کرنے میں تمہاری مدد کی جائے۔ مانی یہ سن کر لاجواب ہو گیا۔ تب بہرام نے مانی کے قتل کا حکم دیا اور مانی اور اس کی جماعت کو قتل کر دیا گیا۔

مانی فرقہ کے لوگ حیوان کو قتل کرنا نامناسب سمجھتے ہیں۔ یہ لوگ عیسی علیہ السلام اور زرتشت کی نبوت کا اقرار کرتے ہیں اور مانی کو نبی مانتے ہیں ۔ابن حزم نے متکلمین کے اس خیال کی تردید کی ہے کہ دیمان مانی کا شاگرد تھا۔ بلکہ دیمان مانی سے پہلے گذرا ہے اور مانی نے اپنی کتابوں میں دیسان کا رد کیا ہے، کیونکہ مانی کے نزدیک ظلمت زندہ ہے جبکہ دیصان کے نزدیک ظلمت مردہ ہے۔

برہمنوں کا مذہب:

ابن حزم نے برہمنوں کو نبیوں اور فرشتوں کا انکار کرنے والوں میں شمار کیا ہے، اور برامن مذہب (ہندو مذہب) کو خدا کا ماننے والا اور رسولوں کا انکار کرنے والا مذہب ثابت کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ براہمہ (برہمن) ہندوستان کا ایک قبیلہ ہے جس میں اعلیٰ ذات کے لوگ ہیں۔ یہ خود کو برہما کی اولاد بتاتے ہیں۔ جو ان کے بادشاہوں میں ایک بادشاہ تھا۔ ان برہمنوں کی ایک علامت ہے جس سے یہ ممتاز رہتے ہیں کہ سرخ و زرد ڈورے (جنیو) تلواروں کی طرح اپنی گردنوں میں ڈالے رہتے ہیں۔

وہ بھی ہماری طرح توحید کے قائل ہیں۔ سوائے اس کے کہ نبوت کا انکار کرتے ہیں۔ اس انکار کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ جب یہ ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ حکیم ہے اور وہ جس کو کسی ایسے شخص کی طرف رسول بنا کر بھیجے گا جس کے بارے میں وہ یہ جانتا ہے کہ وہ رسول کی تصدیق نہیں کرے گا تو بلاشبہ وہ فعل عبث کا مرتکب ہو گا اور ایک نہ ہونے والے کام کی مشقت برداشت کرے گا۔ لہذا اللہ کی طرف سے رسول بھیجنے کی نفی کرنا ضروری ہوا۔ تاکہ وہ عبث اور دشواری کے الزام سے بری رہے۔

برہمن یہ کہتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ نے محض اس لیے رسولوں کو لوگوں کی طرف بھیجا کہ وہ ان کے ذریعہ سے لوگوں کو گمراہی سے ایمان کی طرف نکالے تو اس کی حکمت کے زیادہ مناسب اور اس کے مقصود کو زیادہ پورا کرنے والا تھا کہ وہ عقول کو مجبور کر دیتا کہ وہ اس پر ایمان لائیں۔ اس وجہ سے بھی رسولوں کا بھیجنا باطل ہو گیا۔

ابن حزم کے مذکورہ بیان کے برخلاف دوسرے مسلمان مفکر ابوریحان البیرونی نے برہمنوں کے یہاں رسالت کے تصور کا اثبات کیا ہے۔ برہمنوں کے یہاں نارائن کا جو عقیدہ پایا جاتا ہے البیرونی نے اسے نبی و رسول کے عقیدہ سے تعبیر کیا ہے۔ ابن حزم کو کبھی ہندوستان آنے اور برہمنوں سے براہ راست ملاقات کر کے ان کا عقیدہ معلوم کرنے کا موقع نہیں ملا جبکہ البیرونی نے بارہ سال ہندوستان میں قیام کیا اور برہمنوں کے عقائد کی براہ راست تحقیق کی۔ اس لیے البیرونی کا مطالعہ ابن حزم کے مقابلہ میں زیادہ باوزن معلوم ہوتا ہے۔

یہودی مذہب:

ابن حزم نے یہودیوں کے حسب ذیل پانچ فرقوں کا تذکرہ کیا ہے۔

1) سامریہ
2) صدوقیہ
3) عنائیہ
4) ربانیہ
5) عیسویہ

سامریہ کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ لوگ بیت المقدس سے اٹھارہ میل کے فاصلہ پر سامریہ شہر میں رہتے ہیں۔ بیت المقدس کی حرمت کو نہیں مانتے، ان کی توریت بھی دوسرے یہودیوں کی توریت سے الگ ہے، یہ حضرت موسیٰ اور یوشع علیہما السلام کے بعد بنی اسرائیل کے تمام نبیوں کے منکر ہیں، جن میں داؤد، سلیمان، الیاس اور زکریا علیہم السلام شامل ہیں۔

صدوقیہ: صدوق نامی یہودی کی طرف منسوب ہے، یہ فرقہ یمن کے اطراف میں رہتا ہے اور یہی فرقہ حضرت عذیر کے ابن اللہ ہونے کا قائل ہے۔

عنائیہ: عنان داودی یہودی کے متبعین پر مشتمل ہے۔ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ یہ شرائع توریت اور جو کچھ انبیاء علیہم السلام لائے اس سے تجاوز نہیں کرتے۔ علماء یہود کے اقوال سے بے زاری ظاہر کرتے ہیں۔ یہ فرقہ عراق و مصر و شام میں ہے۔ اور اندلس میں طلیطلہ اور ظہیرہ میں ہے۔

ربانیہ: یہ فرقہ اقول احبار (علماء یہود) اور ان کے مذہب کا قائل ہے۔

عیسویہ: یہ لوگ ابو عیسی اصفہانی یہودی کے اصحاب ہیں جو اصفہان میں رہتا تھا۔ یہ لوگ حضرت عیسی بن مریم کی نبوت کے قائل ہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے بھی قائل ہیں۔ ابن حزم نے ان فرقوں کا تعارف کرانے کے بعد شریعتوں کے احکام کے منسوخ ہو جانے کے مسئلہ پر یہودیوں کے عقائد کا محاسبہ کیا ہے۔ یہودی نسخ کو باطل قرار دیتے ہیں۔ قرار اس لئے ابن حزم نے نسخ کے جواز میں عقلی نقلی دلائل قائم کیے ہیں۔ پھر توریت میں قابل اعتراضات مقامات کی نشاندہی کرتے ہوئے یہودیوں کی توریت میں تحریف و ترمیم پر گرفت کی ہے۔ نیز توریت میں موجود تضادات اور انبیاء علیہم السلام پر افسوس ناک الزامات کے سلسلہ میں محققانہ بحث کی ہے اس سلسلہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات پر بھی سیر حاصل بحث کی ہے۔

توریت میں موجودہ قابل اعتراض بیانات اور یہودیوں کی تحریفات پر بحث کرتے ہوئے ابن حزم کا قلم تند و تیز ہو گیا ہے اور تحریر میں جذباتی لہرا بھر آئی ہے۔ ابن حزم لکھتے ہیں کہ خدا کی قسم میں نے ایسی کوئی قوم نہیں دیکھی جو نبوت کا اقرار کرے اور انبیاء کی طرف ایسی باتیں منسوب کرے جیسی یہ کفار منسوب کرتے ہیں۔

کبھی تو ابراہیم کی طرف یہ منسوب کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنی بہن سے شادی کرلی اور ان سے اسحاق پیدا ہوئے۔ پھر یعقوب کی طرف یہ منسوب کرتے ہیں کہ انہوں نے ایک عورت سے شادی کی مگر فریب سے ان کے پاس دوسری عورت بھیج دی گئی جو ان کی بیوی نہ تھی اور اس سے ان کے یہاں دو لڑکے پیدا ہوئے جن سے موسیٰ وہارون، داؤد، سلیمان وغیرہم علیہم السلام کی نسل چلی۔ پھر روہان بن یعقوب کی طرف یہ منسوب کرتے ہیں کہ انھوں نے اپنی سوتیلی ماں، اپنے نبی باپ کی بیوی اور اپنے علاتی بھائیوں کی ماں سے زنا کیا۔ پھر اپنے نبی یعقوب کی طرف یہ منسوب کرتے ہیں کہ انھوں نے مجبوراً اس عورت سے بدکاری کی اور جبراً اس کے ساتھ مجامعت کی۔ پھر یہودا کی طرف یہ باتیں منسوب کرتے ہیں جن میں اپنے دو بیٹوں کی بیوی کے ساتھ ان کا زنا کرنا پھر اس کا حاملہ ہونا، اور زنا سے اس کے یہاں لڑکا پیدا ہونا جس سے داؤد اور سلیمان علیہما السلام کی نسل چلی۔

پھر یوشع بن نون کی طرف یہ منسوب کرتے ہیں کہ انہوں نے رحب سے شادی کی جو مشہور زانی تھی اور اس نے شہر اریحا میں زنا کے لیے اپنے آپ کو ہر ایسے شخص کے لیے وقف کر دیا تھا جو رینگے یا چلے۔ پھر عمران بن فہث بن لاوی کی طرف یہ منسوب کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنی پھوپھی سے جن کا نام یوحاند تھا شادی کرلی جو ان کے دادا کے یہاں مصر میں پیدا ہوئی تھی۔ ان سے ان کے یہاں ہارون اور موسیٰ علیہما السلام پیدا ہوئے۔

پھر داؤد علیہ السلام کی طرف یہ منسوب کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنے لشکر کے ایک شخص کی بیوی کے ساتھ علانیہ زنا کیا جو پاکدامن تھی اور اس کا شوہر زندہ تھا۔

"ابن حزم نے یہودی مذہب پر تبصرہ کرتے ہوئے سخت لب ولہجہ میں کہا ہے: ''اس قوم کے کفر سے تعجب کرو اور اس سے جو ان کے پیش رو کافروں، بدمعاشوں نے اللہ اور اس کے رسل علیہم السلام پر افترا کیا ہے۔ پھر اس کتاب پر جس میں اس میں سے کچھ بھی ثابت کیا گیا ہو اور اس کے کاتب پر اتنی ہی بار لعنت وغضب ہو جتنی اللہ کی مخلوق ہے۔"

عیسائی مذہب:

عیسائی مذہب کے بارے میں ابن حزم نے قدرے تفصیل سے کلام کیا ہے، ان کے عقائد واحکام اور رسوم سے بحث کی ہے، ان کے ذیلی فرقوں کا تعارف کرایا ہے، توریت وانجیل میں تحریف کیے جانے کی نشاندہی کی ہے، اور توریت وانجیل کا اسلام کی نظر میں کیا مقام ہے، اس پر روشنی ڈالی ہے۔ ابن حزم کے نزدیک عیسائی اہل کتاب ضرور ہیں مگر جمہور عیسائی اور ان کے تمام فرقے توحید خالص کا اقرار نہیں کرتے بلکہ تثلیث کے قائل ہیں۔

ابن حزم نے عیسائیوں کے جن فرقوں کے عقائد پر گفتگو کی ہے ان میں اربوسیہ، بولسیہ مقدونبوسیہ، بربرانیہ نسطوریہ، یعقوبیہ شامل ہیں۔ان میں پہلے تین فرقے توحید کے قائل تھے اور حضرت عیسی کو خدا کا بندہ مانتے تھے جبکہ آخری تینوں فرقے حضرت عیسی کی خدائی کے قائل ہیں۔ یعقوبیہ کی تعداد زیادہ ہے یہ فرقہ یعقوب برذعان کی طرف منسوب ہے جو قسطنطنیہ کا راہب تھا۔اس فرقے کا عقیدہ ہے کہ مسیح خود ہی خدا ہیں، لوگوں کے کفر عظیم کی وجہ سے خدا مصلوب ہوا اور کائنات تین دن تک بغیر مدبر و منتظم کے رہی۔ مرنے کے بعد وہ پھر زندہ ہو گیا۔ابن حزم نے عقوبیہ کے عقائد پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

اگر اللہ تعالی اپنی کتاب میں ان کے یہ اقوال نہ بیان کرتا کہ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ بْنُ مَرْيَمَ، إِنَّ اللَّهَ ثَالِثُ ثَلَثَةٍ، أَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُونِي وَأُمِّيَ الهَيْنِ مِنْ دُونِ اللَّهِ تو ہر گز کسی مومن کی زبان اس قول مصنیع و قبیح کو نقل نہ کر سکتی۔ خدا کی قسم اگر ہم نے خود نصاری کا مشاہدہ نہ کیا ہوتا تو ہر گز نہ مانتے کہ دنیا میں کوئی عقل ایسی بھی ہے جس میں یہ جنون سما سکے۔''

عیسائیوں کے عقیدہ تثلیث پر ابن حزم نے شدید تنقید کی ہے، اور اس عقیدہ کا عقل نقل کی روشنی میں تجزیہ کیا ہے۔اس عقیدہ کے ہر جزء کی فلسفیانہ تشریح کرتے ہوئے اس کا باطل ہونا ثابت کیا ہے۔ابن حزم نے لکھا ہے کہ:

جو لوگ باری تعالی کو تین اشیا بتاتے ہیں (باپ، بیٹا، روح القدس) ان سے پوچھا جائے کہ جب یہ اشیا سب کی سب ازلی ہیں اور یہ سب شے واحد کے ساتھ ہیں تو پھر وہ کون سے معنی ہیں جن کی وجہ سے ان میں سے ہر ایک کو باپ کہا جائے اور دوسرے کو بیٹا تم کہتے ہو کہ تینوں ایک ہیں۔ان میں سے ہر ایک بعینہ دوسرا ہے نتیجہ یہ ہوا کہ باپ بیٹا ہے اور بیٹا باپ ہے۔یہ محض بدحواسی ہے۔

عقیدہ صلیب:

ابن حزم نے حضرت عیسی علیہ السلام کو سولی پر لٹکانے کے عقیدے پر بھی مفصل گفتگو کی ہے اور عیسائیوں کے عقیدہ صلیب کا ابطال کیا ہے اس کے مقابلے میں قران کی شہادت و ماقتلوہ وماصلبوہ ولکن شبہ لھم (نہ تو ان لوگوں نے عیسی کو قتل کیا اور نہ ان کو سولی دی بلکہ ان لوگوں کو دھوکا ہوا) کی دلچسپی تشریح کی ہے ابن حزم کے مطابق قرآن کا یہ مطلب نہیں کہ مسیح کو سولی دیتے ہوئے جن لوگوں نے دیکھا ان کو دھوکا ہوا بلکہ یہ مطلب یہ ہے کہ چند آدمیوں نے مسیح کے دشمنوں سے رشوت ٹھہرائی اور عیسی علیہ السلام کو آبادی سے دور کسی طرف لے گئے وہاں پہنچنے کے بعد جب حضرت عیسی علیہ السلام غائب ہو گئے اور آسمان پر اٹھا لیے گئے تو ان لوگوں نے واپس آکر مسیح کے دشمنوں سے یہ واقعہ چھپایا اور ان سے یہی کہا کہ ہم نے قتل کر دیا اور یہ کہہ کر اپنے رشوت وصول کر لی اگر وہ ایسا نہ کرتے تو قتل کے لیے جو معاوضہ طے ہوا تھا وہ ان کو نہیں ملتا کیونکہ مسیح آسمان پر اٹھا لیے گئے اس لیے ان جھوٹوں کو اپنے جھوٹ کے کہنے کا بھی اندیشہ نہ تھا اور میں اسی کے گم ہو جانے کے لیے لوگوں کو یقین بھی آ گیا بس واقعہ یہ ہے کہ چند بدمعاش ہی قتل سے پہلے راوی ہیں اور بقیہ اشخاص ان پر اعتماد کر کے اس خبر کو دنیا بھر میں شہرت دینے والے ہیں۔

موجودہ انجیل:

موجودہ انجیل کے بارے میں ابن حزم کے قطعی رائے ہے کہ اللہ تعالی کی طرف سے نازل کردہ کتاب نہیں ہے اور نہ حضرت عیسی علیہ السلام کی مرتب کردہ کتاب ہے بلکہ یہ تاریخ ہے جس نے حضرت عیسی علیہ السلام کے بہت بعد لوگوں نے مرتب کیا ابن حزم نے اس خیال کی تصدیق عیسائی مصنفین اور مفکرین کے اقوال سے کی ہے۔

وہ لکھتے ہیں:

"عیسائی یہ دعوی نہیں کرتے کہ یہ اناجیل اللہ تعالی کے پاس مسیح پر نازل ہوئی کی گئی ہیں ورنہ یہ دعوی کرتے اور نہ یہ دعوی کرتے ہیں کہ اناجیل کو مسیح ان کے پاس لائے۔

بلکہ یہ سب لوگ شروع سے آخر تک اویوسی، ملکی، نطوری یعقوبی، ماروتی اور بولقانی سب کے سب مانتے ہیں کہ یہ چار کتا تواریخ ہیں جن کو چار شخصیتوں نے مختلف زبانوں میں تالیف کیا ہے۔

ان سب کی پہلی تاریخ جسے عیسی علیہ السلام کی اٹھائے جانے کے نو سال بعد ان کے شاگرد متی نے عبرانی زبان میں شام کے شہر یہود میں لکھی ہے دوسری تاریخ وہ ہے جو عیسی علیہ السلام کے اٹھائے جانے کے بارہ سال بعد مرقس الہاروني نے تالیف کیا ہے مرقس نے انطاکیہ شہر کی یونانی زبان میں اسے لکھا تھا۔ مرقس حضرت عیسی علیہ السلام کے شاگرد شمعون (باطرہ) کا شاگرد تھا۔ تیسری وہ انجیل ہے جو شمعون باطرہ کے دوسرے شاگرد لوقا طبیب انطاکی نے یونانی زبان میں لکھی ہے چوتھی وہ تاریخ ہے جسے عیسی علیہ السلام کے شاگرد یوحنا بن سیدانی نے عیسی علیہ السلام کے اٹھانے کے انہتر سال بعد شہر ایتھنز میں یونانی زبان میں لکھی۔"

مذکورہ اناجیل میں جو غلطیاں، غلط بیانیاں اور تضادات موجود ہیں ابن حزم ابن حزم نے تفصیل کے ساتھ ان کا تذکرہ کیا ہے اور ان پر نقد و تبصرہ کیا ہے اللہ تعالی نے جو انجیل نازل کی تھی جس کا ذکر قران پاک میں ہے وہ کہاں گئی؟ اس کے بارے میں ابن حزم نے لکھا ہے

"مسیح علیہ السلام کے اٹھنے کے بعد تین سو برس تک تمام عیسائی اس حالت میں رہے کہ نہ تو کبھی ظاہر ہوئے اور نہ ان کا کوئی ایسا ٹھکانہ تھا جس میں امن سے رہتے ہوئے حکمران کے ظلم کے خوف سے اسی درمیان وہ انجیل جاتی رہی جو اللہ عزوجل کی طرف سے اتاری گئی تھی سوائے اس کی چند فصلوں کے جنہیں اللہ تعالی نے ان لوگوں پر حجت قائم کرنے کو باقی رہنے دیا بادشاہ قسطنطین کے نصرانی ہونے تک یہ لوگ اسی حالت میں رہے اس کے بعد نصاری ظاہر ہوئے اور اپنے دین کو ظاہر کیا اکٹھا ہوئے اور امن سے رہنے لگے۔

ابن حزم کے تفردات:

ابن حزم بعض مسائل میں جمہور اہل سنت کے عقائد سے الگ اپنے خیالات رکھتے ہیں ۔ مثلا الملل والنحل کی تیسری جلد میں انھوں نے عورتوں کی نبوت کے بارے میں بحث کی ہے۔ اس سلسلہ میں ان کی رائے جمہور علماء سے مختلف ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ قرآن میں آیا ہے کہ

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالاً نُوحِي إِلَيْهِمُ (یوسف :109)

اور اے محمد آپ سے پہلے ہم نے کسی کو رسول بنا کر نہیں بھیجا مگر مردوں کو کہ ہم ان کی طرف وحی ارسال کرتے ہیں۔ اس آیت کے موجب اللہ نے بلا شبہ کسی عورت کو رسول نہیں بنایا لیکن جہاں تک نبی بنانے کا سوال ہے تو اس کی نفی نہیں کی گئی ہے۔ اس سلسلہ میں انھوں نے رسول اور نبی کے معنی میں فرق کیا ہے اور نبی کو عام معنی میں لیا ہے جس کا مطلب ہے خبردار کرنے والا ۔ قرآن پاک میں وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چند خواتین کی طرف وحی کی۔ ان خواتین میں حضرت ابراہیم کی بیوی یعنی حضرت اسحاق کی والدہ حضرت موسیٰ کی والدہ اور حضرت عیسی کی والدہ مریم شامل ہیں۔ ان سب خواتین کو ابن حزم نے نبیہ تسلیم کیا ہے ۔

وہ لکھتے ہیں:

"ثابت ہو گیا کہ والدہ موسیٰ "پر جو وحی اپنے بچہ کو سمندر میں ڈالنے کے لیے وارد ہوئی وہ ایسی ہی وحی تھی جو ابراہیم "پر خواب میں اپنے بیٹے کے ذبح کرنے کے بارے میں نازل ہوئی تھی ، کیوں کہ ابراہیم علیہ السلام اگر ایسے نبی نہ ہوتے جن کو اپنی وحی کی صحت پر اپنے فرزند کے ذبح کرنے، خبر نبوت پر جوان پر وارد ہوئی تھی، بھروسا نہ ہوتا ، اپنے فرزند کو محض اپنے خواب دیکھنے کی وجہ سے ذبح کر دیتے تو بلا شک غیر انبیاء میں سے ایسے فعل کا فاعل یا تو انتہائی فاسق ہوتا یا انتہائی مجنوں ۔ یہ وہ بات ہے جس میں کوئی شک کر ہی نہیں سکتا۔ لہذا یقیناان خواتین کی نبوت ثابت ہوگئی۔"

مختصر یہ ہے کہ ابن حزم کی یہ کتاب الملل والنحل اپنے موضوع پر مفصل اور مدلل کتاب ہے۔ انداز بحث عالمانہ اور مجادلا نہ ہے۔ اس کتاب سے جہاں ابن حزم کے اسلامی علوم پر عبور رکھنے کا پتہ چلتا ہے وہاں دوسرے مذاہب کے عقائد پر گہرے مطالعہ کا اندازہ ہوتا ہے۔ اگر چہ ابن حزم کے انداز بیان میں شدت ہے اور یہود و نصاری کے مذاہب پر گفتگو کرتے ہوئے ان کا لہجہ تلخ ہو گیا ہے مگر ان کے استدلال میں جو قوت ہے اور بیان میں جو وضاحت ہے وہ ان کے علم کی وسعت اور یقین کی قوت کی نشان دہی کرتی ہے۔

امام ابوالمنصور عبدالقاھر بغدادیؒ کی مطالعہ مذاہب میں خدمات

امام ابوالمنصور عبدالقاھر بغدادیؒ کی مطالعہ مذاہب میں خدمات سے پہلے ان کے تعارف و شخصیت کے اہم پہلوؤں پر روشنی ڈالی جائے گی تاکہ طلباء کو امام ابوالمنصور عبدالقاھر بغدادی علمی حیثیت کو سمجھنے میں آسانی ہو سکے۔

تعارف:

تذکرہ نگاروں نے کتاب الفرق بین الفرق'' کے مصنف امام ابوالمنصور عبد القاھر بغدادیؒ کے ذکر میں بڑے بخل سے کام لیا ہے۔ طبقات الشافعیہ، وفیات الاعیان قوات الوفیات اور دیگر مصنفین نے ان کے حالات زندگی سرسری بیان کیے ہیں یا پھر ان کا ذکر سرے سے کیا ہی نہیں ہے۔ مجھے تلاش بسیار کے بعد جو معلومات ہم دست ہو سکیں اور ان کے علاوہ مصنف کی اپنی تصانیف سے جو معلومات اخذ کی جا سکیں، ان سب کو جمع کر کے میں نے ایک بیانیہ ترتیب دیا ہے اس سے کسی حد تک اس نابغہ عصر اور علامہ فاضل سے قارئین کرام کا تعارف کرانے کی کوشش کی ہے، گویا چیونٹیوں کے منہ سے دانے نکال کر ایک انبار بنایا ہے، یا دریا کو ایک حباب میں بند کر دیا ہے۔ آپ کا پورا کا نام عبد القاہر اور کنیت ابو منصور ہے۔ والد کا نام طاہر اور دادا کا نام محمد ہے۔ انہیں الاستاد کے لقب سے متعارف کرایا گیا ہے، اس کے یہ معنی ہیں کہ انہیں درس وتدریس سے زیادہ تعلق رہا ہے۔ ان کے نام کے ساتھ تمیمی کی نسبت بیان کی گئی ہے یعنی ان کا تعلق بنو تمیم سے تھا۔ بنو تمیم عرب کے مصری قبائل میں نہایت اہم اور کثیر التعداد قبیلہ تھا۔ تذکرہ نگاروں نے اس نسبت کے متعلق یہ تصریح نہیں کی ہے کہ وہ بنو تمیم کے صریح فرد تھے اور اس قبیلے سے ان کا نسبی تعلق تھا یا وہ اس کے غیر صریح فرد تھے اور یہ تعلق ولاء" و"حلف کا تھا۔ تذکروں سے پتا چلتا ہے کہ وہ بغداد میں پیدا ہوئے اور وہیں تحصیل علم کی تعلیم کے مزید حصول کی غرض سے ان کے والد انہیں خراسان کے مشہور علمی مرکز نیشاپور لے گئے۔ استاد ابو منصور نے تحمیل علم کے بعد وہیں طرح اقامت ڈالی اور درس وتدریس میں منہمک ہو گئے[2]۔ اخیر اخیر انہوں نے نیشاپور میں واقع اسفرائین کے قلعہ بند شہر کی سکونت اختیار کر لی اور وہاں پیر توڑ کر ایسا بیٹھے کہ مرکز ہی اُٹھے۔ مگر بغدادی کی نسبت ان کے نام کا جزو بن گئی اور سفرائینی نہ کہلا سکے۔
کسی تذکرے سے یہ پتا نہیں چلتا کہ استاد عبد القاہر کا سال ولادت کیا تھا۔ کتاب "الفرق بین الفرق (ص224) میں انہوں نے یہ لکھا ہے:
370ھ میں دولت سامانیہ کے صاحب الجیش (سپہ سالار) ناصر الدولہ ابو الحسن محمد بن ابراہیم بن سمجھور کے دربار میں انہوں۔ نے فرقہ کرامیہ کے شیخ" و مقتدی، ابراہیم بن مہاجر سے اسمائے باری تعالیٰ کے اعراض ہونے کے مسئلے پر بحث کی اور اسے مناظرے میں بند کر دیا۔ اس بیان سے اس قیاس کو تقویت پہنچتی ہے کہ اس وقت وہ پختہ عمر اور کامل علم کے مالک ہوں گے۔ اندازا انہیں تمیں سال کے لگ بھگ ہونا چاہئے۔ ان کی وفات کے بارے میں تمام تذکروں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ 429ھ میں انتقال کے وقت ان کی عمر کوئی 90 برس کے قریب ہو گی۔ استاد عبد القاہر کے تذکرے میں اس بات کا ذکر تمام تذکرہ نویسوں نے کیا ہے کہ وہ نہایت صاحب ثروت اور متمول تھے۔ اس تونگری کا سبب نہیں بیان کیا گیا ہے، قیاس چاہتا ہے کہ عراق میں ان کی خاندانی زرعی جاگیر ہو گی اور اس کی آمدنی سے وہ بے ہمہ اور باہمہ زندگی گزارتے ہوں گے۔ اس سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ ان کا خاندان بغداد میں معزز اور زردار ہو گا۔ تحصیل علم کے سلسلے میں تمام تذکرہ نگاروں نے یہ لکھا ہے کہ وہ استاد ابو اسحاق ابراہیم بن محمد بن مہران اسفرائینی کے شاگرد رشید تھے۔ یہ شیخ ابو اسحاق فقہ میں امام شافعی کے مقلد اور کلام میں امام ابو

---

[2] صدیقی، علی محسن، مقدمات تاریخی، کراچی: قرطاس، 2009ء، ص:96

الحسن اشعری (333ھ) کے تلمیذ خاص تھے اور ان کا شمار اشاعرہ کے طبقہ اولی میں ہوتا ہے۔ انہوں نے 418ھ میں انتقال کیا۔ ان کے دوسرے تلاندہ میں شیخ احمد بن حسین بیہقی (458ھ) شیخ ابوالطیب طبری (450ھ) اور حاکم نیشاپوری (418ھ) نمایاں ہیں۔ یہ لوگ جو اصول وفروع کے امام ہیں ہمارے مصنف کے ہم درس وہم استاد ہیں۔

امام عبدالقاہر کے دوسرے استاد ابو سہل بشر بن احمد اسفرائینی (370ھ) تھے جن سے انہوں نے علم حدیث کا درس لیا۔ امام ابو محمد عبداللہ بن محمد نیشاپوری (360ھ) سے بھی انہوں نے حدیث کی روایت کی سند لی۔

تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ وہ سترہ علوم کے ماہر تھے اور ان علوم میں تدریس وتصنیف میں مشغول رہتے تھے۔ مصنف نے اپنی کتاب اصول الدین (ص302) اور الفرق (ص394) میں بیان کیا ہے کہ جن اشعری. منتظمین سے انہوں نے ملاقات کی، ان میں ابو عبداللہ بن مجاہد، قاضی القضاۃ و محمد بن طیب، محمد بن حسین بن فورک، ابراہیم بن محمد ہرانی اور حسین بن محمد بزازی جیسے احمد فن وفضلائے عصر شامل ہیں۔ ان کے علاوہ قاضی بغداد حسین بن علی المعروف بہ ابن ماکولا شافعی (447ھ) قاضی ابوالحسن علی ماوردی (450ھ)، ابو بکر باقلانی (403ھ) اور قاضی ابویعلی الفراء خیلی (458ھ) ان کے ہم عصر وہم مسلک علماء ہیں۔ بغداد میں قیام کے زمانے میں ان حضرات سے استاد ابو منصور عبد القاہر کے دوستانہ تعلقات تھے۔ ہمارے مصنف تمام عمر تصنیف وتدریس میں مشغول رہے اور طلبہ کی کھلے ہاتھوں سے مالی دست گیری کرتے رہے، وہ علم فروع یعنی فقہ وفرائض میں اور علم اصول یعنی علم کلام میں مہارت تامہ رکھتے تھے، انہیں الاصولی" بھی کہا جاتا تھا[3]۔

ان کی کتاب "الفرق بین الفرق" سے معلوم ہوتا ہے کہ تدریس وتصنیف کے علاوہ اپنے مخالفوں سے وہ مناظرے بھی کرتے تھے۔ مثلا معتزلہ کے فرقے متدرکہ سے (ص210)، کرامیہ کے شیخ ابن مہاجر (ص424) سے اور فرقہ علمانیہ سے (389) انہوں نے مناظرے کئے۔

وہ شعر بھی کہتے تھے اور کیسانہ، خوارج وغیرہ کے ابطال میں انہوں نے اشعار کہے ہیں۔ الفرق بین الفرق (43:93) میں ان کے اشعار ہیں۔

ان کی تصنیف میں الفرق بین الفرق کے علاوہ اصول الدین زیور طبع سے آراستہ ہو چکی ہے اور علم کلام کی نہایت اہم کتاب شمار ہوتی ہے۔ ایک کتاب "الملل والنحل کا انہوں نے کتاب الفرق (ص230) میں ذکر کیا ہے۔ بہر کیف ایک بھرپور علمی زندگی گزار کر انہوں نے 429ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا اور اسفرائین میں پیوند خاک ہوئے[4]۔

مطالعہ ادیان میں امام ابوالمنصور عبدالقاھر بغدادی کی کتاب "الفرق بین الفرق" کا تعارف:

---

[3] صدیقی، علی محسن، مقدمات تاریخی، ص:98

[4] صدیقی، علی محسن، مقدمات تاریخی، ص:99

امیر المومنین سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں 12ھ میں فتنہ ارتداد کے فرو ہوتے ہی اسلامی افواج نے پڑوسی عراق کی جانب پیش قدمی کی اور اس وقت کی ایک مضبوط اور منظم شہنشاہی سے نبرد آزمائی کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اگلے سال غازیان اسلام نے عرب کے دوسرے پڑوسی ملک شام پر حملہ کیا۔ یوں ساسانی اور بازنطینی سلطنتوں سے لڑائی کا آغاز ہوا۔

سرزمین عرب سے اللہ کے ان غازیوں کا جہاد کی غرض سے ہلال نصیب میں داخل ہونا، اسلامی تاریخ کی اصطلاح میں ظہور اسلام'' کہلاتا ہے۔ ان آویزشوں کا حلقہ پھیلتا گیا اور سیدنا امیر المؤمنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں شام، الجزیرہ، رملہ اور عراق، میڈیا (جبال ایران) وغیرہ مسخر ہوئے۔ اس کے بعد سیدنا امیر المؤمنین عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عہد میں اسلامی افواج مغربی محاذ پر مصر سے گزر کر طرابلس الغرب، لیبیا و تونس تک اور شرقی محاذ پر خراسان، سیستان، کابل و زابل تک فاتحانہ پہنچیں اور یہ وسیع و عریض خطے اسلام کی عمل داری میں محسوب ہوئے۔ اُس عہد کی ایک قوی و منظم سلطنت کہ اکاسرہ عجم کے زیر نگیں تھی، شکست و ریخت کا شکار ہو کر اپنی عمر طبعی کو پہنچی اور دنیا کے نقشہ سے یکسر محو ہو گئی۔ دوسری عظیم قوت کہ بازنطینی قیصریت سے عبارت تھی، اپنے زرخیز مشرقی صوبوں یعنی شام، آذربیجان و آرمینیہ اور شمالی افریقہ کے علاقوں یعنی مصر، تونس، طرابلس وغیرہ سے محروم ہو گئی۔ یہ عظیم فتوحات سکندر مقدونی کی فتوحات کی طرح وقتی نہ تھیں کہ ایک تند و تیز طوفان نے ان ملکوں کو تہہ و بالا کر دیا اور سارے خطے میں جھاڑو پھر گئی۔ بلکہ یہ اسلامی فتوحات دیرپا اور تادیر باقی رہنے والی تھیں، انہوں نے مفتوحہ ممالک میں ایک نئی سیاسی تنظیم، ایک جدید تہذیب اور ایک ترقی پذیر فکری و روحانی انقلاب کی بنیاد رکھی۔

یہ عمل تسخیر آبادانی، مادی خوش حالی اور روحانی بالیدگی اور فکری و ذہنی نشوونما کا پیغام لے کر آیا، جس سے ان علاقوں کی تاریخ یکسر بدل گئی، گویا ایک نئی قوم ولولوں کے ساتھ وجود میں آئی اور ایک ایسا انقلاب برپا ہوا جو اپنی ہمہ گیری، عالم گیری و پائیداری کے لئے شہرہ آفاق تھا۔ کشور کشائی کے دوش بدوش کشور آرائی کا عمل بھی شروع ہوا۔

مفتوحہ ممالک میں قدیم شہروں میں عربوں کی آبادکاری کا بندوبست کیا گیا۔ چنانچہ فلسطین، اردن، دمشق و حمص میں عربوں کی ایک بڑی تعداد کو آباد کیا گیا۔ ان شہروں کو بند (فوجی چھاؤنی) کا نام دیا گیا۔ ان میں آبادیوں کے علاوہ نئے شہر بھی آباد کئے گئے۔ عراق میں بصرہ اور کوفہ کے نئے عسکری شہر (جند) اور مصر میں فسطاط و جیزہ کے شہر بسائے گئے[5]۔

ان شہروں میں عرب مقاتلہ کو قبائلی تقسیم کے مطابق آباد کیا گیا، جلد ہی تمدنی و معاشی تقاضوں کے پیش نظر قرب و جوار کی مقامی آبادیوں کے اہل حرفہ اور تاجروں نے ان شہروں خصوصاً بصرہ اور کوفہ کی جانب نقل مکانی شروع کر دی، یوں عربوں - کے ساتھ مقامی لوگوں کا ایک بڑا جتھہ یہاں آباد ہو گیا۔ اس کے علاوہ مقاتلہ کے ساتھ امیر ان جنگ کی ایک بڑی کھیپ ان نئے شہروں میں آکر بس گئی۔

---

[5] صدیقی، علی محسن، مقدمات تاریخی، ص:88

ایک اندازے کے مطابق بصرہ اور کوفہ کے نو آباد شہروں کی آبادی کی اکثریت غیر عرب باشندوں پر مشتمل تھی۔ان میں بیشتر ایران اور ایرانی کسرویت کے زیر تسلط ممالک کے لوگ تھے،مزید برآں عراق کی قدیم آبادی جو شہروں میں آکر آباد ہوئی،وہ بھی ایرانی حکومت کی سابق رعایا ہی تھی۔ یہ نئے لوگ جو عربوں کے ساتھ آکر یہاں ہے،ان کی ایک تہذیب تھی،ایک زبان تھی،ایک مذہبی وابستگی تھی اور ایک قدیم تر روایت بھی تھی۔ان میں نصاری بھی تھے یہود بھی تھے اور مجوس وصابئی بھی۔یوں عرب اور اسلام کا عجم و مذاہب عجم سے براہ راست سابقہ پڑا۔

اس امتزاج اور اختلاط سے ایک نئی فکری و تہذیبی آمیزش و آویزش کا آغاز ہوا۔اس کے علاوہ ایک دوسرا امتزاج و توالد کا بھی آغاز ہوا۔ عربوں نے نو مفتوحہ ممالک کی خواتین سے کہ شریہ اور اسیر جنگ تھیں،رشتہ ازدواج قائم کیا اور آزاد زمان عجم سے بھی انہوں نے شادیاں کیں۔یوں گھریلو زندگیوں میں بھی عرب و عجم کی ترکیب سے ایک نئی صورت وجود میں آئی۔اور جب بقول سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ لونڈیوں نے اپنے آقاؤں کو جنا،یعنی ان عجمی خواتین سے عربوں کے بیٹے،بیٹیاں پیدا ہوئیں تو ایک ایسی نسل وجود میں آئی جس میں عربی اور عجمی خون کی آمیزش تھی اور جو اپنے آباواجداد سے یکسر مختلف تھی۔یہی نہیں ان نوجوان عربوں سے بھی یہ نسل مختلف تھی جن کی مائیں "الدھنا" سے تعلق رکھتی تھیں اور عرب تھیں۔

اس طور سے فتوحات اسلامی کی پہلی صدی گزرنے سے پہلے ہی امتزاج واختلاط کے عمل کے نتیجے میں اسلامی معاشرہ ایک نئے رنگ میں رنگ گیا اور عربوں کی سادگی کے ساتھ ساتھ عجمیوں کی پرکاری سے ایک ایسا آمیزہ تیار ہوا جو نہ عرب خالص تھا،نہ عجم خالص تھا بلکہ ان دونوں کی خصوصیات کا مجموعہ تھا۔فتوحات اور عمل تولید کے نتیجے میں اسلامی معاشرے میں جو تبدیلیاں آئیں،ان سے صرف عراق اور نو مفتوحہ ممالک میں آباد عرب ہی متاثر نہ ہوئے،بلکہ حجاز پر بھی اس کے واضح اثرات پڑے۔

مدینہ الرسول (ﷺ) کو بھی تقسیم غنائم کی غرض سے ایک جند قرار دیا گیا تھا۔چنانچہ اس مقدس شہر میں بھی غیر عرب اقوام غلاموں اور موالی کی شکل میں بس گئی تھیں اور عہد خلفاراشدین کے انتقام تک یہاں بھی بڑی تعداد میں غیر عرب آباد ہو گئے تھے۔پہلی صدی ہجری کے آخر ہوتے ہوتے یہاں بھی عجم-کے تہذیبی اثرات مجلسی زندگی میں نمایاں ہو گئے تھے۔تعمیرات میں پرکاری آئی،ایرانی و رومی معماروں اور کاریگروں نے کچ اور چونے سے پختہ عمارات تعمیر کیں،ان میں میناکاری اور نقش و نگار کا اضافہ کیا گیا،مسجد نبوی کی تعمیر جدید جو ولید اول کے عہد میں ہوئی اور اُموی دور ہی میں مسجد حرام کی توسیع و تزئین میں جو اہتمام کیا گیا،وہ عربوں کی سادگی کے بجائے روم و ایران کی تعمیرات کا طرہ امتیاز تھا۔القدس کی مسجد صخرہ،کوفہ کی جامع مسجد اور دمشق کی مسجد اموی کی تعمیری ہیئت میں عربوں کی سادگی کے ساتھ ساتھ روم و ایران کے تعمیری خصائص بھی موجود تھے[6]۔

---

[6]صدیقی،علی محسن،مقدمات تاریخی،ص:90

یہی نہیں حجاز میں رہائشی مکانات بھی پتھر اور کچ سے بنائے جانے لگے تھے مدینہ النبی میں ایسی عمارتوں کی کمی نہ تھی حتی کہ مدینہ سے باہر وادی عقیق میں بھی قصر نما حویلیاں تعمیر ہونے لگی تھیں غلاموں کی کثرت، وظائف کی رسد اور بڑی بڑی زرعی جاگیروں کے سبب حجاز کی زندگی، ایک نئے انداز اور نئے ڈھنگ سے دوچار ہو گئی تھی۔ دولت کی فراوانی، بیکاری اور سہل انگاری کے باعث وہ فنون جو ذہنی ومادی تحقیقات کو مہمیز کرتے ہیں، پروان چڑھنے لگے تھے۔ موسیقی، فیشن اور سفلی جذبات کو ابھارنے والی شاعری کا چلن ہو گیا تھا۔ موسیقی کی بڑی بڑی عقلیں پار کی جاتی تھیں، فتق آمیز شاعری سے ادب کو مبتذل بنایا جارہا تھا اور تخت سے فیشن خواتین و حضرات میں عام ہوتے جارہے تھے۔ یوں پہلی صدی ہجری کے انتظام تک اسلامی سلطنت کی معاشرتی، معاشی، فکری وذاہنی سطح ایک نئے انداز سے تغیر و تبدل سے دوچار اور نئی ہیت سے ہم کنار ہو چکی تھی۔ ان نے تطورات و تغیرات سے زندگی کے کبھی مظاہر متاثر ہو رہے تھے۔ اس کے ساتھ ہی اسلامی عقائد، عبادات واخلاقیات بھی نئے حالات سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہے عراق، شام والجزیرہ میں جن دیانات قدیمہ سے فاتحین کا واسطہ پڑا، ان میں یہودیت، نصرانیت صالحیت اور مجوسیت نمایاں تھیں۔

ان میں دو مذاہب یعنی یہودیت و نصرانیت فلسفہ یونان سے اتصال کے سبب عقلی موشگافیوں اور فکری ریاستوں سے مسلح ہو چکے تھے۔ جب مسلمانوں کا نو مفتوحہ ممالک میں ان مذاہب کے اخبار دستیسین سے رابطہ ہوا تو اُنہوں نے یہ محسوس کیا کہ ان لوگوں کے مقابلے میں ان کے پاس اپنے مذاہب کی حمایت وصیانت کے لئے عقلی دلائل نہ ہونے کے برابر ہیں اور یہ کہ تلوار نے ان کی سیاسی قوت کو یقیناً مسخر کر لیا ہے، مگر ان لوگوں کی عقلی وذہنی کاوشوں کے آگے تلوار کی طاقت سے بند نہیں باندھا جاسکتا اور اس محاذ پر ان سے نبرد آزما ہونے کی غرض سے ان کی اسے سے مسلح ہونا ضروری ہے، جن سے وہ لوگ مسلح ہو چکے ہیں، یوں یہ صورت حال یکسر مختلف تھی اور اسلام کا کامیاب دفاع جن امور کا تقاضا کرتا تھا وہ انہیں ہم دست نہیں تھے۔ یہود و نصاری کی فلسفیانہ بحثوں اور عقلی موشگافیوں سے اگر ایک طرف اسلام کے زوپڑتی تھی تو دوسری طرف مزوک، مانی اور مجوسی اقوام کی بدعقیدگی اور فاسد افکار وان نو مسلموں کے ذریعے اسلامی معاشرے میں عام ہونے لگے تھے۔ جو اپنی قدیم دیانات میں سے نکل کر اسلام کے دائرے میں داخل ہو رہے تھے۔

مزید برآن 30 اقوام نے اپنی سیاسی شکست کا انتقام لینے کی غرض سے اسلام پر باقاعدگی، اور بدماشیکے سیل بے پناہ سے حملہ کیا۔ ان وجوہ سے اسلام ایک نئی افتاد سے دوچار ہوا، فاسد افکار کی آمیزش اور عقائد پر عقلی گدلے بازی نے اسلامی معاشرے کو متاثر کرنا شروع کیا اور اسلام کی سادگی و عملی تعلیمات کو ژولیدہ خیالی سے نقصان پہنچے لگا۔ اس خطرناک صورت حالات سے نبرد آزما ہونا اور اسلامی کشتی کو کامیابی سے ساحل نجات تک پہنچانا، عرب مقاتلہ کے بس میں نہ تھا۔ اس میدان کے وہ مرد نہ تھے، ہر کسے را بہر کارے ساختند۔

پہلی صدی ہجری میں مسلمان اہل علم کا ایک گروہ وجود میں آیا۔ ان میں ایسے لوگ تھے جو اسلامی علوم میں عمیق معلومات کے حامل ہونے کے ساتھ ہی فلسفہ یونان سے بھی واقف تھے۔ ان لوگوں نے اس لادینی فلسفہ یونان کا مطالعہ کیا اور اس کے اصول موضوعہ پر ایک نئے فن کی بنیاد

رکھی جسے علم کلام کا نام دیا گیا۔ انہوں نے اس عقل کی تلوار سے اسلام کا دفاع کیا اور یہودیت و نصرانیت کو فلسفہ یونان کے تعقل سے جو نقصان پہنچا تھا، اسلام کو اُس سے بچانے کی بھی کوشش کی، اس گروہ کو ہم "متکلمین کے نام سے جانتے ہیں[7]۔

عہد اموی کے اختتام تک متکلمین کا گروہ وجود میں آچکا تھا۔ بنو عباس کے بر سر اقتدار آتے ہی اہل عجم کی اسلام دشمن سرگرمیوں میں تیزی آگئی اور انہوں نے داخلی و خارجی محاذوں پر اسلام پر یورش کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اس تیزی سے گروہ متکلمین میں بھی نیا جوش اور ولولہ پیدا ہوا اور انہوں نے اسلام کے دفاع میں اپنے قلم اور اپنی زبان سے یکساں کام لیا۔ عقائد اسلام کے اثبات میں کتابیں لکھیں اور مخالفین سے مناظرے کئے۔ گروہ متکلمین، جس نے اسلام کی مدافعت میں دشمنان اسلام سے قلمی اور لسانی جہاد کیا، اسلام میں عقل کے کردار پر پُر زور مقالے تحریر کیے اور دین کو عربوں کے توہمات اور عجمیوں کے خرافات سے پاک کیا، ان معتزلی علماء پر مشتمل تھا، جن کے سید الطائفہ واصل بن عطاء، الغزالی اور عمرو بن عبید تھے، عہد عباسی کے آغاز سے انہوں نے اسلام کی حمایت میں جاں فشانیاں کیں، فلسفہ یونان کی یورش سے، یہود و نصاریٰ کی سازش سے اور مزدکی، مانوی و برہمنی اباحیت سے، اسلامی عقائد و عبادات کو منزہ و مسیح کیا۔ ان میں ابو ہذیل علاف (335ھ) نظام (221ھ) جاحظ (255ھ) زیادہ مشہور ہیں۔ ان کا تعلق بصرہ کے مدرسہ اعتزال سے تھا جس کے استاذ الکل جناب حسن بصری (110ھ) تھے۔

ان لوگوں نے آزادی رائے، حریت فکر اور جرات اظہار کی اعلیٰ مثال قائم کی۔ انہوں نے نہ صرف یہ کہ دوسرے مذاہب کے ماننے والوں اور زنادقہ و دہریہ سے مناظرے کئے اور ان کے ابطال میں کتابیں لکھیں، بلکہ ان علماء پر بھی سخت تنقید کی جو روایات کے شیدائی اور رائے و درایت کے انکاری تھے۔ انہوں نے صدر اسلام کے سیاسی احزاب سے متعلق واضح موقف اختیار کیا اور اعاظم پرستی سے کنارہ کش ہو کر، ہر بڑے کے بارے میں کھل کر اظہار خیال کیا۔ یوں ایک ایسی علمی فضا قائم ہوئی، جس میں مذہب، کلام اور عقائد ہی زیر بحث نہ آئے، بلکہ عربی زبان و ادب بھی اس سے متاثر ہوئے۔ تعقل پسندی کیبیہ تحریک ریاستی جبر سے آزاد تھی اور اس کے عمائد نے حکومت کی حاشیہ نشینی سے اجتناب کیا۔

عمرو بن عبید (144ھ) نے عباسی خلیفہ ابو جعفر المنصور (136ھ تھا 158ھ) کی پیش کش کو شان بے نیازی سے ٹھکرا دیا اور حکومتی سرپرستی کو اس حریت فکر کے حق میں سم قاتل سمجھا، جس کے لئے معتزلہ دوسرے گروہوں سے ممتاز تھے۔ مگر یہ صورت حالات تادیر باقی نہ رہی۔ المامون کی بغداد آمد کے بعد (204ھ تا 218ھ) بغداد کے معتزلی علماء نے اپنے بصرہ کے پیش روؤں کے برعکس حکومت سے قربت اختیار کی۔ المامون کی تعقل پسندی نے بشر بن معتمر (210ھ) احمد بن ابی داءود (240ھ) اور ثمامہ ابن اشرس کی پذیرائی کے لئے حکومت کے دروازے چوپٹ کھول دیئے اور معتزلی علماء و معقولی خلفاء کی کوششوں سے معتزلی عقائد کہ یہ جبر مسلط کئے جانے لگے، یوں وہ حریت فکر اور آزادی رائے جس کے یہ علماء مدعی تھے، دم توڑ گئی اور مامون اور اس کے جانشینوں المختصم (218ھ تا 227ھ) اور الواثق (227ھ تا

---

[7] صدیقی، علی محسن، مقدمات تاریخی، ص: 92

232ھ) کے زمانے میں اہل اعتزال کے افکار کو حکومت کا رئیسی مذہب بنادیا۔ محدثین اور معتزلہ مخالف علماء پر جبر واستبداد کے ذریعہ دباؤ ڈالا گیا کہ وہ اپنے عقائد سے تائب ہو کر معتزلہ کے افکار کو اپنالیں۔ اس جبر کو ایک مذہبی فریضہ سمجھ کر علماء و خلفاء نے لوگوں پر مسلط کیا اور آزادی رائے و جرأت اظہار جس کے علم بردار اہل اعتزال تھے، انہیں کے ہاتھوں اپنی موت مر گئی۔ علم و عقل کیبیہ ہیرا پھیری ان دو خلفاء کے عہد میں ہوئی جو اپنے علم و فضل کے لئے مشہور ہیں، یعنی المامون اور الواثق۔

لیکن جبر، جبر کو جنم دیتا ہے، چنانچہ جب التوکل (231ھ تا 247ھ) مند آرائے خلافت ہوا تو حالات معتزلہ کے حق میں حد درجہ ناسازگار ہو گئے۔ اپنی تمام تر جفاکیشی کے باوجود المتوکل علی اللہ کو محدثین نے اور معتزلہ کے مخالفوں نے ''محی السنت کا لقب دیا اور یہاں تک غلو کیا کہ ان کے نزدیک خلفا تو تین ہی گزرے ہیں، ایک سیدنا ابو بکر صدیق کہ فتنہ ارتداد و مدعیان نبوت کے قاطع تھے، دوسرے جناب عمر بن عبدالعزیز کہ اموی استحصال کے ماحی تھے اور تیسرے المتوکل کہ سنت کو زندہ کرنے والے اور فتنہ اعتزال کے استعمال کے بانی مبانی تھے۔ المتوکل نے صفات باری پر مباحثے و مناظرے کو بند کر دیا۔ محدثین اور معتزلہ کے مخالفین کو نوازا اور معتزلی علماء میں سے احمد بن ابی وداد اور ثمامہ بن اشرس وغیرہ کو اسی طرح ہدف ستم بنایا، جس طرح کہ معتزلی علماء اپنے مخالفین کو ہدف ستم بناتے تھے۔ معتزلہ کی یہ تباہی خود انہیں کی غلط حکمت عملی کی وجہ سے ہوئی، سو یہ خود ہی اپنے زوال اور تعقل وتدبر کے رجحانات کے قتل کے ذمہ دار ہیں۔ التوکل کے عہد کے ساتھ معتزلہ کا زوال اور محدثین کا عروج شروع ہوتا ہے[8]۔

بعد کے دور میں خلافت عباسیہ کا ضعف ملکی سیاسی تفرق وتشتت کا سبب بنا اور یہ انتشار زبانی منزل دفکری پس ماندگی کا موجب ہوا۔ معتزلی علماء کی کتابیں ضائع کی جاتی رہیں اور انہیں اپنی آزادی اظہار و جرات گفتار کی بھاری قیمت ادا کرنی پڑی۔ مگر معتزلہ کو اس سرکاری قدغن وابتلا سے اتنا نقصان نہ پہنچا جتنا نقصان انہیں اپنے ہی گروہ میں سے ایسے فضلا کے ہاتھوں پہنچا جو انہیں کے اسلحے سے لیس مگر ان کے عقائد وافکار کے مخالف واور محدثین کے حامی تھے۔ چوتھی صدی ہجری کے مشہور معتزلی عالم ابو علی الجبائی (303ھ) کے مدرسہ اعتزال سے امام ابوالحسن اشعری (333ھ) جیسے نابغہ عصر پیدا ہوئے۔ انہوں نے محدثین کو عقل کی اہمیت کا احساس دلایا اور معتزلہ پر نقل کی ثقاہت مبرہن کی۔ عقل و نقل کا یہ امتزاج تاریخ تعقل پسندی میں جن علماء کے ہاتھوں انجام پذیر ہوا، انہیں امام ابوالحسن اشعری کے انتساب سے اشاعرہ کہا جاتا ہے۔

امام اشعری نے عقائد پر مقالات الاسلامیین نامی کتاب تحریر کی اور معتزلی و دیگر مخالف فرقوں کی ذہنی قلابازیوں کو طشت از بام کیا۔ ان باتوں کا جواب دینا معتزلہ کے لئے نہایت دشوار تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اشاعرہ کے گروہ میں بڑے بڑے فضلا پیدا ہوتے رہے جو معتزلہ اور دیگر مخالفین کے افکار و عقائد کا ابطال کرتے تھے۔ ایسے ہی فضلا میں ہمارے فاضل مصنف امام ابوالحصور عبدالقاھر بن طاہرین محمد البغدادی بھی ہیں جنہوں نے

---

[8] صدیقی، علی محسن، مقدمات تاریخی، ص:94

مخالف فرقوں کے ابطال پر متعدد کتابیں تحریر کیں۔ وہ ایک واسطے سے امام ابو الحسن اشعری کے شاگرد تھے اور قدیم وجدید علوم کے بہت بڑے عالم بھی تھے[9]۔

کتاب الفرق بین الفرق کا تعارف:

کتاب الفرق بین الفرق، ترتیب و تنسیق میں بے مثال ہے۔ اس کا اسلوب منطقی و کلامی ہے۔ یہ کتاب ایک مختصر مقدمے اور پانچ ابواب پر مشتمل ہے۔ اس کی تفصیل ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

باب اول میں امت محمدیہ میں فرقہ بندیوں سے متعلق حدیث ماثور کے اسانید و طرق کا بیان ہے۔

باب دوم میں ان تمام فرقوں کی اہم شماری کی گئی ہے، جو دائرہ اسلام میں داخل یا اس کے دائرے سے خارج ہیں۔ اس باب میں دو فصلیں ہیں۔ پہلی فصل میں اسلام میں داخل فرقوں کے معنی جامع کا بیان ہے اور دوسری فصل میں اختلاف امت محمدیہ کی کیفیت اور مختلف فرقوں کے ظہور پذیر ہونے کا ذکر ہے۔ اس کے بعد ان فرقوں کے نام گنوائے گئے ہیں[10]۔

باب سوم میں ان فرقوں کا بیان ہے جو دائرہ اسلام میں داخل ہیں۔ مصنف نے اس موقع پر ان میں سے ہر فرقے کے عقائد پر اعتراضات کئے ہیں اور ان کی سختگرفت کی ہے۔ یہ باب آٹھ فصول پر محیط ہے۔ پہلی فصل شیعی فرقوں، دوسری فصل خارجی فرقوں اور تیسری فصل معتزلی قدری فرقوں، ان کے فروغ اور اہم عقائد کے بیان پر مشتمل ہیں۔ اسی طرح چوتھی فصل میں مرجہ، پانچویں فصل میں فرقہ ہائے نجاریہ، چھٹی فصل میں فرقہ جہمیہ، ساتویں فصل میں فرقہ ہائے کرامیہ اور آٹھویں فصل میں فرقہ ہائے مشبہ کا بیان اور ان کے عقائد کا ذکر کیا گیا ہے۔

باب چہارم ان فرقوں کے بیان کے لئے مختص ہے، جو اگرچہ اپنے کو مسلمان کہتے ہیں، لیکن مصنف کے نزدیک وہ دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ یہاں فاضل مصنف نے ان فرقوں کے تذکرہ کے ساتھ، ان کے اسلام سے خارج ہونے پر بھی کلامی انداز میں استدلال کیا ہے۔ اس باب میں کل سترہ فصلیں ہیں۔ یہ فصلیں مفصلہ ذیل فرقوں کے بیان میں ہیں:

1. فرقۃ سبیۃ
2. بیانیہ
3. فرقہ المغیریہ
4. فرقہ حربیہ

---

[9] صدیقی، علی محسن، مقدمات تاریخی، کراچی: قرطاس، 2009ء، ص: 95

[10] ایضاً، ص: 99

5. فرقہ منصوریہ
6. فرقہ جناحیہ
7. فرقہ خطابیہ
8. فرقہ ہائے غرابیہ، مفوضہ اور زمیہ
9. فرقہ ہائے الشریعیہ والنمیریہ
10. فرقہ ہائے الحلولیہ
11. اصحاب الاباحات
12. اصحاب التناسخ
13. فرقہ الخابطیہ
14. فرقۃ الحماریہ
15. فرقہ الیزیدیہ
16. فرقہ المیمونیہ
17. فرقہ ا
18. لباطنیہ[11]۔

باب پنجم میں فرقہ الناجیہ کے اوصاف بیان کئے گئے ہیں۔ اس باب میں سات فصلیں ہیں۔ پہلی فصل میں اہل السنت والجماعت میں شامل مختلف طبقات کا ذکر محکم دلائل سے ہے۔ دوسری فصل میں اہل السنت کے نجات یافتہ ہونے کا اثبات کیا گیا ہے۔ تیسری فصل میں اہل السنت کے متفق علیہ اصول کا بیان ہے، یہ اصول تعداد میں پندرہ ہیں۔ چوتھی فصل میں اسلاف صالحین کے متعلق اہل السنت والجماعت کے اقوال اور عقائد کی تفصیل دی گئی ہے۔ پانچویں فصل میں یہ بیان ہے کہ اہل السنت والجماعت ایک دوسرے کو نہ تو کافر کہتے، نہ ان کو دائرہ اسلام سے خارج سمجھتے اور نہ انہیں گمراہ قرار دے کر ان کی تعلیل کرتے ہیں۔ اس باب کی چھٹی فصل میں اہل السنت والجماعت کے فضائل و محاسن کا بیان ہے۔ اور ساتویں فصل میں مصنف کے عہد تک کے اہل السنت کے فضائل اور تاثر (یادگاروں) کا ذکر ہے۔ اس کے ساتھ ہی کتاب اختتام پذیر ہوتی ہے۔ مصنف کا اسلوب بیان متکلمانہ ہے۔ انہوں نے مختلف فرقوں کے عقائد وافکار بیان کرنے کے دوران میں ان کا رد کیا ہے۔ وہ فرقے جو تاریخی و سیاسی اسباب کی وجہ سے وجود میں آئے، مثلاً الشیعہ اور الخوارج، ان کے ذکر میں انہوں نے تاریخی واقعات کا اختصار کے ساتھ حوالہ

---

[11] صدیقی، علی محسن، مقدمات تاریخی، ص:100

بھی دیا ہے۔ فرقہ باطنیہ کے بیان میں انہوں نے مصر کے عبیدی (فاطمی) خلفا، قرامطہ اور ابو سعید جنابی کے عقائد تحریر کرتے وقت ان کے سیاسی احوال و شیون کا بھیمختصر اًتذکرہ کیا گیا ہے۔

اس فرقے کا حال انہوں نے تفصیل سے بیان کیا ہے اور ان کی بیج کے طریقوں اور اہل دعوت کے مختلف مدارج کو بھی واضح کیا ہے۔ اس کے او ساتھ ہی عبید اللہ بن حسین قیروانی (پہلا مصری وافریقی خلیفہ) عبید اللہ المھدی (297ھ تا322ھ) کے ایک مکتوب کا بھی تفصیل سے ذکر کیا ہے، جو اس نے عرب و شام کے قرمطی سردار سلیمان بن حسن بن سعید جنابی کے نام لکھا تھا۔ اس خط کی روشنی میں قرامطہ و باطفیہ کو مصنف نے دہریہ اور زندیق کہا ہے اور انہیں مجوسی مذہب کا پیرو اور مجوس کی نشاۃ ثانیہ کا داعی قرار دیا ہے، فرقہ باطنیہ کے پوست کندہ حالات تحریر کرنے میں انہیں بعض ایسے افراد سے بھی مدد ملی ہے، جنہوں نے اس فرقے سے کنارہ کشی اختیار کر لی تھی۔ باطنیہ مشرقیہا حسن بن صباح کی دسیسہ کاریوں کا کتاب زیر نظر میں کوئی ذکر نہیں ہے، کیونکہ ہمارے مصنف کے زمانے کے کوئی پچاس، ساٹھ سال بعد ان کا الاموت میں ظہور ہوا تھا۔ مصنف نے اپنی کتاب میں معتزلی و قدری علماء پر سخت نکیر کی ہے۔

ابو ہذیل علاف، ابراہیم بن سیار نظام معمر بن عباد سلمی، ہشام بن عمرو قوطی، الجاحظ، ابو علی الجبائی و ابو ہاشم کہ رؤسائے معتزلہ ہیں، مصنف نے ان کے مقالات کو فضائح (فضیحت، رسوائی، ذلت) کے عنوان سے قلم بند کر کے ان پر تفصیلی اعتراضات کئے ہیں۔ اس کے علاوہ معتزلہ کی داخلی پریشان نظری اور یہ ہم تکفیر کا بھی ذکر بہت مسرت کے ساتھ کیا ہے۔ بحیثیت مجموعی کتاب "الفرق بین الفرق اپنے موضوع پر نہایت اہم و وقیع کلاسیکی دستاویز ہے[12]۔

خود آزمائی:

1. ابن حزم کی کتاب "الفصل فی الملل والاھواء والنحل" کے تعارف پر نوٹ لکھیں۔
2. الملل والنحل کا موضوع بیان کریں۔
3. فلاسفہ کے مذہب کو مفصل بیان کریں۔
4. یہودی مذہب کے فرقوں پر نوٹ قلمبند کریں۔
5. موجودہ انجیل کے بارے میں ابن حزم کی کیا رائے ہے؟ تفصیلا لکھیں۔
6. ابن حزم کی تصانیف پر مفصل نوٹ تحریر کریں۔

---

[12] صدیقی، علی محسن، مقدمات تاریخی، ص: 102-101

7. علامہ شبلی نعمانی نے ابن حزم سے متعلق کیا فرمایا؟
8. ابن حزم کی عیسائی پادریوں سے مناظرے کی تفصیل بیان کریں۔
9. ابن حزم کی کتاب الملل والنحل کے موضوع پر نوٹ تحریر کریں۔
10. ابن حزم نے دوسرے مذاہب کے کمزور پہلوؤں کا محاسبہ کس انداز سے کیا ہے؟
11. ابن حزم نے کس طرح غیر مذاہب کے اسلام پر اٹھائے گئے اعتراضات کا رد کیا ہے؟ تفصیلا بیان کریں۔
12. ابن حزم کی کتاب الملل النحل کے بنیادی مقصد پر روشنی ڈالیں۔
13. ابن حزم نے غیر مذاہب عقائد جو اسلام کے خلاف ہیں انہیں کتنے اور کن حصوں میں تقسیم کیا؟
14. ابن حزم کے حدیث کے منکروں کو پیش کئے جانے والے دلائل کو تفصیلا بیان کریں۔
15. ابن حزم کے مطابق مجوسی مذہب کے عقائد پر تفصیلی بوٹ تحریر کریں۔
16. صابئ مذہب کے بارے میں ابن حزم نے کیا لکھا ہے؟ تفصیلا بیان کریں۔
17. ابن حزم کے مطابق مانی مذہب کا فلسفہ بیان کریں۔
18. ابن حزم نے کن لوگوں کا نبیوں اور فرشتون کا انکار کرنے والوں میں شمار کیا ہے؟ وضاحت کریں۔
19. یہودی مذہب کے فرقوں پر نوٹ تحریر کریں۔
20. عقیدہ صلیب پر تفصیلی نوٹ قلمبند کریں۔
21. امام ابو المنصور عبد القاہر بغدادی رحمہ اللہ کے حالات زندگی پر نوٹ لکھیں۔
22. امام ابو المنصور عبد القاہر بغدادی رحمہ اللہ کی کتاب "الفرق بین الفرق" کا تعارف بیان کریں۔
23. عبد القاہر بغدادی رحمہ اللہ کی حیات مبارکہ پر تفصیلی نوٹ تحریر کریں۔
24. الفرق بین الفرق کے فرقوں پر نوٹ لکھیں۔
25. مصنف نے اپنی کتاب میں کن پر سخت نکیر کی ہے؟
26. عبد القاہر بغدادی رحمہ اللہ کن لوگون کو دائرہ اسلام سے خارج اور گمراہ سمجھتے تھے؟ وضاحت کریں۔
27. خوارج سے متعلق امام عبد القاہر رحمہ اللہ کے کیا خیالات تھے؟ بیان کریں۔
28. فرقہ الناجیہ کے اوصاف بیان کریں۔
29. "الفرق بین الفرق" میں بیان کی گئی دیگر کتب کا مختصر اتعارف پیش کریں۔

30. امام عبدالقاہر بغدادی رحمہ اللہ نے کن کن لوگوں سے مناظرے کئے؟ تفصیلا بیان کریں۔

جوابات:

تمام سوالوں کے جواب متعلقہ یونٹ سے تلاش کریں۔

مصادر و مآخذ/مزید مطالعہ کے لیے:

- قاسمی، محمد سعود عالم، مطالعہ مذاہب کی اسلامی روایت، اعظم گڑھ: شبلی اکیڈمی، 2019ء
- صدیقی، علی محسن، مقدمات تاریخی، کراچی: قرطاس، 2009ء

یونٹ نمبر 3

البیرونی کی مطالعۂ مذاہب میں خدمات

مؤلف: ڈاکٹر حسن بیگ، حافظہ حفصہ مجید

نظرثانی: عثمان علی شیخ، ڈاکٹر محمد خرم شہزاد

فہرست مضامین

عنوانات	صفحہ نمبر
یونٹ کا تعارف	62
یونٹ کے مقاصد	64
تعارف	65
البیرونی کی مطالعۂ مذاہب میں خدمات	65
تعارف: کتاب البیرونی فی تحقیق ماللھند	65
البیرونی: سوانح نگار کے بقول	66
البیرونی کی مشکلات	68
ہندو مذہب سے استفادہ میں رکاوٹ	70
خدا کا تصور ہندو مذہب میں	71
ہندوؤں میں بت پرستی	72
تخلیق کائنات کا تصور	73
تناسخ ارواح	74
جنت و جہنم	75
رسالت یا اوتار واد	76
حلال و حرام	77
نجات کا طریقہ	78
ہندو لٹریچر	80
طبقاتی نظام	82
خود آزمائی	83
جوابات	84
مصادر و مآخذ/مزید مطالعہ	85

یونٹ کا تعارف

ایشیاء میں جب پہلا ہزار سال ختم ہونے کو تھا تو وہ وقت علم و فضل، تجارت اور جنگوں کے ضمن میں ولولہ انگیز تھا۔ ایک ہزار واں سال ختم ہونے کو تھا جب ایشیا میں ابن سینا جیسا عبقری انسان تولد ہوا، اور یورپ میں ابن رشد جیسا نابغہ روزگار فلسفہ و حکمت کے فلک پر نمودار ہوا تھا۔ یہی وہ وقت تھا جب امام الغزالیؒ نے احیاء العلوم جیسی معرکۃ الآراء کتاب زیب قرطاس کی اور ابن الہیثم نے کتاب المناظر جیسی مبسوط کتاب رقم کی تھی۔ اس دور سے دو سو سال قبل بغداد میں اس عہد ساز ترجمہ کی تحریک کی ابتداء ہوئی جب فارسی، عبرانی، شامی اور یونانی کتابوں کے تراجم عربی زبان میں کئے گئے۔ اسلامی دور حکومت میں مختلف علوم جیسے اسٹرانومی، الجبرا، ریاضی، فلاسفی، منطق، علم الادویاء میں کتابیں لکھے جانے کے علاوہ نئی نئی دریافتیں کی گئیں۔ یہ بات خاص طور پر یاد رکھنے کی ہے کہ اس دور میں البیرونی (متوفی 13 دسمبر 1048ء) نے پہلی بار موازنہ ادیان پر قلم اٹھایا تھا۔ آج کے دور میں جبکہ شدت پسندی کا مشرق و مغرب میں دور دورہ ہے وقت کا تقاضا ہے کہ بین المذاہب ہم آہنگی کے لئے فضا ہموار کی جائے۔ مذاہب کا مطالعہ اس نقطہ نظر سے کیا جائے کہ امن کی فضا قائم ہو، مذاہب کے پیروکاروں میں پیار جنم لے اور انسانیت کا عَلم ہر جگہ لہرائے۔ اس ضمن میں تقابلہ مطالعہ ادیان کے مؤسس ابوریحان البیرونی کا تذکرہ اس یونٹ میں پیش کیا جارہا ہے۔

البیرونی جامع العلوم شخص تھا جس نے اسٹرانومی، ریاضی، جیوگرافی، علم مساحت یعنی جیوڈیسی، منرلوجی، فارماکالوجی، ہسٹری میں زبردست کارنامے سرانجام دیئے۔ ہندوستان اور ہندو کلچر پر اس کی کتاب تاریخ الہند تو اس کا زندہ جاوید کارنامہ ہے۔ البیرونی نے تمام کتابیں فارسی اور عربی میں قلم بند کی تھیں اور سنسکرت سیکھنے کیلئے اس نے بڑی جانفشانی سے محنت کی تھی تو ہندوستان کے مذاہب کا مطالعہ ان کی زبان میں کیا جاسکے۔ البتہ اس کو متعدد زبانوں پر عبور حاصل تھا۔ سیاسی امور سے نپٹنے کے علاوہ اس نے بڑی جانفشانی سے 146 کتابیں زیب قرطاس کی تھیں جن میں 95 کا تعلق ہیئت اور ریاضی کے علوم سے تھا۔ اس دور کے مسلمان سکالرز کا خیال تھا کہ ممکن ہے زمین حرکت کرتی ہے جہاں تک البیرونی کا تعلق ہے اس نے تسلیم کیا کہ وہ اس آئیڈیا کو نہ تو صحیح اور نہ ہی غلط ثابت کر سکتا البتہ اس کے خیالات زمین کی حرکت کے حق میں تھے۔

البیرونی اعلیٰ پایہ کا فلاسفر بھی تھا۔ البیرونی کے دور حیات تک مسلمان یونانی فلاسفروں کے خیالات سے کلی طور پر آگاہ ہو چکے تھے، کیونکہ یونانی کی متعدد کتابیں عربی میں ترجمہ کی جاچکی تھیں۔ مسلمان سکالرز ارسطو اور افلاطون کے نظریات کو قبول کرنے لگے تھے جس کی وجہ سے ان کے اذہان میں سوالات پیدا ہونے لگے کہ خدا کی ماہیت کیا ہے؟ خدا کی قدرت، کائنات کا آغاز اور تخلیق، الہام کی نوعیت جیسے سوالات اور متنازعہ نظریات کو اسلامی عقائد کے مطابق ڈھالنا ایک مسئلہ بن چکا تھا۔ بحیثیت فلاسفر البیرونی کے ہم عصر ابن سینا کو زیادہ اہم مقام حاصل ہے۔ البیرونی اور ابن سینا دیگر علوم میں ہم پلہ تھے اور دونوں کے درمیان سوال و جواب کی صورت میں خط و کتابت ہوئی تھی۔ کتابی صورت میں یہ ابھی تک الاسئلہ والاجوبہ کے نام سے محفوظ ہے۔

اس بات میں دو رائے نہیں کہ موازنہ ادیان کے مطالعہ Comparative Study of Religion کی داغ بیل البیرونی نے ڈالی تھی جس نے چھ ادیان زرتشت، یہودیت، جینازم، ہندوازم، عیسائیت اور اسلام کے عقائد اور اعمال practices، کا موازنہ پہلی بار پیش کیا تھا۔ البیرونی نے تمام ادیان کے عقائد، رسومات، رواج، تہواروں کو دیانت داری اور بغیر تعصب کے پیش کیا، اس حد تک کہ ہر دین کی شناخت برقرار رہے۔ دین کے بارے میں اس کی اپروچ معروضی تھی جس کی وجہ سے اس کی شہرت آج تک برقرار ہے۔ تقابل ادیان کے ضمن میں البیرونی کی دو کتابیں آثار الباقیہ اور تاریخ الہند استنادی حیثیت رکھتی ہیں۔ مذکورہ یونٹ میں البیرونی کے حالاتِ زندگی اور ان کی علمی خدمات کا تفصیل سے جائزہ لیا جائے گا۔

یونٹ کے مقاصد

امید ہے کہ اس یونٹ کے مطالعے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ

1. مطالعۂ مذاہب میں البیرونی کی خدمات کا جائزہ لے سکیں۔
2. البیرونی کے حالاتِ زندگی سے واقفیت حاصل کر سکیں۔
3. البیرونی کی تصانیف سے آگاہی حاصل کر سکیں۔
4. البیرونی کے اسلوب سے آگاہ ہو سکیں۔

تعارف: کتاب البیرونی فی تحقیق ماللھند

جن مسلمانوں نے معروضی نقطۂ نظر سے دوسرے مذاہب کا مطالعہ کیااور بلا کسی تعصب اور تحفظ کے ان کا تعارف کرایاان میں سب سے اہم اور مشہور نام ابوریحان محمد البیرونی (م1048ء) کا ہے۔ البیرونی غالباً پہلا مسلمان ہے جس نے ہندوستان کے مذہب و ثقافت، علوم وفنون اور سماج کے رسم ورواج کو سنجیدگی سے سمجھنے، ان کا علمی اور عقلی طور پر جائزہ لینے اور ان کے مذہب و ثقافت کو دنیائے اسلام سے متعارف کرانے کی کوشش کی۔

البیرونی خوارزم کے قریبی گاؤں البیرون (اس وقت ازبکستان کا ایک شہر ہے) میں 362ء مطابق 973ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے شہر میں حاصل کی اور 25 سال وہیں گزارے۔ البیرونی دینی علوم کے علاوہ تاریخ، جغرافیہ، ہیئت، نجوم، طبیعیات، فلسفہ، ریاضی، ادب اور سماجیات کے نامور عالم تھے۔ وہ نہایت ذہین اور دانش مند تھے۔ علوم وفنون کو حاصل کرنے کا ان کو فطری شوق تھا، اور یہی ان کی زندگی کا سرمایہ تھا۔ آزادانہ بحث و تحقیق ان کی پہچان تھی۔ فکر وتدبر اور مشاہدہ و تجربہ ان کا مشن تھا۔ انہوں نے شادی نہیں کی اور پوری زندگی علم کی تحصیل واشاعت میں گزار دی۔ یاقوت حموی نے ان کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ خوش بیان اور خوش اخلاق تھا۔ محتاط الفاظ استعمال کرتا تھا۔ پاکیزہ کردار تھا، اس کے علم وفہم کی مثال پیش کرنے سے زمانہ قاصر رہے گا۔

البیرونی کے اساتذہ میں ابو نصر منصور بن علی کا نام آتا ہے جن کا تذکرہ البیرونی نے اپنی کتاب آثار الباقیہ میں کیا ہے۔ دوسرے استاذ عبدالمنعم ابن علی ابن نوح کا نام ملتا ہے۔ البیرونی کے علمی شغف کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ان کے مرض وفات میں عیادت کرنے کے لیے فقیہ ابوالحسن بن عیسیٰ ان کے پاس گئے۔ البیرونی کو ان کی آمد کی اطلاع دی گئی تو انہوں نے آنکھیں کھولیں اور پوچھا کہ تم فلاں ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہاں۔ تب البیرونی نے ان سے نانی کی وراثت کا مسئلہ دریافت کیا۔ انہوں نے کہا کہ ابوریحان کیا آپ اس وقت بھی وراثت کا مسئلہ پوچھتے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ میں اس مسئلہ کا حل جان کر دنیا سے جاؤں، بجائے اس کے کہ لاعلمی کی حالت میں میری جان نکلے۔ ابوالحسن کہتے ہیں کہ جو مجھے معلوم تھا میں نے بتادیا۔ میں ابھی ان کے گھر سے باہر نکلا ہی تھا کہ اندر سے ماتم کی آواز آئی، البیرونی کی وفات ہوچکی تھی[1]۔

1048ء میں البیرونی کی وفات ہوئی۔ البیرونی کی کتاب فی تحقیق ماللہند میں یہی سنہ وفات درج ہے۔ مگر ایک معاصر سوانح نگار زکریا ورک نے ان کی تاریخ وفات 1053ء درج کی ہے اور جرمن مستشرق جوزف شاخت اور دیگر مستشرقین کا حوالہ دیا ہے۔ ہے تاریخ، جغرافیہ، ہیئت، نجوم، ریاضی، فلسفہ اور ادب کے موضوعات پر البیرونی کی کتابیں گراں قدر اہمیت کی حامل ہیں اور مسلمانوں کے ثقافتی سرمایہ میں اضافہ کرتی ہیں۔

---

[1] قاسمی، محمد سعود عالم، مطالعہ مذاہب کی اسلامی روایت، اعظم گڑھ: شبلی اکیڈمی، 2019ء، ص:162

یاقوت حموی نے معجم الادباء میں البیرونی کی تصانیف کے بارے میں لکھا ہے:

اوران علوم میں اس کی تصانیف بھی ہیں جن "وہ ایک بڑاادیب اور لغوی تھا،اوران علوم میں اس کی تصانیف بھی ہیں جن کو میں نے دیکھا ہے، ایک توابو تمام کے اشعار کی شرح ہے جس کانسخہ میں نے خود اس کے ہاتھ کا لکھاہوادیکھا ہے، لیکن وہ نامکمل رہا،دوسری کتاب کانام

"التعلل باحالة الوهم في معاني نظم اولى الفضل" ہے۔

ایک کتاب میں اس نے سلطان محمود کے زمانہ کی تاریخ اوراس کے باپ کے حالات لکھے ہیں،خوارزم کے حالات میں ایک کتاب لکھی ہے جس کانام کتاب المسامرہ ہے۔ایک اور کتاب ''مختار الاشعار والآثار ہے، نجوم، ہیئت، منطق اور حکمت کے موضوعات پر اس نے جو کتابیں لکھی ہیں وہ بے شمار ہیں، میں نے وقف جامع مرو میں ان کی کتابوں کی فہرست گنجان خط میں ساٹھ ورقمیں دیکھی ہے۔

البیرونی: سوانح نگار کے بقول

حکیم مطلق نے اس کے جسم میں طلب علم کی ایک غیر معمولی روح بھر دی تھی۔وہ کوشش کرتا ہے کہ تبائن السنۃ(زبانوں کے اختلاف) کی جو سدراہ اقوام عالم میں حائل ہے اور ایک قوم کو دوسری قوم کے علم ودانش سے محروم رکھنے کے لیے ایک عمیق خلیج ہے دور ہو جائے اور بلاواسطہ غیرے آپس کے میل جول سے وہ فائدہ اٹھایا جائے جائے جو نسل انسانی کی ترقی، تمدن اور عقل ودانش کاراز اعظم ہے۔

البیرونی ابن سینا کے معاصر تھے۔دونوں مفکروں کے درمیان مباحثہ ہوتے تھے۔البیرونی مسلمانوں کے صف اول کے محققین میں شامل تھے۔خاص طور پر خوارزمی زبان کے علاوہ عربی، فارسی سریانی، عبرانی،سنسکرت اور کئی زبانوں پران کو دسترس حاصل تھی۔اس لیے البیرونی کی بحث وتحقیق اولین ماخذ پر مبنی ہے اور اسی لیے مولانا ابوالکلام آزاد نے البیرونی کو مسلم سائنس دانوں پر فوقیت دی ہے۔انہوں نے لکھا ہے کہ:

"البیرونی نے نظر تحقیق کی بالکل دوسری راہ اختیار کی، اس نے جن علوم کو اپنا موضوع قرار دیا انہیں خود ان کی اصلی زبانوں میں پڑھنے کی کوشش کی، ہندوستان کے علوم کی اس نے جس قدر تحقیقات کی سنسکرت کی تحصیل کے بعد کی۔فارسی، خوارزمی اور جرجانی زبانیں ان کے لیے بمنزلہ مادری زبانوں کی تھیں، اس لیے قدیم ایرانی تاریخ وسنین کی تحقیقات میں اسے کسی درمیانی وسیلہ کامنت پذیر نہیں ہونا پڑا۔ جہاں تک یونانی اور سریانی زبانوں کا تعلق ہے گو کوئی براہ راست تصریح ہمیں نہیں ملی ہے، لیکن الآثار الباقیہ میں اس نے اپنی تحقیقات کا جس پیرایہ میں ذکر کیا ہے اس سے مترشح ہوتا ہے کہ غالباوہ ان دونوں زبانوں سے ناواقف نہ تھا۔ عبرانی زبان سے اس کی واقفیت کی تصریح خود اس کے قلم سے نکلی ہوئی ہمیں مل گئی ہے۔ ظاہر ہے کہ جو شخص سنسکرت، یونانی، سریانی، فارسی اور عبرانی زبانوں سے براہ راست واقفیت رکھتا ہو اس کی علمی حیثیت کے مقابلہ میں الفارابی، بوعلی سینا، اور ابن رشد وغیرھم کو لانا کسی طرح موزوں نہیں ہو سکتا۔"

البیرونی کی مہارت جغرافیہ، ریاضی اور ہیئت میں تھی، انہوں نے جرجانیہ میں ایک رصد خانہ قائم کیا تھا جہاں وہ ہیئت کے مشاہدات کرتے تھے، غزنی آنے کے بعد وہاں بھی انہوں نے رصد خانہ قائم کیا۔اس کے ساتھ البیرونی کو فلسفہ اور مذہب سے بھی گہری دلچسپی تھی۔ چنانچہ انہوں نے یونانی مذہب وفلسفہ اور ہندوستانی مذہب وفلسفہ میں دقیق معلومات فراہم کیں۔ خاص طور پر دیگر مذاہب کے عقائد، ثقافت اور رسوم سے واقفیت حاصل کرنے کا ان کے اندر فطری جذبہ تھا۔

البیرونی کو دوسرے مذاہب اور ان کی زبانوں کو سیکھنے اور سمجھنے کا جو شوق تھا اس کا تذکرہ کرتے ہوئے ایک مکتوب میں انہوں نے لکھا کہ :

"میں نے ابو بکر بن زکریا الرازی کی اس کتاب کا جو علم الٰہی کے متعلق ہے مطالعہ کیا، اس میں اس نے مانی کی کتابوں کی طرف رہنمائی کی ہے، بالخصوص اس کتاب کی طرف جس کا نام سفر الاسرار ہے۔ مجھے اس کتاب کے نام سے ایسی فریفتگی ہوئی جیسے اور لوگوں کو کیمیا کے متعلق سونے چاندی کی فریفتگی ہوتی ہے۔ میری نوعمری بلکہ حقیقت کی پردہ پوشی نے دل میں اس کتاب کی طلب کی کمال خواہش پیدا کی کہ کسی شہر یا ملک میں جہاں اپنا شناسا ہو اسے تلاش کیا جائے۔ میں چالیس برس سے کچھ زیادہ اسی تپش کی بے تابیوں میں رہا، یہاں تک کہ چند ہمدان سے ایک شخص آیا جس نے فضل ابن سہلان کے ذریعہ سے کچھ کتابیں پائی تھیں، اور اسے معلوم ہوا تھا کہ مجھے ان کا بہت اشتیاق تھا۔ مذکورہ شخص نے ان کتابوں کو مجھ سے ملاقات کرنے کا وسیلہ بنایا۔ اس کے پاس ایک مجموعہ تھا جس میں مانی کی حسب ذیل کتابیں تھیں۔ فرقماطیہ، سفر الجوابرہ، کنز الاحیاء، صبح الیقین، تاسیس، الخیل اور شاربورقان اور مانی کے چند دوسرے رسالے تھے، اور میری مطلوبہ کتاب سفر الاسرار بھی ان میں شامل تھی۔ مجھے اس قدر خوشی ہوئی جیسے پیاسے کو شربت دیکھنے سے ہوتی ہے، لیکن اخیر میں ایسا ملال ہوا جیسے ناگوار چیز کھانے سے ناگوار ڈکار آتی ہے۔

البیرونی نے زندگی کے ابتدائی 25 سال خوارزم میں گزارے، 995ء میں خوارزم میں خانہ جنگی ہوئی اور حکمراں ابوالعباس مامون حکومت سے بے دخل کیے گئے تو البیرونی شہر رے (طہران کے قریب چلے گئے، دو سال رے میں قیام کرنے کے بعد دوبارہ خوارزم آئے اور جرجان کے حکمراں شمس المعالی قابوس کے دربار سے وابستہ ہوئے۔ 1000ء میں اپنی کتاب آثار الباقیہ تصنیف کی۔ خوارزم کے حکمراں ابوالعباس مامون نے دوبارہ اپنی حکومت حاصل کی تو اس کے دربار سے وابستہ ہوئے، ۱۰۱۷ء میں ابوالعباس کو فوجیوں نے قتل کر دیا۔ ابوالعباس سلطان محمود غزنوی کا بہنوئی تھا اس لئے اس کے قتل کا بدلہ لینے کے لیے محمود نے خوارزم کی حکومت کا خاتمہ کر دیا اور خوارزم کے اعیان وامراء کو اپنے ساتھ غزنی لے آیا۔ ان گرفتار شدگان میں البیرونی بھی تھے، ابتدا میں البیرونی پر سلطان محمود کی نظر عنایت نہ تھی مگر البیرونی کے علم ودانش کا راز کھلا تو سلطان نے ان کو قریب کر لیا اور پذیرائی کی، البیرونی نے اپنے اشعار میں سلطان محمود کے حسن سلوک کی تعریف کی ہے۔

غزنی میں سلطان محمود کے درباریوں میں ہندوستان کے ہندو بھی تھے بلکہ سلطان کی فوج میں ہندو سپہ سالار سوبندر رائے، تلک اور ناتھ جیسے لوگ تھے، البیرونی کو اس ماحول میں ہندوستان کی تہذیب وثقافت اور علوم وفنون سے واقفیت حاصل کرنے کا شوق پیدا ہوا۔ سلطان محمود نے 1918ء میں ہندوستان پر حملہ کیا، سلطان کے لشکر کے ساتھ البیرونی بھی ہندوستان آئے۔ سلطان محمود کا مقصد ہندوستان میں مسلم حکومت کا قیام نہ تھا بلکہ مال ودولت کا حصول تھا۔ چنانچہ سومناتھ پر حملہ کر کے مال ودولت لیکر وہ غزنی واپس ہو گیا۔ جبکہ البیرونی کا مقصد ہندوستان کے مذاہب، ثقافت اور معاشرتی نظام سے واقفیت حاصل کرنا تھی۔ اس لیے وہ سلطان کے ساتھ غزنی واپس نہیں گئے اور ہندوستان میں رہنے کا فیصلہ کر لیا۔

البیرونی کی مشکلات:

ہندوستان میں البیرونی نے بارہ سال تک قیام کیا اور سندھ، پنجاب اور کشمیر کے شہروں میں رہ کر یہاں کے ہندو پنڈتوں اور شاشتریوں سے سنسکرت زبان، ویدک لٹریچر اور ہندو رسم ورواج کی تعلیم حاصل کی۔ البیرونی کے لیے ویدک لٹریچر اور سنسکرت زبان کی تحصیل کا معاملہ قدرے مشکل تھا۔ کیونکہ یہاں کے برہمن خود اپنے ہم وطن چھتریوں، ویش اور شودروں کو اپنے مذہب اور زبان کی تعلیم نہیں دیتے تھے تو بھلا باہر کے اجنبی مسلمان کو جن سے وہ نفرت کرتے تھے اپنے مذہب اور زبان کی تعلیم کیسے دے سکتے تھے۔ البیرونی نے ہندو مذہب اور سنسکرت زبان سیکھنے کا پختہ ارادہ کر لیا تھا اس لیے انہوں نے اپنا نام، لباس اور پہچان تبدیل کر کے ہندو برہمنوں سے استفادہ کیا۔ ویدک لٹریچر کا مطالعہ کیا اور ہندو سماج کا گہرائی اور باریکی سے مشاہدہ کیا۔ اس تحصیل علم کے لیے وہ ساری زحمتیں اٹھائیں جن کا تصور کرنا آج بظاہر مشکل ہے۔

البیرونی نے برہمنوں کے عقائد اور علوم کی تحقیق کے لئے جو وقت اور سرمایہ لگایا اور جس محنت و جانفشانی سے کام لیا اس کا حال بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

"ہندوؤں کی کتابیں جمع کرنے کی حرص میں جہاں سے ان کے ملنے کی توقع ہو سکتی تھی اور اس کے لیے بے دریغ مال خرچ کرنے میں کوئی میرے مد مقابل نہ تھا۔ ایسے لوگ بھی مجھے مل گئے جو گمنام اور مخفی مقامات سے ان کا پتہ لگائیں پھر بھی اندرونی رکاوٹوں نے ہم کو اس سے روکے رکھا اور میرے علاوہ دوسروں کو بھی اس طرح کی رکاوٹیں پیش آئیں گی۔

1069ء میں البیرونی غزنی واپس چلے گئے، 1030ء میں سلطان محمود کا انتقال ہوا۔ 1030ء ہی میں اپنے استاذ کی تحریک پر البیرونی نے ہندو مذہب سے متعلق حاصل کردہ معلومات اور مواد کو مرتب کیا اور تحقیق ماللھند کے نام سے وہ شاہکار کتاب لکھی جو عربی زبان میں اس وقت کی پہلی عالمانہ کتاب تھی۔ البیرونی سے پہلے ہندوستان کی بعض کتابوں کا جو حساب، ہیئت اور ادب سے تعلق رکھتی تھیں عربی زبان میں ترجمہ تو ہوا تھا مگر ہندو مذہب اور ثقافت کے تعارف پر مشتمل کوئی اور کتاب نہیں لکھی گئی تھی۔ یہ البیرونی کا کارنامہ تھا کہ پہلے اس موضوع پر قلم اٹھایا اور عرب دنیا کو ہندوستان کے مذہب و ثقافت اور رسوم سے واقف کرایا۔ البیرونی نے اس کتاب کو اپنے استاذ عبدالمنعم ابن علی ابن نوح الطغلیسی کے نام معنون کیا ہے۔

جب سلطان محمود غزنوی نے خوارزم فتح کیا اور البیرونی غزنی پہنچے تو اس وقت ان کی عمر ۴۵ سال تھی اور جس وقت یہ کتاب مکمل کی اس وقت ان کی عمر ساٹھ سال سے متجاوز تھی۔

ہندوستان میں یہ کتاب دائرہ معارف العثمانیہ، حیدر آباد سے ۱۳۷۶ھ مطابق ۱۹۵۷ء میں پیرس کے قومی کتب خانہ کے قلمی نسخے کے مطابق شائع ہوئی ہے۔ اور تقریباً ساڑھے پانچ سو صفحات پر مشتمل ہے۔ "كتاب البيرونى في تحقيق ما للهند، من مقولة مقبولة في العقل او مرزولة" اس کا پورا نام ہے۔ راقم نے اس نسخہ کو پیش نظر رکھا ہے۔ جرمن محقق پروفیسر زخاو نے اس کا جرمن اور

انگریزی ترجمہ کیا۔ روسی، فارسی، ترکی اور دیگر زبانوں میں بھی اس کا ترجمہ ہو چکا ہے کے انجمن ترقی اردو ہند نے ۱۹۴۲ء میں اس کا اردو ترجمہ کتاب الھند کے نام سے شائع کیا۔ دوسری بار خدا بخش لائبریری پٹنہ نے ۱۹۹۳ء میں اس کتاب کے بعض ابواب کا ترجمہ ہندو دھرم ہزار سال پہلے کے عنوان سے شائع کیا۔

البیرونی نے ہندوؤں کے مذہب کو بلا کم وکاست سمجھنے کے لیے اور اہل ہند سے مذہبی و ثقافتی افہام تفہیم کو آگے بڑھانے کے لیے یہ کتاب لکھی تھی۔ البیرونی کو ہندو مذہب کی پیچیدگی، داخلی تضاد اور دیومالائی اعتقادات کا احساس تھا۔ جیسا کہ خود کتاب کے نام من مقولة مقبولة في العقل او مرزولة'' سے ظاہر ہے مگر انہوں نے شعوری طور پر یہ کوشش کی کہ ہندو مذہب کے نقص و عیب پر تنقید و تنقیص نہ کی جائے اور نہ اس کے مقابلہ میں اپنے مذہب اسلام کی برتری ثابت کی جائے۔ بلکہ ہندو مذہب میں جو کچھ ہندوؤں کے اعتقاد اور ان کی کتابوں میں ہے بیان کر دیا جائے۔ اگرچہ بعض مقامات پر انہوں نے نقد سے کام لیا ہے اور کہیں کہیں مصنف نے ہندوؤں کی ثقافت کے بعض پہلوؤں کی تعریف بھی کی ہے۔ البیرونی کا یہ مطالعہ معروضی حقیقت پسندانہ اور مصنفانہ ہے، جرمن محقق پروفیسر زخاو نے اس کتاب کے بارے میں لکھا ہے:

"اگر مسلمان اس تصنیف پر بجا طور پر فخر کر سکتے ہیں اور اسے عربی ادب کے آسمان میں درجہ اول کا تارا سمجھ سکتے ہیں تو ہندوؤں کو بھی حق ہے کہ اسے خاص خوش نصیبی سمجھیں کہ ایک حق پرست علامہ عصر نے ان کے اجداد کے تمدن کی تصویر جیسی اس نے اپنے زمانہ میں پائی تھی ان کے واسطے چھوڑی ہے۔"

البیرونی نے کتاب الھند لکھنے کے علاوہ منسکرت زبان کی دو کتابوں کا عربی میں ترجمہ بھی کیا تھا۔ ایک کا نام سالک اور دوسری کا پانجلی ہے۔ کتاب الھند میں ان کتابوں کے حوالے بھی دیے گیے ہیں مگر یہ دونوں عربی ترجمے مفقود ہیں۔

ایک ایسے زمانے میں جبکہ مسلمان ملکوں کو فتح کر رہے تھے اور قوموں کو زیر کر رہے تھے، البیرونی کا یہ ذوق و شوق کہ وہ ہندووں کے عقائد اور رسوم اور علوم و فنون کا مطالعہ ہمدردی اور حقیقت پسندی سے کرے، مطالعہ مذاہب کے باب میں ایسے طریقہ کار کو واضح کرتا ہے جسے عالمی اور آفاقی معیار قرار دیا جا سکتا ہے۔ بقول پروفیسر ضیاء الحسن فاروقی "مذاہب کا تقابلی مطالعہ اس شخص کے لیے آسان ہو سکتا ہے جو موجودہ مذاہب میں سے کسی کا پیرو نہ ہو لیکن البیرونی کے ساتھ یہ معاملہ نہ تھا۔ وہ مذہب اسلام کا پیرو تھا۔ اور ہم نے دیکھا کہ قانون مسعودی کے دیباچہ میں اس نے خدا اور اس کے رسول پر اپنے ایمان کا برملا اعلان کیا ہے۔ پھر وہ جس ماحول میں زندگی گزار رہا تھا۔ مذہب میں راسخ العقیدگی کا ماحول تھا۔ سلطان محمود کی فتح مندی کے جوش و خروش کا ماحول تھا۔ اسے معلوم تھا کہ اس کی کتابیں اس راسخ العقیدگی کی عام فضا میں پڑھی جائیں گی پھر بھی وہ اپنے مطالعہ میں پوری غیر جانب داری اور کمال معروضیت سے کام لیتا ہے اور کہیں بھی تعصب کی پرچھائیں پڑنے نہیں دیتا۔"

ہندو مذہب سے استفادہ میں رکاوٹ:

فی تحقیق ماللھند 80 ابواب یا عنوانات پر مشتمل یا ہے پہلا باب مقدمہ اور دیباچہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس میں مصنف نے ہندو مذہب اور برہمن ذہنیت کو سمجھنے میں مشکلات اور رکاوٹوں کا تذکرہ کیا ہے، اور ہندو مذہب سے مکالمہ اور افہام و تفہیم کی ضرورت پر زور دیا ہے۔ مصنف نے اپنے طویل مطالعہ، مشاہدہ اور تجربہ کی روشنی میں حسب ذیل پانچ اسباب کو ہندوؤں کے مذہب اور ذہن کو سمجھنے میں رکاوٹ قرار دیا ہے۔

اول زبان کا اختلاف سنسکرت زبان ایک قدیم اور پیچیدہ زبان ہے اور عربی و فارسی زبانوں سے مختلف ہے۔ اس لیے مصنف کی نظر میں زبان کا اختلاف ہندو مذہب کو سمجھنے میں رکاوٹ بنتا ہے۔ یہ زبان بھی دو قسم کی ہے ایک قسم تو عامیانہ ہے جس سے عوام اور بازاری لوگ کام لیتے ہیں، دوسری قسم فصیح ہے جو نحو و صرف، بلاغت کے باریک مسائل پر مشتمل ہے۔ اس کی طرف ہندو مذہب کے ماہرین ہی توجہ کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں پنڈت حضرات اپنی مذہبی کتابیں نثر کے بجائے نظم میں لکھتے ہیں جس کا مقصد ان کتابوں کو اپنی
اصلی حالت میں محفوظ رکھنا ہے اور ان کو سہولت ساتھ یاد کرنا ہے۔

دوسرا سبب مذہبی تعصب ہے، ہندو دوسرے مذاہب کے لوگوں کو ملیچھ یعنی ناپاک کہتے ہیں اور ان سے ملنا جلنا اور کس قسم کا تعلق رکھنا درست نہیں سمجھتے۔ مصنف کے بقول:

"جس چیز میں دوسری قوم کی آگ پانی سے کام لیا گیا ہو جس پر زندگی کا انحصار ہے اسے ہندو لوگ ناپاک سمجھتے ہیں اور کسی طریقہ سے اس کی اصلاح کی صورت نہیں ہے اس لیے کہ گو نجس چیز طاہر سے مل کر طاہر ہو سکتی ہے لیکن ہندوؤں میں کسی شخص کو جو ان کی قوم سے نہیں ہے اور ان میں داخل ہونے کی رغبت یا ان کے مذہب کی طرف میلان رکھتا ہے ان کو اپنے اندر داخل کرنے کی مطلق اجازت نہیں دیتے۔"

تیسرا سبب عادت، رسم اور طرز معاشرت کا اختلاف ہے۔ ہندو لوگ ہماری معاشرت سے اس طرح مغایرت رکھتے ہیں کہ وہ اپنے بچوں کو ہم سے (مسلمانوں) اور ہماری ہیئت اور لباس سے اپنے بچوں کو ڈراتے ہیں اور ہم لوگوں کو شیطان کی طرف منسوب کرتے ہیں اور شیطان کو خدا کا دشمن قرار دیتے ہیں۔

چوتھا سبب یہ ہے کہ بودھ مذہب (فرقہ شمنیہ) جو اگرچہ ہندو مذہب کا مخالف ہے مگر دوسرے مذاہب کی نسبت ہندو سے قریب ہے۔ قدیم زمانہ میں خراسان، فارس، عراق اور موصل و حدود شام میں بودھ مذہب کے پیروکار تھے۔ پہلے تو مجوسی مذہب کا وہاں پھیلاؤ ہوا اور بعد میں اسلام آیا اور بودھ مذہب کے ماننے والے ان ممالک سے نکل کر ہندوستان میں سمٹ کر رہ گئے۔ ہے البیرونی نے سندھ پر محمد بن قاسم کے حملوں کو بھی مسلمانوں سے ہندوؤں کی نفرت کا سبب قرار دیا ہے۔ خاص طور پر محمود غزنوی کے حملوں کو مسلمانوں سے ہندوؤں کی دوری اور نفرت کا سبب قرار دیا ہے، البیرونی کے بقول:

"یہی سبب ہوا کہ ان کے علوم مفتوحہ علاقوں میں بنارس اور کشمیر کی طرف چلے گئے، جہاں اب تک رسائی نہیں ہوئی ہے اور جہاں سیاسی اور دینی وجوہ سے سارے اجنبیوں کے ساتھ شدید بے تعلقی رکھی جاتی ہے۔"

پانچواں سبب ہندوؤں کی تنگ نظری اور خود پرستی ہے، مصنف کے بقول:

ہندوؤں کا اعتقاد یہ ہے کہ ملک ہے تو ان کا ملک، انسان ہیں تو ان کی قوم کے لوگ، بادشاہ ہیں تو ان کے بادشاہ، مذہب ہے تو ان کا مذہب اور علم ہے تو وہی جو ان کے پاس ہے۔ اس لیے یہ لوگ بہت بے تعلقی کرتے ہیں اور جو تھوڑا سا علم ہے تو وہی جو ان کے پاس ہے اس کو بہت سمجھتے ہیں اور خود پسندی میں مبتلا ہو کر جاہل رہ جاتے ہیں۔ جو کچھ یہ جانتے ہیں اس کو بتلانے میں بخل کرنا اور غیر قوم والے درکنار خود اپنی قوم کے دیگر لوگوں سے بھی شدت کے ساتھ چھپانا ان کی شرست میں داخل ہے۔"

البیرونی نے ہندوؤں کے مذہب واعتقاد کا موازنہ اہل یونان سے کیا ہے۔ یونانیوں میں بھی خواص حضرات عقلی استدلال سے کام لیتے تھے اور عام لوگ بت پرستی میں مبتلا تھے، یہی حالت ہندوؤں کی بھی ہے۔ ان کے خواص عقل واستدلال سے کام لیتے ہیں مگر عام لوگ بت پرستی میں مبتلا ہیں۔ یونانیوں میں ایسے لوگ پیدا ہوئے جنہوں نے خواص کے احوال کو چھانٹ کر عوام کے اعتقادات سے الگ کیا۔ مثلاً سقراط جس نے زہر کا پیالہ پی لیا مگر اپنے موقف سے نہیں ہٹا۔ مگر ہندوؤں میں ایسے لوگ پیدا نہیں ہوئے جو خواص کے اصول کو عوامی شرک سے الگ کرتے اور ان کی اصلاح کرتے۔ مصنف کے بقول:

"اسی لیے ہندوؤں کا کوئی خاص کلام ایسا نہیں پاؤ گے جس میں انتہا درجہ کا اضطراب اور بد نظمی نہ ہو اور جس کے آخر میں عوام کے خرافات کی آمیزش نہ ہو۔ مثلاً بڑے بڑے اعداد، زمانوں کی درازی اور دین کے وہ مسلمات جن کی مخالفت اہل دین ناپسند کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان پر تقلید غالب ہو گئی ہے۔ اسی وجہ سے ہم ان کے حق میں زیادہ سے زیادہ کہتے ہیں کہ ریاضی اور حساب کے تعلق سے جو کچھ ان کی کتابوں میں ہے وہ ٹھیکریوں میں ملا ہوا سیپ یا گوبر میں لپٹا ہوا موتی یا سنگریزوں میں پڑا ہوا نگینہ ہے دونوں جنس برابر ہیں اس لیے کہ ان کے پاس برہان کی قسم کا کوئی ذریعہ استدلال نہیں ہے۔"

خدا کا تصور ہندو مذہب میں:

البرونی نے اس کتاب میں ہندوؤں کے عقائد، احکام اور علوم سب پر تحقیق کی ہے ہندوؤں کے توہمات اور خلاف عقل عقائد سے صرف نظر کیا ہے اور ان کی ریاضی، ہیئت اور نجوم وغیرہ کے علوم کا معروضی تجزیہ کیا ہے۔ ہندو عقائد کا ان مذہبی کتابوں اور علوم کا ذکر کرتے ہوئے مصنف نے جابجا یونانی مسیحی اور اسلامی عقائد سے بھی ان کا موازنہ کیا ہے البیرونی نے خدا کے بارے میں ہندوؤں کہ عقیدہ کا تذکرہ کیا ہے اور ویدک لٹریچر اور برہمنوں سے استفادہ کرتے ہوئے یہ واضح کیا ہے کہ خدا کے بارے میں خواص یعنی مذہبی عالموں کے عقائد عوام کے عقائد سے مختلف ہیں عوام مظاہر پرستی اور بت پرستی میں مبتلا ہیں جبکہ خواص خدا کو یکتا اور صفات سے منزلہ تسلیم کرتے ہیں البیرونی کا کہنا ہے

"اللہ پاک کی شان میں ہندوؤں کا اعتقاد یہ ہے کہ وہ خدا ازلی ہے جس کو نہ ابتدا ہے نہ انتہا اپنے فعل میں مختار ہے، قادر ہے، حکیم ہے، زندہ ہے، زندہ کرنے والا ہے، صاحب تدبیر ہے باقی رکھنے والا ہے، اپنی بادشاہت میں اکیلا ہے جس کا کوئی مقابل اور مماثل نہیں ہے۔ نہ وہ کسی چیز سے مشابہ ہے اور نہ کوئی چیز اس کے ساتھ مشابہت رکھتی ہے

البرونی نے اپنے اس بیان کے ثبوت میں ایک طویل مکالمہ سنسکرت زبان کی کتاب پاتنجلی سے نقل کیا ہے اور دوسرا اقتباس گیتا سے نقل کیا ہے تیسرا اقتباس سانک نامی کتاب سے پیش کیا ہے۔ خواص کے عقائد کے بر خلاف ہندو عوام کے اعتقادات توہمات، اصنام پرستی اور مظاہر پرستی پر مبنی ہے۔ البیرونی لکھتے ہیں "جب ہم ہندوؤں کے خواص کے طبقے سے نکل کر عوام کی طرف اتے ہیں تو ان کے اقوال میں بہت اختلاف پایا جاتا ہے اور کبھی وہ نہایت بھونڈے ہوتے ہیں"۔ اس کی مثال یہ ہے کہ ان کا کوئی عالم اجسام کی صفات سے اللہ کی برات ظاہر کرنے کے لیے اس کو نقطہ سے تعبیر کرے اور کوئی جاہل اس کو دیکھ کر یہ سمجھے کہ عالم نے اس چھوٹی چیز سے تعبیر کر کے اس کی بڑائی کی مقدار بتلائی ہے اور وہ نقطہ کی حیثیت نہ سمجھ سکے۔ اور اس بھونڈی تشبیہ سے تجاوز کر کے اس کی عظمت کی حد بتلانے کے لیے کہے کہ وہ بارہ انگشت لانبا اور دس انگشت چوڑا ہے۔"

البیرونی نے ہندوؤں کے خواص اور عوام کے عقائد میں اختلاف کی مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے:

"خواص ھندوان اوصاف کا (اللہ کے لیے) انکار کرتے ہیں۔ ان کے عوام اور وہ لوگ جو فروغ مذہب میں مشغول ہیں ان کے اطلاق میں بے اعتدالی کرتے ہیں اور مقدار مذکور سے تجاوز کر کے بیوی، بیٹا، بیٹی، حمل رہنا، بچہ جننا اور تمام طبعی حالات تک پہنچا دیتے ہیں اور ان کے ذکر میں خلاف عقل مبالغہ کرنے سے بھی احتیاط نہیں کرتے۔"

البیرونی نے گو کہ بت پرستی کو ہندوؤں کی خرافات سے تعبیر کیا ہے مگر زور دے کر کہا ہے کہ بت پرستی ان کے عوام میں ہے۔ لیکن جو راہ نجات کا طالب ہے یا جس نے مناظرہ و کلام کا مطالعہ کیا ہے اور حقیقت کو جانا ہے جس کو یہ لوگ سار کہتے ہیں وہ اللہ کے سوا ہر دوسری چیز کی عبادت سے گریز کرتا ہے۔ چہ جائیکہ وہ بنائے ہوئے بت کی پوجا کرے۔

ہندوؤں میں بت پرستی:

اگر ہندوؤں میں صرف ایک خدا (ایشور) کی عبادت کا تصور تھا اور معرفت کے حامل برہمن ایک خدا کے علاوہ کسی کی پوجا نہیں کرتے تو پھر ہندوؤں میں بت پرستی کیسے پیدا ہو گئی اور کیونکر ہندو قوم کی پہچان پوری دنیا میں بت پرست کی حیثیت سے ہوئی؟ البیرونی نے اس کی وجہ یہ لکھی ہے کہ عوام کی طبیعت محسوس کی طرف میلان رکھتی ہے اور معقول سے گریز کرتی ہے۔ اس کو صرف علماء جانتے ہیں جو ہر زمانے میں اور ہر جگہ کم ہوتے ہیں۔ چونکہ مثال سے عوام کی طبیعت کو ایک طرح کی تسکین ہوتی ہے۔ اس لیے اکثر مذہب والے کتابوں اور عبادت گاہوں میں تصویر بنانے کی طرف مائل ہو گئے۔ اس وجہ سے قابل تعظیم لوگوں مثلاً انبیاء، اولیاء اور فرشتوں کے نام کا بت بنا لیا گیا تا کہ نظر سے غائب رہنے اور موت کی حالت میں ان کے حکم کو یاد دلاتا رہے اور دلوں میں مرتے دم تک ان کی تعظیم کا اثر باقی رکھے۔

ہندوؤں میں بت پرستی کے آغاز کے سلسلہ میں البیرونی نے متعدد داستانیں ہندوؤں کی مذہبی کتابوں سے نقل کی ہیں۔ان میں سے ایک حسب ذیل ہے۔

برہما کا ایک بیٹا تھا جس کا نام نارد تھا۔اس کی ایک ہی خواہش تھی کہ وہ اپنے رب کو دیکھے۔وہ راہ چلنے کے لیے ہمیشہ ایک لاٹھی اپنے پاس رکھتا تھا۔جب وہ اس لاٹھی کو زمین پر پٹکتا تھا تو وہ سانپ بن جاتی تھی۔وہ اس لاٹھی سے عجیب وغریب کام لیتا اور کبھی اسے جدا نہیں کرتا تھا۔ایک دن وہ رب کے دھیان میں تھا کہ دور سے روشنی دکھائی دی۔وہ روشنی کی طرف گیا۔روشنی سے آواز آئی کہ تو جو چیز مانگتا ہے اور جس چیز کی تمنا رکھتا ہے وہ محال ہے، تیرے لیے ممکن نہیں ہے کہ تو اس طریقہ کے سوا اور طریقہ سے دیکھے۔نارد نے نظر اٹھائی تو انسان کی شکل وصورت کا ایک نورانی شخص کھڑا تھا۔اس وقت سے صورتوں کے بت بنائے جانے لگے۔

تخلیق کائنات کا تصور:

تخلیق کائنات کے بارے میں ہندوؤں کا عقیدہ کیا ہے۔اس پر البیرونی نے مفصل گفتگو کی ہے۔ تخلیق کائنات کو ہندو "برہمانڈ" سے تعبیر کرتے ہیں یعنی برھما کا انڈا۔اس کی تشریح البیرونی نے اس طرح کی ہے۔

ہندوؤں کی رمزیہ روایتوں میں ہے کہ ہر چیز سے قبل پانی کا وجود تھا،اور کائنات کی جگہ پانی تھا،موج سے پانی میں جھاگ اٹھا اور اس سے ایک سفید چیز باہر نکلی۔اس سے خالق نے برھما کا انڈا پیدا کیا۔اب بعض ہندو کہتے ہیں کہ انڈا پھٹا اور اس میں سے برھما نکلا۔

اس کے ایک آدھے سے آسمان بنا،دوسرے آدھے سے زمین اور دونوں کے درمیان کے ریزوں سے بدلی کی بارش بنی۔اور بعض کہتے ہیں کہ اللہ نے پانی کے جھاگ سے انڈا بنایا،جب وہ جم گیا اور خشک ہو گیا تو اسے دو ٹکڑے کیا۔البیرونی نے اس عقیدہ کی مشابہت استقلیوس کے بارے میں یونانیوں کے عقیدہ میں تلاش کی ہے۔نیز قرآن کریم کی آیات سے بھی اس کا موازنہ کیا ہے اور کہا ہے:

"ہندوؤں کے عقیدہ کے مطابق تخلیق میں پانی کے مقدم ہونے کی وجہ یہ ہے کہ پانی سے ہی ہر اس چیز میں منتشر ذرات کا اتصال پیدا ہوتا ہے، اور ہر نمو کرنے والی چیز میں نمو بھی پانی سے ہے۔اور ہر ذی روح کی زندگی کا سہارا پانی ہی ہے۔قرآن نے بھی آیت کان عرشہ علی الماء(اس کا عرش پانی پر تھا) اس مطلب کے مماثل ادا کیا ہے۔"

اسی کے ساتھ البیرونی نے تخلیق کائنات کے ہندو عقیدہ کی کمزوری کی بھی نشاندہی کی ہے۔اسے علم ہیئت سے کماحقہ ناواقفیت پر محمول کیا ہے اور لکھا ہے کہ:

"ہندوؤں نے انڈے کو دو آدھا کرنے کی طرف جو اشارہ کیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس قول کا قائل جاہل تھا۔وہ نہیں جانتا تھا کہ آسمان زمین کو اس طرح محیط ہے جس طرح برھمانڈ کا چھلکا اس کے گودے کو۔اس نے زمین کو نیچے اور آسمان کو صرف ایک طرف سے اس کے اوپر تصور کیا ہے۔اگر وہ حالت کو ٹھیک طرح سے سمجھتا تو انڈے کو پھاڑنے کی ضرورت نہ ہوتی۔ بہر حال اس نے چاہا کہ آدھے کو پھیلا کر زمین بنادے اور دوسرے آدھے کو اس کے اوپر گنبد بنا کر کھڑا کردے۔اور کرنے کو مسطح کرنے میں بطلیموس سے بڑھ جائے لیکن بڑھ نہیں سکتا۔"

موجودات عالم کے بارے میں ہندوؤں کے عقائد کا تذکرہ کرتے ہوئے البیرونی نے کہا ہے کہ :

"ہندو عقیدہ کے مطابق موجود صرف ایک ہے۔ یعنی خالق و مخلوق سب کچھ ایک ہے، دنیا کی تمام شے ایک ہی وجود کا حصہ ہے۔ اور ایک ہی وجود مختلف شکلوں اور مظاہر میں جلوہ گر ہوتی ہے۔ البیرونی نے اس بیان کے ثبوت میں گیتا سے باسدیو (کرشن) کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ساری چیزیں الٰہی ہیں۔ اس لیے کہ بشن نے اپنی ہی ذات کو زمین بنایا ہے تاکہ حیوان اس پر ٹھہرے۔ اپنی ہی ذات کو پانی بنایا ہے تاکہ ان کی پرورش کرے۔ اپنی ہی ذات کو آگ اور ہوا بنایا ہے تاکہ ان کو بڑھاتا اور پیدا کرتا رہے اور اپنی ہی ذات کو ہر فرد کا دل بنایا ہے اور اس میں ذکر اور علم دونوں کی ضد اور صلاحیت رکھی، جیسا کہ وید میں مذکور ہے۔"

البیرونی نے ہندوؤں کے اس عقیدہ کا موازنہ یونانی فلسفیوں کے خیالات اور یہودیوں اور عیسائیوں کے عقائد سے کیا ہے۔ انسان کی حقیقت، نوعیت اور نفس اور خدا سے اتصال کی کیفیت پر دقیق بحث کی ہے۔ نیز صوفیاء میں وحدت الوجود کا جو تصور پایا جاتا ہے ان پر بھی تبصرہ کیا ہے۔ البیرونی نے لکھا ہے:

"یونانیوں کا یہ مذہب تھا کہ موجود ایک شے ہے اور اس کے اندر علت اولی مختلف صورتوں میں نظر آتی ہے اور علت اولی کی قوت موجود کے اجزا میں جداگانہ احوال کے ساتھ داخل ہوتی ہے جس سے باوجود متحد ہونے کے ایک طرح کی غیریت لازم آتی ہے۔ انہیں میں کوئی یہ کہتا تھا کہ جو شخص علت اولی کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اور ممکن حد تک اس سے مشابہت اختیار کر لیتا ہے وہ واسطوں کو چھوڑنے اور تعلقات و موانع سے علیحدہ ہونے کے ساتھ ہی اس سے متحد ہو جاتا ہے۔ اس قسم کے مضمون کی مشابہت کی وجہ سے صوفی بھی یہی رائے رکھتے ہیں۔"

تناسخ ارواح:

ہندوؤں کا عقیدہ آخرت کے بارے میں اور امن یعنی تناسخ ارواح کا ہے۔ انسان کے مرنے کے بعد اس کی روح فنا نہیں ہوتی بلکہ اپنے دنیاوی عمل کے لحاظ سے جسمانی قالب بدلتی رہتی ہے۔ اچھے عمل کے نتیجہ میں اچھا قالب ملتا ہے۔ برے عمل کے نتیجہ میں برا قالب ملتا ہے یعنی جانور اور حشرات الارض بن کر دنیا میں آتی ہے۔ البیرونی نے اس عقیدہ کو ہندوؤں کا سب سے اہم عقیدہ قرار دیا ہے اور اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے۔

"جس طرح کلمہ اخلاص (لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ) مسلمانوں کے ایمان کا شعار ہے، تثلیث عیسائیوں کی علامت ہے اور سبت منانا یہودیوں کی خصوصیت ہے اسی طرح عقیدہ تناسخ ہندو مذہب کا امتیاز ہے۔ جو شخص تناسخ کا قائل نہیں ہے وہ ہندو نہیں ہے اور اس کا شمار ہندوؤں میں نہیں ہو سکتا۔"

البیرونی نے گیتا سے کرشن اور ارجن کے مکالمے کا وہ حصہ بطور ثبوت نقل کیا ہے جس میں کرشن نے میدان جنگ میں ارجن کو نصیحت کرتے ہوئے روح کو ابدی اور بار بار لوٹنے والی شے قرار دیا ہے۔

"اگر تم سابق میں مقرر شدہ تقدیر پر ایمان رکھتے ہو تو تم کو جاننا چاہیے کہ ہم دونوں (فریق جنگ) میں سے کوئی بھی یعنی نہ وہ لوگ اور نہ ہم لوگ مرتے اور دنیا سے اس طرح جاتے ہیں جس سے واپسی نہ ہو۔اس لیے کہ روحیں مرتی نہیں ہیں نہ ان میں تبدیلی ہوتی ہے۔بلکہ وہ انسان کے جسم کی تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ جو زمانہ طفلی سے جوانی میں اور کہولت میں اور پھر بڑھاپے میں موت کے بعد پھر لوٹ کر آتی ہے۔

البیرونی نے تناسخ ارواح کے عقیدہ کی مزید وضاحت کرتے ہوئے کتاب پانجلی سے بھی ایک طویل مکالمہ نقل کیا ہے۔پھر اس عقیدہ کا موازنہ یونانی فلسفیوں کے خیالات اور بعض صوفیاء کے اشارات سے کیا ہے۔البیرونی کی تحقیق یہ ہے کہ ایران کے مانی مذہب میں بھی تناسخ ارواح کا عقیدہ پایا جاتا ہے اور یہ عقیدہ مانی نے ہندوؤں کے عقیدہ تناسخ سے اخذ کیا تھا، کیونکہ مانی کو ایران شہر سے جلاوطن کیا گیا تھا وہ ہندوستان آیا اور ہندوؤں سے تناسخ ارواح کا عقیدہ سیکھ کر اپنے مذہب میں شامل کر لیا۔البیرونی نے مانی کی کتاب سفر الاسرار سے اس کا یہ قول نقل کیا ہے:

"حواریوں کو جب معلوم ہوا کہ نفوس مرتے نہیں بلکہ وہ چکر لگاتے رہتے ہیں، کبھی کسی شکل وصورت کا لباس اختیار کرتے ہیں کبھی کسی جانور میں پیدا ہوتے ہیں اور کبھی کسی اور صورت کے قالب میں ڈھلتے ہیں تو انہوں نے مسیح سے ان نفوس کے انجام کے متعلق سوال کیا جنہوں نے حق کو قبول نہیں کیا وہ ہلاک ہوگا اور اس کو راحت نہیں ہوگی۔ہلاک ہونے سے قائل کا مطلب عذاب ہے معدوم ہونا نہیں۔"

جنت و جہنم:

ہندو مذہب میں جنت و جہنم کا تصور کیا ہے؟اس کی تفصیل بیان کرتے ہوئے البیرونی نے کہا ہے کہ:

نظام عالم جسے "لوک" کہا جاتا ہے، عالم اعلیٰ، عالم اوسط اور عالم اسفل کا نام ناگ لوگ یعنی سانپوں کا عالم ہے، یہ جہنم ہے اس کو نرلوک بھی کہتے ہیں، اور کبھی اس کو پاتال یعنی سب سے نچلی زمین بھی کہتے ہیں۔درمیانی عالم کا نام مادلوک اور مانش لوگ یعنی انسانوں کی دنیا ہے، یہ عالم روزی کمانے کے لیے ہے، عالم اعلیٰ ثواب کے لیے اور عالم اسفل عذاب کے لیے ہے۔"

جنت و جہنم کے علاوہ ایک تیسری دنیا بھی ہے جس کو ترجک لوک کہا جاتا ہے۔ترجک لوک ان لوگوں کے لیے ہے جو نہ تو ترقی کر کے جنت میں جا سکتے ہیں اور نہ جہنم میں گر سکتے ہیں۔ترلوک نباتات اور بے عقل حیوانوں کا عالم ہے جن کے اجسام میں بذریعہ تناسخ روح آمد و رفت کرتی ہے اور نمو کے ادنی مرتبہ سے حساسیت کے اعلیٰ مرتبہ تک ترقی کرتی ہوئی بتدریج انسانیت میں منتقل ہوتی ہے۔ہندو عقیدہ کے مطابق جنت سے دنیا میں واپس ہونے والی روح نباتات اور حیوان میں آمد و رفت کرتے کرتے انسان کا درجہ حاصل کر لیتی ہے۔

جہنم بھی کوئی ایک نہیں ہے بلکہ بے شمار ہے۔بشن پران میں کہا گیا ہے کہ ان کی تعداد اٹھاسی ہزار ہے، دراصل انسانوں کے گناہوں کی نوعیت کے لحاظ سے جہنم کے الگ مقامات متعین کیے گئے ہیں اور ان کے اوصاف کے لحاظ سے ان کے نام رکھے گئے ہیں۔مثلاً جھوٹی گواہی دینے والا اور جھوٹا دعوی کرنے والا اور وہ جہنم میں جائے گا۔ناحق قتل کرنے والا، لوگوں کے حق مارنے والا رودو جہنم میں جائے گا۔اپنی رعایا کی خبر گیری نہ کرنے والا راجا اور برہمن کو قتل کرنے والا کنبھ جہنم میں جائے گا۔جو اپنی بیٹی یا بہو سے زنا کرے یا اپنی اولاد کو بیچے وہ مہما جال میں جائے گا۔جو شخص جانوروں سے مباشرت کرے اور جو وید اور پرانوں کی توہین کرے شول میں جائے گا، چور دغا باز اور اپنے باپ سے بغض رکھنے والا کرش جہنم میں جائے گا۔تلوار اور چھری بنانے والا تمس جہنم میں جائے گا وغیرہ ذالک۔

برہمنوں میں بعض لوگ عالم اوسط کو صرف عالم انسانی سمجھتے ہیں اور اس میں آمد و رفت کو ان اعمال کا بدلہ تصور کرتے ہیں جو اس سے کم ہیں۔ یعنی ایسے عمل نہیں ہیں کہ اس کو مستحق ثواب بنائیں اور ایسے بھی نہیں ہیں کہ موجب عذاب بنادیں۔ مزید براں جنت کو انسانیت سے برتر ایسی نعمت سمجھتے ہیں جس کا نیک کاموں کے صلہ میں ایک مدت کے لیے استحقاق ہوتا ہے، اور نباتات و حیوان میں آمد و رفت کو انسانیت سے کم رتبہ کا ایسا عذاب اور سزا تصور کرتے ہیں جس کا برے کام کے بدلہ میں ایک مدت تک کے لیے استحقاق ہوتا ہے۔ یہ لوگ درجہ انسانیت سے اس طرح گر جانے کو ہی جہنم سمجھتے ہیں۔

البیرونی نے جنت و جہنم کے بارے میں برہمنوں کے عقائد کا تفصیلی تذکرہ کرنے کے بعد اس پر نقد و تبصرہ بھی کیا ہے، البیرونی کا کہنا ہے کہ "ثواب و عذاب کے مقامات کا حال، اور ان مقامات میں بغیر جسم کے روح کا موجود ہونا اور عمل کا پورا بدلہ پالینے کے بعد از سر نو دوسرا بدن اختیار کرنا اور انسان بننا تاکہ انسان کے لیے جو درجہ مقرر ہے اس کی استعداد پیدا ہو۔ ان مقامات پر ہندو عقلی استدلال سے ہٹ کر مذہبی روایت پر آجاتے ہیں۔ اسی وجہ سے کتاب "سانک" کے مصنف نے جنت کے ثواب کو خیر نہیں قرار دیا ہے کہ وہ تمام ہو جاتے ہیں اور ہمیشہ باقی نہیں رہتے۔

رسالت یا اوتار واد:

آسمانی مذاہب خصوصاً اسلام میں رسالت کا جو تصور پایا جاتا ہے کہ اللہ انسانوں کی ہدایت کے لیے انسانوں میں سے نبی منتخب کرتا ہے، اس کو اپنے پیغام سے نوازتا ہے اور اسے انسانوں کی اصلاح و ہدایت کے لیے مقرر کرتا ہے۔ اس طرح کا تصور ہندوؤں میں نہیں ہے۔ البتہ اس سے ملتا جلتا تصور یہ ہے کہ انسانوں میں جب بگاڑ پیدا ہوتا ہے تو اس کی اصلاح کے لیے خدا خود انسان کا روپ اختیار کر کے آتا ہے اور انسانوں کی شکل میں پیدا ہوتا ہے اور انسانوں کی اصلاح و ہدایت کرتا ہے۔ یا یہ کہ انسان اپنی ریاضت سے بلند مرتبہ حاصل کر لیتا ہے اور خدا کی ذات میں حلول کر جاتا ہے۔ اسے اوتار کہا جاتا ہے۔ ہندوؤں میں دس اوتار کا تصور ہے۔ آخری اوتار کے بارے میں عقیدہ ہے کہ دنیا کے آخر میں اس کا ظہور ہوگا۔

البیرونی نے رسالت یا اوتار واد کے تصور سے تعرض نہیں کیا ہے البتہ نارائن کے تصور پر بحث کی ہے اور نارائن کا جو عقیدہ ہے وہی اوتار کا بھی عقیدہ ہے۔ البیرونی نے لکھا ہے ہندوؤں کے نزدیک نارائن ایک علوی (فوق طبعی) قوت ہے جس کا مقصد نہ دنیا کی حالت کو بہترین ذریعہ سے بہتر بنانا ہے اور نہ خرابی پیدا کر کے خراب کرنا۔ وہ صرف خرابی اور برائی کو جس طرح ممکن ہو دفع کرتا ہے۔ اس کے نزدیک بہتری کو بہتری پر تقدم حاصل ہے۔ ہندو اس قوت اور علت اولی کے درمیان فرق نہیں کرتے۔ اس کا دنیا میں اہل دنیا کے مشابہ بن کر یعنی جسم بدن اور رنگ اختیار کر کے اترنا اس وجہ سے ہوتا ہے کہ ان کے خیال میں اس کے سوا دوسری صورت ممکن نہیں ہے۔

البیرونی نے مہابھارت کی لڑائی اور کرشن کے حالات کے ضمن میں لکھا ہے کہ جب دنیا میں کسی چیز کی زیادتی کی وجہ سے خرابی پیدا ہے تو اس کا مدبر ایک ایسے شخص کو بھیجتا ہے جو اس زیادتی میں کمی کرتا ہے اور برائی کے مادوں کی جڑ کاٹ دیتا ہے۔ ہندوؤں کے عقیدہ کے مطابق ایسا شخص باسدیو (کرشن) ہے جو آخری دفعہ انسان کی صورت میں باسدیو کے نام سے اس وقت آیا جب دنیا میں ظالم اتنے زیادہ ہو گئے کہ ان کے ظلم سے دنیا جھک گئی۔

وہ شخص متھرا شہر میں راجہ کنس کی بہن کے یہاں پیدا ہوا ہے واضح رہے کہ ہندو باسدیو یعنی شری کرشن کو آٹھواں اوتار مانتے ہیں۔ان کے بعد بودھ نویں اوتار بن کر آئے جبکہ دسویں اوتار کا آنا باقی ہے۔ گویا البیرونی نے نارائن جن کو کہا ہے وہ ہندو عقیدہ کے مطابق اوتار ہیں۔

حلال و حرام:

ہندوؤں میں حلال و حرام کا تصور کیا ہے اور گوشت خوری کا حکم کیا ہے۔البیرونی نے اس کا بھی جائزہ لیا ہے۔البیرونی کا کہنا ہے کہ :
جس طرح عیسائیوں اور مانویوں کے یہاں کسی جانور کو مارنا حرام ہے اس طرح اصلاً ہندوؤں کے یہاں بھی حرام ہے۔ مگر چونکہ ہندو گوشت کی رغبت رکھتے ہیں اور اس سلسلہ میں مذہبی حکم کو پس پشت ڈال دیتے ہیں اس لیے اصلی حکم یعنی گوشت نہ کھانا برہمنوں کے لیے مخصوص ہو گیا ہے کیونکہ ان کو مذہب سے خاص تعلق ہے اور مذہب نے خاص طور پر ان کو خواہش نفس کے اتباع سے روکا ہے۔
ہندوؤں کے یہاں جن جانوروں کا گوشت کھانا درست ہے وہ یہ ہیں: بکری، بھیڑ، ہرن، خرگوش، گینڈا، بھینس، مچھلی اور پانی کے پرندے۔ خشکی کے پرندوں میں گوریا، فاختہ، تیتر، کبوتر اور ہر وہ چڑیا جس سے طبیعت کو کراہت نہ ہو اس سے ممانعت نہیں ہے، اور جن جانوروں کا گوشت کھانے سے صراحتاً منع کیا گیا ہے وہ یہ ہیں۔ گائے، گھوڑا، گدھا، خچر، اونٹ، ہاتھی، پلی ہوئی مرغی، کوا، طوطا، کوئل اور بلا استثنا ان سب کا انڈا اور شراب۔ شودر کے لیے شراب پینا جائز ہے، البتہ بیچنا ممنوع ہے نیز گوشت بیچنا بھی ممنوع ہے۔
گائے کو مارنے کی ممانعت کے سلسلہ میں البیرونی نے بعض برہمنوں کا قول نقل کیا ہے کہ :
بھارت سے پہلے گائے حلال تھی، اور بعض قربانیاں ایسی تھیں جن میں گائے ذبح کی جاتی تھی، بھارت کے بعد جب لوگ واجبات کے ادا کرنے میں سست ہو گئے تو گائے حرام کر دی گئی۔
البیرونی نے اس خیال پر نقد کرتے ہوئے کہا ہے کہ گائے کو حرام کرنے میں وسعت نہیں بلکہ تشدد اور تنگی ہے۔البیرونی نے گائے کو حرام کرنے کی وجہ سیاسی اور معاشی بتائی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ ایسا جانور ہے جو سفر اور بار برداری میں کام آتا ہے، کاشت کاری میں کام آتا ہے۔ خانہ داری میں دودھ اور اس سے بنی ہوئی چیزیں مہیا کرتا ہے۔اس کے گوبر سے اور جاڑے کے دنوں میں اس کے سانس سے بھی فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔اس لیے اس کو مارنا ممنوع کیا گیا ہے۔

نجات کا طریقہ:

ہندو مذہب میں حیات و موت کا تصور کیا ہے اور نجات کا راستہ کیا ہے ؟البیرونی نے تفصیل سے ویدک لٹریچر کی روشنی میں اس سوال کا جواب تلاش کیا ہے، اور برہمنوں کے عقائد کا علمی و عقلی تجزیہ کیا ہے، نیز ان کا موازنہ یونانی فلسفیوں، صوفیوں اور دیگر مذاہب کے تصورات سے کیا ہے۔البیرونی نے گیتا کے حوالہ سے لکھا ہے کہ انسان اس دنیا میں قید و بند کی حالت میں ہے اور قید کا سبب جہالت ہے۔اس قید سے رہائی اس وقت ملے گی جب اس کو اشیاء کا کامل علم حاصل ہو گا، یہ نجات ہے۔

البیرونی نے نجات کے اس تصور کی وضاحت کرنے کے ساتھ نجات کے اعلیٰ تصور کی نشاندہی کی ہے اور خدا سے اتحاد اور وصول کی کیفیت کو انسان کی نجات قرار دیا ہے، البیرونی کے الفاظ میں :

''نجات کے متعلق ہندوؤں کا مذہب یہ ہے کہ وہ اتحاد یعنی اللہ کے ساتھ ایک ہو جانے کا نام ہے۔ اللہ مکافات کی امید اور مکافات کے خوف سے مستغنی ہے۔ وہ مخلوق کی فکروں سے بری ہے، اس لیے کہ اضداد مکروہہ اور انداد محبوبہ یعنی ایسے مخالفین سے جن سے نفرت رکھے اور ایسے امثال واقران سے جن سے محبت رکھے برتر ہے، وہ عالم بالذات ہے۔ ایسے علم سے عالم نہیں ہوا ہے جو اس کو بعد میں کسی ایسی شے سے متعلق ہو جو اس کو پہلے کسی حال میں معلوم نہیں تھی، ہندوؤں کے نزدیک جو شخص نجات پاتا ہے اس کی صفت بھی یہی ہو جاتی ہے۔ اس کو اس صفت میں اللہ سے صرف مبدا میں فرق ہوتا ہے، اس لیے کہ نجات پانے والا ازل سابق میں اس صفت سے متصف نہیں تھا۔"

البیرونی نے گیتا کا یہ اقتباس نقل کیا ہے کہ انسان علم حاصل کرنے کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ پھر بتایا ہے کہ جس کے پاس یہ سرمایہ نجات علم نہ ہو اس کے اچھے کاموں کا اجر دنیا ہی میں مل جاتا ہے۔ کتاب سالک کے حوالہ سے لکھا ہے ''جو شخص عمدہ خصلت کے ساتھ دنیا میں مشغول ہے اور دنیا کی جس چیز کا مالک ہے اور اس میں فیاض ہے اس کا بدلہ دنیا ہی میں ملے گا۔ اس کی تمنائیں پوری ہوں گی۔ اس لیے کہ دولت مندی اسی قالب یا دوسرے قالب کے گذشتہ اعمال کی جزا ہے۔ بے علم تارک دنیا کو بھی ترقی اور ثواب ملتا ہے اور سبب نجات (علم) کے نہ ہونے سے نجات نہیں ملتی۔

البیرونی نے بتایا ہے کہ ہندوؤں کے نزدیک علم کے تین طریقے ہیں:

(1) ایک علم الہامی پیدائشی ہے جو ماں کے پیٹ سے لے کر انسان آتا ہے جیسا کہ کپل حکیم، وہ علم و حکمت کے ساتھ پیدا ہوا۔

(2) دوسرا دہ علم ہے جو سن رشد تک پہونچنے پر الہام ہوتا ہے جیسا کہ برھما کی اولاد کو جوانی میں حاصل ہوا۔

(3) تیسرا علم سیکھنے سے حاصل ہوتا ہے۔

علم کے ذریعہ نجات حاصل کرنا برائی سے بچنے کے ساتھ ہوتا ہے۔ برائی کی اگرچہ بہت سی شاخیں ہیں مگر ان سب کی انتہا لالچ، غصہ اور جہل پر ہوتی ہے۔

البیرونی نے گیتا کے اقوال نقل کرنے کے بعد کتاب پانجلی سے نجات کے طریقوں کی تشریح کی ہے۔

نجات کی ایک شکل عمل ہے اس میں حواس کو آہستہ آہستہ خارج سے روک کر داخل میں رکھنے کی اس قدر مشق وعادت کرنی ہے کہ تمہاری توجہ اپنے سوا اور کسی کی طرف نہ رہے۔

نجات کی دوسری شکل عقلی ہے۔ یہ طریقہ تغیر پذیر موجودات اور فنا ہونے والی صورتوں کے ناقص ہونے کی ایسی معرفت ہے جس سے دل ان سے نفرت کرنے لگے اور ان کی طمع باقی نہ رہے۔

نجات کی تیسری شکل عبادت ہے۔ یہ پہلی دونوں شکلوں کا آلہ ہے۔ البیرونی نے لکھا ہے کہ پانجلی نے ایک چوتھی شکل کا بھی ذکر کیا ہے جو خرافاتی ہے اور وہ دواؤں کے ذریعہ محال باتیں حاصل کرنے کی تدبیریں ہیں۔

البیرونی نے نجات کے سلسلہ میں گیتا اور پانجلی کے اقتباسات نقل کرنے اور ان کی تشریح کرنے کے ساتھ پانجلی کے تضادات کو بھی اجاگر کیا ہے۔

نجات حاصل کرنے والے کے لیے جسم کا پھندا کس طرح باقی رہتا ہے اور کس طرح کھل جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں پانجلی میں دو متضاد باتیں ملتی ہیں۔ البیرونی نے ان کی نشاندہی کی ہے۔

فرشتوں، جنوں اور دوسری ان مخلوقات کے بارے میں جو آنکھوں سے نظر نہیں آتیں، ہندوؤں کا عقیدہ کیا ہے؟۔ اس سلسلہ میں البیرونی نے دلچسپ بحث کی ہے چونکہ ان غیر مرئی مخلوقات کے بارے میں ہندو عقائد میں بہت الجھاؤ ہے اور اس کی وضاحت بھی ہندو نہیں کر پاتے اس لیے البیرونی کا خیال ہے اس مضمون کو تحقیقی طور پر سمجھنا مشکل ہے۔ پھر بھی کتاب سالک کے حوالہ سے البیرونی نے اس کا خلاصہ اس طرح بیان کیا ہے:

''سادھو نے سوال کیا کہ زندہ اجسام کی کتنی قسمیں ہیں؟
حکیم نے جواب دیا تین قسمیں ہیں:

1) سب سے اوپر روحانی مخلوقات
2) درمیان میں انسان
3) سب سے نیچے حیوانات۔

روحانی مخلوقات کی آٹھ قسمیں ہیں:

1) برھما
2) اندر
3) پرجاپتی
4) سومی
5) گاندھرپ
6) جکش
7) راکشش
8) پیشاج

حیوانات کی پانچ قسمیں ہیں:

1. بہائم
2. جنگلی جانور
3. اڑنے والے جانور
4. رینگنے والے جانور
5. اگنے والے درخت اور انسان کی صرف ایک نوع ہے۔

فرشتوں کے بارے میں گیتا کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ ایمان اور نیکی روحانی مخلوقات میں دیو (فرشتوں) کے اندر ہوتی ہے۔ اسی لیے جو انسان ان سے مشابہت رکھتا ہے وہ اللہ پر ایمان رکھتا ہے۔ اس کے ساتھ مضبوط تعلق قائم کرتا ہے اور اس کا مشتاق رہتا ہے۔ کفر اور بد کرداری شیاطین میں ہوتی ہے جن کا نام اسر و اور راکشش ہے۔ جو انسان ان کے مشابہ ہوتا ہے وہ اللہ کا منکر ہوتا ہے۔

البیرونی نے سانک کی بیان کردہ انواع پر نقد کرتے ہوئے لکھا ہے کہ وہ خلاف تحقیق ہے کیونکہ برھما، اندر اور پرجاپتی انواع کے نام نہیں ہیں۔

ہندوؤں نے فرشتوں کی تعداد میں مبالغہ کرتے ہوئے تینتیس کروڑ تک ان کی تعداد بتائی ہے جس میں گیارہ کروڑ مہادیو کے ہیں۔ فرشتوں نے یہ مقام علم سے نہیں عمل سے پایا ہے اس لیے ہندو ان کو کھانے پینے، مباشرت کرنے، جینے اور مرنے جیسے تمام اوصاف سے متصف کرتے ہیں۔

دیو سے کم تر مرتبہ پتر ین کا ہے یعنی باپ دادا جو مر چکے ہیں اور ان کے نیچے بھوت ہیں یعنی وہ انسان جو روحانیت سے متصل ہو کر درمیان میں رہ گئے، اور جو لوگ جسم سے الگ ہوئے بغیر اس مرتبہ کو پہونچ گیے ان کو رشی، سدھ اور منی کہتے ہیں۔

ہندو لٹریچر:

البیرونی نے ہندوؤں کی مذہبی کتابوں مثلاً وید، پران، گیتا، شاستر وغیرہ کا مفصل تعارف کرایا ہے، اور ان کتابوں کی تشریحات اور تغیرات کے سلسلہ میں برہمنوں کے افکار کا جائزہ لیا ہے۔ وید کے بارے میں لکھا ہے کہ وید کے معنی نامعلوم کو جاننے کے ہیں۔ ہندو وید کو اللہ کا کلام کہتے ہیں جو برہما کے منہ سے نکلا ہے۔ برہمن بغیر مطلب سمجھے اس کو پڑھتے ہیں اور ان میں بھی کم تر وہ لوگ ہیں جو استدلال اور مناظرہ کے طریقہ پر اس کے معانی میں غور کرتے ہیں۔ چھتری ذات کے لوگ وید پڑھ سکتے ہیں مگر دوسروں کو اس کی تعلیم نہیں دے سکتے۔ یہ کام صرف برہمن ہے ویش اور شودر ذات کے لوگوں کے لیے اس کا سنا بھی جائز نہیں ہے۔ زبان سے پڑھنا تو دور کی بات ہے۔ اگر کسی ویش یا شودر سے یہ وید پڑھنا ثابت ہو جائے تو برہمن اسے حاکم کے حوالہ کرے گا جو اس کی زبان کاٹنے کی سزا دے گا۔

وید ایک خاص قسم کی نظم میں ہے۔ ابتدا میں اس کا لکھنا جائز نہیں تھا بلکہ زبانی پڑھی جاتی تھی، اس لیے بارہا یہ ضائع ہو چکی ہے، موجودہ وید کو پراثر کے بیٹے ویاس نے مرتب کیا ہے۔ وید میں امر و نہی، ترغیب و ترہیب کے مضامین ہیں اور ثواب و عذاب کی تفصیل ہے۔ اس کا بڑا حصہ مناجات اور آگ کی قربانیوں کے بیان میں ہے۔ وید کے چار حصے ہیں:

1) رگ وید
2) یجر وید
3) سام وید
4) اتھر وید۔

بیاس کے چار شاگرد تھے۔ اس نے ہر ایک کو ایک حصہ کی تعلیم دی اور اسی کو اس حصہ کا ذمہ دار بنایا۔

پرانوں کے بارے میں لکھا ہے کہ اس کے معنی قدیم کے ہیں ان کی تعداد اٹھارہ ہے ان میں سے اکثر کا نام حیوانوں، انسانوں، دیوتاؤں (فرشتوں) کے نام پر رکھا گیا ہے۔ پران رشیوں کی بنائی ہوئی کتابیں ہیں۔ پرانوں کے نام اس طرح ہیں:

1) آو پران
2) ھیچ پران
3) کورم پران
4) براہ پران
5) نارسنگ پران
6) بامن پران
7) باج پران

8) نندپران

9) اسکندپران

10)ادت پران

11)سوم پران

12)سانپ پران

13)برھانندپران

14)مارکنڈپران

15)تارکش پران

16)بشنپران

17)برھم پران

18)بنبش پران

مذکورہ تفصیلات کاماخذ برہمنوں کی زبانی روایات ہیں۔ سمرتی کے بارے میں البیرونی نے لکھاہے کہ یہ وہ کتاب ہے جس میں وید سے استنباط کر کے احکام درج کیے گئے ہیں۔ سمرتی کو بنانے والے برھما کے میں بیٹے ہیں،البیرونی نے ان کے نام بھی درج کیے ہیں یامہابھارت کے بارے میں مصنف نے لکھاہے کہ ہندوؤں میں اس کی عظمت سب سے زیادہ ہے۔اس کو پراثر کے بیٹے بیاس نے پانڈواور کوروکی اولاد کی جنگ عظیم (مہا بھارت) کے وقت تصنیف کیا تھا۔اس کتاب کے اٹھارہ حصے ہیں اوران میں ایک لاکھ اشلوک ہیں۔ہر حصہ کانام پر کتاب ہے۔کتاب کے بہت سے مقامات معمہ کی مثل ہیں جن کے متعدد معانی ہو سکتے ہیں۔

کتاب سالک کے بارے میں لکھاہے کہ یہ الہیات کے بارے میں ہےاور کپل کی تصنیف ہے۔کتاب پانجلی کے بارے میں لکھاہے کہ یہ طلب نجات کے بارے میں اور نفس معقولات کے ساتھ کیسے متحد ہو سکتاہے اس کے بیان میں ہے۔البیرونی نے دیگر مذہبی کتابوں کا بھی اجمالی تعارف کرایاہے۔

طبقاتی نظام:

البیرونی نے ہندوؤں میں طبقاتی نظام (ورن آشرم)اوراس کی مذہبی اہمیت اور سیاسی وسماجی ضرورت پر روشنی ڈالی ہے۔البیرونی کہتے ہیں کہ ہندواپنے طبقوں کو ورن یعنی رنگ کہتے ہیں اور نسب کی حیثیت سے جاتی یعنی پیدائش کہتے ہیں۔ان میں سب سے اونچاطبقہ برہمن کاہے۔ان کی کتابوں میں مذکورہے کہ برہمن برھما کے سر سے پیداہوئے ہیں،دوسراطبقہ چھتری کاہے،ان کے عقیدہ کے مطابق یہ لوگ برھما کے مونڈھوں سے پیداہوئے۔تیسراطبقہ ویش کاہے۔ان کے عقیدہ کے مطابق یہ لوگ برہما کے پیر سے پیداہوئے ہیں۔ان سب کے نیچے ادنی

درجہ کے ذلیل لوگ ہیں جو کسی طبقہ میں نہیں ہیں صرف اپنے پیشہ کی طرف منسوب ہیں۔ شودر کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ان کا باپ شودر اور ماں برہمن تھی دونوں کی حرام کاری سے یہ لوگ پیدا ہوئے اس لیے نکالے ہوئے ذلیل ہیں۔

ان چاروں طبقات کے کام الگ ہیں، رہن سہن اور کھانا پینا الگ ہے۔ البیرونی کا کہنا ہے کہ طبقاتی نظام کی ابتدا ان راجاؤں سے ہوئی جو اپنے ملک کا کاروبار چلانے لیے لوگوں کو الگ الگ رکھتے تھے اور ملنے نہیں دیتے تھے، ہر طبقہ کو اسی کے مقرر کردہ کام اور پیشہ پر مجبور کرتے تھے، اور کسی کو اپنے مرتبہ سے آگے بڑھنے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ البیرونی نے ہندوؤں کے طبقاتی نظام کی مماثلت قدیم ایرانی نظام میں تلاش کی ہے اور اردشیر بن بابک کو اس نظام کا موجد قرار دیا ہے۔ اگرچہ وہ نظام صرف سیاسی ضرورت پر مبنی تھا مذہب پر نہیں۔ ہندوؤں میں طبقاتی نظام صرف ایک سماجی نظام نہیں ہے بلکہ اس کی بنیاد میں برہمن مذہب شامل ہے، چنانچہ البیرونی نے لکھا ہے کہ جب ارجن نے باسدیو (کرشن) سے ان چاروں طبقات کی صفات اور ان کے فرائض کے بارے میں پوچھا تو باسدیو نے جواب دیا" برہمن کے لیے واجب ہے کہ نہایت عقل مند ہو، سکون قلب رکھتا ہو، دیکھنے میں صاف ستھرا ہو، عبادت گزار ہو۔ چھتری کے لئے واجب ہے کہ لوگوں کے دلوں میں اس کی ہیبت ہو، بہادر ہو، بلند حوصلہ ہو۔ ویش کو کاشتکاری اور مویشی کی دیکھ بھال اور تجارت میں مشغول رہنا چاہیے۔ شودر کو خدمت اور خوشامد میں لگے رہنا چاہیے اور خدمت کے ذریعہ ہر شخص کو راضی رکھنا چاہیے۔

البیرونی نے لکھا ہے کہ ہندو مذہب میں کسی طبقہ کو دوسرے طبقہ میں شامل ہونے کی اجازت نہیں ہے، بعض ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ نجات بھی برہمن اور چھتری کے ساتھ مخصوص ہے، ویش اور شودر نجات کے مستحق نہیں ہیں۔

ہندو مذہب میں طبقاتی نظام کو مذہبی سند حاصل ہونا، انسانوں کو اعلیٰ اور اسفل ذات میں بانٹنا اور رنگ و نسل کی بنا پر انسانوں میں تفریق و امتیاز برتنا ایسی برائی ہے جس نے ہندو مذہب کی شکل بگاڑ دی ہے، اور ہمیشہ اس پر دوسرے طبقات کی طرف سے تنقید ہوتی رہی ہے۔

البیرونی نے بھی اس کی قباحت کو محسوس کیا ہے، اور اسلام کے تصور مساوات سے اس کا موازنہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

''ہمارے زمانہ میں طبقاتی نظام کے معاملہ میں ہندوؤں کا حصہ سب سے زیادہ ہے، ہم مسلمانوں میں اور ہندوؤں میں بڑا اختلاف یہ ہے کہ ہم آپس میں سب انسان کو برابر سمجھتے ہیں اور ایک دوسرے پر برتری صرف تقوی کی بنا پر دیتے ہیں۔ یہ اختلاف ہندوؤں اور اسلام کے درمیان سب سے بڑی رکاوٹ ہے"

ہندوؤں میں حج، روزہ، صدقہ اور عید کے طریقوں کے علاوہ شادی بیاہ کے طریقوں، تعدد ازدواج، نیز متعدد مردوں کا ایک بیوی رکھنے پر بھی تفصیلی تذکرہ کیا ہے۔ علاوہ ازیں ہندوؤں کے مقدس مقامات، ماہ و سال کی تقسیم، مقدس ایام اور منحوس ایام، مقدس پہاڑوں، دریاؤں، تالابوں، جزیروں کا بھی تذکرہ کیا ہے، خاص طور پر ان کے شعر و ادب اور علم نجوم اور سماجی زندگی میں ان کے صحیح اور غلط استعمال پر بھی سیر حاصل گفتگو کی ہے۔

البیرونی نے ہندو مذہب کے دیومالی قصوں یعنی غیر معقول افسانوی داستانوں کو بھی نقل کیا ہے، کیونکہ انہوں نے ہندو مذہب کو جس طرح اپنے زمانہ میں پایا اسی طرح اس کو پیش بھی کر دیا ہے۔

البیرونی کے زمانہ میں ہندوستان کا دوسرا مذہب ، بدھ مذہب تھا، مگر البیرونی نے اس کتاب میں بودھ مذہب کے عقائد وعلوم پر تفصیلی گفتگو نہیں کی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بودھ مذہب کی کتابوں تک مصنف کی رسائی نہیں ہوئی اور ان کو بودھ بھکشوؤں سے ان کے مذہب کی تفصیلات کا علم نہیں ہوا۔ بودھ مذہب کے بارے میں مصنف کی معلومات ''ایران شہری'' کی کتاب پر مبنی ہے جس نے فارسی میں ادیان و عمل پر کتاب لکھی تھی مگر اس کی معلومات بھی بودھ مذہب کے بارے میں سنی سنائی تھیں۔ البیرونی نے بودھ مذہب کا تذکرہ سرسری طور پر میرو پہاڑ کے ضمن میں کیا ہے اور اسے ہندوستان کے فرقہ شمنیہ سے تعبیر کیا ہے۔ البیرونی نے لکھا ہے۔

"شمنیہ (بودھ مذہب کی کوئی کتاب ہم کو نہیں ملی، اور نہ ان کا کوئی ایسا شخص ملا جن سے ہم ان کے عقائد کو صاف طرح سمجھ سکیں۔ اس لیے ان کے متعلق جو کچھ کہتے ہیں وہ ایران شہری کے واسطے سے۔ اگرچہ میرا خیال ہے کہ نہ خود تحقیق کی ہے اور نہ کسی محقق سے روایت کیا ہے۔"

مختصر یہ ہے کہ ابوریحان البیرونی نے محنت و مشقت اور علمی بصیرت کے ساتھ ہندوستان کے مذاہب، تہذیب و ثقافت، رسوم و رواج اور جغرافیائی مقامات اور حالات کا مطالعہ کیا ہے۔ پھر نہایت غیر جانب داری اور علمی دیانت کے ساتھ ان کو بیان کیا ہے۔ یہ مطالعہ ہندو مسلمان اور دوسرے مذاہب کے لوگوں کے لیے ایک علمی دستاویز ہے۔ گویا گیارہویں صدی عیسوی کے ہندوؤں کے مذہبی و سماجی حالات کی یہ مستند اور معتبر تاریخ ہے۔

خود آزمائی:

1. "کتاب البیرونی فی تحقیق ماللہند" کے تعارف پر نوٹ لکھیں۔
2. البیرونی کو درپیش مشکلات پر جامع نوٹ تحریر کریں۔
3. ہندو مذہب میں خدا کے تصور کو تفصیلا بیان کریں۔
4. البیرونی نے "برہمانڈ" کی تشریح کس طرح کی ہے؟ تفصیلا بیان کریں۔
5. البیرونی کے مطابق ہندوؤں کے تخلیق کائنات کے عقیدہ پر مفصل نوٹ تحریر کریں۔
6. البیرونی کی تصانیف پر جامع نوٹ تحریر کریں۔
7. البیرونی کے سوانح نگار کے مطابق کس نے ان کے اندر غیر معمولی روح پھونک دی اور اس کے کیا اثرات مرتب ہوئے؟
8. البیرونی کے دوسرے مذاہب کو سیکھنے سے متعلق مکتوب کا تزکرہ پیش کریں۔
9. البیرونی کی برہمنوں کے عقائد پر کی گئی تحقیق کا جائزہ لیں۔

10:البیرونی کو ہندو مذہب سے استفادہ میں پیش رکاوٹوں اور ان کے اسباب کا جائزہ لیں۔

11:ہندو مذہب میں خدا کے تصور کو کس طرح بیان کیا جاتا ہے؟

12:البیرونی کے مکتوب کے مطابق ہندو مذہب کی عبادات ورسومات پر نوٹ تحریر کریں۔

13:ہندو مذہب کے مطابق تخلیق کائنات کے تصور پر نوٹ تحریر کریں۔

14:موجودات عالم کے بارے میں ہندوؤں کے عقائد کا تذکرہ کرتے ہوئے البیرونی نے کیا کہا ہے؟

15:البیرونی نے تناسخ ارواح کے عقیدہ کی کس طرح وضاحت کی ہے؟ مفصل نوٹ تحریر کریں۔

16:ہندو مذہب میں جنت و جہنم کا تصور کیا ہے؟ البیرونی نے کس طرح اس کی تفصیل بیان کی ہے؟

17:البیرونی کے مطابق ہندو مذہب میں گوشت خوری کا کیا حکم ہے؟

18:البیرونی کے ویدک لٹریچر سے لئے گئے ہندو عقائد کا جائزہ لیں۔

19:البیرونی نے گیتا کا کون سا اقتباس اور کیوں نقل کیا؟ وضاحت کریں۔

20:البیرونی کی تحقیق کے مطابق ہندؤوں کے علم کے طریقے تفصیلا بیان کریں۔

جوابات:

تمام سوالوں کے جواب متعلقہ یونٹ سے تلاش کریں۔

مصادر وماٰخذ/مزید مطالعہ کے لیے:

- قاسمی، محمد سعود عالم، مطالعہ مذاہب کی اسلامی روایت، اعظم گڑھ: شبلی اکیڈمی، 2019ء

یونٹ نمبر4

عبدالکریم شہرستانی کی مطالعۂ مذاہب میں خدمات

مؤلف: ڈاکٹر حسن بیگ، شمع ناز

نظرثانی: عثمان علی شیخ، ڈاکٹر احمد رضا، حافظہ حفصہ مجید

فہرست مضامین

عنوانات	صفحہ نمبر
یونٹ کا تعارف	88
یونٹ کے مقاصد	89
تعارف: کتاب الملل والنحل	90
الملل والنحل کی اہمیت	93
یہودی مذہب	95
توریت میں محمد ﷺ کی نبوت کا ذکر	96
عیسائی مذہب	97
ثنوی مذہب	100
صابئ مذہب	100
فلاسفہ کے عقائد	101
ہندو مذہب	103
خود آزمائی	106
جوابات	107
مصادر و مآخذ/مزید مطالعہ	107

یونٹ کا تعارف

عبدالکریم شہرستانی (548ھ) کا شمار جید علمائے کرام میں سے ہوتا ہے۔آپ بڑے اچھے مصنف اور مختلف علوم وفنون کے ماہر بالخصوص فقہ، علم الکلام اور تفسیر فلسفہ تاریخ الادیان والفرق کے موضو قوفقعات پر قلم اٹھایا اور تقریبا 20 سے زائد کتب تحریر کیں۔آپ کی ساری زندگی علم اور دین اسلام کی خدمت سے عبارت نظر آتی ہے۔ الملل والنحل آپ کی شہرہ آفاق کتاب ہے۔ مطالعہ ادیان اور اسلامی مسالک کے موضوع پر لکھی جانے والی امہات کتب میں سے آپ کی یہ کتاب شمار کی جاتی ہے۔ علمی دنیا میں آپ کی شہرت کا باعث یہی کتاب ہے اور علمی دنیا میں غیر اسلامی مذاہب اور اسلامی مسالک کے حوالے کے لکھنے والے ایک معتبر مورخ، مناظر اور واعظ کی ہے۔ تمام الہامی مذاہب یعنی یہودیت، عیسائیت، مذاہب شبہہ اہل کتاب مثلاً مجوسیت و صابئیت اور غیر الہامی مذاہب مثلاً عہد قدیم کی وثنیت اور اسلامی فرقوں کی کے تعارف و نقد پر مشتمل ہے۔

مذکورہ بالا یونٹ میں آپ کے حالاتِ زندگی اور تصنیفی خدمات پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔

یونٹ کے مقاصد

امید ہے کہ اس یونٹ کے مطالعے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ

1. عبدالکریم شہرستانی کے حالاتِ زندگی کے بارے میں آگاہی حاصل کر سکیں۔
2. عبدالکریم شہرستانی کے مطالعۂ مذاہب میں اسلوب کے بارے میں واقفیت حاصل کر سکیں۔
3. عبدالکریم شہرستانی کی تصانیف کے بارے میں جان سکیں۔
4. عبدالکریم شہرستانی کی مطالعۂ مذاہب میں خدمات پر تفصیل سے روشنی ڈال سکیں۔

تعارف:کتاب الملل والنحل

الملل والنحل علامہ عبد الکریم شہرستانی کی معروف و مشہور کتاب ہے ۔ علامہ شہرستانی کا پورا نام ابوالفتح محمد بن عبد الکریم بن ابی بکر احمد الشہرستانی ہے ۔ وہ شمالی خراسان کے شہرستان شہر میں 479ھ کو پیدا ہوئے یا شہرستان کو غز ترکوں نے 548ھ میں حملہ کر کے برباد کر دیا تھا ، اس حملہ سے قبل ہی شعبان 548ھ میں شہرستانی کا انتقال ہوا۔

شہرستانی نے ایک علمی خانوادہ میں نشو و نما پائی، ابتدائی تعلیم اپنے شہر میں حاصل کی ، اعلیٰ تعلیم کے لیے شہر نیشا پور کا سفر کیا جو اس زمانہ میں علم وادب کا بڑا مرکز تھا۔ انہوں نے وہاں تفسیر وحدیث ، فقہ، علم الکلام اور عربی زبان وادب کی تعلیم حاصل کی ۔ نیشا پور کے کتب خانوں سے بھی استفادہ کیا۔ شہرستانی ذہین و طباع تھے اور حصول علم کا بہت شوق تھا۔ اپنے وقت کے مشہور علماء سے تحصیل علم کیا۔ ان کے اساتذہ میں طوس کے قاضی اور مدرسہ نظامیہ کے مدرس المظفر احمد بن مظفر خوانی م 500ھ مشہور محدث ابوالحسن علی بن احمد مدینی) 4944ھ (ابولقاسم سلیمان بن ناصر نیشاپوری) م 512ھ (اور ابو نصر بن عبدالرحیم بن ابی القاسم عبد الکریم قشیری اشعری م514 وغیرہ تھے۔آخری عالم ابو القاسم قشیری کی وفات کے بارے میں 465 ھ کا سن بھی درج ہے،اس وجہ سے شبہ ہوتا ہے کہ شہرستانی نے ان سے تحصیل علم کیا تھا یا نہیں ۔ نیشا پور سے تحصیل علم کے بعد شہرستانی وطن واپس نہیں آئے بلکہ خوارزم چلے گئے جو اس زمانہ میں علم و ثقافت کا دوسرا بڑا مرکز تھا۔ شہرستانی نے وہاں وعظ و خطابت اور مناظرہ کو اپنی صلاحیت کے اظہار کا ذریعہ بنایا۔ وہ اگر چہ شافعی اشعری تھے مگر حکماء اور فلاسفہ کا منہج اختیار کرتے تھے۔ خوارزم میں ان کو بڑی شہرت حاصل ہوئی۔

شہرستانی نے خوارزم کو بھی خیر باد کہا اور 510 ھ میں وہ فرئضہ حج کی ادائیگی کے لیے مکہ مکرمہ چلے گئے۔ حج کی ادائیگی کے بعد وہ بغداد چلے گئے اور مدرسہ نظامیہ بغداد میں تدریس کا فرئضہ انجام دینے لگے۔ تین سال تک وہ یہاں مدرس رہے۔ تدریس کے ساتھ وہ مسجدوں میں وعظ و خطابت میں بھی مشغول رہتے اس کی وجہ سے عوام و خواص میں ان کو شہرت و مقبولیت ملی[1]۔

پھر وہ اپنے وطن شہرستان واپس آگئے ۔ اس زمانہ میں سلطان سنجر سلجوقی کے نمائندے مجدالدین ابوالقاسم علی شہرستان میں مقیم تھے ۔ مجد الدین علوی خاندان سے تھے اور دربار سنجری میں بڑا مقام رکھتے تھے، علم دوست تھے۔ شہرستانی ان سے وابستہ ہو گئے اور ان کی سر پرستی میں تحقیق و تصنیف میں مشغول ہو گئے ۔ شہرستانی اب مواعظ و مناظرہ سے

[1] قاسمی، محمد سعود عالم، مطالعہ مذاہب کی اسلامی روایت، اعظم گڑھ: شبلی اکیڈمی، 2019ء، ص:142

الگ ہو کر تصنیف و تالیف کے لیے یکسو ہو چکے تھے ، اور مجد الدین ابوالقاسم علی کی خواہش اورہدایت پر متعدد کتابیں لکھیں ان میں الملل والنحل بھی ہے۔

شہرستانی نے ستر سال کی عمر پائی اور ۵۴۸ھ میں ان کی وفات ہوئی ۔ شہرستان میں دفن کئے گئے کے شہرستانی نے تفسیر ، حدیث ، فقہ میں بھی مہارت حاصل کی مگر ان کی صلاحیت کا اصل میدان علم کلام تھا۔ اسی میدان میں ان کے جو ہر نمایاں ہوئے ۔ اور یہی فن ان کی پہچان کا ذریعہ بنا۔ اس وجہ سے ان پر اعتراضات بھی کیے گئے اور اشاعرہ کے برخلاف فلاسفہ کے فکر کا متبع ہونے کا ان پر الزام عائد کیا گیا۔ علامہ شبلی نعمانی لکھتے ہیں :

"علامہ موصوف اگر چہ محدث ، واعظ اور فقیہ تھے، تاہم چونکہ فلسفہ دانی کے مجرم تھے اس لیے بدگمانی کے حملہ سے نہ بچ سکے۔ طبقات الشافعیہ میں علامہ سمعانی سے منقول ہے کہ ان پر الحاد کا گمان کیا جاتا تھا لسمعانی کے الفاظ یہ ہیں" انه متهم بالالحاد والميل ال اليهم غالي في التشيع " ان پر الحادد کی تہمت تھی ملحدوں کی طرف میلان تھا غالی شیعہ تھے۔"

مگر شہرستانی کی کتابیں اس الزام کی تصدیق نہیں کرتیں چونکہ علامہ شہرستانی کا منہج عقلی اور فلسفیانہ تھا اور یہ رنگ ان کی تفسیر قرآن مفاتیح الاسرار و مصابیح الابرار میں بھی جھلکتا ہے۔ اس لیے ان کے معاصر عالم ظہیر الدین بیہقی نے ان کے سامنے ان کی تفسیر پر تنقید کی تھی اور عقلی تاویل منہج پر نکیر کی تھی ۔ طبقات الشافعیہ کے مصنف تاج الدین سبکی نے اور علامہ ابن قیم الجوزیہ نے شہرستانی کو علم کلام میں اشعری اور فقہ میں شافعی کہا ہے اور یہی بات زیادہ درست معلوم ہوتی ہے۔

احمد امین نے" قصة الفلسفة اليونانية " کے مقدمہ میں شہرستانی پر حق و باطل کو خلط ملط کرنے کا الزام لگایا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ انہوں نے بہت سے اقوال ان لوگوں کی طرف منسوب کیے ہیں جو ان کے قائل نہیں ہیں اور فلسفیوں کے ایسے حالات بیان کیے ہیں، جو صحیح تاریخ سے ثابت نہیں ہیں۔ محمد سید گیلانی نے احمد امین کے اعتراضات کا علمی تجزیہ کیا ہے اور بطور نتیجہ لکھا ہے کہ احمد امین نے شہرستانی پر زیادتی کی ہے۔

محمد بن عبد الکریم شہرستانی کی حسب ذیل تصانیف کا تذکرہ ملتا ہے۔

(1) الملل والنحل ۔ مسلم فرقوں اور ادیان و مذاہب کے بارے میں۔

(2) نہایۃ الاقدام فی علم الکلام ۔ اس کتاب میں ہیں قواعد بیان کیے گئے ہیں۔ اور ہر قاعدہ میں علم کلام کے کسی ایک مسئلہ کو بیان کیا گیا ہے۔ اس کتاب کی تحقیق مشہور مستشرق الفرڈ گیوم نے کی ہے اور اکسفورڈ سے 1934ء میں شائع ہوئی ہے۔

(3) مصارعة الفلاسفة ۔ اس کتاب میں شیخ الرئیس بوعلی سینا کے افکار کی تردید کی گئی ہے بو علی سینا دنیا کی قدامت کے قائل تھے اور حیات بعد الموت کے منکر تھے۔ شہرستانی نے ان کے عقیدہ کا ابطال کیا ہے اور حسب ذیل سات مسائل میں ان پر رد لکھا ہے ۔(1)

1) حصر اقسام الوجود
2) اثبات واجب الوجود
3) توحید واجب الوجود
4) علم واجب الوجود
5) حدوث عالم
6) حصر مبادی
7) مسائل سے متعلق اشکالات ۔

شیخ نصیر الدین طوسی نے ابن سینا کی حمایت میں ایک کتاب مصارعۃ المصارعت لکھی تھی۔ علامہ ابن قیم الجوزیہ نے اغاثۃ اللھفان میں ابن سینا اور طوسی دونوں کے افکار کی تردید کی ہے اور علامہ شہرستانی کے نقطۂ نظر کی حمایت کی ہے۔

(4)مفاتیح الاسرار و مصابیح الابرار۔ یہ قرآن کریم کی تفسیر ہے جو نا مکمل رہ گئی ۔ اس کا ایک قلمی نسخہ 667 ھ کا تحریر کردہ کتب خانہ ملی، تہران میں موجود ہے۔

(5) الارشاد الی عقائد العباد
(6) کتاب العیون والانھار
(7) کتاب المناھج والآیات
(8) شبھات ارسطاطالیس و ابن سینا
(9) وقائع الاوھام
(10) المبدا والمعاد
(11) شرح سورۃ یوسف
(12) الاقطار في الاصول
(13) غایۃ المرام فی علم الکلام
(14) تاریخ الحکماء

(15) قصہ موسی و خضر

(16) اسرار العبادۃ

(17) مجلس تاج الدین محمد عبد الکریم شہرستانی، اس نام سے ایک مختصر رسالہ فارسی زبان میں ہے اور کتب خانہ شورائی ملی ، تہران میں موجود ہے۔ محققین کا خیال ہے کہ یہ کتاب جعلی اور الحاقی ہے۔

(18) واجب الوجود پر ایک طویل مکتوب شرف الزماں ایلاقی کے نام ہے۔ یہ بھی کتب خانہ شورائی ملی ، تہران میں موجود ہے۔

مذکورہ کتابوں میں کچھ تو مطبوعہ ہیں اور کچھ مخطوطہ ہیں۔ جبکہ بعض کتب نایاب ہیں صرف ان کا تذکرہ کتابوں میں رہ گیا ہے۔ ان کتابوں کے علاوہ بعض اور کتابیں بھی شہرستانی کی طرف منسوب ہیں ۔ مگر ان کے بارے میں محققین کا خیال ہے کہ وہ الحاقی ہیں۔کیونکہ ان کے مندرجات شہرستانی کی معروف اور مطبوعہ کتابوں سے میل نہیں کھاتے۔

الملل والنحل کی اہمیت:

علامہ شہرستانی کی سب سے مشہور اور مقبول کتاب الملل والنحل ہے یہ کتاب عربی میں 521 ھ مطابق 1127 ء میں لکھی گئی اور متعدد بار ، بیروت، مصر، ترکی، ہندوستان اور ایران سے شائع ہوئی ہے۔ فارسی میں پہلا ترجمہ افضل الدین اصفہانی نے اور دوسرا ترجمہ مصطفیٰ خالق ہاشمی نے کیا تھا۔ راقم کے سامنے کتاب کا وہ نسخہ ہے جو بیروت سے 1975ء میں شائع ہوا ہے اور جسے محمد سید کیلانی نے ایڈٹ کیا ہے۔ کیلانی نے الملل کا ضمیمہ بھی لکھا ہے اس میں ان مذاہب کا تذکرہ کیا ہے جن کو شہرستانی نے چھوڑ دیا ہے۔ مثلاً قدیم مصری مذہب ، ہندو مذہب اور بودھ مذہب ، فارسی ترکی ، جرمن اور اردو زبابوں میں بھی اس کتاب کا ترجمہ ہو چکا ہے۔ اردو ترجمہ پروفیسر علی محسن صدیقی نے کیا ہے جو کراچی، پاکستان سے2003 ء میں شائع ہوا ہے ۔ علامہ تاج الدین سبکی نے اس کتاب کے بارے میں لکھا ہے۔ میرے نزدیک یہ اپنے موضوع پر بہترین کتاب ہے، اور ابن حزم ظاہری کی کتاب الفصل فی الملل والاھواء والنحل اگر چہ اس سے زیادہ بسیط ہے۔ مگر اس میں کوئی نظام نہیں ہے۔ ہے امام فخر الدین رازی نے الملل والنحل کو معیار تحقیق سے فروتر گردانا ہے اور کتاب کے مشتملات کو اس موضوع پر لکھی گئی دوسرے لوگوں کی کتابوں کا چر بہ او نقل بتایا ہے۔ الملل والنحل کےاردو مترجم علی حسن صدیقی نے امام رازی کے الزامات کا تجزیہ کرنے کے بعد لکھا ہے :

"الملل والنحل میں شہرستانی کا اسلوب علمی ، زبان شائستہ، اور بیان متوازن ہے۔انہوں نے بالعموم سنجیدہ علمی لب ولہجہ اختیار کیا ہے اور بیان واقعہ سے زیادہ کسی جنبہ داری و تعصب کا اظہار نہیں کیا موضوع کتاب پر بحث کرنے سے پہلے مصنف نے پانچ مقدمات حسب ذیل عنوانات پر لکھے ہیں:

(1) پہلا مقدمہ۔ اہل عالم کی تقسیم کے بیان میں ۔ اس میں جغرافیائی اور مذہبی تقسیم کا تذکرہ ہے۔

(2) دوسرا مقدمہ۔ ایسے قانون کی تعیین میں جس پر اسلامی فرقوں کے تعدد کی بناڈالی جاسکے۔

(3) تیسرا مقدمہ۔ تخلیق کے بارے میں پہلا شبہ یعنی تخلیق آدم کے بارے میں ابلیس کاشبہ

(4) چوتھا مقدمہ۔ ملت اسلامیہ کے بارے میں پہلا واقع ہونے والا شبہ یعنی اختلافات امت کا ذکر۔

(5) پانچواں مقدمہ۔ حساب کے طریقہ کے مطابق کتاب الملل والنحل کی ترتیب کے بارے میں

مصنف نے اس کتاب کا تعارف کراتے ہوئے لکھا ہے:

اسلامی فرقوں اور جن قوموں کے پاس تحقیق آسمانی کتاب ہے جیسے یہوداور نصاری اور جو شبہ اہل کتاب ہیں جیسے مجوس اور مانو یہ اور جن لوگوں کے پاس حدود و احکام تو ہیں مگر آسمانی کتاب نہیں مثلاً فلاسفہ اولی اور دھریہ، ستاروں اوربتوں کو پوجنے والے اور برہمن، ان کے مناہج سے واقفیت کے بعد ان کی اصطلاحات کے مطابق اور ان کے مبادی اور نتائج کی تحقیق کے بعد ہم ان کےاصحاب اور پیشواؤں کا تذکرہ کریں گے اور ان کے ماخذ کو بیان کریں گے ۔"

الملل والنحل تین ابواب پر مشتمل ہے۔

باب اول میں مسلمانوں کے ان مذہبی فرقوں کا تذکرہ ہے جو شہرستانی کے عہد میں بلاد اسلامیہ میں موجود تھے۔ کتاب کی ابتدائی بحث ایمان، اسلام اور احسان کی وضاحت پر مشتمل ہے ۔ پھر توحید ، عدل ، وعد و عید اور سمع و عقل میں مسلمان فرقوں میں باہم جو اختلاف ہے ان کے اصول پر گفتگو ہے۔ پہلا باب سات فصلوں پر مشتمل ہے۔

(1)پہلی فصل میں معتزلہ کے عقائد اور ان کے ذیلی فرقوں کا تذکرہ ہے۔ اس فصل میں معتزلہ کے بارہ فرقوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

(2)دوسری فصل میں جبریہ فرقہ کے عقائد اور ان کے ذیلی فرقوں کا تذکرہ ہے۔ ان میں جہمیہ، نجاریہ اور ضرار یہ شامل ہیں۔

(3)تیسری فصل میں حفاتیہ فرقہ کے عقائد کا تذکرہ ہے اور اس کے ذیلی فرقوں اشاعرہ،کرامیہ اور مشبہ کا ذکر ہے۔

(4)چوتھی فصل میں خوارج اور ان کے ذیلی فرقوں کا تذکرہ ہے اور ان کے اختلافات اور تشتت پر تبصرہ ہے۔ مصنف نے خوارج کے چودہ فرقوں کا تذکرہ کیا ہے۔

(5)پانچویں فصل میں مرجبہ فرقہ کے متفق علیہ اور مختلف فیہ عقائد کا بیان ہے۔ نیز اس کے آٹھ ذیلی فرقوں کا تذکرہ ہے۔

(6) چھٹی فصل میں شیعہ فرقہ کے عقائد اور اس کی مذہبی و سیاسی سرگرمیوں کا بیان ہے۔

(7)) ساتویں فصل میں اہل سنت والجماعت کا بیان ہے جسے انہوں نے اہل الفروع کا نام دیا ہے۔ اہل سنت کے دو گروہوں اصحاب الحدیث اور اصحاب الرائی کا تذکرہ کیا ہے اور اجتہاد و تقلید کے مسائل کا تذکرہ کیا ہے۔

دوسرے باب میں اہل کتاب یعنی یہود و نصارٰی کے عقائد، احکام اور فرقوں کا بیان ہے۔ تیسرے باب میں اہل کتاب یعنی مجوس کے عقائد و خیالات اور فرقوں کا بیان ہے۔ دوسری جلد میں ان مذاہب کا تذکرہ ہے جن کے پاس کوئی آسمانی کتاب نہیں ہے۔ اس حصہ کو شہرستانی نے اصل الاحواء والنحل کا نام دیا ہے اور اسے چار ابواب میں تقسیم کیا ہے۔پہلے باب میں صابئہ کا ذکر ہے، دوسرے باب میں حکماء یونان کا تذکرہ ہے تیسرے باب میں جاہلیت عرب کا ذکر ہے اور چوتھے باب میں ہندو مذہب کا تذکرہ ہے۔

یہودی مذہب:

مذاہب عالم کا تذکرہ اہل کتاب سے کیا گیا ہے اور اس میں یہودیت کو مقدم رکھا ہے۔ یہودی مذہب کا تعارف کراتے ہوئے شہرستانی نے لکھا ہے کہ جھاد کے معنی لوٹنے اور توبہ کرنے کے ہیں ۔ یہودیوں کا یہ نام اس لئے بڑا کہ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا انا ھدنا الیک ، یعنی اے خدا ہم نے تیری طرف رجوع کیا۔ یہودی موسی علیہ السلام کی امت ہیں۔ ان کی کتاب تو رات ہے، وہ پہلی کتاب ہے جو آسمان سے نازل ہوئی۔ میرا مطلب ہے کہ موسی علیہ السلام سے پہلے حضرت ابراہیم اور دوسرے نبیوں پر جو آسمانی کتا بیں نازل ہوئیں ان کو کتاب نہیں کہا گیا بلکہ صحیفہ کہا گیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالٰی نے آدم کو اپنے ہاتھ سے بنایا ۔ جنت عدن کو اپنے ہاتھ بنایا اور تورات کو اپنےہاتھ سے لکھا۔ چنانچہ دوسری کتابوں کے مقابلہ میں تو راہ کو خصوصی اہمیت سے نوازا۔

یہودیوں کے بارے میں شہرستانی کا تبصرہ یہ ہے کہ اہل کتاب کی سب سے بڑی قوم موسیٰ ہے ۔ کیونکہ شریعت تو موسی علیہ السلام کی تھی ، بنی اسرائیل کی پوری قوم اسی شریعت پر چلنے کی پابند تھی اور توریت کے احکام کو ماننے پر مجبور تھی ۔ کیونکہ انجیل میں احکام اور حلت و حرمت کی تعیین نہیں ہے۔ اس میں رموز وامثال ہیں اور مواعظ اور تنبیہات ہیں۔ یہودی دعوی کرتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام اسی کو ماننے کے پابند تھے، مگر انھوں نے شریعت میں تبدیلی کر دی ۔ یوم سبت کو بدل کر یوم احد) اتوار (بنا دیا۔ سور کا گوشت کھانے کا حکم بدل دیا۔ مسل کرنے اور ختنہ کرنے کے حکم کو بدل دیا۔ شہرستانی نے اس پر نقد کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ تبدیلی حضرت عیسی نے نہیں کی بلکہ ان کی قوم نے کی ۔ حضرت عیسی علیہ السلام ان الزامات سے بری ہیں ۔

شہرستانی نے یہودیوں کے اس عقیدہ کا محاکمہ کیا ہے کہ شریعت صرف ایک ہی ہو سکتی ہے اور یہ وہی شریعت ہے جو موسی سے شروع ہوئی اور موسیٰ ہی پر ختم ہوگئی۔ موسیٰ علیہ السلام سے پہلے کوئی شریعت نہیں تھی بلکہ عقلی حدود اور مسحتی احکام تھے۔ اسی وجہ سے یہودیوں نسخ کے مطلق قائل نہیں ہیں ۔

تخلیق کائنات کے بارے میں یہودی عقیدہ کا ذکر کرتے ہوئے مصنف نے لکھا ہے کہ یہودی اس عقیدہ پر متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ جب آسمان وزمین کی تخلیق سے فارغ ہوا تو اپنے عرش پر چت لیٹ گیا اور ایک پاؤں کو دوسرے پاؤں پر رکھ لیا ۔

توریت میں محمد ﷺ کی نبوت کا ذکر:

شہرستانی نے اس بات پر مفصل بحث کی ہے کہ توریت میں ایسی آیات موجود ہیں جو ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے حق ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی صادق قرار دیتی ہیں ۔ مگر علماء یہود نے ان میں تحریف کی ، ان میں تبدیلی کی، یا تو لفظا اور صور تا تبدیلی کی یا معنا تبدیلی کی یعنی تفسیر و تاویل میں تبدیلی کی۔

انہوں نے ثبوت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا ذکر کیا ہے جو انہوں نے اپنے بیٹے حضرت اسماعیل اور ان کی اولاد کے حق میں کی تھی ۔ جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے اسماعیل اور ان کی اولاد کو برکت عطا کی۔ میں نے ان میں خیر رکھا اور تمام امتوں پر ان کو غلبہ عطا کرونگا اور ان میں نبی بھیجوں گا جو لوگوں پر ہماری آیات کی تلاوت کرے گا۔

شہرستانی کہتے ہیں کہ یہودی اس قضیہ سے بخوبی واقف ہیں مگر کہتے ہیں کہ اللہ نے بادشاہت کے لیے دعا قبول کی تھی نہ کہ نبوت و رسالت کے لئے ۔ میرا الزامی جواب یہ ہے کہ بنی اسماعیل کے جن بادشاہ کو تم تسلیم کرتے ہو وہ حق و عدل پر قائم بادشاہ تھے یا نہیں؟ اگر وہ حق و عدل پر قائم نہیں تھے تو اللہ تعالیٰ نے ابراہیم پر یہ کیسا احسان کیا کہ ایسی اولاد عطا کی جو عدل و حق پر قائم نہیں تھی۔ اور اگر تم مانتے ہو کہ یہ بادشاہ حق و عدل پر قائم تھے۔ تو ضروری ہے کہ وہ اللہ کی طرف کچھ منسوب کریں وہ حق و عدل ہو۔ ورنہ اللہ پر جھوٹ باندھنے والا صاحب حق و عدل کیسے ہو سکتا ہے؟

شہرستانی نے دوسرا ثبوت یہ پیش کیا ہے کہ توریت میں وارد ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ طورسینا سے آیا۔ ساعیر پر ظاہر ہوا اور فاران پر چمکا ۔ ساعیر بیت المقدس کا پہاڑ ہے۔ جوحضرت عیسی کا مظہر ہے، فاران مکہ کا پہاڑ ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مظہر ہے۔

علامہ شہرستانی کا کہنا ہے کہ اسرار الہی اور انوار ربانی، وحی تنزیل اور مناجات و تاویل میں تین مرتبے پر تھی

(1)مبدا

(1) وسط

(2) کمال

آنا مبدا سے مشابہت رکھتا ہے، ظہور وسط سے مشابہت رکھتا ہے اور چکنا کمال سے مشابہت رکھتا ہے۔ توریت میں شریعت و تنزیل کے طلوع صبح کو طور سینا سے آنے سے تعبیر کیا ہے ۔ طلوع شمس کو ساعیر پر ظاہر ہونے سے تعبیر کیا ہے۔ اور درجہ کمال پر پہونچنے کو فاران پر چمکنے سے تعبیر کیا ہے۔ ان کلمات میں عیسی علیہ السلام اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا اثبات ہے ۔

شہرستانی نے توریت کے احکام کی نوعیت پر گفتگو کی ہے۔ اور ان احکام کا موازنہ انجیل اور قرآن کریم کے احکام و آیات سے کیا ہے۔ ان کا قول ہے کہ:

"توریت میں عام ظاہری سیاسی احکام ہیں۔ اور انجیل میں باطنی خاص احکام ہیں۔ جبکہ قرآن پاک میں ظاہری و باطنی دونوں قسم کے سیاسی احکام ہیں۔ چنانچہ قرآن کی آیت ولکم فی القصاص حیاۃ ‘‘میں ظاہری سیاست کی تحقیق کی طرف اشارہ ہے۔ اور قرآن کی آیت وان تعفوا اقرب للتقویٰ اور دوسری آیت خذ العفو وامر بالمعروف واعرض عن الجاھلین میں باطنی سیاست کی طرف اشارہ ہے۔"

شہرستانی نے لکھا ہے کہ موسی علیہ السلام کے بعد یہودی قوم اکہتر فرقوں میں تقسیم ہوگئی ۔ ان میں سے مشہور فرقے چارہیں:

(1) عنانیہ۔ عنان بن داؤد کی طرف منسوب ہے۔

(2) عیسویہ ۔ ابو عیسی اسحاق بن یعقوب اصفہانی کی طرف منسوب ہے۔

(3)القاربۃ والیوز عانیہ - یوزعان ہمدانی کی طرف منسوب ہے۔
(4)السامرۃ - بیت المقدس کے پہاڑوں میں رہتی ہے۔

یہودیوں کے یہ چار بڑے فرقے ہیں۔ باقی اکھتر فرقے انہی چاروں فرقوں کی ذیلی شاخیں ہیں۔

عیسائی مذہب:

عبدالکریم شہرستانی نے عیسائی مذہب کا تعارف کراتے ہوئے لکھا ہے کہ نصاری عیسی بن مریم رسول اللہ و کلمۃ اللہ کی امت ہیں۔ جو موسیٰ علیہ السلام کے بعد برحق مبعوث ہوئے۔ توریت میں ان کی بشارت آئی ہے۔ ان کی نشانیاں اور دلائل ظاہر و باہر ہیں۔ مثلاً وباہر مردہ کو زندہ کرنا ۔ اندھوں اور کوڑھیوں کو شفا دینا۔ ان کی ذات ان کے صدق پر دلالت کرتی تھی۔ سارے انبیاء کو اللہ نے چالیس سال کے بعد وحی بھیجی مگر عیسی علیہ السلام کو ماں کی گود میں وحی کی اور اس وحی کا ابلاغ و ترسیل تیھیں سال کی عمر میں کیا۔ آپ کی دعوت کی مدت تین سال، تین مہینہ اور تین دن تھی۔
عیسی علیہ السلام کی وفات ہوئی یا آسمان پر اٹھائے گئے ۔ اس سے متعلق عیسائیوں کے عقیدہ اور ان کے باہمی اختلاف کا ذکر کرتے ہوئے شہرستانی نے لکھا ہے کہ عیسائی مانتے ہیں کہ عیسیٰ کا قتل یہودیوں نے ظلم اور حسد کی وجہ سے اور ان کی نبوت اور بلند مرتبہ کا انکار کرنے کی خاطر کیا تھا۔ حضرت عیسی کے لاہوتی جز ء کو قتل نہیں کیا بلکہ ناسوتی جزو کو قتل کیا تھا۔

شہرستانی نے پولس کے ایک خط کا حوالہ دیا ہے جو اس نے یونانیوں کو لکھا تھا کہ تم لوگ سمجھتے ہو کہ عیسی کا مقام وہی ہے جو دوسرے تمام انبیاء کا ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ ان کی مثال مکلیز داق "کی ہے۔ وہ امن و سلامتی کا فرشتہ تھا جسے ابراہیم علیہ السلام مشورہ دیا کرتے تھے اور وہ ابراہیم علیہ السلام کو برکت دیتا تھا اور ان کے سر پر ہاتھ پھیرتا تھا۔

انجیل کے بارے میں شہرستانی نے لکھا ہے کہ حضرت عیسی کے حواریوں میں چار حواری جمع ہوئے ۔ ان سب نے اپنی یادداشت جمع کی اور اس کا نام انجیل رکھا۔ وہ حواری حسب ذیل تھے۔

(1) متی
(2) لوقا

(3) مرقس

(4) یوحنا

عیسائیوں کے فرقوں کے بارے میں شہرستانی نے لکھا ہے کہ عیسائی بہتر فرقوں میں بٹ گئے ان کے تین فرقے بڑے ہیں۔

(1) ملکانیہ

(2) نسطوریۃ

(3) یعقوبیہ

باقی فرقے ان تینوں کی ذیلی شاخیں ہیں۔

جن امتوں پر آسمانی کتاب نازل ہوئی ۔ شہرستانی نے ان کو دو گرہوں میں تقسیم کیا ہے، ایک گروہ وہ ہے جس پر یہ تحقیق آسمانی کتا بیں نازل ہوئیں اور وہ کتابیں آج بھی اس کے یہاں موجود ہیں خواہ ان میں ترمیم و تحریف ہی کیوں نہ ہوئی ہو۔ جیسے یہودی اور عیسائی۔ ان کے پاس آسمانی کتابیں توریت وانجیل آج تک موجود ہیں ۔ دوسرا گر وہ ان قوموں کا ہے جن پر آسمانی کتا بیں نازل تو ہوئیں مگر وہ آج موجود نہیں ہیں بلکہ وہ اٹھالی گئیں ۔ جیسے مجوس اور مانوی شہرستانی نے ان قوموں کو اہل کتاب کے بجائے شبہ اہل الکتاب کا نام دیا ہے۔ جبکہ ابن حزم نے ان لوگوں کو بھی اہل کتاب ہی میں شمار کیا ہے۔ ان لوگوں کے بارے میں شہرستانی کا کہنا ہے کہ:

"وہ صحیفہ جو حضرت ابراہیم علیہ السلام پر نازل ہوا تھا وہ مجوس کے حادثوں فتنوں (کی وجہ سے آسمان پر اٹھا لیا گیا۔ لہٰذا ان سے معاہدہ کرنا اور ان کو ذمی بنانا جائز ہے۔ اور ان کے ساتھ وہی معاملہ کیا جائے گا جو یہود و نصاری کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ کیوں کہ وہ اہل کتاب میں سے ہیں۔ لیکن ان کی عورتوں سے شادی کرنا اور ان کا ذبیحہ کھانا جائز نہیں ہے کیوں کہ ان کی کتاب اٹھالی گئ ۔"

شہرستانی نے مجوس کو ملت عظمی اور دین اکبر کا حامل بتایا ہے۔ دلیل یہ دی ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کے بعد انبیاء کرام کی دعوت عمومی نہیں تھی اور اس میں ملت حنیفہ کی طرح قوت و شوکت نہیں تھی۔ اور بادشاہت اور تلوار نہیں تھی۔ جبکہ سارے شاہان نجم ابراہیم علیہ السلام کی ملت پر تھے۔ اور ان کی رعایا اپنے بادشاہوں کے دین پر تھی۔ ان بادشاہوں کا مرجع مویز مویزان یعنی عالموں کا عالم اور حکیموں کا حکیم تھا۔ لوگ ان کا حکم مانتے تھے اور ان کی مخالفت نہیں کرتے تھے اور اسی کی رائے کو تسلیم کرتے تھے اور اس کی تعظیم کرتے تھے۔

علامہ شہرستانی نے مجوسی مذہب کا خلاصہ ان لفظوں میں بیان کیا ہے۔ ''مجوس کے تمام مسائل دو قاعدوں کے گرد گھومتے ہیں۔ایک نور کا ظلمت کے ساتھ امتزاج کا سبب۔دوسرا ظلمت سے نور کی رہائی کا سبب، مجوسی امتزاج کو مبدا اور رہائی کو معاد کہتے ہیں۔

مجوسیوں کے نزدیک نور ازلی ہے اور ظلمت بعد کی پیداوار ہے۔ مجوسیوں میں اس بات میں اختلاف ہے کہ ظلمت نور سے پیدا ہوئی ہے یا کسی دوسری چیز ہے۔ مجوسیوں کا عقیدہ ہے کہ انسانوں میں مبدا اول کیومرث ہے، کبھی اسے زروان کبیر بھی کہتے ہیں۔دوسرا نبی زرشت ہے، مجوسی کیومرث کی تفسیر زندہ ناطق سے کرتے ہیں۔

شہرستانی نے مجوس کے حسب ذیل فرقوں کا تذکرہ کیا ہے۔

(1) کیومرثیہ۔یہ دو اصل کو مانتے ہیں، یعنی یزداں اور اہرمن

(2) زروانیہ

(3) زردشتیہ

شہرستانی زرشتی مذہب کے عقائد واحکام کا تذکرہ کرنے کے ساتھ مبادی کے بارے میں زرشت کے ایک مقالہ کو الجیہانی سے نقل کیا ہے اور لکھا ہے کہ زرشت کا مذہب مارسیان کے دین کی دعوت تھی۔اس کا معبود ہرمز تھا۔اس کے فرشتے جو زرشت پر پیغام لاتے تھے۔یہ تھے:

(1) بہن

(2) اردی بھشت

(3) شہر پور

(4) اسفندارمز

(5) خرداد

(6) مرداد، زرشت نے ان کو دیکھا تھا اور ان سے استفادہ کیا تھا۔

ثنوی مذہب:

مجوسی مذہب بھی گو کہ ثنوی مذہب ہے اور نور وظلمت کے دو خداؤں کے عقیدہ پر مشتمل ہے۔ مگر شہرستانی نے ثنوی مذہب کو الگ سے بیان کیا ہے۔ مجوسی مذہب اور ثنوی مذہب میں فرق یہ ہے کہ مجوسی مذہب میں نور ازلی اور قدیم ہے جبکہ ظلمت حادث اور جدید ہے۔

اس کے بر خلاف معموی مذہب میں نور وظلمت دونوں ازلی اور قدیم ہیں اور ان میں جوہر، طبیعت فعل مکان، اجناس، ارواح اور اجسام میں اختلاف ہے۔

ثنوی مذہب میں مانویہ، مزدکیہ، دیمانیہ، کینولہ، صامیہ اور تناسخیہ کے عقائد وخیالات کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ مانوی مذہب کے بارے میں شہرستانی کا کہنا ہے کہ اس کا بانی مانی سابور بن اردشیر کے زمانہ میں تھا۔ جسے بہرام بن ہرمز نے قتل کر دیا تھا۔ وہ موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا منکر تھا اور عیسی علیہ السلام کی نبوت کا قائل تھا۔ اس نے مجوسیت اور عیسائیت کے بیچ کا دین رائج کیا تھا۔

اس فصل کے آخر میں انہوں نے اپنے زمانہ کے مشہور آتش کدوں کی فہرست بھی دی ہے۔ چونکہ شہرستانی اسی خطہ زمین سے تعلق رکھتے تھے جہاں مجوسی مذہب اور زرتشت اور مانی کا مذہب رائج ہوا تھا۔ لہذا ان کو ان مذاہب کی معلومات آسانی سے دستیاب تھیں ان کے مذاہب کے علماء بھی موجود تھے۔ چنانچہ اس کا فائدہ اٹھاتے ہوئے قیمتی مواد مذکورہ مذاہب کے بارے میں انہوں نے پیش کیا ہے۔

صابئ مذہب:

الملل والنحل کی دوسری جلد کو مصنف نے اصل الاھواء والنحل کا نام دیا ہے۔ اس کا پہلا باب صابئ مذہب کے بارے میں ہے۔ صائمین کے عقائد کے سلسلہ میں اتنی تفصیل دوسری کتابوں میں مشکل سے ملے گی۔ شہرستانی نے لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں تمام اہل مذہب دو قسم کے تھے ایک صابر تھے اور دوسرے حنفاء تھے۔

صالحین کا عقیدہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کے احکام کی معرفت کے لیے ہم متوسط واسطہ کے محتاج ہیں۔ لیکن اس متوسط کے لئے ضروری ہے کہ وہ روحانی ہو جسمانی نہ ہو۔ روحانیت کی پاکیزگی کی وجہ سے اور خدا کے قریب ہونے کی وجہ سے واسطہ کا فرض انجام دے سکتا ہے۔ جب کہ جسمانی واسطہ ہمارے جیسا انسان ہوگا۔ ہماری طرح کھائے گا، پیئے گا اور مادی زندگی میں وہ ہماری طرح ہوگا۔ دوسری طرف حنفا کا عقیدہ تھا کہ اللہ کی معرفت اور اطاعت کے لیے ہمیں ایسے متوسط (واسطہ) کی ضرورت ہے۔ وہ انسان ہو اور حکمت و عصمت اور طہارت روحانیت کے اوپر ہو۔ وہ انسانیت میں ہماری طرح ہو اور روحانیت میں ہم سے بلند ہو۔ جو روحانیت کی طرف سے وحی کو حاصل کرے اور بشریت کے لحاظ سے اسے ہم تک پہونچائے۔

مصنف نے صابئ مذہب کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی ہے ''صب الرجل'' کے معنی ہیں مائل ہونا اور کج ہونا۔ یہ لوگ راہ حق سے مائل ہو گئے اور منہج انبیاء سے دور ہوئے اس لیے ان کو صابئہ کہا جاتا ہے۔

صابئ مذہب کا مدار روحانین پر ہے اور ان کا مذہب اکتسابی ہے۔ ہے علامہ شہرستانی نے صابئ مذہب اور حنفاء کے مذہب کے مابین فرق کو ایک مکالمہ کے ذریعہ واضح ہے جس میں وہ صائبہ کی طرف سے انسان کے نفس و جسم، کائنات، مادہ روحانیات اور خدا کے بارے میں سوالات کرتے ہیں اور پھر حنفاء ان کا جواب دیتے ہیں۔ یہ ایک طویل مکالمہ ہے جو قدیم مذاہب کے عقائد کا مطالعہ کرنے والوں کے لیے دلچسپی سے خالی نہیں ۔ شہرستانی نے صابئ مذہب کے اصحاب ہیکل اور روحانی اشخاص کا بھی ذکر کیا ہے، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنی قوم کے اصحاب ہیکل سے جو مکالمہ ہوا ہے اس پر بھی قرآنی آیات کی مدد سے روشنی ڈالی ہے۔ انہوں نے صائبہ کے ذیلی فرقہ حرناشیہ کے عقائد کا بھی ذکر کیا ہے۔ اور لکھا ہے کہ عقیدہ تناسخ اور حلول کا عقیدہ اسی قوم سے شروع ہوا ہے۔

فلاسفہ کے عقائد:

الملل والنحل کی دوسری جلد کا باب دوم فلاسفہ کے عقائد وخیالات کے تحلیل و تجزیہ سے تعلق رکھتا ہے۔اس میں یونانی، ہندی، رومی اور عربی فلاسفہ کا تذکرہ کیا ہے۔اوران کے خیالات کو نقل کرنے کے بعدان پر نقد و تبصرہ بھی کیا ہے۔انہوں نے فلاسفہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ علم کی تین قسم ہے۔

(1) جس علم میں اشیاء کی ماہیت معلوم کی جائے وہ علم الٰہی ہے۔

(2) جس علم میں اشیاء کی کیفیت معلوم کی جائے وہ علم طبعی ہے۔

(3) جس علم میں اشیاء کی کمیت (مقدار) معلوم کی جائے وہ علم ریاضی ہے۔

پہلی فصل میں ان سات قدیم فلاسفہ حالات زندگی اور فکر وخیال پر تبصرہ ہے جو حکمت وفلسفہ کے اساطین سمجھے گئے ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔

(1)تالیس ملطی

(2)انکاغورس

(3)انکیھانس

(4)انباد قلیس

(5)فیناغورس

(6)سقراط

(7)افلاطون

شہرستانی نے لکھا ہے کہ فلسفہ میں ان حکماء کے کلام کا محور ہے، باری تعالیٰ کی وحدانیت کائنات کے بارے میں اس کا علم، دنیا کی ابتداء، دنیا کی تکوین، مبدااول کیا ہے اور کتنا ہے۔ معاد (آخرت) کیا ہے اور کب واقع ہوگی۔ کبھی کبھی یہ فلاسفہ باری تعالیٰ کے بارے میں حرکت وسکون کے حوالہ سے بھی گفتگو کرتے ہیں۔

شہرستانی نے دوسری فصل میں حکماء اصول کے نام سے ان قدیم یونانی شاعروں، طبیبوں اور عابدوں کا بھی ذکر کیا ہے جنہوں نے مذہبی اور اخلاقی خیالات کا اظہار کیا ہے۔ شہرستانی نے جلد دوم کی تیسری فصل میں متاخرین حکماء یونان کے خیالات کا تجزیہ کیا ہے۔ان حکماء میں ارسطاطالیس، اسکندر روی، شیخ یونانی، دیوجانس کلبی وغیرہ شامل ہیں۔ یہ لوگ قدیم حکماء یونان کی آرا کے برخلاف اپنی الگ فکر وخیال کی نمائندگی کرتے ہیں۔ خاص طور پر مصنف نے ارسطاطالیس بن نیقوماخوس کے افکار کا تجزیہ کیا ہے۔ جسے اہل یونان معلم اول کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔ شہرستانی نے الٰہیات اور طبیعات وریاضی کے باب میں ایسے سولہ مسائل کا تذکرہ کیا ہے جن میں قدیم یونانی فلاسفہ کے مقابلہ میں بعد کے یونانی حکماء اس کی پیروی کرتے ہیں۔ وہ مسائل حسب ذیل ہیں۔

(1)واجب الوجود کا اثبات جو محرک اول ہے۔

(2)واجب الوجود ایک ہے۔

(3)واجب الوجود لذاتہ ہے۔

(4)واجب الوجود غیر سے متاثر نہیں ہوتا ۔

(5)واجب الوجود می بذاتہ ہے۔

(6)واحد سے واحد ہی کا صدور ہو سکتا ہے۔

(7)مقارفات کے عدد کے بیان میں

(8)الاول اپنی ذات سے مسرور ہے۔

(9)نظام کلی کے صدور اور اس کی ترتیب

(10) نظام کلی خیر و شر کی طرف متوجہ ہے ۔

(11) حرکات دائمی ہیں۔

(12) عناصر کی ترکیب کے بیان میں ۔

(13) علوی آثار کے بیان میں ۔

(14) انسانی نفس ناطقہ اور بدن سے اس کے اتصال کے بیان میں

(15) نفس کا بدن سے اتصال کے طریقہ اور وقت کے بارے میں

(16) بدن کے بعد نفس کے بقا اور عالم عقلی میں سعادت کے بارے میں ۔

شہرستانی نے اس باب کی چوتھی فصل میں متاخرین حکماء اسلام کے خیالات کا تذکرہ کیا ہے۔ خاص طور سے شیخ الرئیس بو علی بن سینا کے خیالات پر تبصرہ کیا ہے۔ واضح رہے کہ بو علی سینا کے خیالات پر شہرستانی نے مصارعۃ الفلاسفہ میں مفصل گفتگو کی ہے، اس بحث میں اس کی بازگشت سنائی دیتی ہے۔

فلاسفہ کے عقائد و خیالات پر شہرستانی نے جو مواد جمع کیا ہے وہ بہت وقیع ہے۔ مگر امام فخر الدین رازی م 606 ھ نے الزام عائد کیا ہے کہ شہرستانی نے فلاسفہ کے افکار کو ابوسلیمان محمد بن ظاہر بن بہرام منطقی بغدادی م375 ھ کی کتاب" صنوان الحکمۃ سے نقل کر دیا ہے ۔ صنوان الحکمہ کا کوئی نسخہ دستیاب نہیں ہے، اس لئے دونوں کتابوں کے مندرجات کا موازنہ نہیں کیا جا سکتا ہے۔ اگر شہرستانی کی یہ بحث طبع زاد نہ ہو اور صنوان الحکمۃ سے ماخوذ ہو تب بھی یہ بڑی قیمتی بحث ہے، جو حکمت و فلسفہ اور الہیات کے طالب علم کے لئے قابل قدر ہے۔

الملل والنحل جلد دوم کا تیسرا باب زمانہ جاہلیت میں عرب کے مذہبی خیالات اور طریقہ عبادات کے تذکرہ پر مشتمل ہے۔اس موضوع پر ابو عمر والجاحظ بصری (م255ھ) کی کتاب ''ادیان العرب لکھی گئی۔امام رازی کا خیال ہے کہ یہ بحث اس سے ماخوذ ہے۔

اس باب میں یہ بتایا گیا ہے کہ اسلام کی آمد سے پہلے خانہ کعبہ سے عربوں کا تعلق کیسا تھا، خدا کے بارے میں عربوں کے عقائد کیا تھے۔کچھ لوگ خدا اور آخرت کے منکر تھے۔کچھ لوگ خدا کے قائل تھے۔بعث بعد الموت کے منکر تھے۔کچھ لوگ رسول کے منکر تھے اور بت پرست تھے۔ان کے مشہور بت کون سے تھے۔ عربوں کے پاس کونے علوم تھے۔ان کے تفصیلی عقائد کیا تھے،اسلام نے عربوں کی کن باتوں کو باقی رکھا۔

ہندو مذہب:

چوتھے باب میں ہندو مذہب کا تذکرہ کیا گیا ہے مصنف نے لکھا ہے کہ :

ہندو بڑی قوم ہے اور عظیم ملت ہے۔ان کے مذہبی خیالات مختلف ہیں۔ان میں برہمن ہیں جو اصلا نبوت کے منکر ہیں۔ان میں بعض وہ ہیں جو زمانہ کو خدا ماننے کی طرف مائل ہیں۔اور ان میں وہ بھی ہیں جو دو خداؤں کو مانتے ہیں اور ملت ابراہیم کے قائل ہیں۔ مگر ہند کے اکثر لوگ صابئ مذہب اور ان کے طریقوں کے ماننے والے ہیں شہرستانی نے ہندو مذہب کے ضمن میں پانچ فرقوں کا تذکرہ کیا ہے۔

(1) برھمن

(2)) روحانی لوگ

(3) اصحاب الھیکل

(4) بتوں کے پجاری

(5) حکماء

شہرستانی کا کہنا ہے کہ ان کے بارے میں جو کچھ ان کی کتابوں میں لکھا گیا ہے اس کی مدد سے انہوں نے یہ حصہ مرتب کیا ہے۔ برہمنوں کا تعارف کراتے ہوئے شہرستانی نے لکھا ہے:

''بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ان کو برہمن اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف انتساب کرتے ہیں جبکہ یہ غلطی ہے۔ کیونکہ یہ لوگ سرے سے نبوت ہی کا انکار کرتے ہیں پھر وہ کیسے ابراہیم علیہ السلام کا اقرار کر سکتے ہیں۔ ہندؤں میں جو لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قائل ہیں وہ وہ مموی لوگ ہیں جو نور و ظلمت کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ براہمن لوگ اپنی قوم کے ایک شخص کی طرف منسوب ہیں جس کو براہما کہا جاتا تھا۔

شہرستانی کا کہنا ہے جس شخص کی طرف برہمن کی نسبت ہے اس نے انکار نبوت کو برہمن کا عقیدہ بنایا اور اس کے حسب ذیل دلائل دیے۔

1. رسول جو چیز لیکر آئے گا وہ یا تو معقول ہوگا یا غیر معقول ہوگا۔ اگر معقول ہوگا تو ہماری عقل اس کو حاصل کرنے کے لیے کافی ہے، رسول کی کیا ضرورت ہے؟ اور اگر معقول نہ ہو تو قابل قبول نہیں ہے اس لیے کہ جو معقول نہ ہو اس کو قبول کرنا انسانیت کی حد سے پرے ہے۔
2. عقل دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ حکیم ہے۔ اور حکیم اپنی مخلوق کو اسی چیز کا حکم دیتا ہے جس پر اس کی عقل رہنمائی کرے ۔ عقل دلالت کرتی ہے کہ کائنات کا پیدا کرنے والا کوئی صاحب علم و قدرت ہے تو ہم اس کی نشانیوں پر اپنی عقل سے غور کرتے ہیں اور اسکی نعمتوں پر شکر کرتے ہیں۔
3. رسالت کا سب سے بڑا نقص یہ ہے کہ ایسے شخص کا اتباع کیا جائے جو صورت نفس اور عقل میں تمہاری)انسانوں کی طرح ہے۔ جو تم کھاتے پیتے ہو وہ بھی وہی کھاتا پیتا ہے۔ یہاں تک کہ تم اس پتھر کی طرح ہو جاتے ہو جسے وہ اپنی مرضی کے مطابق اٹھاتا اور کھلاتا ہے۔ یا حیوان کی طرح ہو جاتے ہو جسے وہ آگے، پیچھے جس طرح چاہتا ہے ہنکاتا ہے۔ یا غلام کی طرح ہو جاتے ہو جس پر وہ حسب مرضی حکم چلاتا ہے۔ تمہارے اوپر اس کی فضیلت کی وجہ کیا ہے۔ اس کے دعوی نبوت کی دلیل کیا ہے؟

صاحب البدۃ۔ہند میں ایسے شخص کو کہا جاتا ہے جو نہ پیدا ہوتا ہے نہ نکاح کرتا ہے، نہ کھاتا پیتا ہے۔نہ بوڑھا ہوتا ہے اور نہ مرتا ہے۔پہلا بدجو دنیا میں ظاہر ہوا وہ شاکمین ہے، بد (بودھ) سے کمتر مرتبہ بودیسمیعہ کا ہے۔اس کا مطلب ہے وہ شخص جو حق کا طالب ہے۔اس مقام تک وہ عبادت وریاضت، ترک شہوات اور ترک دنیا کے ذریعہ پہونچتا ہے۔وہ مخلوق پر رحم کرتا ہے اور حسب ذیل دس گناہوں سے بچتا ہے۔

(1) کسی جاندار کو قتل کرنا

(2) لوگوں کا مال کھانا

(3) زنا کرنا

(4) جھوٹ بولنا

(5) چغلی کھانا

(6) ظلم کرنا

(7) گالی بکنا

(8) برے القاب

(9) حماقت

(10) آخرت کے بدلہ کا انکاری۔مذکورہ گناہوں سے بچنے کے ساتھ وہ حسب ذیل دس باتوں کو اختیار کرتا ہے۔

1. سخاوت

1. سخاوت

2. برائی کا بدلہ معافی
3. دنیوی شہوتوں سے پاکی
4. اس دنیائے فانی سے رہائی کی فکر
5. علم وادب کے ذریعہ عقل کی تربیت
6. طلب رفعت میں نفس کے تصرف پر قوت
7. نرمی قلب اور لوگوں سے خوش کلامی
8. بھائیوں کے حسن سلوک اور ایثار
9. مخلوق سے کنارہ کشی اور حق سے وابستگی
10. حق کی طرف ساتھ روح کو متوجہ رکھنا اور حق تک پہونچنے کی سعی کرنا ہے

شہرستانی کہتے ہیں یہ بل گنگاندی سے ظاہر ہوتے ہیں اور ان کو علوم سے نوازتے ہیں۔ ایسے بد صرف راجاؤں کے گھر ہی میں پیدا ہوتے ہیں۔ شہرستانی کا کہنا ہے کہ بد کے جو اوصاف یہ لوگ بیان کرتے ہیں اگر وہ بچے ہیں تو حضرت خضر علیہ السلام سے مشابہت رکھتے ہیں۔

شہرستانی نے ہندوستان کے ماہرین فلکیات نجومی و جوتشی کا بھی ذکر کیا ہے۔ عقیدہ تناسخ ارواح کا ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ سب سے شدید عقیدہ ہے۔ خاص طور پر شہرستانی نے روحانی اشخاص کا تذکرہ کیا ہے جن کے یہاں رسالت کا تصور ملتا ہے مگر کتاب کا نہیں۔ ان کے حسب ذیل فرقے ہیں

(1) باسنویہ

(2) باھودیۃ

(3) کابلیہ

(4) بھادونیہ۔

شہرستانی نے سورج اور ستاروں کی پوجا کرنے والوں اور بتوں کی پوجا کرنے والوں کا بھی ذکر کیا ہے۔ آخر میں ہندوستان کے حکماء اور فلاسفہ کا بھی ذکر کیا ہے۔ شہرستانی کی معلومات ابن حزم سے زیادہ ہیں اور ان کا بیان بھی اہم ہے۔ مگر شہرستانی نے اپنی پیش کردہ معلومات کا حوالہ نہیں دیا ہے۔ خود شہرستانی کا ہندوستان آنا اور براہ راست معلومات حاصل کرنا ثابت نہیں ہے۔ شہرستانی کے زمانے میں ہندوں کی مذہبی کتابیں مثلاً وید، پران، گیتا اور شاستر کا عربی یا فارسی ترجمہ نہیں ہوا تھا۔ اس لئے ہندو مذہب اور بودھ مذہب سے متعلق ان کی معلومات مکمل نہیں ہیں اور

ثانوی ماخذ پر مبنی ہیں اس کے باوجود شہرستانی نے جس محنت سے ہندوستانی مذاہب پر مواد جمع کیا ہے وہ قابل قدر اور لائق ستائش ہے۔ کتاب الملل والنحل کے محقق محمد سید کیلانی نے کتاب کے آخر میں دو ضمیمے لکھے ہیں۔

دوسرے ضمیمہ میں مسلمانوں کے ان فرقوں کا تذکرہ ہے جو شہرستانی کے بعد پیدا ہوئے اور پہلے ضمیمہ میں ان مذاہب کا مفصل ذکر ہے جن کا تذکرہ شہرستانی نے نہیں کیا ہے۔ مثلاً قدیم مصری مذہب، ہندو مذہب، بودھ مذہب، چینی مذہب اور جاپانی مذہب۔ ان ضمیموں کی وجہ سے اس کتاب کی قدر و قیمت بہت بڑھ گئی ہے۔

کتاب الملل والنحل اپنے موضوع پر مفصل اور مدلل کتاب ہے۔ شہرستانی کی نظر اپنے زمانہ کے مذاہب پر وسیع ہے۔ خاص طور پر حکماء اور فلاسفہ کے عقائد و خیالات پر سیر حاصل بحث ہے۔ ان کا انداز بیان بھی مناظرانہ نہیں ہے۔ ان کے قلم میں جذبات کی شدت نہیں ہے بلکہ اعتدال ہے۔ بحث و تحقیق میں متانت ہے۔ عالمی مذاہب کا تذکرہ انھوں نے سلیقہ سے کیا ہے اور تعصب و تنگ نظری سے دور رہ کر کیا ہے۔ مطالعہ مذاہب کے شائقین کے لیے یہ اچھی کتاب ہے۔

خود آزمائی:

1. علامہ عبدالکریم شہرستانی کی کتاب "الملل والنحل" کا تفصیلی تعارف لکھیں۔
2. عبدالکریم شہرستانی کی تصانیف پر نوٹ لکھیں۔
3. شہرستانی کے مطابق کس طرح تورات میں نبی کریم ﷺ کی نبوت کا ذکر ہے؟ واضح کریں۔
4. شہرستانی نے کس طرح عیسائی مذہب کا تعارف کروایا ہے؟ ان کے فرقوں کے بارے میں مفصل نوٹ لکھیں۔
5: شہرستانی کے مطابق مجوسی کے فرقے اور ان کی تعداد کے بارے میں لکھیں۔
6: علامہ شہرستانی نے ثنوی مذہب کو کیسے مجوسی سے الگ کیا ہے؟ وضاحت کریں۔
7: الملل النحل کے مطابق علم کی کتنی اور کون سی اقسام ہیں؟
8: شہرستانی کے بیان کردہ سولہ مسائل پر تفصیلا نوٹ تحریر کریں۔
9: شہرستانی کے مطابق انکار نبوت پر برہمن کے عقائد و دلائل کی وضاحت کریں۔
10: ہند میں صاحب البدۃ کسے کہا جاتا ہے؟ وضاحت کریں

جوابات:

تمام سوالوں کے جواب متعلقہ یونٹ سے تلاش کریں۔

مصادر و مآخذ/مزید مطالعہ کے لیے

- قاسمی، محمد سعود عالم، مطالعہ مذاہب کی اسلامی روایت، اعظم گڑھ: شبلی اکیڈمی، 2019ء

یونٹ نمبر5

علامہ ابن تیمیہ اور علامہ ابن قیم کا مطالعۂ مذاہب

مؤلف: ڈاکٹر حسن بیگ، شمع ناز

نظر ثانی: عثمان علی شیخ، ڈاکٹر احمد رضا، حافظہ حفصہ مجید

فہرست مضامین

عنوانات	صفحہ نمبر
یونٹ کا تعارف	111
یونٹ کے مقاصد	113
تعارف	114
الجواب الصحیح کی اہمیت	115
عیسائی پادری کا محاسبہ	116
حضرت سیدنا محمد ﷺ کی نبوت تمام انسانوں کے لئے	117
موجودہ عیسائی مذہب	118
تثلیث واتحاد کی تردید	120
توریت وانجیل مستند نہیں	120
اقانیم ثلثہ کی تردید	122
عیسائیت میں گمراہی کی ابتداء	123
تجسیم وحلول کا عقیدہ	124
کیا شریعت صرف دو ہیں؟	125
توریت وانجیل میں نبوت سیدنا محمدی ﷺ کی بشارت	126
حضرت عیسی علیہ السلام اور حضرت سیدنا محمد ﷺ کے معجزات	128
ابن قیم کی مطالعہ مذاہب میں خدمات	129
تعارف	129
بعثت کے وقت دنیا کے مذاہب	132
دین میں جبر نہیں	133
حضرت سی نا محمد ﷺ کی نبوت کی علامات اور علماء یہود	134
حضرت سیدنا محمد ﷺ پر ایمان لانے والے عیسائی سردار	135
توریت اور انجیل کے نسخوں میں تضاد	135

توریت وانجیل میں کتمان	136
بائیل میں سیدنا محمد ﷺ کی بشارتیں	137
ذبیح حضرت سیدنا اسماعیل علیہ السلام ہیں یا حضرت سیدنا اسحاق علیہ السلام	139
فارقلیط کون ہے	140
حضرت سیدنا داؤد علیہ السلام کی بشارت	141
توریت میں تحریف	142
عیسائی کونسل	144
دوسری کونسل میں	144
خودآزمائی	145
جوابات	146
مصادر ومآخذ /مزید مطالعہ	146

یونٹ کا تعارف

تقی الدین احمد بن عبد الحلیم بن عبد السلام النمیری الحرانی معروف بہ ابن تیمیہ (728ھ/1328ء) ایک عالم دین، فقیہ، فلسفی، ماہر معاشیات اور متفرق کتب کے مصنف تھے۔ آپ کا پورا خاندان ''حران'' کا ایک مشہور و معروف علمی خاندان تھا، فقہ حنبلی کا پیروکار تھا۔ آپ کی تعلیم کا آغاز ''حران'' ہی میں ہوا لیکن اصل تعلیم کا آغاز دمشق میں ''دار الحدیث السکریہ'' سے ہوا جہاں آپ کے والد عبد الحلیم بن تیمیہ شیخ الحدیث تھے۔ ابن تیمیہ تبحر علمی کی بنیاد پر منفرد حیثیت کے حامل تھے، قوت حافظہ، تبحر علمی، وسعت علم، ذوق مطالعہ اور تحقیق وتدقیق کے میدان میں آپ سر فہرست تھے۔ آپ ایک حنبلی المسلک عالم اور تاریخ کے ایک محقق عالم گزرے ہیں. آپ نے 17 سال کی عمر میں قلم سنبھالا اور 45 سال تک رواں دواں رہا، آپ کی تصانیف کچھ منفرد خصوصیات رکھتی ہیں۔ البتہ انہوں نے بعض مسائل (عقائد و عبادات) میں جمہور فقہاء و محدثین اور علمائے امت سے اختلاف کیا ہے، جمہور امت نے ان کے تفردات کو قابل عمل نہیں سمجھا۔ آپ کا زمانہ بڑا ہی پر آشوب زمانہ تھا، علمی، دینی اخلاقی، اجتماعی اور سیاسی ہر لحاظ سے، اور جس وقت آپ نے ارض شام میں قدم رکھا اس وقت خلافت عباسیہ پارہ پارہ ہو چکی تھی اور مسلمانوں کی عظمت و سطوت افسانہ بن چکی تھی، تاتاریوں کے مظالم سے ارض شام لالہ زار تھی۔

علاوہ ازیں محمد بن ابو بکر بن ایوب بن سعد حریز الزرعی الدمشقی شمس الدین المعروف بابن قیم الجوزیہ ہے۔ آپ علم و فضل اور ادب و اخلاق کے گہوارے میں پرورش پائی اور دوسرے علماء سے استفادہ کیا جن میں ابن تیمیہ کا نام گرامی سب سے اہم اور قابل ذکر ہے۔ آپ فن تفسیر میں منفرد رائے اور حدیث و فقہ میں نہایت گہری نظر رکھتے تھے، استنباط و استخراج مسائل میں بھی اپنی الگ رائے رکھتے اور ایک ماہر طبیب بھی تھے۔ علمائے طب کا بیان ہے کہ علامہ موصوف نے اپنی کتاب "طب نبوی" میں جو طبّی فوائد، نادر تجربات اور بیش بہا نسخے پیش کیے ہیں ، وہ طبّی دنیا میں ان کی طرف سے ایک ایسا اضافہ ہیں کہ طب کی تاریخ میں ہمیشہ یاد رکھے جائیں گے۔ ابن القیم نے حدیث کی سماعت کی اور زندگی بھر علمی مشغلہ میں مصروف رہے۔ انہیں متعدد علوم میں کمال حاصل تھا۔ خاص طور پر علم تفسیر اور حدیث وغیرہ میں غیر معمولی دسترس حاصل تھی، چنانچہ تھوڑے ہی عرصہ میں یگانہ روزگار بن گئے۔ اپنے استاذ ابن تیمیہ کے علوم کے صحیح وارث اور ان کی مسند تدریس کے کما حقہ جانشین تھے۔ چنانچہ علامہ موصوف نے اپنے استاذ گرامی کی علمی خدمات اور علمی کارناموں کی توسیع و اشاعت میں غیر معمولی حصہ لیا۔ انہوں نے مختلف فنون و علوم پر قابل قدر کتابیں تصنیف کی ہیں جن میں فکر کی گہرائی، قوت استدلال، حسن ترتیب، ارجوش بیان پورے طور پر نمایاں ہے آپ کی تصانیف کی تعداد ساٹھ سے زائد ہے۔ ان میں سے مشہور و معروف زاد المعاد اور کتاب اعلام الموقعین ہے جو کہ اسلامی شریعی مسائل کے حل کرنے اور اصول فقہ خصوصا فتوی، اجتہاد اور قیاس کے موضوع پر ایک منفرد کتاب شمار کی جاتی ہے۔ مذکورہ یونٹ میں انہی دو اہم شخصیات کی علمی و دینی خدمات کا جائزہ لیا جائے گا اور ان کی اہم کتابوں کا تعارف پیش کیا جائے گا۔

یونٹ کے مقاصد

امید ہے کہ اس یونٹ کے مطالعے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ

1. ابن تیمیہ کے حالاتِ زندگی اور خدمات کے بارے میں آگاہی حاصل کر سکیں۔
2. ابن تیمیہ کے حالاتِ زندگی اور ان کی تصانیف کے بارے میں واقفیت حاصل کر سکیں۔
3. ابن تیمیہ کی مطالعۂ مسیحیت میں خدمات پر بحث کر سکیں۔
4. ۔ابن القیم کے حالاتِ زندگی اور خدمات کے بارے میں آگاہی حاصل کر سکیں۔
5. ابن قیم کے حالاتِ زندگی اور ان کی تصانیف کے بارے میں واقفیت حاصل کر سکیں۔
6. ابن قیم کی مطالعۂ مذاہب عالم میں خدمات پر بحث کر سکیں۔

تعارف:

عیسائی مذہب کا تفصیلی اور تقابلی مطالعہ کرنے کے لیے شیخ الاسلام تقی الدین احمد بن عبد الحلیم ابن تیمیہ (م768 ھ)کی کتاب" الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح ایک عالمانہ اور محققانہ کتاب ہے۔ اس سے قبل ابن حزم ظاہری (م456ھ)نے اس موضوع پر اظہار تبدیل الیہود والنصاری للتوراۃ والانجیل لکھی تھی ۔ لیکن ابن تیمیہ نے جتنی مفصل عیسائی عقائد اور عیسائی کتب کا احاطہ کرنے والی کتاب لکھی ہے اس کی نظیر ماضی کے اسلامی لٹریچر میں نہیں ملتی ۔ امام ابن تیمیہ کا مطالعہ دینی نصوص اور اسلامی ماخذ پر جتنا گہرا ہرا ہے اتنا ہی عیسائی مصادر اور صحف سماوی پر بھی وسیع ہے۔ اس کتاب سے ان کے مطالعہ مذاہب کی وسعت اور ژرف نگاہی صاف جھلکتی ہے۔ بقول مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی " یہود اور نصاری کے لٹر یچر اور ان کے مذہبی فرقوں کے اختلافات پر ان کی نظر اتنی وسیع تھی کہ گولڈ زیہر کے بقول کوئی شخص جو تورات کی شخصیتوں سے بحث کرنا چاہے وہ ابن تیمیہ کی تحقیقات سے بے نیاز نہیں ہو سکتا ۔

امام ابن تیمیہ 661 ھ مطابق1263 ء میں شمالی عراق کے قصبہ حران میں پیدا ہوئے۔ دمشق تک غارت گری ہوئی۔ دوسری طرف مغرب سے صلیبی عیسائی حملہ آور ہوئے۔ تیسری طرف مسلم معاشرہ کی دینی،اخلاقی اور سیاسی کمزوری تھی،ان حالات میں ابن تیمیہ نے اصلاح و تجدید کا فریضہ انجام دیا۔ نہ صرف زبان و قلم سے اسلام کی خدمت کی بلکہ تلوار سے بھی مسلمانوں کی مدافعت کی۔ان کے شاگردوں میں علامہ ابن کثیر،ابن عبدالہادی اور علامہ ابن قیم جیسے علماء تھے۔ابن تیمیہ کی حسب ذیل کتابیں معروف ہیں[1]۔

(1)اقتضاءالصراط المستقیم

(2)السیاسۃالشرعیہ

(3)العروۃالوقی

(4)کتاب الوسیلہ

(5)الرد علی المنطقیین

(6)منہاج السنہ

(7)الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح

(8)فتاوی ابن تیمیہ

(9)الفرق بین اولیاءالرحمن واولیاءالشیطان۔

---

[1] قاسمی، محمد سعود عالم، مطالعہ مذاہب کی اسلامی روایت، اعظم گڑھ: شبلی اکیڈمی، 2019ء، ص:162

مصر و شام کے مسلمانوں میں جو بدعات و خرافات رائج تھیں ابن تیمیہ ان پر کھل کر تنقید کرتے تھے، چنانچہ ان کے بہت سے حاسدین پیدا ہو گئے، حکمراں سے شکایت کی اور جیل بھیجوایا۔ دمشق کی جیل میں ہی ۷۲۸ھ کو ان کا انتقال ہوا۔

الجواب الصحیح کی اہمیت:

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں کہ اس کتاب (الجواب الصحیح) سے ان کی وسعت نظر، مطالعہ کا تنوع، مذاہب وادیان سے گہری واقفیت اور صحف سابقہ پر گہری نظر کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس کتاب میں انھوں نے صرف مدافعت اور صفائی پیش کرنے ہی پر اکتفا ہے، نہیں کیا ہے، بلکہ مسیحیت کی بنیادوں پر بھی حملہ کیا ہے۔ نبوت محمدی کے ثابت کرنے کے لیے انھوں نے وہی قدیم اور اصطلاحی دلائل نہیں پیش کیے ہیں جو زیادہ دل نشیں اور ایمان آفریں ہیں۔ ایک منصف مزاج اور معقولیت پسند انسان کو تسلیم و اعتراف پر مجبور کر دیتے ہیں۔ پھر اس کتاب میں مسیحیت کی تاریخ مسیحی علم کلام اور مسیحی علماء کی موشگافیوں اور تاویلات کا اتنا بڑا ذخیرہ پیش کر دیا ہے جو تنہا کسی ایک کتاب میں دستیاب نہیں ہو سکتا اور جس کے لیے بہت بڑا کتب خانہ کھنگالنے کی ضرورت ہو گی۔

یہ کتاب چار جلدوں پر مشتمل ہے اور اس کے مجموعی صفحات تیرہ سو کے قریب ہیں۔ یہ کتاب مصر، شام اور سعودی عرب سے متعدد بار شائع ہوئی ہے۔ میرے سامنے مطابع المجد التجاریۃ کا طبع شدہ نسخہ ہے۔ اس ضخیم کتاب کو لکھنے کے لیے ابن تیمیہ نے عیسائی اور اسلامی مصادر کو کسی طرح کھنگالا ہوگا اور جزئیات کی تہہ تک پہنچنے کے لیے کتنی عرق ریزی کی ہوگی ۔ اس کا اندازہ کتاب کے مطالعہ سے ہوتا ہے۔ پروفیسر محمد یوسف کوکن عمری کے بقول اس کے پڑھنے سے صاف اندازہ ہوتا ہے کہ یہودی اور نصرانی مذاہب پر ان کی بڑی گہری نظر تھی۔ انھوں نے خود عیسائی اہل قلم کی تصانیف سے دین مسیحیت کی تبدیلیوں کو ثابت کیا ہے۔

اس کتاب کی تالیف کا پس منظر یہ ہے کہ انطاکیہ اور صیدا کے پادری" پولس"نے ایک کتاب لکھی جس کا نام تھا المنطیقی الدوۃ خاني المبرھن عن الاعتقاد الصحیح والرأی المستقیم یہ کتاب عیسائیوں میں بہت مقبول ہوئی ۔ اس کتاب میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی کھلے لفظوں میں تکذیب نہیں کی گئی ہے بلکہ ان کی نبوت کا عربوں کے لیے مخصوص ہونا ظاہر کیا گیا ہے۔ پولس نے یہ کتاب اپنے عیسائی احباب کو عیسائیت پر مطمئن کرنے کے لیے لکھی تھی ، کیوں کہ وہ دیکھ رہا تھا کہ لوگ عیسائیت چھوڑ کر اسلام قبول کر رہے ہیں ۔ عیسائیت کی خامیاں اور اسلام کی خوبیاں ان کو تبدیلی مذہب پر مجبور کر رہی ہیں۔ لہذا لوگوں کو اسلام قبول کرنے سے روکا جائے اور عیسائی مذہب پر جمے رہنے پر آمادہ کیا جائے ۔ امام ابن تیمیہ کے پاس یہ کتاب قبرص سے بھیجی گئی تھی۔

پولس نے مذکورہ کتاب میں حسب ذیل چھ دعوے کیے تھے:

(1) محمد صلی اللہ علیہ وسلم عیسائیوں کی طرف مبعوث نہیں کیے گئے تھے بلکہ صرف عرب کے جاہلوں کی طرف مبعوث کیے گئے تھے۔ پادری نے اس دعوی کے لیے قرآن کی آیات اور عقل سے استدلال کیا ہے۔

(2)محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن نے عیسائی مذہب کی تعریف کی ہے، اس سے یہ لازم آتا ہے کہ عیسائی مذہب حق ہے اور عیسائی اپنے مذہب پر جمے رہیں ۔

(3)انبیائے سابقین کی کتابیں مثلاً توریت و زبور اور انجیل اور دیگر صحائف عیسائیت کے عقیدہ تثلیث و اتحاد کی شہادت دیتے ہیں اس لیے اس پر قائم رہنا ضروری ہے۔ اس عقیدہ کے خلاف نہ تو شریعت ہے اور نہ عقل ہے۔

(4)عیسائی آج جس مذہب کو مانتے ہیں وہ عقل و شریعت سے ثابت ہے اور اصول دین کے مطابق ہے۔

(5)عیسائی توحید کے حامل ہیں اور اقانیم کے الفاظ جو متعدد خدا کا وہم پیدا کرتے ہیں ان کی حیثیت وہی ہے جو مسلمانوں کے یہاں خدا کی تشبیہ و تجسیم کی ہے۔

(6)حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد حضرت عیسی کی نبوت منتہائے کمال کو پہنچ گئی۔ لہذا ان کے بعد کسی اور شریعت کی ضرورت نہیں ہے۔ ان کے بعد جو شریعت آئے گی وہ قابل قبول نہ ہوگی۔

عیسائی پادری کا محاسبہ:

امام ابن تیمیہ نے عیسائی پادری کی کتاب پر اصولی تنقید کی ہے کہ اگر ایک شخص کو نبی مان لیا گیا تو ضروری ہے کہ اس کی تمام باتوں کو تسلیم کیا جائے۔ جس شخص کی بعض باتیں صحیح ہوں اور بعض جھوٹی ہوں وہ نبی نہیں ہو سکتا۔ پھر یہ کہ قرآن پاک میں یہودیوں اور عیسائیوں کے بعض عقائد واعمال پر گرفت کی گئی ہے۔ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہود و نصاری کے لیے بھی نبی نہ ہوتے تو ان کے عقائد کی تردید کرنے کی ضرورت نہ تھی۔

امام ابن تیمیہ نے عیسائی پادری کے تمام دعووں کا توریت وانجیل اور قرآن وحدیث کی روشنی میں جائزہ لیا ہے۔ عیسائی مصنفین کی عبارتوں سے اور عقلی ضابطوں کے حوالہ سے بھی حقیقت بیان کرنے کی سعی کی ہے۔ انھوں نے تعصب کے جذبات سے الگ ہو کر موضوع پر تاریخی عقلی اور علمی بحث کی ہے اور پادری پولس کے دعووں کا خلاف حقیقت ہونا ثابت کیا ہے۔

امام ابن تیمیہ کی یہ کتاب چار جلدوں پر مشتمل ہے۔ یہ چار جلد میں حسب ذیل چار ذیلی موضوعات کا احاطہ کرتی ہیں:

1. پہلی جلد میں پادری پولس کے مذکورہ چھ دعوں کا تجزیہ محاسبہ اور ان کا رد کیا گیا ہے۔
2. دوسری جلد میں ان قرآنی آیات اور احادیث کا جائزہ لیا گیا ہے جن سے پادری نے استدلال کیا ہے۔
3. پادری نے توریت وانجیل کی آیات کی تفسیر میں جو غلطیاں کی ہیں ان پر گرفت کی گئی ہے۔
4. حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ، حضرت عیسی اور حضرت موسی "کی نبوت کا تقابلی مطالعہ کیا گیا ہے اور ان انبیاء کے معجزات سے بحث کی گئی ہے۔

حضرت سیدنا محمد ﷺ کی نبوت تمام انسانوں کے لئے:

پادری پولس کا پہلا دعویٰ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم صرف عرب کے جاہلوں کی طرف نبی بنا کر بھیجے گئے تھے۔ عام انسانوں اور عیسائیوں کے لیے ان کی نبوت نہیں تھی، تاریخی طور پر غلط ہے۔ امام ابن تیمیہ نے اس دعوئی کے باطل ہونے پر قرآن کی بے شمار آیات سے استدلال کیا ہے۔ خاص طور پر ان آیات سے جن میں یہود و نصاری کو مخاطب کیا گیا ہے اور ان کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر ایمان لانے کی دعوت دی گئی ہے۔ مثلا یہ آیت کہ قبل

يا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ
(الاعراف:158)

کہہ دو اے لوگو !میں تم تمام انسانوں کی طرف اللہ کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں جو آسمانوں اور زمین کا مالک ہے۔

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيراً وَنَذِيراً
(سبا:28)

اے محمد ! ہم نے آپ کو تمام انسانوں کی طرف بشیر و نذیر بنا کر بھیجا۔

امام ابن تیمیہ نے یہ ثابت کرنے کے لیے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت تمام انسانوں کے لیے ہے، ان احادیث سے بھی استدلال کیا ہے جن میں محمد نے اپنی رسالت تمام بنی نوع انسان کے لیے عمومی قرار دی ہے۔ مثلاًكان النبي يبعث الى قومه خاصة و بعثت الى الناس عامة
(مجھ سے پہلے انبیاء صرف اپنی قوم کی طرف بھیجے جاتے تھے اور میں تمام انسانوں کی طرف بھیجا گیا ہوں)
امام ابن تیمیہ نے توریت و انجیل کی ان بشارتوں اور پیشین گوئیوں سے بھی استدلال کیا ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے سلسلہ میں وارد ہوئی ہیں ۔ امام ابن تیم ابن تیمیہ نے بطور خلاصہ لکھا ہے کہ:
محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفس نفیس یہود و نصاری کے اہل کتاب کو اپنی نبوت اور اپنی تعلیم پر ایمان لانے کی دعوت دی۔ جس طرح آپ نے ان لوگوں کو جن کے پاس کوئی آسمانی کتاب نہ تھی اور ساری امتوں کو ایمان لانے کی دعوت دی۔ آپ ہی نے اللہ کی طرف سے خبر دی کہ جو لوگ اہل کتاب وغیرہ میں اس دعوت پر ایمان نہیں لائیں گے وہ کافر ہوں گے۔ وہ جہنم میں جائیں گے جو برا ٹھکانہ ہے۔ آپ ہی نے ان لوگوں سے جہاد کرنے کا حکم دیا۔ لہذا عیسائیوں کا یہ کہنا کہ محمد ہماری طرف نہیں مبعوث کیے گئے ، عرب کے جاہلوں کی طرف مبعوث کیے گئے ، غلط ہے کیوں کہ تمام گروہوں کو علم ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہود و نصاری کو اس شریعت پر ایمان لانے کی دعوت دی۔

ان کو یہ بھی یاد نے ہے کہ اللہ نے محمد گو ان سب لوگوں کی طرف بھیجا اور ان میں سے جو ایمان نہ لائے ان سے جہاد کرنے کا حکم دیا۔ اس کے باوجود جو کہتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم صرف اہل عرب کی طرف مبعوث کیے گئے وہ صریح جھوٹ کہتا ہے ۔

امام ابن تیمیہ نے ان دلائل کا ذکر کرنے کے بعد مسلمانوں اور عیسائیوں کے دینی طریقہ کار کا موازنہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

مذکورہ دلائل سے واضح ہو جاتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے خود خبر دی ہے کہ اہل کتاب کے عیسائی وغیرہ کی طرف وہ نبی بنا کر بھیجے گئے ہیں اور انھوں نے عیسائیوں کو اپنے دین کی دعوت دی۔ ان سے جہاد کیا اور ان سے دعوت و جہاد کا حکم دیا۔ یہ وہ کام نہیں ہے جسے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ان کی امت نے ایجاد کر لیا ہو۔

جس طرح عیسائیوں نے پیشی کے بعد ایجاد کر لیا تھا۔اس لیے کہ مسلمان محمد کے بعد کسی کو یہ حق نہیں دیتے کہ محمد کی شریعت میں کوئی تبدیلی کرے۔نہ ان کی حرام کردہ چیز کو حلال ٹھہرائے اور نہ حلال کردہ شئے کو حرام قرارے۔ جس کا حکم نہیں ہے اسے واجب قرار دے اور جو واجب ہے اسے ساقط کر دے۔ بلکہ حلال وہ ہے جسے اللہ اور اس کے رسول حلال قرار دیں اور حرام وہ ہے جسے اللہ اور اس کے رسول حرام قرار دیں۔ ین وہ ہے جو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے آئے۔ بخلاف عیسائیوں کے انھوں نے عیسیٰ علیہ السلام کے بعد ایسی بدعتیں اختیار کر لیں جن کو عیسی علیہ السلام نے جاری نہیں کیا تھا اور جن کے بارے میں انجیلوں اور انبیاء سابقین کی کتابوں میں کوئی حکم نہیں تھا۔

عیسائی مذہب میں تبدیلی کی مثال میں امام ابن تیمیہ نے عیسائیوں میں سولی کی تعظیم، سور کے گوشت کی حلت، رہبانیت کو اختیار کرنے، ختنہ سے روکنے اور پاخانہ پیشاب کے بعد طہارت کو ترک کرنے، غسل نہ کرنے کو پیش کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ چیزیں حضرت عیسی علیہ السلام کے بعد ایجاد کر لی گئیں۔

موجودہ عیسائی مذہب:

پادری کا دوسرا دعویٰ کہ قرآن پاک میں جابجا حضرت عیسی علیہ السلام اور ان کی والدہ حضرت مریم علیہا السلام کی تعریف کی گئی ہے۔ انجیل مقدس کی تعظیم کی گئی ہے۔ اور عیسائی علماء کے بارے میں اچھے کلمات کہے گئے ہیں، اس سے لازم آتا ہے کہ عیسائی مذہب برحق ہے اور عیسائیوں کو چاہیے کہ اس مذہب پر ثابت قدم رہیں۔ امام ابن تیم تیمیہ نے واضح کیا ہے کہ قرآن نے عیسائیوں کے موجودہ کفر و شرک پر مبنی عقیدہ کی تائید نہیں کی ہے بلکہ اصل دین مسیح کی تعریف کی ہے۔ امام ابن تیمیہ نے قرآن کی ان تمام آیات کو جمع کیا ہے جن میں حضرت عیسی علیہ السلام اور ان کی والدہ حضرت مریم، انجیل اور رہبانوں کا تذکرہ آیا ہے۔ اور ان کی تعلیمات کو برحق ثابت کیا ہے۔ مگر موجودہ عیسائی مذہب کو ان کی تعلیمات سے منحرف قرار دیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ قرآن عیسائی مذہب کے عقائد کو گمراہی قرار دیتا ہے اور اسے کفر و شرک کی آمیزش کا مجموعہ مانتا ہے۔ امام ابن تیمیہ نے لکھا ہے:

"جہاں تک حضرت عیسی اور ان کی والدہ کے احترام کا معاملہ ہے وہ برحق ہے۔اسی طرح ہر اس عیسائی کی تعریف برحق ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے پہلے حضرت عیسی کے اصل دین پر قائم تھے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلان نبوت کے بعد ان پر ایمان لائے وہ سب مومن و مسلم اور ہدایت یاب ہیں۔اسی طرح ان یہودیوں کی تعریف برحق ہے جو حضرت عیسیٰ سے پہلے موسیٰ علیہ السلام کے اصل دین پر قائم تھے۔پھر وہ حضرت عیسی پر ایمان لائے اور وہ بھی مومن و مسلم اور ہدایت یاب ہیں۔"

جہاں تک عیسائیوں کے موجودہ مذہب کا سوال ہے تو اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ان کے انحراف اور کفر کی حالت کو وضاحت سے بیان کیا ہے۔امام ابن تیمیہ نے اس سلسلہ میں قرآن کی مندرجہ ذیل آیت کو پیش کیا ہے؟

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ وَلَا تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقّ إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللَّهِ وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلَى مَرْيَمَ وَرُوحٌ مِّنْهُ فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَلَا تَقُولُوا ثَلَاثَةٌ انتَهُوا خَيْراً لَّكُمْ إِنَّمَا اللَّهُ إِلَهٌ وَاحِدٌ سُبْحَانَهُ أَن يَكُونَ لَهُ وَلَدٌ لَّهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَكَفَى بِاللَّهِ وَكِيلاً، لَّن يَسْتَنكِفَ الْمَسِيحُ أَن يَكُونَ عَبْدًا لِّلَّهِ وَلَا الْمَلَائِكَةُ الْمُقَرَّبُونَ وَمَن يَسْتَنكِفْ عَنْ عِبَادَتِهِ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ إِلَيْهِ جَمِيعًا، فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَيُوَفِّيهِمْ أُجُورَهُمْ وَيَزِيدُهُم مِّن فَضْلِهِ وَأَمَّا الَّذِينَ اسْتَنكَفُوا وَاسْتَكْبَرُوا فَيُعَذِّبُهُمْ عَذَاباً أليماً وَلَا يَجِدُونَ لَهُم مِّن دُونِ اللَّهِ وَلِيًّا وَلَا نَصِيراً

(النساء:170-173)

اے اہل کتاب! اپنے دین میں غلو نہ کرو اور اللہ پر حق کے علاوہ کچھ نہ کہو۔ مسیح عیسی ابن مریم صرف اللہ کے رسول، اس کا کلمہ تھے جسے مریم کی طرف ڈالا گیا تھا اور اس کی روح تھے۔بس تم لوگ ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسولوں پر۔اور تثلیث کی بات مت کہو، اس سے بچو، یہ تمہارے لیے بہتر ہے، معبود تو صرف ایک ہی اللہ ہے۔وہ پاک ہے اس سے کہ اس کا کوئی بیٹا ہو۔آسمان و زمین کی ہر چیز اسی کی ہے۔اس پر اللہ کی وکالت کافی ہے۔ مسیح نے اللہ کا بندہ ہونے سے انکار نہیں کیا اور نہ مقرب فرشتوں نے، جو اس کی عبادت سے منہ موڑے گا اور تکبر کرے گا اللہ ان سب کو جمع کرے گا۔ جو لوگ ایمان لائے اور عمل صالح کیا ان کو پورا بدلہ دے گا اور اپنے فضل سے زیادہ دے گا اور جن لوگوں نے منہ موڑا اور کبر کیا ان کو دردناک عذاب دے گا اور وہ اللہ کے علاوہ اپنا کوئی دوست اور مددگار نہ پائے گا۔

اس آیت کو نقل کرنے کے بعد ابن تیمیہ نے لکھا ہے:

عیسائی کہتے ہیں کہ عیسیٰ خدا ہیں۔وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ ابن اللہ ہیں وہ مکمل خدا ہیں اور مکمل انسان ہیں جبکہ یہودی کہتے ہیں کہ وہ حرامی ہیں (نعوذ باللہ) وہ یوسف نجار سے پیدا ہوئے اور حضرت مریم کے بارے میں کہتے ہیں کہ انھوں نے بدکاری کی (وقولھم علی مریم بھتانا وا لما عظیما) وہ یہ بھی کہتے ہیں عیسی جھوٹے اور جادوگر تھے۔

البتہ یہ مسلمان ہیں جو کہتے ہیں کہ وہ اللہ کے بندے اور رسول تھے اور اللہ کا کلمہ تھے جو حضرت مریم کی طرف القا کیے گئے تھے، وہ اللہ کی روح تھے اور دنیا و آخرت میں بر گزیدہ تھے اور مقرب تھے۔

امام ابن تیمیہ نے یہاں احادیث اور اقوال ائمۃ المسلمین کا حوالہ دے کر یہ ثابت کیا ہے کہ جو لوگ محمد کے ذریعہ موجودہ عیسائی عقائد کی تصدیق کا دعوی کرتے ہیں وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ اور بہتان منسوب کرتے ہیں۔

تثلیث واتحاد کی تردید:

پادری کا تیسرا دعوی کہ گزشتہ آسمانی کتابیں مثلاً توریت وزبور وانجیل وغیرہ عیسائیوں کے عقیدہ تثلیث اور اتحاد وصول کی تائید کرتی ہیں۔اس لیے اس عقیدہ پر قائم رہنا عیسائیوں کے لیے لازم ہے۔

امام ابن تیمیہ نے اس دعوی کی تردید عقل و نقل کی روشنی میں کی ہے۔ توریت وانجیل کے جمع وترتیب پر اور اس کے استناد پر تاریخی حیثیت سے گفتگو کی ہے۔ نیز انجیل کے مختلف نسخوں میں جو اختلافات اور تضادات ہیں ان کو موضوع بحث بنایا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ یہود و نصاری کے نزدیک توریت مشہور اور صحیح ترین کتاب ہے۔اس کے باوجود سامرہ کا نسخہ یہود و نصاری کے نسخہ سے مختلف ہے۔ یہاں تک کہ کلمات عشرہ میں بھی اختلاف ہے۔اسی طرح زبور کے بھی متعدد نسخے ہیں جو ایک دوسرے سے الفاظ و معانی دونوں میں مختلف ہیں اور انجیل میں تورات سے زیادہ اختلاف ہے۔

امام ابن تیمیہ نے بدلائل ثابت کیا ہے کہ یہ عقائد عیسی علیہ السلام کے بعد عیسائیوں نے اختیار کیے ہیں۔ خود حضرت عیسی نے ان مشرکانہ عقائد کی تعلیم ہر گز نہیں دی تھی۔ ابن تیمیہ نے موجودہ توریت وانجیل میں تحریف ہونے پر دلائل فراہم کیے ہیں اور اس سلسلہ میں علماء اسلام کا موقف بیان کیا ہے:

موجودہ توریت وانجیل جو اہل کتاب کے پاس ہے وہ تواتر کے ساتھ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسی سے ثابت نہیں ہے۔ جہاں تک توریت کا تعلق ہے تو وہ اس وقت ختم ہو گئی جب پہلی مرتبہ بیت المقدس کو ویران کیا گیا اور بنی اسرائیل کو وہاں سے نکالا گیا۔اس کے بعد جس شخص واحد نے توریت کو یہودیوں پر املا کرایا وہ عاذر تھا اور جس کے بارے میں بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ نبی تھا اور بعض کہتے ہیں کہ وہ نبی نہیں تھا۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ توریت کے الفاظ تواتر کے ساتھ حضرت موسیٰ تک نہیں پہنچتے۔ اور یہ کہ اس کے الفاظ سے نقل کرنے میں غلطی کے واقع ہونے کے امکان کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ جہاں تک موجودہ انجیل کا تعلق ہے تو عیسائیوں کا اعتراف ہے کہ نہ تو خود حضرت عیسی نے اسے لکھا ہے اور نہ جس نے لکھا ہے اس کو املا کر دیا ہے۔ بلکہ حضرت عیسی کے بعد متی اور یوحنا نے املا کر لیا ہے جو حضرت مسیح کے حواری تھے مگر اسے ان لوگوں نے یاد نہیں کیا جبکہ مرقس اور لوقا نے حضرت عیسی کو دیکھا تک نہیں۔ان لوگوں نے حضرت مسیح کے صرف بعض اقوال اور اخبار کو براہ راست نقل کیا ہے۔

توریت وانجیل مستند نہیں:

امام ابن تیمیہ نے توریت و انجیل کی اصلیت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ عیسائیوں کے پاس جو انجیل ہے اس کے الفاظ حضرت عیسی سے تواتر کے ساتھ منقول نہیں ہیں۔ اس طرح یہودیوں کے پاس جو موجودہ توریت ہے اس کے الفاظ بھی حضرت موسیٰ سے متواتر منقول نہیں ہیں۔ جس طرح مسلمانوں کے پاس قرآن کریم متواتر منقول ہے۔ یہ اس مانت کا حال ہے جو ان کے دین کی اصل اور بنیاد ہے۔ وہ لکھتے ہیں: میسائی حضرات اس بات پر متفق ہیں کہ وہ امانت جسے وہ اپنے مذہب کی اصل قرار دیتے ہیں اور اپنے عقیدہ کی بنیاد مانتے ہیں اس کے الفاظ انجیلوں میں موجود نہیں ہیں اور نہ وہ حواریوں سے منقول ہیں۔ وہ لوگ اس بات پر بھی متفق ہیں کہ ان کو پہلی کونسل نے وضع کیا ہے جو سطنطین کے پاس تین سو اٹھارہ میں جمع ہوئے تھے۔ ان لوگوں نے عبداللہ بن اربوس پادری کی مخالفت کی تھی جو حضرت عیسی کو (ابن اللہ کی جگہ) عبداللہ کہتا تھا۔ یہ کونسل حضرت عیسی کے تین سو سال کے بعد منعقد ہوئی تھی۔

امام ابن تیمیہ نے بطور نتیجہ لکھا ہے: اس سے ظاہر ہو گیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے عیسائیوں کے منسوخ اور تبدیل شدہ دین کے کسی عقیدہ کی تصدیق نہیں کی بلکہ ما قبل انبیاء اور ان کی شریعت کی تصدیق کی۔

ان کے متبعین کی تعریف کی نہ کہ ان کے مخالفین کی اور نہ کسی نبی کو جھٹلانے والوں کی تعریف کی۔ عیسائیوں کا کفر بھی یہودیوں کے کفر کی طرح ہے۔ یہودیوں نے پہلی کتاب کے معانی کو بدل دیے اور دوسری کتاب (انجیل) کی تکذیب کی۔ اسی طرح نصاری نے پہلی کتاب توریت و انجیل کے معانی کو بدل دیے اور دوسری کتاب قرآن کی تکذیب کی۔ اس کے باوجود وہ دعوی کرتے ہیں کہ محمدؐ نے ان کی موجودہ تمام کتابوں کے الفاظ کی تصدیق کی۔ الجواب الصحیح لمن بدل دین مسیح کی دوسری جلد میں پادری کے اس دعوئی کی حقیقت بیان کی گئی ہے کہ موجودہ عیسائی مذہب عقل و شریعت سے ثابت ہے۔ عیسائی حضرات کا کی گئی ہے توریت و انجیل کو قرآن کے مقابل قرار دینا، قرآن میں لفظی تبدیلی کا دعویٰ کرنا اور قرآن کا عیسائیت کو برحق قرار دینا، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اہل عرب کی طرف مبعوث ہونا وغیرہ۔ ان تمام امور کا امام ابن تیمیہ نے تفصیلی تجزیہ کیا ہے اور عیسائیوں کے دعووں کو غلط ٹھہرایا ہے۔ عیسائی پادری یہ کہتے ہیں کہ علماء اسلام کی ذکاوت، موقف اور علم کے باوجود ان لوگوں پر تعجب ہے کہ وہ دعوی کرتے ہیں کہ عیسائیوں نے بائبل میں تحریف و ترمیم کر دی لہذا وہ ہمارے لیے حجت نہیں ہے کے امام ابن تیمیہ نے اس کے جواب میں متعدد دلائل پیش کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ توریت و انجیل کے الفاظ و معانی اور احکام میں تحریف ہوئی ہے۔ بخلاف قرآن پاک کے، نہ اس کے لفظ میں تبدیلی ہوئی ہے اور نہ معانی و احکام میں۔ وہ کہتے ہیں: مسلمانوں نے یہ دعوی نہیں کیا کہ یہ کتابیں (توریت و زبور و انجیل) اپنی اشاعت اور نسخوں کی کثرت کے بعد تحریف و ترمیم کا شکار ہوئیں، بلکہ وہ باتفاق یہ کہتے ہیں کہ بہت سے احکام و معانی میں تبدیلی اور ترمیم کی گئی اور اسے تو عیسائی بھی تسلیم کرتے ہیں کہ یہودیوں نے توریت کے احکام و معانی میں تبدیلی کا ارتکاب کیا۔ عیسائی حضرات کا یہ کہنا کہ قرآن ایک زبان میں نازل ہوا اور اس میں اگر کوئی تبدیلی نہیں ہوئی تو انجیل کا ہے زبانوں میں ترجمہ ہوا، اس میں تبدیلی کیسے ہو سکتی ہے۔ امام ابن تیمیہ نے اس دعوی کی تردید کی ہے اور قرآن سے بائبل کے موازنہ کو متعدد وجوہ سے غلط ٹھہرایا ہے۔ انھوں نے بائبل اور قرآن کے موازنہ میں یہود و نصاری کی غلطیوں کی نشاندہی کی ہے اور قرآن کریم کی افضلیت کو تاریخی اور نقلی لحاظ سے ثابت کیا ہے۔ لے ان کا کہنا ہے کہ توریت و انجیل کے برخلاف قرآن کریم کے الفاظ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے متواتر نقل ہوئے ہیں۔ متفق علیہ معانی اور سنت متواترہ

بھی اسی طرح نقل ہوئی ہیں مثلاً ظہر عصر اور عشاء کی نمازوں میں چار رکعات، مغرب کی نماز میں تین رکعات اور فجر کی نماز میں دو رکعات، فجر اور مغرت وعشاء میں جہری قرآت اور ظہر و عصر میں نفسی قرآت، ہر رکعت میں دو سجدے، بیت اللہ کا طواف اور صفا و مروہ کی سعی کے سات چکر، رمی امام ابن تیمیہ نے موجودہ توریت وانجیل کو قرآن کے بجائے سیرت النبی اور جمرات، ہر رمی میں سات کنکریاں وغیرہ ذلک۔

کتب حدیث کے مشابہ قرار دیا ہے بشرطیکہ بائیل کا غالب حصہ درست ہو۔ابن تیمیہ نے تفصیل کے ساتھ لکھا ہے کہ توریت وانجیل کے الفاظ اور معانی میں تبدیلی واقع ہوئی ہے اور توریت وانجیل کے ترجمہ میں بھی غلطی واقع ہوئی ہے۔ جس طرح ہمارے زمانہ میں جو لوگ انجیل کا عبرانی زبان سے عربی زبان میں ترجمہ کرتے ہیں اس میں واضح غلطیاں ان لوگوں کو نظر آتی ہیں جو دونوں زبانوں کے ماہر ہیں۔عیسائیوں کا کہنا ہے کہ بائبل چار زبانوں میں لکھی گئی

(1) عبرانی

(2) رومی

(3) یونانی

(4) سریانی۔

نصاری یہ بھی کہتے ہیں کہ بائبل بہتر زبانوں میں لکھی گئی۔اگر ان چار زبانوں میں غلطیاں ہوئیں تو بعد کی بہتر زبانوں میں بھی یہ غلطیاں رہ گئیں ہے حالاں کہ حضرت عیسی علیہ السلام نے صرف ایک زبان میں گفتگو کی ہے اور وہ عبرانی ہے۔دوسری زبانوں میں انجیل کو منتقل کرنے میں معانی کی غلطی ہوئی ہے۔

اقانیم ثلثہ کی تردید:

امام ابن تیمیہ نے عیسائیوں کے بنیادی عقیدہ تثلیث اور اقانیم ثلاثہ یعنی باپ بیٹا اور روح القدس کا تفصیل سے تجزیہ کیا ہے اور بائبل قرآن اور عقل وشعور کی روشنی میں اس کا باطل ہونا ثابت کیا ہے۔انھوں نے قرآن کریم کی حسب ذیل آیت کو مرکز گفتگو بنایا ہے۔

قَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرُ ابْنُ اللَّهِ وَقَالَتْ النَّصَارَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللَّهَ ذلِكَ قَوْلُهُمْ بِأَفْوَاهِهِمْ يُضَاهِئُونَ قَوْلَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَبْلُ قَاتَلَهُمُ اللَّهُ أَنَّىيُؤْفَكُونَ (التوبہ:3)

اور یہود نے کہا کہ عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور نصاری نے کہا کہ مسیح اللہ کا بیٹا ہے۔ یہ باتیں وہ اپنے منہ سے کہتے ہیں۔ مشابہت کرتے ہیں، پچھلے کافروں کی، غارت کرے ان کو اللہ۔ وہ کہاں بھٹکے جارہے ہیں۔

عقیدہ تثلیث اور حضرت عیسی کی الہنیت کی تردید میں امام ابن تیمیہ نے بارہ قسم کے دلائل پیش کیے ہیں۔انھوں نے لکھا ہے کہ: عیسائیوں کی کتابوں میں جب حضرت عیسی کو ابن کہا گیا ان کے علاوہ دوسرے انبیاء کو بھی ابن کہا گیا مثلاً حضرت یعقوب علیہ السلام کو اور حواریوں کو بھی ابن کہا گیا ہے۔عیسائیوں نے حضرت عیسی کو خدا کا طبعی بیٹا مان لیا اور دوسروں کو وضعی (مجازی) انھوں نے لفظ ''اب'' کو دو معنوں میں مشترک مانا اور اللہ کے لیے طبعی (Biological) ثابت کیا اور حضرت مسیح کو ان کا طبعی بیٹا قرار دیا۔

اقانیم ثلثہ کے بارے میں ابن تیمیہ نے لکھا ہے کہ یہ عقل و شریعت دونوں کی روشنی میں باطل ہے۔ عیسائیوں کی مقدس کتابوں میں یہ نہیں کہا گیا ہے۔ یہ لفظ نہ تو انبیاء سابقین کی کتابوں میں ہے اور نہ حواریوں کے کلام میں ہے۔ اقوم کے معنی ان کی زبان میں اصل کے ہیں اس لیے وہ قوم کی تفسیر کبھی شخصیات سے کرتے ہیں، کبھی خواص سے، کبھی صفات ہے، کبھی جواہر ہے اور کبھی ذات وصفات دونوں کا اسم قرار دیتے ہیں۔ پادری پولس کا پانچواں دھوئی کہ عیسائی حضرات مسلمانوں کی طرح موحد ہیں اور عقیدہ تثلیث کی حیثیت مسلمانوں کے یہاں خدائی تقسیم و تشبیہ جیسی ہے۔ امام ابن تیمیہ نے اس سلسلہ میں اقانیم ثلاثہ کے ہر جزء پر تفصیلی بحث کی ہے۔ عیسائی تصور کے مطابق خدا کی وحدانیت اور شرک کی آمیزش پر روشنی ڈالی ہے۔ پھر مسلمانوں کے تصور توحید کو مفصل بیان کیا ہے، مسلمانوں کے گمراہ فرقوں پر بھی تنقید کی۔ پر ہے جو تصور توحید کے معاملہ میں صراط مستقیم سے ہٹ گئے ہیں۔ امام ابن تیمیہ نے کتاب کی تیسری جلد کا آغاز ایک عیسائی عالم حسن ایوب کے خط سے کیا ہے جو مسلمان ہو گئے تھے۔ وہ عیسائی مذہب کے متضاد عقائد سے متنفر ہو گئے تھے۔ پھر انھوں نے اسلام کا مطالعہ کیا اور عیسائیت اور اسلام کے عقائد و تعلیمات کا موازنہ کرنے کے بعد اسلام قبول کر لیا۔ جب ان کے عیسائی بھائی علی ایوب نے ان کی تبدیلی مذہب پر اعتراض کیا تو انھوں نے اپنے بھائی کو عیسائی مذہب کی خامیوں اور اسلام کی خوبیوں پر مشتمل ایک مفصل خط لکھا۔ امام ابن تیمیہ نے اس خط کو نقل کرنے کے ساتھ اسکندریہ کے عیسائی پادری سعید بن البطریق کی کتاب نظم الجوہر کو بھی بطور دلیل پیش کیا ہے۔ اور اس کا خلاصہ بایں الفاظ کیا ہے۔

سعید بن البطریق نے واضح کیا ہے کہ آج کے عیسائی جس دین پر قائم ہیں وہ حضرت عیسی علیہ السلام سے ماخوذ نہیں ہے۔ بلکہ وہ دین ہے جسے بعض عیسائیوں نے بعد میں اختراع کیا ہے اور دوسرے لوگوں نے ان کی مخالفت کی ہے۔ ان دونوں گروہوں کے مابین ایمان و عقیدہ اور شرعی احکام کے معاملہ میں اختلاف تھا اور باہمی عداوت تھی۔ اس کیو ضاحت سے قرآن کی اس آیت کی تصدیق ہوتی ہے:

وَمِنَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّا نَصَارَى أَخَذْنَا مِيثَاقَهُمْ فَنَسُوا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوا بِهِ فَأَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاء إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللَّهُ بِمَاكَانُوا يَصْنَعُونَ

(المائدہ:14)

عیسائیت میں گمراہی کی ابتدا:

ابن تیمیہ نے کتاب کی تیسری جلد میں عیسائی مذہب میں فکری اور اعتقادی تبدیلی پر تاریخی حوالوں اور عیسائی مصنفین کی تحریروں سے استفادہ کرتے ہوئے مفصل بحث کی ہے۔ انھوں نے عیسائی مذہب میں قسطنطین بادشاہ کے فکری اثرات، قسطنطین کی مذہبی کونسل، حضرت عیسیٰ کی ولادت اور ان کو سولی دیے جانے پر عیسائی فرقوں کے اختلاف، حضرت عیسی کے تعلق سے لاھوت و ناسوت اور خدا کی ذات میں تحلیل ہو جانے کے عقائد کی مدلل طریقہ سے تردید کی ہے۔ قرآن پاک میں حضرت عیسیٰ کو کلمہ اللہ کہا گیا ہے۔ اس سے استدلال کرتے ہوئے عیسائی پادری نے حضرت عیسی کو خدا کا بیٹا ثابت کیا ہے اور مثال دیتے ہوئے کہا کہ انسان کا کلام پہلے اس کی عقل و ذہن میں پیدا ہوتا ہے پھر کاغذ پر آتا ہے۔ کاغذ پر لکھا ہوا کلام برحق ہے مگر وہ عقل میں پیدا شدہ کلام سے جدا نہیں ہے۔ اس لیے کہ عقل کلام ہی کے ذریعہ پہچانی جاتی ہے اور کلام پورے طور پر اس عقل میں ہے جس نے پیدا کیا اور پورے طور پر اس کاغذ پر بھی ہے جس میں لکھا گیا۔ اسی طرح کلمۃ اللہ (عیسی) بھی ہے۔

پورے طور پر اس باپ میں موجود ہے جس نے پیدا کیا اور پورے طور پر اپنے نفس اور روح میں بھی اور پورے طور پر ناسوت میں بھی ہے جس میں حلول کیا۔ امام ابن تیمیہ نے عیسائی پادری کے اس استدلال کا نو طریقوں سے جواب دیا ہے۔ پہلا جواب نہایت دلچسپ ہے۔ امام صاحب کہتے ہیں کہ : اگر ناسوت (دنیا) میں کلمۃ اللہ (علیسی) کے حلول کی مثال کاغذ پر کلام کو لکھنے جیسی ہے تو پھر حضرت عیسی کو اللہ کے سارے کلام مثلاً توریت وانجیل، زبور اور قرآن کریم کی جنس سے ہونا چاہیے۔ کیوں کہ یہ سب کلام اللہ ہے اور کاغذ پر لکھا ہوا ہے۔ بلکہ انسانوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ہر متکلم کا کلام کاغذ پر لکھا جاتا ہے۔ قرآن میں کہا گیا ہے

بل ھو قرآن مجید في لوح محفوظ، انہ لقرآن کریم في کتاب مکنون لایمسہ الا المطھرون، یتلو صحفا مطھرۃ اگر عیسی تمہارے نزدیک اس طرح کا کلمہ ہیں تو اللہ کا کلہ کاغذ پر لکھا ہوا ہے۔ وہ خالق اور معبود نہیں ہو سکتا۔ وہ بہت سا کلام ہے صرف ایک یا دو کلمہ نہیں ہے۔

تجسیم وحلول کا عقیدہ:

امام ابن تیمیہ نے خاص طور پر عیسائی پادری کے اس دعوی کی تردید کی ہے کہ عیسائی حضرات کا عقیدہ توحید کے معاملہ میں مسلمانوں جیسا ہے اور حلول کا عقیدہ مسلمانوں کی تجسیم و تشبیہ جیسا ہے۔ بعض مسلمانوں میں تجسیم کے نظریہ اور قرآن میں خدا کے لیے اعضا و جوارح کے الفاظ سے استدلال کرتے ہوئے عیسائی پادری نے اپنے عقیدہ حلول کو برحق ٹھہرایا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ خدا کا کوئی جسم نہیں ہے اور اس کے اعضا و جوارح نہیں ہیں۔ وہ کسی خاص جگہ میں محصور نہیں ہے۔ تو کیوں مسلمانوں نے یہ عقیدہ اختیار کیا کہ اللہ کی دو آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھتا ہے۔ دو ہاتھ ہیں جن سے وہ پکڑتا ہے۔ اس کا چہرہ ہے، پنڈلی ہے جو اسے ہر جگہ لے جاتی ہے۔ اس کے پہلو ہیں وہ بادلوں میں آتا ہے۔ اس سے لوگوں کو شبہ ہوتا ہے کہ اللہ کے جسم اور اعضاء و جوارح ہیں۔ وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتا ہے۔

امام ابن تیمیہ نے اس کا جواب دیتے ہوئے کہا ہے کہ قرآن میں اللہ کے لیے آنکھ، ہاتھ، چہرہ، پہلو اور پنڈلی کے جو الفاظ آئے ہیں ان سے ان کے ظاہری معنی مراد نہیں ہیں۔

ہر وہ شخص جو اسے ظاہری لفظ پر محمول کرتا ہے اور یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ اللہ کی دو آنکھیں، دو ہاتھ ہیں، چہرہ پہلو اور اعضاء و جوارح ہیں اور اس کی ذات منتقل ہوتی رہتی ہے وہ ملعون اور کافر ہے۔ لہذا ان سے استدال نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح ہر وہ شخص جو اقانیم ثلثہ کا قائل ہے، تین مختلف یا متحد خداؤں کا قائل ہے، تین متفرق یا متحد جسموں کا قائل ہے یا تین مرکب اشخاص کا قائل ہے یا ایسے عقیدہ کا قائل ہے جس سے خدا کی تکثیر، تبعیض، تشبیہ نکاح، بیوی، ولادت وغیرہ ثابت ہوتی ہے ہم اس کی تکفیر کرتے ہیں۔

ابن تیمیہ نے عیسائی حضرات کے عقیدہ حلول اور لاہوت وناسوت کو خرافات قرار دیا ہے۔ یعنی خدا کا انسان میں تحلیل ہونا سب سے زیادہ نامعقول عقیدہ ہے۔ انھوں نے یہ سوال کیا ہے کہ اگر عیسی خدا ہیں تو خدا کو سولی کیسے دی جا سکتی ہے اور اسے موت کسی طرح آسکتی ہے؟ سولی پر چڑھایا جانا اور مر جانا خدا کی شان کے خلاف ہے۔

ابن تیمیہ نے عیسائیوں کے ساتھ مسلمانوں کے ان فرقوں پر بھی تنقید کی ہے جن کے یہاں حلول واتحاد کے گمراہ کن خیالات پائے جاتے ہیں۔ اس ضمن میں ابن تیمیہ نے اللہ تعالیٰ کی صفات پر مفصل گفتگو کی ہے۔ نیز انھوں نے یونانی فلسفیوں اور مسلمان حکماء کے خیالات کا بھی جائزہ لیا ہے اور ان کے خیالات کا قرآن وسنت کی روشنی میں محاسبہ کیا ہے۔

کیا شریعت صرف دو ہیں؟

پادری کا چھٹا دعویٰ کہ شریعت صرف دو ہیں۔ موسیٰ" اور عیسیٰ کی شریعت۔ موسیٰ کی شریعت عدل ہے اور عیسیٰ کی شریعت فضل و کمال ہے۔ اب کسی تیسری شریعت کی ضرورت نہیں۔ پادری کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عادل بھی ہے اور جواد بھی ہے اس لیے واجب ہے کہ اس کے عدل کا اظہار مخلوق پر ہو۔ چنانچہ اس نے بنی اسرائیل کی طرف موسیٰ علیہ السلام کو بھیجا اور ان کو شریعت عدل عطا کی لیکن چونکہ کمال فضل میں تھا اور اسے مقرر کرنا بغیر اکمل کمال کے ممکن نہ تھا اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ اکمل کمال کوئی نہیں اور اس لیے بھی کہ وہ جواد ہے اس لیے واجب ہوا کہ وہ موجودات کے لیے جوادی (سخاوت) کرے اور موجودات میں اس کلمہ (عیسیٰ) سے زیادہ کامل کوئی نہ تھا تو واجب ہوا کہ وہ اپنے کلمہ کے ذریعہ جوادی کرے۔ اور محسوس ذات میں متحد ہو کر اپنی قدرت اور جوادی کا مظاہرہ کرے۔ چونکہ مخلوقات میں انسان سے زیادہ محترم کوئی نہ تھا تو انسانی جسم میں حضرت مریم کے ساتھ متحد ہوا۔ اس کمال کے بعد کوئی چیز باقی نہیں رہ گئی کیوں کہ کمال کے بعد جو کچھ آئے گا وہ ناقص ہو گا اور اس کی ضرورت نہ ہو گی۔

امام ابن تیمیہ نے قدرے تفصیل کے ساتھ اس دعوٹی کا جائزہ لیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ شریعت دو نہیں تین ہے۔ ایک شریعت عدل، دوسری شریعت فضل اور تیسری ان دونوں کا مجموعہ ہے اور یہی شریعت محمدی ہے۔ ابن تیمیہ لکھتے ہیں: شریعت تین ہے ایک محض شریعت عدل، دوسری محض شریعت فضل اور تیسری شریعت عدل و فضل کا مجموعہ۔ گو کہ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ دونوں کے یہاں عدل اور فضل ہے مگر جو یہ کہتا ہے کہ حضرت عیسیٰ نے فضل کو واجب کیا اور ہر مظلوم کے لیے حرام قرار دیا کہ وہ ظالم سے بدلہ لے یا موسیٰ نے احسان کرنے سے روکا تو اس میں رسولوں کی شریعت کی توہین ہے۔ یہ کہا جاسکتا ہے توریت میں عدل کا ذکر زیادہ ہے اور انجیل میں فضل کا ذکر زیادہ ہے اور قرآن کریم میں ان دونوں کو انتہائی کمال کے ساتھ جمع کر دیا گیا ہے اور کامل شریعت وہی ہے جو عدل اور فضل دونوں کی جامع ہو۔

امام ابن تیمیہ نے بڑی وضاحت کے ساتھ لکھا ہے کہ انجیل میں کسی مستقل شریعت کی تعلیم نہیں دی گئی ہے۔ نہ تو اس میں توحید پر کلام ہے نہ دنیا کی تخلیق پر اور نہ اس میں انبیاء سابقین اور ان کی امتوں کے احوال ہیں بلکہ اکثر امور میں وہ توریت کے تابع ہے۔ لیکن حضرت عیسیٰ نے توریت کی بعض حرام کردہ اشیاء کو ان کے لیے حلال کر دیا تھا۔ ان کو مظالم کے معاملہ میں احسان اور درگزر سے کام لینے کا حکم دیا تھا اور دنیا میں زہد اختیار کرنے کی تعلیم دی تھی۔

انجیل کو توریت سے ممتاز کرنے والی چیز حسن اخلاق، زہد وپرہیز گاری، بعض حرام کردہ شئے کو حلال کرنا ہے اور یہ قرآن کریم میں بدرجہ اتم و اکمل موجود ہے۔ کیوں کہ توریت وانجیل میں نبوتوں، علوم نافع اور اعمال صالح کی تفصیل نہیں ہے جبکہ قرآن میں یہ بہتر طریقہ سے موجود ہے۔

لیکن عیسائیوں نے نہ تو توریت کا اتباع کیا اور نہ انجیل کا بلکہ ایک ایسی شریعت ایجاد کرلی جسے کسی نبی نے پیش نہیں کیا۔ جس طرح قسطنطین نے امانت اختراع کرلی اور چالیس کتابیں وضع کیں جن کو یہ قوانین کہتے ہیں۔ ان میں بعض چیزیں تو وہ ہیں جو انبیاء کی تعلیم ہے اور بہت کی چیزیں وہ ہیں جو انبیا کی تعلیم کے مخالف ہیں اور مشرکوں سے لی گئی ہیں۔ امام ابن تیمیہ نے مثالیں دے کر بیان کیا ہے کہ وہ کیا چیزیں ہیں جن کو عیسائیوں نے دوسری قوموں سے لے کر اپنے مذہب میں شامل کرلیا ہے۔ جن کی تعلیم حضرت عیسی نے ہر گز نہیں دی ہے۔ مثلاً مورتیوں اور مجسموں کو نصب کرنے اور ان کی تعظیم کرنے کی تعلیم حضرت عیسی نے نہیں دی۔ فرشتوں سے دعا کرنے، ان سے شفاعت حاصل کرنے کی تعلیم کسی نبی نے نہیں دی۔ اسی طرح انبیاء و صالحین جو مر گئے ہیں ان سے دعا کرنے اور شفاعت طلب کرنے کی تعلیم کسی نبی نے نہیں دی۔ یہ سب شرک ہے جس سے رسولوں نے روکا اور حضرت نوح کے زمانہ میں بھی شرک کی بنیاد یہی تھی۔ عیسی علیہ السلام نے نہ تو اپنی عبادت کرنے کا عیسائیوں کو حکم دیا اور نہ خود کو اللہ قرار دیا اور نہ تثلیث واتحاد کا حکم دیا۔ حضرت عیسیٰ نے ان تمام چیزوں کو حلال کرنے کا حکم نہیں دیا۔ جو توریت میں حرام کی گئی تھیں مثلاً خنزیر وغیرہ مگر عیسائیوں نے ان خباثتوں کو حلال کرلیا اور توریت وانجیل کو بدل دیا۔ اس بحث کا خلاصہ اور نتیجہ بیان کرتے ہوئے امام ابن تیمیہ نے لکھا ہے: محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں نرمی، عفو، درگذر، مکارم اخلاق انجیل سے زیادہ ہے۔ اس شریعت میں شدت، جہاد، کفار ومنافقین پر اقامت حدود توریت سے زیادہ ہے اور یہی تو منتہائے کمال ہے۔''

توریت وانجیل میں نبوت سیدنا محمدی ﷺ کی بشارت:

عیسائی حضرات مسلمانوں سے اکثر یہ کہتے ہیں کہ حضرت عیسی علیہ السلام کی نبوت کی بشارت گذشتہ انبیاء نے دی تھی جبکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی بشارت کسی نبی نے نہیں دی۔ جس نبی کی بشارت انبیاء سابقین نے نہیں دی وہ کیسے نبی ہو سکتا ہے؟

عیسائیوں کے اس مشہور اعتراض کا ابن تیمیہ نے دو طریقوں سے جواب دیا ہے۔ ایک تو یہ کہ کسی نبی کی صداقت اور نبوت کے لیے گزشتہ انبیاء کی بشارت شرط نہیں ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو بنی اسرائیل کے بہت سے نبی جن کے بارے میں انبیاء سابقین کی بشارت نہیں ملتی ہر گز نبی نہیں قرار دیے جا سکتے اور ان کا شمار نبوت کے جھوٹے دعویداروں میں ہوتا۔ ابن تیمیہ کے بقول:

"اہل مذاہب کا اس بات پر اتفاق ہے کہ نبی کی نبوت کے لیے یہ شرط نہیں ہے کہ پچھلے انبیاء ان کی نبوت کی بشارت دیں۔ اس لیے کہ اس کے علاوہ دوسرے دلائل سے ان کی نبوت ثابت ہے۔ خاص طور پر نوح اور ابراہیم کی نبوت۔ کیوں کہ ہمیں معلوم ہے کہ ان کی نبوت کی بشارت کسی نبی نے نہیں دی۔ اسی طرح عام انبیاء بنی اسرائیل ان کے ماقبل انبیاء نے ان کی بشارت نہیں دی۔ جبکہ وہ کسی ایسی شریعت کے ساتھ مبعوث نہیں ہوئے تھے جو ماقبل شریعت کو منسوخ کرنے والی ہو جیسے حضرت داؤد اور حضرت اشعیا علیہما السلام"

امام ابن تیمیہ نے اس ضمن میں ان انبیاء کے درمیان فرق کیا ہے جو ما قبل شریعت کے متبع ہوں اور وہ جو ما قبل شریعت کے ناسخ بن کر آئے ہوں ۔ پھر مسئلہ نسخ پر یہودی، عیسائی اور اسلامی تصورات پر عقل و نقل کی روشنی میں گفتگو کی ہے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو سابقہ شریعت کا ناسخ ثابت کیا ہے اور بہر دو صورت حضرت عیسی اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا اثبات کیا ہے۔ کے

دوسرا جواب ابن تیمیہ نے یہ دیا ہے کہ بے شک محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی بشارت انبیاء سابقین نے اور خود حضرت عیسی علیہ السلام نے دی ہے۔ یہود و نصاری نے ان میں بعض بشارت کی تکذیب کی۔ بعض کو چھپایا اور بعض کی تاویل کی۔ ابن تیمیہ نے قرآن کی صریح آیات، صحیح احادیث اور توریت و انجیل کی عبارتوں کو پیش کر کے سیدنا محمد ﷺ کی بشارتوں پر نہایت عمدہ اور موثر بحث کی ہے۔ یہ بحث اس لائق ہے کہ مطالعہ مذاہب کے اساتذہ اور طلبہ اسے بار بار پڑھیں اور اپنے اہل کتاب دوستوں کو پیش کریں۔ امام ابن تیمیہ نے قرآن کی حسب ذیل آیات کو بطور استدلال پیش کیا ہے:

1. وَإِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُم مُّصَدِّقاً لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَاةِ وَمُبَشِّراً بِرَسُولٍ يَأْتِي مِن بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ(الصف:1)
2. الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوباً عِندَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالإِنْجِيلِ يَأْمُرُهُم بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمُ
3. وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ (الاعراف: ١٥٧) مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاء بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعاً سُجَّداً يَبْتَغُونَ فَضْلاً مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِم مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ ذَلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنجِيلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهُ فَآزَرَهُ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوَى عَلَى سُوقِهِ
4. يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَ هُمُ(البقرہ:137)

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی پیشین گوئی توریت میں کس طرح ہے اس کا حوالہ بخاری کی حسب ذیل روایت سے دیا ہے:

عبداللہ بن عمرو سے پوچھا گیا کہ توریت میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جو اوصاف بیان ہوئے ہیں ان میں سے کچھ بتایئے تو انھوں نے کہا کہ قرآن میں جو آپ کے اوصاف بیان ہوئے ہیں ان میں سے بعض توریت میں اس طرح ہیں۔ اے نبی ہم نے آپ کو شاہد، بشیر اور نذیر اور پناہ بنا کر بھیجا ہے۔ آپ میرے بندے اور رسول ہیں۔ آپ کو میں نے متوکل قرار دیا ہے۔ آپ سخت اور تند خو نہیں ہیں۔ آپ بازاروں میں شور مچانے والے نہیں ہیں، نہ برائی کا بدلہ برائی سے دیتے ہیں، بلکہ نیکی سے دیتے ہیں۔ درگذر کرتے ہیں اور معاف کرتے ہیں۔ آپ کو ہم نہیں اٹھائیں گے جب تک کہ ملت کی کمی کو دور نہ کر دیں۔ آپ کے ذریعہ اندھی آنکھوں کو کھولیں گے، بہرے کانوں کو کھولیں گے۔ غلاف زدہ دل کو کھولیں گے تاکہ وہ کہیں لا الہ الا اللہ"

امام ابن تیمیہ نے محہ صل اللہ علیہ وسلم کی بشارت پر موجودہ توریت و انجیل کی عبارتوں کے اقتباسات درج کیے ہیں۔ نیز یہود و نصاری کے ان علماء کے حوالے دیے ہیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ان پیشین گوئیوں سے واقف تھے خواہ وہ اسلام لائے یا نہیں۔ امام ابن تیمیہ کا کہنا ہے کہ مدینہ کے انصار یہ کہتے تھے کہ ان کے اہل کتاب پڑوسی نبی آخر الزماں کی آمد کی خبر دیتے تھے اور ان کی آمد کے منتظر تھے۔ یہ بڑی وجہ

تھی کہ جب محمد نے ان کو ایمان لانے کی دعوت دی تو وہ بغیر کسی خوف اور لالچ کے ایمان لے آئے۔اس لیے کہا گیا ہے کہ مدینہ قرآن سے فتح ہوا تلوار سے نہیں اس جگہ امام صاحب نے قرآن کی حسب ذیل آیت کو بطور ثبوت کے پیش کیا ہے:

وَلَمَّا جَاءهُمْ كِتَابٌ مِّنْ عِندِ اللهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ وَكَانُوا مِن قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا فَلَمَّا جَاءَهُم مَّا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ فَلَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْكَافِرِينَ

(البقرہ:89)

امام ابن تیمیہ اس کی مزید توثیق کے لیے روم کے بادشاہ ہرقل، مصر کے بادشاہ مقوقس اور حبشہ کے بادشاہ نجاشی وغیرہ کا حوالہ دیا ہے ہے اور ان مکالمات کے اقتباسات پیش کیے ہیں جو مسلمانوں اور اہل کتاب کے علماء کے مابین نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی بشارتوں سے متعلق ہوئے۔

پھر انھوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت پر داؤد، شعیہ، دانیال علیہم السلام کے اقوال نقل کیے۔یہ بحث نہایت مفصل مدلل ہے اور سابقہ آسمانی کتابوں کی عبارتوں اور حوالوں سے مزین اور علماء نبی اسرائیل کے اقوال سے پر ہے۔کتاب کی چوتھی جلد کے آغاز میں بھی یہی موضوع بحث ہے۔امام ابن تیمیہ نے جس شرح وبسط کے ساتھ آسمانی نصوص کو یہاں بیان کیا ہے اس سے ان کے علم وفضل کی وسعت کا اندازہ ہوتا ہے اور اہل کتاب کے مصادر سے ان کی گہری واقفیت کا پتہ چلتا ہے۔

حضرت عیسی علیہ السلام اور حضرت سیدنا محمد ﷺ کے معجزات:

الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح کی چوتھی جلد میں ایک اہم بحث حضرت عیسی اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات پر ملتی ہے۔ عیسائیوں کا دعوی ہے کہ حضرت عیسی نے اپنی نبوت کے ثبوت میں بہت سے معجزات پیش کیے۔مثلاً کوڑھیوں اور نابینا کو اچھا کرنا۔مٹی کے پرندوں کو جاندار بنانا، مردوں کو زندہ کرنا وغیرہ بلکہ حضرت عیسیٰ کی پیدائش خود ایک معجزہ تھی۔اس وجہ سے کہ وہ اللہ کی روح اور کلمہ تھے اور خدا کے بیٹے تھے وغیرہ۔جبکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نبوت کے ثبوت میں اس طرح معجزات پیش نہیں کیے۔بلکہ جب ان سے معجزہ کا مطالبہ کیا جاتا تو کہہ دیتے کہ یہ اللہ تعالی کے اختیار میں ہے۔امام ابن تیمیہ نے نبوت محمدی پر عیسائیوں کے اس مشہور اعتراض کا تفصیلی تجزیہ کیا ہے۔پہلے تو لفظ معجزہ کی تشریح کی ہے اور بتایا ہے کہ معجزہ کا لفظ قرآن وسنت میں وارد نہیں ہے بلکہ اس کے لیے آیت، برہان اور بینہ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔پھر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام معجزات کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ایک حصہ تو عارضی معجزات کا ہے اور دوسرا حصہ دائمی معجزات پر مشتمل ہے۔پہلا معجزہ وقت کے ساتھ گذر جاتا ہے۔دوسرا معجزہ ہمیشہ باقی رہتا ہے اور نبوت محمدی پر دلالت کرتا ہے۔لے امام ابن تیمیہ نے تفصیل سے ان معجزات کا ذکر کیا ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ رونما ہوئے۔یہ معجزات ان انبیاء علیہم السلام کے معجزات سے کہیں زیادہ ہیں جو آپ علیہ السلام سے پہلے مبعوث ہوئے تھے۔اور بطور خلاصہ لکھا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات اور نشانیاں اس کثرت سے ہیں کہ ان کا احاطہ نہیں کیا جاسکتا۔وہ معجزات علم اور قدرت کی جنس سے نہیں غیب کی خبروں مستقبل کی پیشین گوئیوں کی جنس سے ہیں۔گویا کہ آپ نے ان کو آنکھوں اور سے دیکھا ہے۔آپ نے جیسی خبر دی وہ خبر ویسی

ہی ظاہر ہوئی۔ دوسری قسم کے معجزات جو ہمیشہ کے لیے باقی رہیں گے، قرآن پاک، علم وایمان، شریعت، سیرت اور امت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

قرآن پاک کے معجزہ ہونے کے بارے میں لکھا ہے کہ قرآن حجت ہے اور تمام دنیا والوں کے لیے چیلنج ہے۔ یہ ایسا معجزہ ہے کہ لوگ اس کی نظیر قیامت تک پیش نہیں کر سکتے۔ امام ابن تیمیہ کے بقول: "قرآن اللہ کا کلام ہے، اس میں دعوت اور دلیل ہے، اس معاملہ میں دوسروں کے مقابلہ میں اسے اختصاص ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے، انبیاء میں کوئی نبی ایسا نہیں ہے جس کو اللہ نے نشانیاں نہ دی ہوں جن کو دیکھ کر لوگ ان پر ایمان لائیں اور جو نشانی مجھے دی گئی ہے وہ وحی (قرآن) ہے جسے اللہ نے میری طرف بھیجی ہے اور مجھے امید ہے کہ قیامت کے دن سب سے زیادہ میرے متبعین ہوں گے۔

امام ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ قرآن ایک زندہ معجزہ ہے اور حضرت عیسی کے ذریعہ مردوں کو زندہ کرنے سے زیادہ بڑا معجزہ ہے۔ قرآن صرف فصاحت وبلاغت، نظم واسلوب، غیب کی باتوں کی اطلاع وغیرہ کے بارے میں ہی معجزہ نہیں ہے بلکہ لفظ ومعنی نظم وبلاغت، اللہ تعالی کی ذات اور اس کے اسماء وصفات کے معنی کی تعین کے لحاظ سے بھی معجزہ ہے کے سیرت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزہ ہونے کے بارے میں ابن تیمیہ لکھتے ہیں: محمد صلی اللہ علیہ وسلم تربیت کے لحاظ سے لوگوں میں سب سے کامل تھے۔ سچائی، نیکی، عدل وانصاف، مکارم اخلاق کے معاملہ میں مشہور، بدکاری ظلم اور برے کاموں سے اجتناب کے معاملہ میں معروف تھے[2]۔

188-187-86

ابن قیم کی مطالعۂ مذاہب میں خدمات

تعارف:

علامہ ابن قیم کا نام محمد بن ابو بکر بن ایوب بن سعد بن حریر الزرملی ہے۔ کنیت ابو عبداللہ اور لقب شمس الدین ہے۔ ابن قیم 191ھ میں دمشق میں پیدا ہوئے۔ ابن قیم کے والد مدرسہ جوزیہ کے قیم (ناظم) تھے۔ اس لیے وہ ابن قیم الجوزیہ کے نام سے مشہور ہوئے۔ مدرسہ جوزیہ کے امام اور مدرسہ صدریہ کے مدرس تھے۔ ان کو کتابوں کے مطالعہ کا اور کتابوں کو جمع کرنے کا بڑا شوق تھا۔ کتابوں کا بڑا ذخیرہ ان کے پاس تھا۔ آپ نے علوم عربیہ کی تعلیم ابن ابوالفتح اور محمد تونسی سے حاصل کی۔ فقہ کی تعلیم المجد الحرانی اور شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ سے حاصل کی۔ ان کے علاوہ شہاب نابلسی، ابو بکر بن عبدالدائم، اسماعیل بن مکتوم اور قاضی القضاۃ تقی الدین سلیمان وغیرہ بھی آپ کے اساتذہ تھے۔ آپ کے شاگردوں میں ابن رجب، ابن کثیر، ابن عبدالہادی اور عبدالقادر نابلسی جیسے عظیم علماء شامل ہیں۔ ابن قیم کو اپنے اساتذہ میں سب سے زیادہ امام ابن تیمیہ سے تعلق تھا۔ ابن تیمیہ 712ھ میں دمشق واپس آئے تو ابن القیم ان کے ساتھ رہنے لگے اور 5728 تک ان کے ساتھ رہے۔ امام ابن تیمیہ کو جب قید کیا گیا تو قید خانہ میں ابن قیم بھی ان کے ساتھ رہے اور ان کی وفات تک ساتھ رہے۔ قید خانہ میں قرآن کریم کی تلاوت اور

---

[2] قاسمی، محمد سعود عالم، مطالعہ مذاہب کی اسلامی روایت، ص:188

اس کے معانی و مطالب میں غور و فکر کرنا ان کا مشغلہ رہا۔ آپ عمدہ اخلاق و عادات کے حامل تھے۔ اگرچہ معاصر علماء سے ان کے بھی اختلافات تھے مگر ان کے مزاج اور زبان میں وہ شدت اور تیزی نہ تھی جو امام ابن تیمیہ کے یہاں تھی۔ ابن تیمیہ کے یہاں مجاہدانہ جوش و خروش تھا جبکہ ابن قیم کی طبیعت میں سکون و اعتدال تھا۔ ابن رجب حنبلی نے ان کے بارے میں لکھا ہے:

استاذ محترم بڑے عابد اور تہجد گزار تھے اور بہت طویل نماز پڑھا کرتے تھے۔ میں نے ان کے جیسا نیک انسان نہیں دیکھا اور نہ ان سے بڑھ کر کوئی شخص اس قدر وسیع معلومات کا حامل تھا۔ وہ قرآن و سنت اور دینی حقائق کے سب سے بڑے عالم تھے[3]۔

ابن القیم نے ساٹھ سال کی عمر پائی۔ ۷۵۱ھ مطابق 1350ء میں ان کی وفات ہوئی ہے۔ علامہ ابن قیم مفسر، محدث اور فقیہ تھے۔ فقہی مصادر اور مسائل پر اجتہادی نظر رکھتے تھے۔ عربی زبان و ادب اور بلاغت کے ماہر تھے۔ عربی کے اشعار بہت یاد تھے، ان کی کتابوں میں ایمان کی حرارت کے ساتھ علم و ادب کی چاشنی ملتی ہے۔ ان کی تحریر میں سلاست ہے۔ وہ عربی کے اشعار کثرت سے استعمال کرتے ہیں۔ وہ اگرچہ حنبلی مسلک سے تعلق رکھتے تھے مگر زے مقلد نہ تھے۔ بلکہ دلیل کی قوت کی بنا پر دوسرے مسلک کی رائے کو بھی قبول کرتے تھے اور بہت سے مسائل میں خود اپنی رائے کا اظہار کرتے تھے۔ شیخ عبد العظیم نے لکھا ہے کہ: امام ابن القیم اس قدر آزاد خیال اور غیر متعصب تھے کہ وہ حنبلی مسلک کی بے جا حمایت نہیں کرتے تھے۔ حالانکہ بالعموم وہ حنبلی مسلک کے پیرو تھے لیکن حق و صداقت اگر کسی دوسرے مسلک میں نظر آتی تھی تو وہ اپنے استاذ (ابن تیمیہ) کی طرح شخصیتوں کی پروا کیے بغیر حق و صداقت کے قافلہ کے ساتھ گامزن ہو جاتے تھے۔

علامہ ابن القیم کثیر التصانیف ہیں۔ ان کے موضوعات کا دائرہ وسیع ہے۔ بیشتر دینی موضوعات پر انھوں نے قلم اٹھایا ہے۔ ان کی کتابیں اسلامی ورثہ میں اضافہ کرتی ہیں اور اہل علم کے لیے مصادر کا درجہ رکھتی ہیں۔ ان کے سوانح نگاروں نے ان کی ستر سے زیادہ کتابوں کا سراغ لگایا ہے۔ ان میں کچھ کتابیں نایاب ہیں اور کچھ دستیاب ہیں۔ حسب ذیل کتابیں مشہور اور اہم ہیں:

(1) اعلام الموقعین عن رب العالمین
(2) زاد المعاد فی بدی خیر العباد
(3) اغاثۃ اللھفان فی مصائد الشیطان
(4) اغاثۃ اللھفان فی طلاق الغضبان
(5) کتاب الروح
(6) الصلوۃ واحکام تارکہا
(7) زاد المسافرین
(8) الکافیہ الشافیہ فی الانتصار للفرقۃ الناجیہ
(9) السنۃ والبدعۃ

---

[3] قاسمی، محمد سعود عالم، مطالعہ مذاہب کی اسلامی روایت، ص: 190

(10) الصراط المستقیم فی احکام اہل التقیم

(11) الطرق الحکمیۃ فی السیاسۃ الشرعیۃ

(12) شفاء العلیل فی القضاء والقدر والحکمۃ والتعلیل

(13) امثال القرآن

(14) فضل العلم

(15) الفرق بین الخلۃ والمحبۃ ومناظرۃ الخلیل لقومہ

(16) مدارج السالکین

(17) کتاب الایجاز فی المجاز

(18) نقد المنقول والمحک المستمیز بین المردود والمقبول

(19) الجواب الشافی لمن سئل عن دواء الشافی

(20) عدۃ الصابرین وذخیرۃ الشاکرین

(21) الصواعق المنزلی علی الجھمیۃ والمعطلۃ

(22) طریق الھجرتین وباب السعادتین

(23) معانی الادوات والحروف

(24) التفسیر القیم

(25) الکلم الطیب والعمل الصالح

(26) الفوائد المشرق الی علوم القرآن وعلم البیان

(27) المھذب

(28) مفتاح دار السعادۃ

(29) الکبائر

(30) ھدایۃ الحیاری فی اجوبۃ الیھود والنصاری

ان میں سے بہت سی کتابوں کے ترجمے اردو، فارسی، انگریزی اور دیگر زبانوں میں ہو چکے ہیں۔ ھدایۃ الحیاری فی اجوبۃ الیھود والنصاری، تقابلی مطالعہ مذاہب کی اہم کتاب ہے اور جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ سے 1396ھ میں شائع ہوئی ہے۔ دوسرے مطابع نے بھی اسے شائع کیا ہے۔ جیسا کہ نام سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کتاب یہود و نصاریٰ کے بعض سوالات کے جواب میں لکھی گئی ہے۔ ابن قیم نے اس کتاب میں ان کے سوالات کو نقل کیا ہے تفصیلی جواب قرآن وسنت کی روشنی میں دیا ہے۔ ابن قیم کے استاذ امام ابن تیمیہ کی کتاب الجواب الصحیح لمن بدل دین مسیح

ابن قیم کے پیش نظر رہی ہے۔ تقریباً انہی مباحث پر مشتمل یہ کتاب ہے۔البتہ اس میں نئے دلائل اور مسائل بھی مختصراً پیش کیے گئے ہیں۔ ابن قیم کا اسلوب بھی اس کتاب میں ابن تیمیہ سے ملتا جلتا ہے۔ بعض مقامات پر ابن قیم کا قلم جذباتی ہو گیا ہے۔ دوسرے مذاہب کے قاری تک اپنی بات پہنچانے کے لیے اسلوب کی متانت اور لہجہ کی سنجیدگی ضروری ہے تاکہ مخاطب ان نکات پر غور کر سکے جو طلب حق وصداقت کی دعوت دیتے ہیں۔

بعثت کے وقت دنیا کے مذاہب:

ابن قیم نے کتاب کے آغاز میں دنیا کے معروف مذاہب کا اجمالی تعارف کرایا ہے۔ان کا کہنا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت پوری دنیا میں پانچ قسم کے مذاہب پائے جاتے تھے۔

(1) یہودی

(2) عیسائی

(3) مجوسی

(4) صابئ

(5) مشرکین۔

یہی پانچوں قسم کے مذاہب مشرق سے مغرب تک چھائے ہوئے تھے۔یہودیوں کی اکثریت یمن، خیبر، مدینہ اور اس کے آس پاس رہتی تھی۔ شام کے اطراف میں نصاریٰ کے ساتھ ذلت کی حالت میں تھے مجوسی کے ہم سایہ تھے اور ذلت کے ساتھ رہتے تھے۔ نصاری زمین کے بڑے حصہ پر تھے۔ شام میں سب نصاری تھے۔ارض مغرب پر نصاری کی اکثریت تھی۔اسی طرح مصر، حبشہ، نوبہ، جزیرہ، موصل اور نجران وغیرہ میں ان کی کثرت تھی۔ مجوس فارس اور اس سے متصل سرزمین میں حکومت کرتے تھے۔ صابئ حران میں اور بہت سے رومی (ترکی) شہروں میں رہتے تھے۔ مشرکین سب کے سب جزیرۃ العرب اور ہندوستان میں، ترکی اور اس کے پڑوسی ملکوں میں رہتے تھے۔اہل زمین کا مذہب انہی پانچوں ادیان میں منحصر تھا۔

دین میں جبر نہیں:

ابن قیم نے اسلام کی اشاعت میں آزادی مذہب کے اس عالمگیر اصول کو بیان کیا ہے کہ دین میں جبر نہیں ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو مبعوث کیا تو اکثر اہل مذاہب نے رسول کی اور ان کے بعد ان کے خلفاء کی دعوت کو اپنی پسند اور خوشی سے قبول کیا۔ ہر گز کسی کو دین کے معاملہ میں مجبور نہیں کیا گیا۔ جنگ ان لوگوں سے کی گئی جنھوں نے جنگ چھیڑی اور مقابلہ پر آئے۔ جن لوگوں نے معاہدے کیے اور سلامتی چاہتی نہ

توان سے جنگ کی گئی اور نہ ان کو مذہب بدلنے پر مجبور کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ کا حکم تھا 'دین میں جبر نہیں ہے کیوں کہ ہدایت گمراہی سے ممتاز ہو چکی ہے۔ یہ نفی ممانعت کے معنی میں ہے یعنی کسی کو دین کے معاملہ میں مجبور نہ کرو۔

اس کتاب کے دو حصے ہیں۔ پہلے حصہ میں یہود و نصاری کے اس سوال کا جواب دیا گیا ہے کہ مسلمان کیوں یہ کہتے ہیں کہ اہل کتاب مال و جاہ کی وجہ سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لائے۔ دوسرے حصہ میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے متعلق ان بشارتوں پر گفتگو کی گئی ہے جو توریت، زبور اور انجیل میں مختلف انبیاء کرام کی زبان سے صادر ہوئی ہیں۔ اس ضمن میں بعض اور بخششیں بھی اہل کتاب کے متعلق کی گئی ہیں۔ پہلے سوال کے جواب میں ابن قیم نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ یہ کہنا درست نہیں ہے کہ اہل کتاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر عہدہ واقتدار اور مال و دولت کے جانے کے خوف سے ایمان نہیں لائے۔ مسلمانوں کا عام طبقہ اگر یہ کہتا ہو تو اس سے تمام مسلمانوں پر یہ بات لازم نہیں آتی۔ کیوں کہ یہود و نصاریٰ کا چھوٹا طبقہ تھا جو ایمان نہیں لایا۔ جبکہ اس کے مقابلہ میں بڑا طبقہ محمد پر ایمان لایا۔ وہ بھی جبر اور خوف سے ایمان نہیں لایا بلکہ اپنی خوشی اور رغبت سے ایمان لایا نیز ان ایمان لانے والوں نے بڑی قربانیاں دیں۔ وہ اپنے عزیز و اقارب کی ناراضگی کا نشانہ بنے، اہل وطن سے دشمنی مول لی، جان و مال کی قربانیاں دیں۔ انھوں نے اس دین کو اللہ کی رضا کے لیے اختیار کیا۔ مال و دولت کے لیے نہیں۔ کافروں کی اذیتیں برداشت کیں اور ہر طرح کے مظالم ہے۔ کافروں کی بڑی تعداد نے اسلام قبول کیا۔ ان کے مقابلے میں اسلام نہ لانے والوں کی تعداد بہت تھوڑی ہے۔

یہود و نصاری جو حضرت محمد پر ایمان نہیں لائے وہ محمد کی رسالت کو جانتے ہوئے اور ان کی علامتوں کو پہچانتے ہوئے بھی ایمان نہیں لائے۔ جس طرح قوم عاد اور قوم ثمود حضرت ہود اور حضرت صالح علیہ السلام کی نبوت کو جانتے ہوئے بھی ایمان نہ لائی۔ ان کے بارے میں قرآن پاک میں کہا گیا ہے:

أَمَّا ثَمُودُ فَهَدَيْنَاهُمُ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمَى عَلَى الْهُدَى(فصلت:17)

ہم نے قوم ثمود کی طرف ہدایت بھیجی مگر انھوں نے ہدایت کے مقابلہ میں اندھے پن کو پسند کیا۔

وَعَادًا وَّثَمُوْدَاْ وَقَدْ تَّبَيَّنَ لَكُمْ مِّنْ مَّسٰكِنِهِمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَكَانُوْا مُسْتَبْصِرِيْنَۙ (العنکبوت:38)

چنانچہ یہود و نصاری کا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو پہچاننے کے بعد ایمان نہ لانا کوئی نئی بات نہیں ہے یا جس طرح اپنے وقت کی یہ دو بڑی قو میں عاد اور ثمود جان بوجھ کر ایمان نہ لائیں اسی طرح امت غضب (یہود) اور امت ضلال (نصاری) بھی جان بوجھ کر ایمان سے محروم رہی۔

فرعون کی قوم نے اپنی کثرت کے باوجود موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا انکار کر دیا حالانکہ موسیٰ کے معجزات ظاہر و باہر تھے۔ صرف ایک آدمی اس قوم کا ایمان لایا جو اپنا ایمان چھپائے ہوئے تھا۔ حضرت عیسی علیہ السلام کے زمانہ میں یہودیوں کی کثرت تھی یہاں تک کہ شام کے شہروں میں ان کی غالب آبادی تھی مگر انھوں نے حضرت عیسی کی نبوت کا انکار کیا، ان کو جھوٹا نبی قرار دیا جبکہ ان میں علماء اور احبار اور عبادت گذار

موجود تھے۔اور ان کے سامنے حضرت عیسی کے سورج کی طرح روشن معجزات تھے۔اسی طرح یہود و نصاریٰ کے کافر لوگوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار کیا۔

حضرت سیدنا محمد ﷺ کی نبوت کی علامات اور علماء یہود:

علامہ ابن قیم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر یہود و نصاریٰ اور مشرکین کے ایمان نہ لانے کے متعدد اسباب گنائے ہیں۔ایک سبب جہالت ہے۔ دوسرا سبب حسد ہے اور یہی بڑا سبب ہے یہود و نصاریٰ کے ایمان سے محروم رہنے کا۔ابن قیم نے حدیث و سیرت سے اور اہل کتاب کے علماء سے بہت سی روایتیں بیان کی ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور رسالت کو یہ لوگ اچھی طرح پہچانتے تھے مگر حسد کی وجہ سے ایمان نہیں لائے۔انھوں نے ابن حیان کی مثال دی ہے کہ بنی قریظہ کے ایک یہودی شیخ نے بتایا کہ شام سے ایک یہودی عابد و زاہد مدینہ آیا جس کا نام ابن الھیبان تھا۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے دو سال قبل کا یہ واقعہ ہے۔جب ہمارے یہاں بارش نہیں ہوئی تھی تو ہم ان سے بارش کی دعا کی درخواست کرتے تھے۔وہ میدان میں نکل کر بارش کی دعا کرتے تھے۔وہ اپنی جگہ سے اٹھتے نہیں تھے کہ بارش ہو جاتی تھی اور ایسا بار بار ہوا۔جب ان کی وفات کا وقت آیا تو انھوں نے ہم لوگوں کو جمع کیا اور کہا کہ اے یہودی بھائیو! تمہیں معلوم ہے کہ میں روٹی اور شراب کی زمین (شام) سے خشکی اور بھوک کی زمین (مدینہ) میں کیوں آیا؟ ہم نے کہا کہ آپ بہتر جانتے ہیں؟ تب انھوں نے کہا کہ آخری نبی کے ظہور کا زمانہ آگیا ہے۔وہ ہجرت کر کے یہاں آئیں گے تو تم ان کا اتباع کرنا،اس معاملہ میں کوئی تم سے آگے نہ بڑھ جائے، پھر اس کا انتقال ہو گیا۔ہجرت کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بنی قریظہ کا محاصرہ کیا تو تین نوجوانوں

نے اپنے قبلہ کو ابن الھیبان کا وعدہ یاد دلایا تو قبیلہ والوں نے اسلام قبول کیا ہے ابن قیم نے عیسائیوں کے بارے میں لکھا ہے کہ اگر انھوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار کیا تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔انھوں نے تو اللہ تبارک و تعالیٰ کو بدترین گالی دی۔ایسا عقیدہ اختیار کیا جس کے باطل ہونے پر انسان کی عقل گواہی دیتی ہے۔وہ کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کو سولی دی گئی۔اسے گھسیٹا گیا،اس کے سر پر کانٹوں کا تاج رکھا گیا۔اسے مٹی میں دفن کیا گیا۔پھر وہ تیسرے دن اٹھ کھڑا ہوا اور آسمان پر جا کر عرش پر متمکن ہوا اور آسمان و زمین کا کاروبار سنبھالنے لگا۔جس قوم نے اپنے معبود کو سولی دیے جانے پر اتفاق کیا ہو اور پھر اس کی عبادت کرنے لگی ہو وہ اگر نبوت محمدی کا انکار کر دے تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کیوں کہ رب العالمین کی عظمت و جلال اور وحدت و کبریائی کا انکار کرنے والی قوم اس کے رسول برحق کی رسالت کا انکار کر دے تو کیا تعجب ہے۔

حضرت سیدنا محمد ﷺ پر ایمان لانے والے عیسائی سردار:

علامہ ابن قیم نے بہت تفصیل سے اس پر گفتگو کی ہے کہ عیسائیوں کے بادشاہوں اور سربراہوں میں کون لوگ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اور کن لوگوں نے محمد کی نبوت کو جاننے اور پہچاننے کے بعد محض اپنی قوم کے فتنہ و فساد کے خوف سے اپنے ایمان کا اعلان نہیں کیا۔

انھوں نے سب سے پہلے حبشہ کے بادشاہ نجاشی کا حال مفصلاً لکھا ہے اور ان کے ایمان لانے کا تذکرہ کیا ہے۔ انھوں نے اپنا ایمان اپنی قوم سے چھپائے رکھا۔ رسوک پاک نے نجاشی کے پاس عمرو بن امیہ الضمری کے ہاتھ خط بھیجا جس میں اسلام کی دعوت دی گئی تھی۔ انھوں نے خط کو پڑھ کر اسلام قبول کر لیا۔

علاوہ ازیں مکہ مکرمہ میں حبشہ کے لوگ محمد کے پاس آئے اور ایمان قبول کیا۔ قبیلہ طے کے سردار عدی بن حاتم نے اسلام قبول کیا۔ اصفہان کے رہنے والے بڑے عیسائی عالم حضرت سلمان فارسی نے اسلام قبول کیا۔ روم و شام کے حکمراں ہرقل نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی تصدیق کی مگر عوام کی بغاوت کے خوف سے ایمان کا اعلان نہیں کیا۔ مصر کے بادشاہ مقوقس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی صادق قرار دیا۔ اور ان کے پاس تحفہ بھی بھیجا مگر عوام کی بغاوت کے خوف سے ایمان کا اعلان نہیں کیا۔ عمان کے بادشاہ دو بھائی تھے، ان کا نام حیفیر اور عبید تھا، یہ دونوں ابن الجلندی کے بیٹے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایمان لانے کی دعوت دی چنانچہ ان دونوں نے ایمان قبول کیا۔

اسی طرح یمامہ کے حکمراں ہوادہ بن علی الحنفی کو سیدنا محمد ﷺ نے نامہ مبارک بھیجا تو انھوں نے آپ کی نبوت کی تصدیق کی۔ دمشق کی غوطہ مملکت کے حکمراں حارث بن ابن شمر کو نبی پاک نے دعوت اسلام پیش کی، انھوں نے بھی آپ کی نبوت کی تصدیق کی۔

توریت اور انجیل کے نسخوں میں تضاد:

علامہ ابن قیم نے توریت اور انجیل کے موجودہ نسخوں کو منزل من اللہ نہیں مانا ہے اور مختلف اور معروف نسخوں میں تناقض، تضاد اور اختلاف کا ذکر یقین و اعتماد کے ساتھ کیا ہے۔ اور یہود و نصاریٰ کے اس دعوے کی تردید کی ہے کہ ان کی کتابوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ ابن قیم یہودیوں کے بارے میں کہتے ہیں کہ ان کا دعویٰ ہے کہ توریت کے نسخے پوری دنیا میں متفق علیہ ہیں، یہ صریح جھوٹ ہے کیوں کہ عیسائیوں کے پاس جو توریت ہے وہ اس توریت سے مختلف ہے جو یہودیوں کے پاس ہے۔ اور جو توریت سامرہ فرقہ کے پاس ہے وہ دونوں سے مختلف ہے۔ یہاں تک کہ یہودیوں کے پاس جو توریت ہے اس میں تحریف ہوئی ہے، اس میں اضافہ ہوا ہے، کمی ہوئی ہے اور یہ راسخین فی العلم سے پوشیدہ نہیں ہے۔ یہی معاملہ انجیل کا ہے، انجیل کے نسخے باہم مخالف و متغایر ہیں کیوں کہ وہ انجیل جو عیسی علیہ السلام پر نازل ہوئی اس میں ''قصہ صلیب یعنی حضرت عیسی کو سولی دیے جانے کا قصہ کیوں کر ہو سکتا ہے۔

حضرت عیسی کے ساتھ کیا ماجرا ہوا، کیا مصیبت آئی اور کس دن سولی دیے گئے اور یہ کہ تین دن بعد وہ اپنی قبر سے نکل آئے، یہ سب تو نصاری کے شیوخ کی روایتیں ہیں زیادہ سے زیادہ حواریوں کا کلام ہو سکتا ہے۔ ان سب کو گڈمڈ کر کے انجیل کا نام رکھ دیا گیا۔ یہی معاملہ اناجیل اربعہ کا ہے۔ ان میں باہم اختلاف پایا جاتا ہے۔ نصاری اس انجیل کو نہیں پڑھتے جو اللہ کی طرف سے حضرت عیسی پر نازل ہوئی بلکہ وہ سب ان انجیلوں پر متفق ہیں جو کہ تاریخ ہے اور ان کو چار معروف لوگوں نے مختلف زمانوں میں تصنیف کیا ہے۔ انجیل متی کو حضرت مسیح کے شاگرد ستی نے عیسی علیہ السلام کے اٹھائے جانے کے نو سال بعد عبرانی زبان میں شام کے شہر میں لکھا ہے۔ انجیل مرقس کو مرقس ہارونی نے جو شمعون کا شاگرد ہے رفع مسیح کے ۲۳ سال بعد یونانی زبان میں انطاکیہ میں لکھا ہے۔ انجیل لوقا کو شمعون کے دوسرے شاگرد لوقا طبیب انطاکی نے

مرقس کی تالیف کے بعد لکھا ہے۔ یوحنا کی انجیل کو عیسی کے شاگرد یوحنا نے رفع عیسی کے سات سال بعد یونانی زبان میں لکھا ہے۔ ان تمام انجیلوں کو وہ انجیل کا نام دیتے ہیں جبکہ ان میں اختلاف و تفاوت ہے۔

توریت وانجیل میں کتمان:

حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت، ان کے اوصاف اور ان کی امت کے بارے میں جو بشارتیں توریت وزبور اور انجیل میں وارد ہوئی ہیں، یہود و نصاری ان کا انکار کرتے ہیں۔ امام ابن قیم کا موقف یہ ہے کہ یہود و نصاری نے ان بشارتوں کو چھپایا بھی ہے اور ان میں تحریف بھی کی ہے۔ جہاں تک کتمان بشارت یعنی چھپانے کا تعلق ہے تو قرآن کی متعدد آیات میں اس کی نشاندہی کی گئی ہے۔ علامہ ابن قیم نے ان آیتوں کو جمع کیا ہے مثلاً:

يَـاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَـقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَـقَّ وَاَنْـتُمْ تَعْلَمُوْنَ (آل عمران: 71)

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَى مِن بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ أُولَئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّاعِنُونَ(البقرہ:159)

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلَ اللَّهُ مِنَ الْكِتَابِ وَيَشْتَرُونَ بِهِ ثَمَناً قَلِيلاً أُولَئِكَ مَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ إِلَّا النَّارَ(البقرہ:174)

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ قَدْ جَاءكُمْ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيراً مِّمَّاكُنتُمْ تُخْفُونَ مِنَ الْكِتَابِ وَيَعْفُو عَن كَثِير(المائدہ:15)

اس سلسلہ میں انھوں نے طبقات ابن سعد کے حوالہ سے ایک واقعہ بیان کیا ہے کہ سھل غلام تھے عقیمہ نامی عیسائی کے۔ وہ یتیم تھے اور اپنے چچا کی پرورش میں تھے۔ انجیل پڑھتے تھے۔ ایک دن انھوں نے اپنے چچا کی انجیل اٹھائی اور ایک ایسے ورق پر نظر گئی جو کثافت سے بھری ہوئی اور چپکی ہوئی تھی۔ انھوں نے اسے کھولا تو اس میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات اس طرح لکھی ہوئی تھیں۔ وہ نہ ناٹے ہوں گے اور نہ بہت لمبے، گندمی رنگ ہوگا، دونوں مونڈھوں کے درمیان مہر نبوت ہوگی، وہ صدقہ قبول نہیں کریں گے وغیرہ، وہ اسماعیل کی ذریت میں سے ہوں گے، ان کا نام احمد ہوگا۔ سہل کہتے ہیں کہ میرے چچا نے اسے پڑھتے ہوئے دیکھا تو مجھے مارا اور کہا تو نے اس ورق کو کیوں کھولا۔ میں نے کہا کہ اس میں محمد کی صفات کا ذکر ہے۔ انھوں نے کہا کہ وہ نبی ابھی نہیں آئے۔

علامہ ابن قیم نے یہود و نصاریٰ کا یہ سوال نقل کیا ہے کہ مسلمان یہ کہتے ہیں کہ توریت وانجیل میں ''محمد نام مذکور تھا جسے اہل کتاب نے مٹادیا۔ یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے؟ ابن قیم کا کہنا ہے کہ "محمد" عربی لفظ ہے اس کا توریت وانجیل میں پایا جانا مشکل ہے اور نہ ہم اس کا دعوی کرتے ہیں۔ البتہ محمد کی نبوت کی علامات، آپ کے اوصاف، دعوت، امت اور آپ کے ظہور کا وقت ان کتابوں میں بیان ہوا ہے۔ اور یہ نام کی صراحت سے زیادہ بلیغ ہے۔

بائبل میں سیدنا محمد ﷺ کی بشارتیں:

ابن قیم کا کہنا ہے کہ کتمان اور تحریف کی کوششوں کے باوجود آج بھی توریت وانجیل میں بہت سی بشارتیں موجود ہیں جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت و نبوت کی پیش گوئی کرتی ہیں۔ انھوں نے کتب مقدسہ سے انتالیس بشارتوں کو درج کیا ہے۔ ان میں پہلی بشارت توریت کی ہے اور حسب ذیل ہے:

"میں بنی اسرائیل کے لیے ان کے بھائیوں میں سے تیرے جیسا نبی بناؤں گا۔ اس کے منہ میں اپنا کلام ڈالوں گا۔ وہ ان لوگوں سے وہ کہے گا جس کا میں حکم دوں گا، جو کوئی اس نبی کی جو میرے نام سے کلام کرے گا، بات نہیں مانے گا میں اس سے اور اس کی اولاد سے بدلہ لوں گا۔"

یہ اللہ تعالیٰ کا خطاب ہے موسیٰ علیہ السلام سے کہ تیرے جیسا نبی بنی اسرائیل کے بھائیوں میں سے بھیجوں گا۔ سوال یہ ہے کہ تیرے جیسا سے مراد کون ہے۔ عیسائی کہتے ہیں کہ اس سے مراد عیسی علیہ السلام ہیں۔ یہودی ان کی تین طرح سے توجیہ کرتے ہیں: اول یہ کہ یہ استفہام ہے یعنی سوالیہ جملہ ہے اور حرف استفہام حذف کر دیا گیا ہے۔ یعنی کیا میں بنی اسرائیل کے بھائیوں میں سے ایک نبی بھیجوں گا؟ مطلب نفی میں ہے۔ یعنی نہیں بھیجوں گا۔

دوم یہ کہ یہ بشارت اپنی جگہ درست ہے مگر اس سے مراد شمویل علیہ السلام ہیں کیوں کہ وہ بنی اسرائیل میں سے تھے اور انہی میں نبوت کی بشارت محدود ہے۔ تیسرے یہ کہ قرب قیامت وہ نبی ظاہر ہوں گے جو یہودی ملک کی اصلاح کریں گے اور یہودیوں کو رفعت و عظمت عطا کریں گے۔ یہودی اس کے انتظار میں آج بھی ہیں۔ علامہ ابن قیم نے مذکورہ بشارت اور اس کی یہودی توجیہات کو بیان کرنے کے بعد لکھا ہے:

مسلمان یہ کہتے ہیں کہ یہ بشارت صراحتا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ کوئی دوسرا اس کا مصداق نہیں ہے۔ کیوں کہ اللہ نے بنی اسرائیل کے بھائیوں میں سے نبی کے آنے کی خبر دی ہے نہ کہ بنی اسرائیل میں سے۔ سب جانتے ہیں کہ بنی اسرائیل کے بھائی بنی اسماعیل ہیں۔ اگر حضرت عیسی یا حضرت شموئیل مراد ہوتے تو اللہ یہ کہتا کہ میں بنی اسرائیل میں سے نبی بھیجوں گا۔ دوسری بات یہ ہے تیرے جیسا نبی بھیجوں گا۔ یعنی موسیٰ کی طرح صاحب شریعت، حضرت عیسی صاحب شریعت نہ تھے بلکہ شریعت موسیٰ کی تبلیغ کرتے تھے۔ یہی معاملہ حضرت شموئیل کا تھا۔ صاحب شریعت موسیٰ علیہ السلام کے بعد صرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔

دوسری بشارت توریت کی پانچویں کتاب سے اس طرح نقل کی گئی ہے: اللہ سیناسے آیا، ساعیر سے جلوہ گر ہوا اور فاران کے پہاڑ سے روشن ہوا، اس کے دائیں طرف روشن دلیلیں ہوں گی۔

ابن قیم کہتے ہیں کہ اس آیت میں تین نبوتیں شامل ہیں۔

(1) موسیٰ علیہ السلام کی نبوت

(2) عیسی علیہ السلام کی نبوت

(3) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت

اللہ کا سیناسے آنا،اس پہاڑ کی نشاندہی کرتا ہے جس پر اللہ نے موسیٰ سے کلام کیا تھااور ان کو نبوت عطا کی تھی۔ ساعیر پر جلوہ گر ہونا بیت المقدس سے حضرت عیسی علیہ السلام کی نبوت کی طرف اشارہ ہے کیوں کہ سائیر ایک گاؤں ہے جو آج تک اسی نام سے معروف ہے۔ فاران مکہ مکرمہ کا نام ہے جہاں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ کی نبوت کو صبح کی آمد سے تشبیہ دی۔ عیسی علیہ السلام کی نبوت کو سورج کے روشن ہونے سے تشبیہ دی۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو سورج کے بلند ہونے اور اس کی روشنی کو سارے عالم میں پھیلنے سے تشبیہ دی۔ اور یہ تینوں باتیں اسی طرح صادق ہوئیں جس طرح اللہ تعالیٰ نے خبر دی۔ یہودی فاران سے مراد سرزمین شام کا فاران مراد لیتے ہیں۔ ابن قیم کہتے ہیں کہ یہ تورات میں تحریف کی مثال ہے۔

علامہ ابن قیم نے توریت کی اس بشارت کی تصدیق کے لیے قرآن کریم کی سورۃ التین کو پیش کیا گیا ہے جس میں تین، زیتون، طور سینین اور بلد امین کی قسم کھائی گئی ہے۔ ان آیات میں ان مقامات کا ذکر ہے جہاں سے یہ انبیا، موسیٰ عیسی اور محمد رونما ہوئے تھے۔ تین اور زیتون سے مراد سرزمین بیت المقدس ہے جہاں سے حضرت مسیح اٹھے، طور سینین وہ پہاڑ ہے جہاں حضرت موسیٰ کو نبوت ملی اور ھذا البلد الامین مکہ مکرمہ ہے جہاں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے بارے میں تیسری بشارت توریت کتاب پیدائش میں اس طرح آئی ہے:

فرشتہ اسماعیل کی ماں ہاجر کے سامنے آیا اور کہا اے ہاجر! کہاں سے آئی ہو اور کہاں کا ارادہ رکھتی ہو۔ جب ہاجر نے پوری صورت حال بتائی تو فرشتہ نے کہا کہ لوٹ جاؤ، میں تمہاری اولاد اور کھیتی کو اس قدر بڑھاؤں گا کہ وہ شمار سے باہر ہو گی۔ تم حاملہ ہو گی اور تمہارے یہاں ایک بیٹا پیدا ہو گا، اس کا نام اسماعیل رکھنا، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری گریہ وزاری کو سن لیا اور تمہارا بیٹا لوگوں کا سردار ہو گا۔ اس کا ہاتھ سب پر ہو گا اور سب کے ہاتھ اس کے سامنے عاجزی سے بندھے ہوں گے۔"

علامہ ابن قیم کہتے ہیں کہ یہ بشارت بتاتی ہے کہ ہاجر کے بیٹے کا ہاتھ تمام مخلوق پر ہو گا۔ اس کا کلمہ بلند ہو گا۔ مخلوق کا ہاتھ اس کے ہاتھ کے نیچے ہو گا۔ وہ کون شخص ہے جس پر یہ اوصاف منطبق ہوتے ہیں؟ یہ تو صرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ پھر ابن قیم نے اس کی تائید میں توریت کی کتاب اول ہی سے حضرت ابراہیم کے بارے میں یہ بشارت نقل کی ہے۔ اللہ نے ابراہیم سے کہا کہ میں تمہارے بیٹے اسماعیل کو بڑی امت بناؤں گا اسلیے کہ وہ تیری کھیتی ہے۔''

حضرت اسماعیل کی اولاد میں صرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جنھوں نے بڑی امت بنائی ہے جو شخص ان بشارتوں پر غور کرے گا وہ یقین کرے گا کہ اس سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کیوں کہ حضرت اسماعیل کا ہاتھ حضرت اسحاق کے اوپر کبھی نہیں ہوا اور نہ اسحاق کا ہاتھ عاجزی سے اسماعیل کے سامنے بندھا تھا کیوں کہ نبوت اور بادشاہت اسرائیل اور بنی عیص میں تھی۔ اور وہ دونوں اسحاق کی اولاد تھے۔ جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور نبوت بنی اسرائیل سے بنی اسماعیل کی طرف منتقل ہوئی اور قومیں اور بادشاہتیں ان کی فرماں بردار ہوئیں تو ان کا ہاتھ تمام لوگوں پر ہوا اور سب کے ہاتھ عاجزی سے ان کے سامنے بندھے۔

ذبیح حضرت سیدنا اسماعیل علیہ السلام ہیں یا حضرت سیدنا اسحاق علیہ السلام:

حضرت اسماعیل بڑے تھے اور حضرت اسحاق چھوٹے تھے اور اللہ نے بڑے بیٹے کو قربان کرنے کا حکم دیا تھا۔ مگر مسلمان اور یہودیوں میں اس امر میں اختلاف ہے کہ ذبیح کون ہیں؟ علامہ ابن قیم نے اس کتاب میں اس مسئلہ کو اشارۃ بیان کیا ہے کے البتہ اپنی مشہور زمانہ کتاب زاد المعاد فی ہدی خیر العباد میں تفصیل سے بیان کیا ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے: اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں اپنے فرزند کو ذبح کرتے ہوئے دکھایا، حضرت ابراہیم نے اس کے مطابق حضرت اسماعیل کو پیشانی کے بل لٹایا اور ذبح کرنے کا ارادہ کیا۔ تب اللہ نے ان کو ذبح کرنے سے رک جانے کا حکم دیا اور اسماعیل کی جگہ ایک دنبہ ذبح کرنے کا حکم دیا کیونکہ اللہ کو ابراہیم کا امتحان لینا مقصود تھا، انسان کی قربانی مطلوب نہ تھی۔ مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ حضرت اسماعیل ہی ذبیح اللہ ہیں جبکہ یہودی یہ کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم نے اسحاق علیہ السلام کو ذبح کرنے کے لیے پیش کیا تھا۔ علامہ ابن قیم نے اس مسئلہ پر اپنے استاذ امام ابن تیمیہ کے حوالہ سے گفتگو کی ہے اور توریت اور اسلامی نصوص کا تقابل کرتے ہوئے لکھا ہے۔

صحابہ وتابعین اور دیگر علماء کا صحیح فیصلہ یہی ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی کو ذبح کرنے کا قصد کیا گیا تھا۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ وہ ذبیح حضرت اسحاق تھے۔ مگر یہ قول بیسیوں اسباب کی بناپر غلط ہے۔ میں نے اس بارے میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ کو فرماتے سنا کہ یہ قول اہل کتاب سے منقول ہے۔ حالاں کہ ان کی کتاب کی رو سے بھی یہ بات درست نہیں ہے کیوں کہ اس میں یہ مذکور ہے کہ اللہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا تھا کہ وہ اپنے بڑے اور اکلوتے بیٹے کو ذبح کریں۔ اہل کتاب اور مسلمانوں کا اس امر پر اتفاق ہے کہ حضرت اسماعیل آپ کے بڑے بیٹے تھے۔ تاہم ان لوگوں کو جس بات سے دھوکہ ہوا ہے وہ یہ ہے کہ اہل کتاب کے پاس جو موجودہ توریت ہے اس میں یہ لکھا ہوا ہے " تم اپنے فرزند اسحاق کو ذبح کرو مگر یہ یہودیوں کی تحریف اور جھوٹ کی مثال ہے۔ کیوں کہ یہ الفاظ توریت کے اس قول کے منافی ہیں تم اپنے پہلے اور اکلوتے بیٹے کو ذبح کرو یہود بنی اسماعیل سے اس شرف کے بارے میں حسد کرتے تھے اور چاہتے تھے کہ اس شرف کا فخر یہودیوں کو حاصل ہو۔

فارقلیط کون ہے؟

انجیل میں آیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حواریوں سے فرمایا:

"میں جانے والا ہوں اور عنقریب تمہارے پاس "فارقلیط روح حق آئے گا۔ وہ اپنی طرف سے کلام نہیں کرے گا، وہ وہی کہے گا جو اس سے کہا گیا ہے۔ وہ میری گواہی دے گا، اور تم اس کی گواہی دینا کیوں کہ تم لوگوں کی طرف سے میرے ساتھ ہو، ہر وہ چیز جو اللہ نے تمہارے لیے تیار کی ہے اس کی خبر دے گا۔"

"یوحنا کی انجیل میں یہ الفاظ ہیں کہ فارقلیط نہیں آئے گا جب تک میں نہ جاؤں گا۔ وہ جب آجائے گا تو دنیا والوں کے گناہ کو دھوئے گا۔ وہ اپنی طرف سے کچھ نہیں کہے گا، وہی کہے گا جو اس سے کہا گیا ہو گا، وہ تم سے کلام کرے گا اور حق کی رہنمائی کرے گا اور وہ تمہیں غیب کی خبر دے گا۔"

دوسری جگہ کہا گیا ہے ''میں اللہ سے طلب کروں گا کہ کہ وہ تمہارے پاس دوسرا فارقلیط کو بھیج دے جو تمہارے ساتھ ابد تک رہے، وہ تم کو سب کچھ سکھائے۔''تیسری جگہ ہے کہ ابن آدم جانے والا ہے اس کے بعد فارقلیط تمہارے پاس راز لے کر آئے گا۔اور وہ تمام چیزیں کھول کر بیان کرے گا۔

ابن قیم نے بشارت کی مذکورہ عبارتوں میں لفظی اختلاف کے بارے میں کہا ہے کہ متعدد حواریوں نے ان کو نقل کیا ہے،اس لیے بیان میں لفظی اختلاف پایا جاتا ہے۔فارقلیط نصاریٰ کی زبان میں تعریف کا لفظ ہے یعنی احمد محمد محمود، حامد جیسے معنی پر مشتمل ہے۔اکثر عیسائیوں نے اس کے معنی مخلص یعنی نجات دہندہ مراد لیا ہے اور مسیح کو نجات دہندہ کہا جاتا ہے۔یہ سریانی لفظ ہے۔عیسائیوں کے دوسرے گروہوں نے اس کے معنی فارق یعنی فرق کرنے والا بیان کیا ہے۔لیط اضافی حرف ہے جس کے معنی ہیں وہ آدمی حالاں کہ اس پر اعتراض ہوتا ہے کہ عیسی مسیح تو عبرانی بولتے تھے ان کی زبان سریانی یا پھر یونانی نہ تھی۔جواب یہ ہے کہ وہ بے شک عبرانی بولتے تھے اور انجیل عبرانی میں نازل ہوئی مگر سریانی اور یونانی میں اس کا ترجمہ ہوا۔

عیسائیوں کے لیے جب اس بشارت کا انکار کرنا ممکن نہ ہوا تو انھوں نے معنوی تحریف کی اور کہا کہ اس سے مراد روح القدس ہیں جو حواریوں پر نازل ہوتے تھے۔دوسرے عیسائی نے کہا کہ اس سے مراد آتشی زبان ہے جو عیسی کے شاگردوں پر نازل ہوئی۔اور تیسرے گروہ نے کہا کہ اس سے مراد خود عیسی ہیں جو سولی دیے جانے کے چالیس دن بعد دنیا میں واپس آگئے۔ابن قیم عیسائیوں کے ان مطالب پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ :

"جو شخص بھی انجیل کے الفاظ اور اس کے سیاق وسباق پر غور کرے گا وہ جان لے گا کہ اس کی تفسیر روح، عیسی اور آتشی زبان تینوں غلط ہیں کیوں کہ روح القدس تو حضرت عیسی سے پہلے اور بعد میں بھی انبیاء اور صالحین پر آتے رہے ہیں۔قرآن میں اولئک کتب فی قلوبھم الایمان وایدھم بروح منہ،دوسرے یہ کہ فارقلیط کی بشارت عیسی نے اپنے زمانہ کے لیے نہیں دی بلکہ بعد کے زمانہ کے لیے دی ہے۔یہ بشارت صرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر منطبق ہوتی ہے۔ابن قیم نے اس کے بعد تفصیلی دلائل پیش کیے ہیں کہ کس طرح فارقلیط کا مصداق صرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

علامہ ابن قیم نے انجیل کی اس بشارت کو بھی موضوع بحث بنایا ہے جس میں حضرت عیسی علیہ السلام نے فرمایا ہے "عنقریب دنیا کا سردار آنے والا ہے حضرت عیسیٰ کے بعد وہ کون سی شخصیت ہے جس نے دنیا کی سرداری کی اور دنیا والوں نے ان کی اطاعت کی محمد نے فرمایا کہ میں ابراہیم کی دعا ہوں اور عیسی کی بشارت ہوں،درحقیقت ظاہری اور باطنی قیادت تو آپ نے ہی فرمائی۔

ابن قیم کہتے ہیں کہ عیسی کے مذکورہ قول کا موازنہ کر محمد کے اس قول سے انا سید ولد آدم ولا فخر میں بنی آدم کا سردار ہوں مگر اس پر فخر نہیں کرتا''حضرت عیسی نے یہ بھی فرمایا کہ میرا اس میں کچھ نہیں ہے۔اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ نے فرمایا کہ "لیس لک مِنَ الْاَمرِ شَیٔ''اس معاملہ میں تمہارا کچھ نہیں ہے۔دونوں اقوال میں کتنی مشابہت ہے جو شخص دونوں رسولوں کے احوال پر اور ان کی دعوت پر غور کرے گا وہ دونوں کو مطابق پائے گا اور کسی ایک کی تکذیب کرکے دوسرے کی تصدیق نہ کرے گا۔

چھٹی بشارت حضرت ہاجرہ اور اسماعیل کی اولاد سے متعلق ہے۔

حضرت سیدنا داؤد علیہ السلام کی بشارت:

ساتویں بشارت حضرت داؤد علیہ السلام کی ہے جو زبور میں اس طرح مذکور ہے: اللہ کی تعریف کرو نئے حمد سے اسرائیل کو چاہیے کہ وہ خوش ہو اپنے خالق سے اور صیہون کے فرزند خوشی منائیں، اس لیے کہ اللہ نے اس کے لیے ایک امت کو منتخب کیا ہے اور اسے نصرت عطا کی ہے۔ اور نیکوں کاروں کو کرامت سے خوشی منائیں، وہ خواب گاہوں میں اللہ کی تسبیح کریں۔ وہ اللہ کی کبریائی کا اعلان کریں گے بلند آوازوں سے، ان کے ہاتھ میں دودھاری تلواریں ہوں گی۔ ان کے ذریعہ ان قوتوں سے وہ انتقام لیں گے جو اللہ کی عبادت کے منکر ہیں۔ ان کے بادشاہوں اور اشراف کو قید و بند کی سزا دیں گے۔''

ابن قیم کہتے ہیں کہ یہ صفات تو صرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی امت پر منطبق ہوتے ہیں کیوں کہ وہی لوگ اپنی نماز کی اذانوں میں بلند آواز سے اللہ کی کبریائی کا اعلان کرتے ہیں اور بلند جگہوں سے کرتے ہیں یا

آٹھویں بشارت اسی طرح ہے کہ داؤد دوسری پیشین گوئی زبور میں اس طرح آئی ہے: اس وجہ سے اللہ نے آپ کو برکت عطا کی ہے ہمیشہ کے لیے۔ پس اے سردار تلوار لٹکائیے کیوں کہ رونق آپ کے چہرہ سے ہے، تعریف آپ کے اوپر غالب ہے، کلمہ حق کی سواری کیجئے، اللہ کی حمد کیجئے، اس لیے کہ آپ کے ناموس اور آپ کی شریعت آپ کے دائیں ہاتھ سے وابستہ ہے، آپ کا حصہ مقرر ہے، قومیں آپ کے سامنے سرنگوں ہوں گی۔''

ابن قیم کہتے ہیں کہ داؤد علیہ السلام کے بعد کوئی نبی تلوار لٹکانے والا نہیں آیا سوائے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ انہی کے سامنے قومیں سرنگوں ہوئیں اور ان کی شریعت کی دھاک بیٹھی۔

نویں بشارت بھی حضرت داؤد کی ہے۔ زبور میں داؤد علیہ السلام کا دوسرا نغمہ ہے:

اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے صیہون سے تاج محمود ظاہر کیا ہے اور اس تاج کو امامت اور حکومت کے لیے مثال بنایا ہے۔" محمود سے مراد حمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ ان کی صفت زبور میں اس طرح بیان کی گئی ہے: وہ ایک سمندر سے دوسرے سمندر تک دریائے فرات سے زمین کی ابتدا تک حکومت کرے گا۔ جزیروں کے لوگ اس کے سامنے جھک جائیں گے۔ ان کے دشمن خاک آلود ہوں گے ان کے سامنے فارس کے بادشاہ آئیں گے اور سر جھکائیں گے۔ قومیں ان کی فرمانبرداری کریں گے۔ (زبور: 72)

علامہ ابن قیم نے مذکورہ بشارت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: جس عقل مند انسان نے نبوت اور حکومت کے امور پر غور کیا ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شہرت اور ان کی امت کے اوصاف پر غور کیا ہے اس کو کوئی شبہ نہ ہوگا کہ یہ اوصاف صرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی امت پر صادق آتے ہیں نہ کہ حضرت عیسیٰ یا کسی اور نبی پر۔ کیوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بحر روم سے بحر فارس تک اور دریائے جیحون و سکون اور فرات سے مغرب میں انتہائی زمین تک قبضہ کر لیا۔ اور یہ محمد کے اس قول کے مطابق ہے۔ کہ میرے لیے زمین تابع کر دی گئی چنانچہ مجھے اس کے مشرق و مغرب کو دکھایا گیا اور میری امت کا قبضہ وہاں تک ہو جائے گا جہاں تک مجھے دکھایا گیا۔

دسویں بشارت کا حاصل یہ ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے نغمہ میں فرمایا: وادیاں خوشی منائیں گی، فیزار کی زمین شادماں ہو گی، غاروں کے باشندے تسبیح کریں گے، پہاڑوں کے رہنے والے اپنے رب کے حمد کا نعرہ لگائیں گے اور فضا میں اس کی تسبیح بلند کریں گے۔ ابن قیم کہتے ہیں کہ وادیوں میں رہنے والوں سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے سوا کوئی نہیں ہے اور قیدار سے مراد بنی اسماعیل کے علاوہ کوئی نہیں ہے۔

علامہ ابن قیم نے اسعیا، شعیا، بقوق، حزقیل، دانیال جیسے انبیاء کرام کی بشارتیں بھی جمع کی ہیں اور ان کے حقیقی معانی اور مصداق کی تعیین کی ہے۔ علاوہ ازیں انجیل سے بھی فارقلیط کے علاوہ دوسری بشارتیں جمع کی ہیں۔ کل 39 بشارتیں ہیں جن کو ابن قیم نے بیان کیا ہے۔ اسی کے ساتھ اہل کتاب کے ان علماء کے بیانات بھی درج کیے ہیں جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے۔ توریت وزبور اور انجیل میں نبی آخر الزماں کے جو اوصاف بیان کیے گئے تھے ان علماء نے ان کی صراحت اور وضاحت کی ہے۔ اس عہد میں کتابیں قلمی ہوتی تھیں اس لیے حک واضافہ کا امکان بہت تھا۔ اگر موجودہ توریت اور انجیلوں کا برناباس کی انجیل سے موازنہ کیا جائے تو یہ حقیقت زیادہ واضح ہو جاتی ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارتوں کا کتمان بھی کیا گیا اور تحریف بھی کی گئی۔

توریت میں تحریف:

علامہ ابن قیم نے توریت میں واقع ہونے والی تحریف کے ثبوت میں کہا ہے کہ یہودی یہ اقرار کرتے ہیں کہ ستر یہودی علماء جمع ہوئے اور سب نے توریت کے تیرہ ۱۳ حروف کو بدلنے پر اتفاق کیا۔ یہ واقعہ حضرت عیسی علیہ السلام کے بعد قیصر روم کے زمانہ میں پیش آیا جن کے ظلم کے سایہ میں یہ لوگ زندگی گزار رہے تھے۔ کیوں کہ ان کی اپنی حکومت ختم ہو چکی تھی اور کوئی بادشاہ نہ بچا تھا جو ان کی حمایت کرتا۔ ابن قیم اس سے یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ جو لوگ اللہ کی کتاب میں ایک جگہ بھی تبدیلی پر راضی ہو جائیں وہ دوسری جگہوں پر بھی تحریف کر سکتے ہیں۔ یہود یہ بھی مانتے ہیں کہ سامرہ فرقہ نے توریت میں متعدد جگہ پر تبدیلی کی ہے۔ تحریف کا یہی الزام سامرہ دوسرے یہودی فرقوں پر عائد کرتے ہیں۔ اس موقع پر ابن قیم نے متعدد مثالیں دی ہیں۔ مثلاً توریت میں لکھا ہے کہ لوط علیہ السلام شہر سے نکلے اور پہاڑ کے غار میں چلے گئے۔ ان کے ساتھ ان کی دو بیٹیاں تھیں، چھوٹی بیٹی نے بڑی بہن سے کہا کہ ہمارے باپ بوڑھے ہو چکے ہیں اور یہاں کوئی مرد نہیں ہے۔ آؤ ہم ان کے ساتھ شب باشی کریں تاکہ ان سے نسل چلے۔ چنانچہ لوط کو شراب پلائی گئی پھر ان کے ساتھ بڑی بیٹی سوئی پھر چھوٹی بیٹی سوئی۔ یہی کام دوسری رات بھی ان دونوں نے کیا۔ پھر ان دونوں کو حمل ٹھہر گیا اور ان کے بچہ ہوا جن کا نام مواب اور عمون تھا۔ کیا یہ ممکن ہے کہ ایک جلیل القدر نبی بڑھاپے میں ایسی بدکاری کرے گا اور آنے والی امت سے بیان کرے گا۔

ابن قیم نے دوسری مثال یہ دی ہے کہ توریت میں لکھا گیا کہ اللہ تعالی طور سیناپر موسیٰ علیہ السلام کے سامنے متجلی ہوا اور بہت سی باتیں کرنے کے بعد کہا کہ اپنے ہاتھ کو اپنی گود میں ڈالو۔ چنانچہ موسیٰ نے ہاتھ ڈالا اور نکالا تو وہ برف کی طرح برص کے مرض کا شکار ہو چکے تھے۔ حالاں کہ اللہ تعالیٰ اس وقت موسی کے لیے متجلی نہیں ہوا بلکہ حکم دیا کہ اپنا ہاتھ اپنے جیب میں ڈالو۔ پھر نکالو گے تو وہ سفید ہو گا بغیر کسی بیماری کے۔ یعنی بغیر برص کے مرض کے لیے تیسری مثال یہ دی ہے کہ توریت میں لکھا ہے کہ اللہ نے جب یہ دیکھا کہ انسانوں نے زمین میں بہت زیادہ فساد

پھیلا دیا ہے تو ان کی تخلیق پر شرمندہ ہوا اور بولا کہ میں نے زمین پر جس انسان کو پیدا کیا ہے اسے لے جاؤں گا کیوں کہ میں اس کو پیدا کر کے بہت شرمندہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ اس افترا پردازی سے پاک اور بلند ہے۔

چوتھی مثال یہ دی ہے کہ توریت میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یعقوب سے کشتی لڑی اور یعقوب نے اللہ تعالیٰ کو زمین پر پچھاڑ دیا وغیرہ ذلک۔

ان کے علاوہ اور بھی مثالیں دی ہیں اور یہ بتایا ہے کہ اللہ کی نازل کردہ توریت میں فحش اور غلط باتیں نہیں ہو سکتیں۔ یقیناً یہودیوں نے گھڑ کے توریت میں شامل کر دیا ہے۔ ابن قیم نے اس تحریف کا سبب بھی بیان کیا ہے کہ موسیٰ نے بنی اسرائیل کی گروہ بندی اور تفرقہ کی وجہ سے مکمل توریت کو بنی اسرائیل میں نہیں پھیلایا بلکہ لاوی کی اولاد کو دیا۔ یہودیوں کے قاضی اور حکمراں حضرت ہارون کی اولاد تھی۔ موسیٰ نے توریت کی نصف سورہ بنی اسرائیل کو دیا اور بقیہ سورہ ہارون کی اولاد کو دیا۔ یہی لوگ مکمل تورات کو محفوظ کرنے والے تھے۔ بخت نصر کا جب حملہ ہوا تو انھوں نے ان سب کو قتل کر دیا اور ہیکل کو جلا ڈالا۔ اور بیت المقدس پر قبضہ کر لیا۔ پوری تورات بنی اسرائیل کو زبانی یاد نہ تھی۔ جب عزیر نے دیکھا کہ دولت مٹ گئی، ہیکل جل گیا، علما قتل کیے گئے اور توریت ضائع ہو گئی تو انھوں نے باقی لوگوں سے مل کر توریت کے بچے کھچے حصہ کو جمع کیا اور کہا کہ یہ وہ توریت ہے جو موسیٰ پر نازل ہوئی۔ حالاں کہ در حقیقت موجودہ توریت عزیر کی توریت ہے۔ اگرچہ اس میں موسیٰ پر نازل ہونے والی توریت سے استفادہ کیا گیا ہے یا علامہ ابن قیم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں یہودیوں کے عقائد پر تنقید و تبصرہ کیا ہے۔ وہ حضرت عیسیٰ کو نعوذ باللہ ولد الزنا کہتے تھے۔ ان کے معجزات کا اظہار کرتے تھے اور ان کو جھوٹا نبی قرار دیتے تھے۔ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عیسیٰ کی تصدیق نہ کرتے، قرآن کریم ان کی معجزانہ ولادت اور ان کے دیگر معجزات کی شہادت نہ دیتا تو عیسائیوں کے لیے ناممکن تھا کہ وہ یہودیوں کے مقابلہ میں حضرت عیسیٰ کی فضیلت ثابت کر پاتے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام شبہات کا ازالہ کیا جو حضرت عیسیٰ کی نبوت سے متعلق یہود اور دوسرے منکرین اظہار کرتے تھے۔

اسی کے ساتھ ابن قیم نے نصاریٰ کے مختلف فرقوں کا ذکر کیا ہے۔ حضرت عیسیٰ کی شخصیت اور تعلیم کے بارے میں ان کے خیالات اور باہمی اختلافات پر روشنی ڈالی ہے۔ خلاصہ کے طور پر لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰ کا تعارف یہود نے بدترین انسان کے طور پر کرایا اور عیسائیوں نے ایسے شخص کی شکل میں کرایا جس کا وجود ہی ممکن نہیں اور عقل و فطرت اسے قبول کرنے کے لیے تیار نہیں۔ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہ تشریف لاتے تو دنیا یہ نہ جان سکتی تھی کہ عیسیٰ بن مریم وہی ہیں جو اللہ کے رسول، اس کے بندے، اس کا کلمہ اور اس کی روح ہیں۔

عیسائی کونسل:

ابن قیم نے مختلف وقتوں میں منعقد کی گئی عیسائی کونسل کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ یہ دس کونسل ہیں جن میں عیسائی سردار اور پادری جمع ہوتے تھے۔ ایک دوسرے کی تکفیر کرتے تھے اور ایک دوسرے کو بددین قرار دیتے تھے۔ انہی کونسلوں میں عیسائی مذہب کے اصول و احکام وضع کیے گئے۔ ابن قیم کہتے ہیں کہ پولس شمشاطی پہلا شخص ہے جس نے عیسیٰ کے بارے میں لاہوت اور ناسوت کا نظریہ پیش کیا اور ان کو ابن اللہ قرار دیا اور

خدائی میں شریک ٹھہرایا۔ پولس کی وفات کے بعد تیرہ پادری شہر انطاکیہ میں جمع ہوئے اور پولس کے پیش کردہ نظریہ پر غور و فکر کیا۔ ان لوگوں نے پولس پر لعنت کی اور ہر اس شخص پر لعنت کی جو پولس کے عقیدہ کا قائل ہے۔

دوسری کونسل میں قسطنطین کی حکومت میں نیقیہ شہر میں چودہ مہینہ بعد ہوئی۔ اس کونسل میں پادریوں کے خیالات مختلف تھے۔ کوئی کہتا تھا کہ عیسی اور مریم دونوں خدا ہیں، کوئی کہتا تھا کہ عیسی باپ کے لیے شعلہ کی حیثیت رکھتے ہیں، کوئی یہ کہتا تھا کہ عیسی بن مریم انسان ہیں۔ کوئی یہ کہتا تھا کہ تین خدا ہیں اور ان میں عیسیٰ ایک ہیں۔ کوئی یہ کہتا تھا کہ رب تو عیسی بن مریم ہے۔ قسطنطین نے ان سب کی مختلف باتیں سنیں تو اسے تعجب ہوا۔ ان سب کو ایک گھر میں جمع کیا اور کہا کہ آپ لوگ آپس میں مناظرہ کریں تاکہ معلوم ہو جائے کہ کون حق پر ہے۔ ان میں سے تین سو اٹھارہ پادری ایک عقیدہ پر متفق ہوئے اور بقیہ پادریوں سے ان کا مناظرہ ہوا۔ جو مختلف الخیال تھے ان کو مناظرہ میں شکست ہوئی۔ تب قسطنطین نے ان تین سو اٹھارہ لوگوں کی مجلس بنائی خود ان کے درمیان بیٹھا اور کہا کہ آج میں نے آپ سب کو حکومت کا ذمہ دار بنایا۔ آپ جو چاہیں فیصلہ کریں۔ ان لوگوں نے بادشاہ کو مبارک بادی دی، ان کے گلے میں تلوار لٹکائی اور ان کو دین عیسوی کا ناصر و مجدد قرار دیا۔ اس مجلس میں امانت ٹرسٹ بنائی گئی اور کہا گیا کہ بیٹا باپ سے تمام مخلوقات سے پہلے پیدا ہوا۔ بیٹا باپ کی طبیعت ہے وہ مخلوق نہیں ہے۔ اس پر بھی اتفاق ہوا کہ یہود یوم سبت کو چھٹی مناتے ہیں، عیسائی اتوار کو چھٹی منائیں گے اور یہ کہ بڑے پادری شادی نہیں کریں گے۔ آریوس پادری کا عقیدہ تھا کہ عیسی روح اللہ تو ہیں ابن اللہ اور خدا نہیں ہیں۔ چنانچہ پہلی کونسل کے اٹھاون سال بعد تیسری کونسل نیقیہ شہر میں منعقد ہوئی جس میں پولس کے عقیدہ اور ملک میں اس کے پھیلتے اثرات پر غور کیا گیا۔ ان تمام پادریوں نے ایسا عقیدہ رکھنے والوں پر لعنت کی اور طے کیا کہ روح القدس خالق ہے مخلوق نہیں ہے بلکہ خدا ہے باپ بیٹے کی طبیعت سے ہے اور ایک ہی جوہر ہے اور تثلیث میں ایک ہے یا تیسری کونسل کے 51 سال بعد چوتھی کونسل منعقد ہوئی جس میں یہ طے کیا گیا کہ درحقیقت مریم خدا کی ماں نہیں ہے۔ بلکہ دو شخصیت میں ایک وہ خدا جس نے باپ سے وجود پایا ہے دوسرا وہ انسان جس نے مریم سے وجود پایا ہے اور یہ دونوں مل کر ایک بنتے ہیں۔ ان کو خدا اور خدا کا بیٹا کہا جاتا ہے۔ یعنی خدائی اور انسانیت دونوں ایک میں جمع ہو گئی ہے۔ اس عقیدہ پر پھر بحث ہوئی اور ایک دوسرے پر لعنت بھیجنے کا سلسلہ شروع ہوا تو پانچویں کونسل منعقد ہوئی۔

علامہ ابن قیم نے عیسائی کونسلوں کی تفصیل بیان کرنے کے بعد یہ ثابت کیا ہے کہ عیسائیوں کا عقیدہ اور مذہب اللہ کی طرف سے نازل کردہ انجیل پر مبنی نہیں ہے بلکہ عیسائی کونسلوں کی قرار دادوں اور فیصلوں پر مبنی ہے۔ یہ کونسلیں اسلام کی آمد سے پہلے شروع ہوئیں اور اسلام کے بعد تک چلتی رہیں۔ آخر میں ابن قیم نے اس نکتہ پر بحث کی ہے کہ نبوت محمدی کا انکار سارے انبیاء کی دعوت کا انکار ہے اور محمد کا اقرار سارے انبیاء کی دعوت کا اقرار ہے۔ غرض یہ کہ ابن قیم نے یہود و نصاری کے عقائد پر مدلل اور مفصل بحث اس کتاب میں کی ہے۔ انبیاء بنی اسرائیل کے بارے میں قرآن نے جو بیانات دیے ہیں ابن قیم نے تاریخی طور پر ان کو ثابت کرنے کی سعی کی ہے۔

اگرچہ مصنف کا انداز مناظرانہ اور مجادلانہ ہے مگر مذکورہ مذاہب کے بارے میں ان کی معلومات بہت وسیع اور وقیع ہیں۔ یہودی اور عیسائی عقائد، تعلیمات اور تاریخ کا ہر گوشہ انھوں نے مولا ہے اور داد تحقیق دی ہے۔ ابن قیم کے مطالعہ میں وسعت کے ساتھ ان کے استدلال میں قوت

ہے۔لب ولہجہ کی شدت سے صرف نظر کیا جائے تو تقابلی مطالعہ مذاہب پر یہ گراں قدر کتاب ہے۔توریت وانجیل کی تدوین کی تاریخ پر اور ان کتابوں میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی بشارت پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔مصنف کو قرآن وحدیث اور صحف آسمانی کی تفصیلی واقفیت بھی ہے اور علم کلام سے بھی مناسبت ہے۔اس لیے ان کے بیان کی معقولیت متاثر کرتی ہے[4]۔

خودآزمائی:

1. ابن تیمیہ کی کتاب "الجواب الصحیح" کی اہمیت پر نوٹ قلمبند کریں۔
2. موجودہ عیسائی مذہب سے متعلق عیسائی پادری نے کیا دعوی کیا؟ وضاحت کریں۔
3. کیا ابن تیمیہ کے مطابق تورات اور انجیل مستند ہیں؟ اگر نہیں تو دلیل کے ساتھ وضاحت کریں۔
4. ابن تیمیہ کی مطالعہ مذاہب میں خدمات کا جائزہ لیں۔
5. ابن تیمیہ کی معروف کتابوں پر نوٹ لکھیں۔
6. ابن تیمیہ نے اپنی کتاب الجواب الصحیح میں کس طرح توریت اور انجیل سے استفادہ حاصل کیا ہے؟ وضاحت کریں۔
7. موجودہ عیسائی مذہب سے مطلق ابن تیمیہ کے خیالات کا جائزہ لیں۔
8. ابن تیمیہ کی تثلیث واتحاد کی تردید پر نوٹ تحریر کریں۔
9. عیسائیوں کے مطابق بائبل کتنی اور کون سی زبانوں میں لکھی گئی ہے؟
10. اقانیم ثلاثہ کی تردید پر مفصل نوٹ تحریر کریں۔
11. ابن قیم کے مطابق محمد ﷺ کی بعثت کے وقت دنیا میں کتنے مذاہب تھے؟ مفصل بیان کریں۔
12. ابن قیم کی کتاب "ھدایۃ الحیاری فی اجوبۃ الیہود والنصاری" کا اجمالی تعارف پیش کریں۔
13. ابن قیم کے حالات زندگی پر مفصل نوٹ قلمبند کریں۔
14. سوانح نگاروں کے مطابق ابن قیم کی نایاب کتابوں کے نام تحریر کریں۔
15. ابن قیم نے یہود ونصاری کے بقول نبی اکرم ﷺ پر ایمان نہ لانے کر اسباب تحریر کریں۔
16. نبی اکرم ﷺ کی نبوت کی بشارتیں توریت وزبور کی رو سے بیان کریں۔
17. ذبیح اسمعیل علیہ اسلام ہیں یا اسحاق علیہ اسلام؟ وضاحت کریں۔

---

[4] قاسمی، محمد سعود عالم، مطالعہ مذاہب کی اسلامی روایت، ص:214

18. فارقلیت کون ہیں؟ مفصل نوٹ تحریر کریں۔
19. حضرت داؤد علیہ السلام کی بشارت کو کس طرح زبور میں بتایا گیا ہے؟ وضاحت کریں۔
20. ابن قیم نے نصاری کے کتنے اور کونسے فرقوں کا ذکر کیا ہے؟ وضاحت کریں۔

جوابات:

تمام سوالوں کے جواب متعلقہ یونٹ سے تلاش کریں۔

مصادر و مآخذ/مزید مطالعہ کے لیے

- قاسمی، محمد سعود عالم، مطالعہ مذاہب کی اسلامی روایت، اعظم گڑھ: شبلی اکیڈمی، 2019ء

یونٹ نمبر6

حضرت مجدد الف ثانیؒ اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کی مطالعۂ مذاہب میں خدمات

مؤلف: ڈاکٹر حسن بیگ، شمع ناز

نظر ثانی: عثمان علی شیخ، ڈاکٹر احمد رضا، حافظہ حفصہ مجید

فہرست مضامین

عنوانات	صفحہ نمبر
یونٹ کا تعارف	150
یونٹ کے مقاصد	152
مطالعہ ادیان میں حضرت مجدد الف ثانیؒ کی خدمات	153
مختصر حالات زندگی	153
حضرت مجدد الف ثانیؒ کے عہد کے حالات	155
دینی واصلاحی کارنامے	156
احیاءِ دین کی ضرورت	156
مطالعہ ادیان میں خدمات	157
رسالہ اثبات النبوہ کی تصنیف	157
جیل میں ہندوؤں کا حلقہ بگوش اسلام ہونا	158
ہروے رام نامی ہندو کو مکتوب	159
ہندوؤانہ رسومات کا خاتمہ	161
مشرکانہ رسومات کا خاتمہ	161
قید سے رہائی کی صورت میں مطالعہ ادیان میں خدمت	162
جارحانہ ہندوؤانہ احیائیت اور حضرت مجدد کا ردعمل	162
یورپی پادریوں سے مناظرہ	164
عہدیداران کو مکتوبات	165
قلعہ کانگرہ کی فتح	166
خلاصہ ءبحث	167
مطالعہ ادیان میں شاہ ولی اللہی خدمات	169
شاہ ولی اللہؒ کے حالات زندگی	170

علمی مقام ومرتبہ	170
علمی ودینی خدمات	171
نظریہ وحدتُ الادیان	171
یہودیوں کے باطل اعتقادات	172
آخرت میں نجات کا طریقہ	172
کیا یہودیت ناقابل تنسیخ ہے؟	173
تورات میں تحریف اور قرآن کی وضاحت	173
عیسائیوں کے باطل اعتقادات	175
یہود ونصاریٰ کے عقائد واعمال اور مسلم معاشرے پر اس کا نفوذ	177
مشرکین	177
مشرکینِ عرب	178
خود آزمائی	178
جوابات	179
مصادر ومآخذ/مزید مطالعہ	180

یونٹ کا تعارف

تاریخ ایک قوم کی یادداشت ہوتی ہے اور جو قوم اپنی یادداشت سے محروم ہو جائے وہ اپنا وجود بھی کھو دیتی ہے۔ اس کا منطقی نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ وہ دوسری قوموں سے مرعوب ہو کر احساسِ کمتری کا شکار ہو جاتی ہے۔ ہمیں چاہیے کہ اپنی درخشاں تاریخ کا مطالعہ کریں۔ بر صغیر پاک و ہند میں اسلام کا پیغام سب سے پہلے پہلی صدی ہجری میں ان مقدس ہستیوں کے ذریعہ پہنچا جن کی تربیت دستِ نبوت ﷺ نے کی تھی۔ تاریخ کی مختلف کتب اور تذکروں کے مطابق پچیس صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سرزمین ہند میں اسلام کی دعوت پہنچانے کا ذریعہ بنے۔ بد قسمتی سے اس دور میں اسلام کو یہاں قدم جمانے اور مستحکم ہونے کا موقع نہ مل سکا۔ اس کے بعد بر صغیر میں مسلمان تین اطراف سے آئے۔ جنوبی ہند کے ساحلی علاقے سے زیادہ تر تاجر، علماء اور مبلغین آئے۔ سندھ کی طرف سے بھی پہلے پہل تاجر اور مبلغین حضرات ہی کی آمد ہوئی۔ بعد میں محمد بن قاسمؒ کو مظلوموں کی مدد کے لیے آنا پڑا۔ شمال میں افغانستان کے راستے فاتحین، علماء، فقہا، محدثین اور مشائخ کی آمد ہوئی۔

احیائے دین کا پرچم گیارہویں صدی ہجری کے مجدد شیخ احمد سرہندی المعروف مجدد الف ثانیؒ نے اٹھایا۔ انہوں نے عہد اکبری میں جو جو فتنے پیدا ہوئے اور جتنی بدعتیں رائج ہوئیں اور جس طرح اسلام کو مسخ کرنے کی کوشش کی گئی، ان سب کے خلاف جہاد کیا۔ بقول علامہ اقبال۔

وہ ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہباں
اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار

گیارہویں صدی ہجری میں اس تحریک کا پہلا ہدف اصلاحِ عقائد، بدعات سے اجتناب اور ہندوانہ رسم و رواج سے مسلمانوں کو بچانا تھا۔ تاکہ اسلامی تشخص کو برقرار رکھا جا سکے۔

اسی طرح سترہویں صدی میں ہندوستان پر مسلمانوں کی حکومت زوال پذیر تھی۔ علمائے ہند بادشاہوں اور عوام کی اصلاح کے لیے اپنی انتھک کوششوں میں مصروف تھے۔ یہ دور ہندوستان کے عوام کے لئے بڑا صبر آزما تھا۔ وہ ایک جانب بادشاہوں اور امیروں کی آپسی چیرہ دستیوں اور چپقلشوں کی وجہ سے سلطنت ہند کو ڈوبتے ہوئے دیکھ رہے تھے، دوسری طرف برطانوی استعمار ہندوستان میں اپنے پاؤں مضبوطی سے جماتے جا رہے تھے۔ شاہ ولی اللہؒ کے اندازے کے مطابق مغلیہ حکومت بہت جلد برطانوی استعماروں کی دستِ نگر ہو گئی اور ان کے رحم و کرم پر اپنے شبانہ روز گزارنے لگی۔ برطانوی استعماروں نے بہت جلد اس بات کو محسوس کر لیا اور وہ علمائے ہند کو اپنا دشمن سمجھنے لگے۔ جس وقت شاہ ولی اللہؒ

(1762ء) نے ہوش سنبھالا، اس وقت اورنگ زیب عالمگیرؒ کا بیٹا بہادر شاہ بادشاہ کی حیثیت سے ابھر رہا تھا، لیکن اپنی تنگ مزاجی اور عقیدے کے اعتبار سے اس قابل نہیں رہ گیا تھا کہ وہ اپنے یا عوام کے لیے کچھ سوچ سکے۔

برطانوی استعمار نے مسیحیت کی تبلیغ سرگرمی سے کی اور بالخصوص مسلمانوں کے خلاف اوچھے ہتھکنڈوں پر اتر آئے۔ مناظروں کا بازار گرم کر دیا۔ اسلامی تعلیمات پر کھلے عام اعتراضات کرنے لگے۔ ان حالات میں مسلم علماء کو ردعمل کے طور پر میدان میں اترنا پڑا۔ چنانچہ شاہ ولی اللہؒ محدث دہلوی نے اسلام پر اٹھنے والے اعتراضات کے مدلل جوابات دیے اور دیگر ادیان کے نظریات کا احسن طریقہ سے رد کیا۔ مذکورہ یونٹ میں انہی دو اہم شخصیات کی علمی و دینی خدمات کا جائزہ لیا جائے گا۔

یونٹ کے مقاصد

امید ہے کہ طلباء اس یونٹ کے مطالعے کے بعد اس قابل ہو جائیں گے کہ

1. حضرت مجدد الف ثانیؒ کے حالاتِ زندگی اور خدمات کے بارے میں آگاہی حاصل کر سکیں۔
2. حضرت مجدد الف ثانی کی تصانیف کے بارے میں واقفیت حاصل کر سکیں۔
3. حضرت مجدد الف ثانی کی مطالعۂ مذاہب میں خدمات پر بحث کر سکیں۔
4. ولی اللہؒ کے حالاتِ زندگی اور خدمات کے بارے میں آگاہی حاصل کر سکیں۔
5. شاہ ولی اللہ کی تصانیف کے بارے میں واقفیت حاصل کر سکیں۔
6. شاہ ولی اللہ کی خدمات کے بارے میں آگاہی حاصل کر سکیں۔

مطالعہ ادیان میں حضرت مجدد الف ثانیؒ (1564ء۔1624ء) کی خدمات:

حضرت مجدد الف ثانی کا زمانہ گیارہویں صدی کا دور ہے۔ دس صدیاں گزر چکی تھیں اور گیارہویں صدی کا آغاز تھا جب حضرت مجدد الفؒ ثانی نے دین کے مختلف شعبوں میں خدمات سرانجام دیں۔ ان میں سے تین بڑی خدمات درج ذیل ہیں۔

ایک یہ کہ تصوف کی اصلاح و تجدید۔ تصوف اور صوفیاء کرام کے ماحول میں شریعت سے ہٹ کر جو باتیں شامل ہو گئی تھیں ان کی چھانٹی کی، یہ ان کا ایک بڑا کارنامہ ہے۔ انہوں نے تصوف کو اس کے اصل اسلامی رنگ میں پیش کیا۔

دوسرا کام انہوں نے یہ کیا کہ اہل سنت کے عقائد اور روایات کا تحفظ کیا، ان کو جو خطرات پیش تھے ان کا مقابلہ کیا۔ علمی و عوامی دنیا میں یہ حضرت مجدد صاحبؒ کا ایک بہت بڑا کارنامہ ہے۔ حضرات صحابہ کرامؓ کا دفاع، ان کی تعظیم، ان کے دینی مقام کی وضاحت اور اہل سنت کے عقائد کی تشریح وغیرہ۔ یہ اس دور کا ایک بڑا محاذ تھا۔ اس سلسلے میں حضرت مجدد الفؒ ثانی کے کام کا ایک بہت بڑا ذخیرہ موجود ہے۔

تیسرے نمبر پر مغل بادشاہ اکبر نے جو ایک نیا رجحان دیا تھا کہ دین میں تشکیلِ نو بھی ہو سکتی ہے اور اس کا نیا ڈھانچہ بھی بن سکتا ہے اور اس نے ''دین الٰہی'' کے نام سے ایک نیا دین بنا کر رائج بھی کر دیا۔ اس دین میں سورج کی پوجا بھی جائز تھی اور اللہ کی عبادت بھی۔ شراب، سود اور زنا بھی جائز تھے۔ ان کے علاوہ دیگر بہت سی باتیں شامل تھیں جن کی تفصیل کے لیے میں نے دو کتابوں کا حوالہ دیا ہے۔ چنانچہ اس پر مجدد صاحبؒ نے بڑی حکمت عملی کے ساتھ، بڑے حوصلے کے ساتھ اور بڑی محنت کے ساتھ علمی و فکری میدان میں کام کیا یہاں تک کہ صورت حال کو بالکل پلٹ دیا۔ یعنی جہانگیر کے دور میں ریورس گیئر لگا جبکہ اورنگزیب عالمگیر کے دور تک جاتے جاتے صورتحال بالکل الٹ ہو گئی تھی۔ اور مؤرخین اس ساری جدوجہد کو علمی و فکری طور پر حضرت مجدد الفؒ ثانی کا بڑا کارنامہ سمجھتے ہیں۔

مختصر حالات زندگی:

آپ کا اصل نام "شیخ احمد" تھا۔ ولادت باسعادت 971ھ بمطابق 1564ء سرہند میں ہوئی۔[1] آپ نسباً فاروقی ہیں۔ آپ کا سلسلہ نسب 31 واسطوں سے خلیفہ دوم امیر المومنین سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ سے جا کر ملتا ہے"[2]

---

[1]۔ کشمی، خواجہ محمد ہاشم، زبدۃ المقامات، مترجم ڈاکٹر غلام مصطفے خان (سیالکوٹ: مکتبہ نعمانیہ، 1407ھ)، صفحہ 189

[2]۔ ندوی، سید ابوالحسن، تاریخ دعوت و عزیمت (کراچی: مجلس نشریات اسلام، سن ندارد)، جلد 4: صفحہ

بچپن میں ہی قرآن کریم حفظ کر لیا تھا۔اس کے بعد نقلی و عقلی علوم اپنے والد محترم شیخ عبدالاحد سے حاصل فرمائے۔ بعض علمائے عصر سے بھی استفادہ کیا۔ کتبِ حدیث کی سند حضرت شیخ یعقوب کشمیری سے حاصل کی اور اس زمانے میں ایک مقدس عالم حضرت قاضی بہلول بدخشانی تھے۔ان سے حسب ذیل کتب کا درس لیا اور سند حاصل کی: امام واحدی کی تفسیر بسیط، تفسیر وسیط، اسباب نزول، قاضی بیضاوی کی تفسیر اور دوسری تصنیفات مثلاً منہاج الوصول، الغایۃ القصویٰ وغیرہ اور امام بخاری کی صحیح اور دوسری تالیفات مسلسل ثلاثیات، ادب المفرد ،افعال العباد اور تاریخ وغیر ذلک، مشکاۃ المصابیح، شمائل ترمذی، جامع صغیر للسیوطی اور قصیدہ بردہ شریف وغیرہ۔ مولانا کمال کشمیری سے عضدی پڑھی تھی، غرض کہ ہر علم و فن کو اس کے مشہور اور مستند اساتذہ سے حاصل کیا"[3]

حصول علم کے بعد حضرت مجدد اکبر آباد تشریف لے آئے اور درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ بڑے بڑے مشہور علمائے کرام بھی شریک ہونے لگے اس زمانے میں اکبر بادشاہ تخت ہند پر متمکن تھا اور پایہء تخت ہونے کی وجہ سے اکبر آباد ایک علمی مرکز بن گیا تھا۔اسی زمانے میں ابوالفضل اور اس کے بھائی ابوالفیض فیضی سے آپ کے مراسم ہوئے۔ یہ دونوں بھائی آپ کا بے حد احترام کرتے تھے۔ خواجہ محمد ہاشم کشمی بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے ابوالفضل کے ایک شاگرد نے کہا کہ استاد گرامی اپنے کسی دوست کو خط لکھ رہے تھے۔اس تحریر میں جب تمہارے شیخ کا ذکر آیا تو تعریف و توصیف میں بہت سے القابات لکھے۔ حضرت مجدد دونوں بھائیوں کے یہاں اکثر جایا کرتے تھے۔ایک مرتبہ فیضی کے یہاں تشریف لے گئے تو وہ غیر منقوط تفسیر سواطع الالہام لکھنے میں مصروف تھے اچانک آپ کی تشریف آوری کا علم ہوا تو کہا :

"اچھے موقع پر تشریف لائے، ایک جگہ اٹک گیا ہوں۔ تاویل و تفسیر کے لئے حروف غیر منقوطہ نہیں ملتے۔ بہت دماغ سوزی کی مگر دل پسند عبارت نہ بنی۔ حضرت مجدد نے اسی وقت کمال بلاغت کے ساتھ صنعت منقوطہ میں قلم برداشتہ ایک صفحہ لکھ دیا۔ جس کو دیکھ کر فیضی حیران رہ گئے "[4]

ابوالفضل سے حضرت مجدد کے تعلقات خوشامدانہ نہ تھے بلکہ غیرت مندانہ تھے اس کا اندازہ اس ایک واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے کہ ایک روز آپ ابوالفضل کے یہاں تشریف لے گئے۔ اتفاق سے اس نشست میں ابوالفضل نے فلسفہ کی تعریف شروع کی۔ آپ کو ناگوار معلوم ہوئی۔ آپ نے فلسفہ کے رد میں امام غزالی کا قول پیش کیا اس پر ابوالفضل نے کہا:

غزالی نامعقول است (غزالی نے نامعقول بات کہی)

---

[3]۔ نعمانی، محمد منظور، تذکرہ امام ربانی مجدد الف ثانی (ڈیرہ اسماعیل خان: مکتبہ سراجیہ، 1999ء)، صفحہ 224

[4]۔ کشمی، زبدۃ المقامات، صفحہ 132

حضرت مجدد کو یہ گستاخانہ بات کہاں برداشت ہو سکتی تھی۔ شیخ ان کلمات کو سن کر متغیر ہو گئے اور اس کی مجلس سے اٹھ کر کھڑے ہوئے. اور اٹھتے ہوئے فرمایا اگر تو علماء کی صحبت کا ذوق رکھتا ہے تو اس قسم کی بے ادبانہ کلمات سے اپنی زبان باز رکھ۔ یہ کہہ کر آپ تشریف لے گئے اور چند روز اس کی مجلس میں نہیں آئے۔ ابوالفضل نے خود کسی کو بھیج کر معذرت خواہی کی اور آپ کو بلایا"[5]

حضرت مجدد الف ثانی نے ابتداء میں اپنے والد محترم حضرت شیخ عبدالاحد رحمۃاللہ تعالی سے روحانی فیض حاصل کیا۔ آپ نے چشتیہ سلسلے کا خرقہ خلافت عطا فرمایا۔[6] آپ کو سلسلہ نقشبندیہ میں خرقہء خلافت خواجہ محمد باقی باللہ رحمۃاللہ تعالی نے عطا فرمایا۔

28 صفر المظفر 1034ھ 1624/ء دوشنبہ کو علم و شریعت کا یہ سورج آخر کار غروب ہو گیا۔ آپ کا مزار مبارک سرہند میں واقع مرجع خلائق ہے۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ کے عہد کے حالات:

سید مودودی کی تحریر سے عیاں ہوتا ہے کہ اس وقت دینی، تمدنی و سماجی، سیاسی اور معاشی ہر پہلو ورخ سے حالات ساز گار اور مثالی نہ تھے بلکہ دگرگوں اور پریشان کن تھے۔[7] تصوف میں خرابیاں پیدا ہو چکی تھیں۔ غیر اسلامی فلسفوں کے زیر اثر، فلسفیانہ تصورات در آئے تھے، جو قابل اعتراض تھے۔ طریقت، شرع اسلامی سے الگ و بے نیاز ہو چکی تھی۔ حدود اللہ، حکومتی پالیسیوں کے نتیجے میں پامال ہو رہی تھیں۔ حلال و حرام کے امتیازات کی سرکاری سطح پر کوئی اہمیت نہ رہی تھی۔ احکام دین عملاً منسوخ کر دیئے گئے تھے۔ علم دین و علماء کی وہ عزت نہ رہی تھی، علماء کو فقیہ کے نام سے موسوم کر کے طنز کیا جاتا تھا۔ غیر شرعی رسوم رائج تھیں۔ سجدہ تعظیمی، بادشاہ کا درشن، گائے ذبح پر پابندی، نوروز، شراب کی عام دستیابی اور سرکاری مجالس میں اجازت وغیرہ عام نظر آتی تھیں۔

طبقہ امراء میں خرابیاں پریشان کن تھیں۔ ارکانِ سلطنت، ہندو مسلم سکھ مذہبی خیالات کا ایک ملغوبہ بنا کر نئے دین کی ایجاد کے درپے تھے۔ باشعور علماء و صوفیاء بھی عجیب مخمصوں کا شکار تھے۔ وہ وحدۃ الوجود کے فلسفہ اور اس کی پیچیدگیوں میں مبتلا ہو چکے تھے۔ اصل اسلامی تعلیمات سے دور ہوتے جا رہے تھے۔ معاشرے میں تمدنی خرابیاں پیدا ہو چکی تھیں۔ ہندو عورتوں سے شادیاں، گائے ذبح پر پابندی،

---

[5]۔ کشمی، زبدۃ المقامات، صفحہ 132

[6]۔ حضرت مجدد الف ثانی، مبدء و معاد، مترجم علامہ اقبال احمد فاروقی (لاھور: مکتبہ نبویہ، 1996ء)، صفحہ 55

[7]۔ مودودی، ابوالاعلیٰ: تجدید و احیائے دین، اسلامک پبلیکیشنز، لاہور، ص 80

اخلاقی واعتقادی خرابیاں، نسلی وطبقاتی امتیازات، اوہام وخرافات، ہندو تہواروں کی پابندی، دیوالی، دسہرہ، راکھی، پونم وغیرہ سرکاری اہتمام سے منائی جاتی تھیں۔

عقائدِ اسلام جیسے توحید، رسالت، آخرت، ان کے تصور میں خرابیاں پیدا ہو چکی تھیں۔ شعائرِ دینی کے استہزاء کو معمولی سمجھا جاتا تھا۔ مخلوط مذہب رواج دینے کی کوششیں ہو رہی تھیں۔ بادشاہ کو امام، مہدی، مجدد، انسانِ کامل، خلیفۃ الزماں، دین کا خالق، قرار دیا جا رہا تھا۔ مردوں کا زیورات اور ریشمی کپڑے پہننا معمولی سمجھا جاتا تھا۔ علمِ دین پر عتاب تھا۔[8] ان حالات میں اللہ تعالیٰ نے اس مردِ کامل کو مسلمانانِ ہند کی رہ نمائی کی ہمت و توفیق عطا فرمائی۔ آپ نے ہندو جارحیت کا مقابلہ کیا، اکبر کے دینِ الٰہی کی تردید کی، تصوف میں اصلاح کی تدابیر اختیار کیں۔ توحید کا خالص تصور لوگوں کے ذہن نشین کرایا۔ وحدت الوجود کو رد کیا، اور اس کی جگہ فلسفہ وحدت الشہود متعارف کرایا۔ حکومتی حلقوں کو مخاطب کر کے اسلامی قانون کی بحالی پر زور دیا۔ علماء سو کے اثر و رسوخ کا خاتمہ کرنے کی کوشش کی۔ امراء اور حکمرانوں کی اصلاح کی تدابیر اختیار کیں اور انہیں ان کے فرائض یاد دلائے۔ شعائر اسلامی کی بجاآوری کی تاکید کی۔ تبلیغ و اشاعتِ دین کے لیے کوششیں کی۔ خطوط کے ذریعے اصلاح کی مثالی جدجہد کی۔ اس کی پاداش میں آپ کو قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کرنا پڑیں۔

دینی واصلاحی کارنامے:

آپ کے دینی کارناموں میں حسب ذیل بہت اہم ہیں:

مکتوبات وتصنیفات مکتوبات (3 جلد)۔ اثبات الصلوٰۃ۔ روافض۔ رسالہ علم حدیث، اثرات۔ جہانگیری جانشینی

اکبر بادشاہ سے جو دینِ الٰہی منسوب کیا جاتا ہے، اس میں مختلف ادیان و مذاہب کے معتقدات شامل تھے۔ زردشتی، جین مت، ہندو ازم اور بدھ ازم وغیرہ سب کا معجون مرکب تھا اور اسلام کے نظریہ توحید کو اس میں برائے نام جگہ دی گئی تھی۔ دیگر بہت سی خرابیاں پیدا ہو گئی تھیں، جن کا ذکر قبل ازیں ہو چکا ہے۔

احیاءِ دین کی ضرورت:

جیسا کہ قبل ازیں بتایا جا چکا ہے کہ اس دور میں دینِ اسلام کے ساتھ دیگر غیر مذاہب کی بہت زیادہ آمیزش ہو چکی تھی۔ جس نے اسلام کی حقیقی شکل کو بگاڑ کر رکھ دیا تھا۔ اس لیے شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا از سر نو احیاء ضروری تھا۔ صوفیانہ نظریات میں جو غلط تشریحات و توجیہات کی گئی تھیں، حکمتِ عملی سے ان کی اصلاح بھی ضروری تھی۔ علمائے سوء کی وجہ سے شریعت مطہرہ میں جو خرافات پیدا

---

[8]۔ یہ تفصیلات درج ذیل کتب سے اخذ کی گئی ہیں: تاریخ دعوت وعزیمت از سید ابوالحسن علی ندوی، رُودِ کوثر از ایس ایم اکرام اور تجدید واحیائے دین از سید ابوالاعلیٰ مودودی

کر دی گئی تھیں،ان کی تجدید بھی ضروری تھی۔ بایں وجہ حضرت مجدد نے دیگر مذاہب کے نام ور لوگوں سے مکالمے کیے۔ مسلمانوں کو اس ماحول کے مضر اثرات سے بچانے کے لیے کوششیں کیں۔

حضرت مجدد الف ثانی نے اس ساری خرابی اور خرافات کو دور کرنے کے لئے سخت موقف نہیں اپنایا بلکہ انتہائی تحمل مزاجی اور حکمت عملی سے شریعت مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم اور سنت نبوی کا احیاء فرمایا۔

حضرت مجدد کے اسلوب اور طرز اصلاح کے نمایاں خصائص یہ تھے:

آپ نے اپنے مریدین کی ظاہری اور باطنی تربیت مکمل فرمائی۔ان کو ملک کے طول و عرض میں تبلیغ دین کے لئے روانہ فرمایا۔اس کے علاوہ باہر کے ممالک میں بھی وفود روانہ فرمائے۔

آپ نے عوام کی حالت بہتر بنانے کے لئے سلطان کے لشکر کی اصلاح کے لئے شیخ بدیع الزمان کو بھیجا تا کہ کہ وہ بادشاہ اور اس کے حکام کی تربیت کرے۔آپ نے بدعات کا رد کیا اور اتباع سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر زور دیا۔غلط نظریات و عقائد کی بیخ کنی کا آغاز کیا۔اکبری الحاد میں شیعہ حضرات کا بہت دخل تھا۔ ''رد روافض'' کے ذریعے ان کے عقائد کا رد کیا۔نفاذ شریعت کے لیے علماء کرام کو بیدار کیا تا کہ وہ اپنی ڈیوٹی صحیح طریقے سے ادا کر کے اللہ کی بارگاہ میں سر خروئی حاصل کریں۔

ابن عربی رحمۃ اللہ تعالی کے نظریہ وحدت الوجود پر حکیمانہ طریقے سے تنقید کرتے ہوئے نظریہ وحدت الشہود پیش فرمایا۔ نظریہ وحدت الوجود کی غلط تشریحات و توجیہات کرنے والے خام خیال صوفیوں پر تنقید کیا ور تصوف کے بارے میں قرآن و سنت کے مطابق صحیح عقائد کو بیان فرمایا.[9]

مطالعہ ادیان میں خدمات:

مطالعہ ادیان کے حوالے سے آپ کی خدمات مختصراً یہ ہیں۔

رسالہ اثبات النبوہ کی تصنیف:

حضرت مجدد نے اس دور کے احوال سے مکتوبات میں روشنی ڈالی ہے۔ نبوت اور نبوت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اثبات کے لئے ایک رسالہ تحریر کیا۔ جس کا نام "رسالہ اثبات النبوہ" ہے۔

---

[9] شمائلہ، "وحدت ادیان علمائے برصغیر کی فکر کا مطالعہ" (ایم اے علوم اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، 2006ء)، صفحہ 266

اس رسالہ کی سبب تالیف کے حوالے سے امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالی خود ارشاد فرماتے ہیں:

جب میں نے دیکھا کہ اس دور میں نبوت کے متعلق اور اس کے کسی شخص معین کے لئے متحقق ہونے اور اس کے مقرر کردہ شرائط پر عمل کرنے سے متعلق لوگوں کے عقائد میں بگاڑ آیا ہوا ہے اور یہ مرض اس قدر پھیل گیا ہے کہ ہمارے دور کے ایک ظالم حاکم نے بہت سے علماء پر تشدد کیا اور ناقابل ذکر اذیتیں دیں۔ اس بنا پر کہ وہ علماء احکام شریعت کی پیروی اور نبوت پر ایمان میں راسخ تھے اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ اس کی مجلس میں خاتم الانبیاء علیہ السلام کا نام لینا بھی ممنوع ہو گیا اور جس کسی کا نام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام مبارک پر تھا، کسی اور نام سے تبدیل کرنا پڑا۔ اور اسی طرح گائے کا ذبح کرنا ممنوع قرار دیا گیا۔ جب کہ وہ ہندوستان میں عظیم شعائر اسلام میں سے ہے اہل اسلام کے مقابر اور مساجد کو مسمار کر دیا گیا اور کفار کے پوجا پاٹ کے مقامات اور ان کی رسومات کو فوقیت دی گئی۔ کئی ایک اسلامی شعائر اور نشانیوں کو معطل کر دیا گیا۔ کفار اور ان کے باطل عقائد کی ترویج کی گئی حتی کہ کفار ہند کے احکام کو نافذ کر دیا گیا اور ان کی کتب کو سنسکرت سے فارسی میں منتقل کیا گیا تاکہ اس طرح اسلام کے آثار کلی طور پر مٹ جائیں۔ جب میں نے دیکھا کہ نبوت سے متعلق شک وانکار کی بیماری اتنی عام ہو گئی ہے کہ خود اطباء بھی اس مرض کا شکار ہو گئے ہیں۔ اور اشرف المخلوقات ہلاکت کے دہانے پر ہے اور میں نے لوگوں کے عقیدے فرداً فرداً گریدے اور ان کے شبہات کے متعلق سوالات کئے اور ان کے باطن اور عقائد پر بحث وگفتگو کی تو میں اس نتیجے پر پہنچا کہ ان کی کمزوری کا سبب عہد نبوت سے دوری، علم فلسفہ اور حکمائے ہند کی کتب میں دلچسپی ہے۔ ایک ایسے شخص سے مناظرہ بھی ہوا، جس کو علمِ فلسفہ اور کتب ہند پر عبور حاصل تھا اور بڑے فضل وفضیلت کا مدعی تھا۔ درعین وہ نبوت اور اس کے ایک شخص معین کے لیے ثبوت کے بارے میں خود گمراہ تھا۔ اور دوسروں کو بھی گمراہ کئے جا رہا تھا حتیٰ کہ وہ کہتا نبوت کا حاصل حکمت ومصلحت ہی ہوتا ہے اور خلق کے ظاہر کی اصلاح اور عام لوگوں کو جھگڑوں، تنازعات اور بے قابو خواہشوں کو لگام دینا مقصود ہے اور اخروی نجات کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ نجات اخروی کا مدار کردار سازی اور اصلاح باطن پر ہے جس کا ذکر حکماء نے اپنی کتب میں کما حقہ کیا ھے "[10]

جیل میں ہندوؤں کا حلقہ بگوش اسلام ہونا:

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالی کا اسلوبِ بیان، حسن کردار اور جذبہ دین حق بہت عظیم تھا۔ جہانگیر بادشاہ نے جب آپ کو اپنے دربار میں بلایا اور سجدہ تعظیمی نہ کرنے کی وجہ سے آپ کو قلعہ گوالیار میں ایک سال کے لئے قید کروادیا۔ اس جیل کا انتخاب اس لیے کیا گیا

[10] مجدد الف ثانی، رسالہ اثبات النبوہ، مترجم ڈاکٹر محمد ہمایوں عباس شمس (لاھور: پرو گریسو بکس، 2019ء)، صفحہ 138

کیونکہ اس کاانچارج ایک ہندو تھاجو کہ تنگ نظر، سنگدل اور شدید متعصب تھا۔ خاص طور پر اس کو مسلمانوں سے شدید نفرت تھی۔ جہانگیر کے مشیروں نے اس جیل کا اس لیے انتخاب کروایا کہ وہ ہندو آپ کے ساتھ بہت زیادہ ظلم و ستم کرے گا۔ معاملہ اس کے برعکس ہوا۔ آپ نے عملاً اپنے حسن کردار اور شب و روز کی تبلیغ سے نہ صرف اس ہندو کو متاثر کیا بلکہ جیل میں موجود تمام ہندو آپ سے بہت زیادہ متاثر ہو کر حلقۂ بگوش اسلام ہو گئے۔ حکیم کا کوئی کام بھی چونکہ حکمت سے خالی نہیں ہوتا اس لیے آپ کا قلعہ گوالیار میں قید ہونا سینکڑوں ہندوؤں کے لیے راہ ہدایت کا باعث بنا۔

Encyclopedia of Religion and Ethics میں کچھ اس طرح سے بیان کیا گیا ہے:

"ہندوستان میں 17 ویں صدی عیسوی میں ایک عالم دین جسکا نام شیخ احمد مجدد ہے۔ جو ناحق قید کر دیے گئے تھے۔ ان کے متعلق روایت ہے کہ انہوں نے قید خانہ کے ساتھیوں میں سے کئی بت پرستوں کو مسلمان بنالیا"[11]

مفتی غلام سرور لاہوری، حضرت مجدد کی قید پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"جب آپ قید خانے میں پہنچے تو چند ہزار کفار کو جو زندان شاہی میں محبوس تھے، مشرف بہ اسلام کیا، سینکڑوں لوگوں کو اپنی ارادت سے سرفراز فرما کر ولایت کے درجہ تک پہنچادیا، حضرت شیخ نے قید خانہ میں کبھی بھی بادشاہ کے لیے بددعا نہیں کی، بلکہ یہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر بادشاہ مجھ کو قید نہ کرتے تو یہ چند ہزار لوگ جو دینی فوائد سے مستفید ہوئے ہیں محروم رہتے، اور جو ترقیات اور مقامات مجھ کو حاصل ہوئے۔ اور جن کا حصول نزول بلا ہی پر منحصر تھا، ہرگز حاصل نہ ہوتے"[12]

ہروے رام نامی ہندو کو مکتوب:

حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ تعالی پر یہ بھی گراں تھا کہ رام اور رحمان کو ایک ہی حقیقت سے وابستہ کر دیا جائے. ہندوؤں میں تو یہ خیال تھا ہی، مسلمان بھی ان میں سمجھتے تھے کہ ان میں صرف نام کا پھیر ہے، مگر حقیقت ایک ہے، اس تصور میں بھی توحید وجودی سے پیدا

---

[11] Encyclopedia of Religion and Ethics, Vol-8, P748.

[12] لاہوری، غلام سرور، خزینۃ الاصفیاء (مطبوعہ لکھنو:، 1879ء)

ہونے والی غلط فہمی کو بڑا دخل تھا، چنانچہ حضرت مجدد نے ہروے رام نامی ایک ہندو کو جو مکتوب لکھا ہے اس میں صاف صاف فرمایا ہے کہ رحمان سے رام کو کوئی نسبت بھی نہیں۔ سرنامہ پہ یہ شعر تحریر فرمایا ہے:

من آنچہ شرط ابلاغ است باتو می گویم توخواہ از سخنم پند گیر وخواہ ملال

(جس نے شرط تبلیغ پوری کردی ہے آگے میری باتوں سے تو نصیحت پکڑے یا ملال محسوس کرے تیری مرضی)

اس کے بعد نفس مطلب کو اس طرح بیان فرمایا:

"جان اور آگاہ رہ کہ ہمارا اور تمہارا پروردگار بلکہ تمام اہل دنیا کا پالنہار، کیا آسمان والے اور کیا زمین والے، کیا عالم بالا والے اور کیا عالم اسفل والے، سب کا پروردگار ایک ہے، وہ بے چون و بے چگون، تشبیہ و مثال سے پاک ہے اور شکل و صورت سے منزہ ہے، اس تعالی سبحانہ کے حق میں پدری اور فرزندی محال ہے، مثال و ہمسری کو اس جناب میں کیا مجال شائبہ؟۔ اس کی شان میں اتحاد و حلول مکروہ ہے، اور کون و بروز کا گمان برا ہے، کوئی زمانہ نہیں جو اس کا مخلوق نہ ہو، کوئی مکان نہیں جو اس کا بنایا ہوا نہ ہو، نہ اس کے وجود کی ابتدا ہے اور نہ اس کی زندگی کی انتہاء جس چیز کا تعلق نیکی و کمال سے ہے وہ اس تعالی کی طرف سے ثابت ہے، اور جس چیز کا تعلق نقص و زوال سے ہے وہ اس تعالی سے مسلوب ہے، میں مستحق عبادت وہی ہے اور لائق پرستش بھی وہی ہے، رام اور کرشن اور اسی قسم کے ہندوؤں کے جو دوسرے اوتار ہیں اس کی ادنی ترین مخلوقات میں سے ہیں"[13]

مذکورہ بالا مکتوب میں آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں۔ رام، حسبر تھ کا بیٹا اور لچھمن کا بھائی اور سیتا کا خاوند ہے۔ جب رام اپنی بیوی پر نگاہ نہ رکھ سکا تو وہ دوسرے کی کیا مدد کر سکتا ہے، عقل دور اندیش سے کام لینا چاہتے، اور ان کی تقلید پر نہ چلنا چاہیے، بڑے عار کی بات ہے کہ کوئی تمام جہانوں کے پروردگار کو رام یا کرشن سے یاد کرے، اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی عظیم الشان بادشاہ کو ادنی خاک روب کے نام سے یاد کرے، رام اور رحمان کو ایک جاننا بڑی بیوقوفی ہے۔ خالق، مخلوق کے ساتھ ایک نہیں ہوتا اور چوں ہیچوں کے ساتھ متحد نہیں ہو سکتا"۔[14]

---

[13]۔ مجدد الف ثانی، مکتوبات امام ربانی، دفتر اول (کراچی: مدینہ پبلشنگ کمپنی، 1971ء)، مکتوب نمبر 167، صفحہ 395

[14]۔ مجدد الف ثانی، مکتوبات امام ربانی، دفتر اول (کراچی: مدینہ پبلشنگ کمپنی، 1971ء)، مکتوب نمبر 167، صفحہ 395

ہندوؤانہ رسومات کا خاتمہ:

حضرت مجدد الف ثانی کے دور میں چند خام خیال اور ناقص العمل صوفیوں کی وجہ سے تصوف کی غلط تشریحات و توجیہات کی گئیں جس کی وجہ سے ہندوانہ رسومات کی آمیزش بہت زیادہ ہوگئی۔ شریعت اور ہندوانہ تصوف کی باہمی کشمکش کو دور کرنے کے لئے حضرت مجدد الف ثانی میدان میں آئے۔ بقول مسعود عالم ندوی:

دین اور دینی اصلاح کا ہر شعبہ انکی افادات کا مرہون منت ہے۔ شریعت اور ہندوانہ تصوف کی باہمی کشمکش بھی انہی کے ہاتھوں دور ہوئی ۔انھوں نے اس باطل تصوف کی اصلاح کی۔ اتباع سنت پر زور دیا اور لوگوں کو کتاب وسنت کی چشمہ صافی کی طرف واپس لانے میں بڑی حد تک کامیاب ہوئے۔[15]

مشرکانہ رسومات کا خاتمہ:

عہد اکبری میں مسلمان غیر اسلامی رنگ میں اس قدر رنگ گئے تھے کہ کفر واسلام میں امتیاز مشکل تھا۔ مسلمانوں میں سینکڑوں مشترکانہ رسمیں رائج ہوگئی تھیں جس کا اثر عہد جہانگیری تک تھا، حضرت مجدد نے پوری قوت کے ساتھ اس کی اصلاح کی کوشش کی اور اس ماحول میں جہاں آوازہ حق بلند کرنا اپنے سر کو تلوار پر رکھنے کے مترادف تھا۔ حضرت مجدد نے پوری اسلامی حمیت اور غیرت کے ساتھ بڑے جرات مندانہ انداز میں اعلاء کلمۃ الحق کیا۔

شیخ فرید بخاری کے نام ایک مکتوب میں کمال وارفتگی اور شفتگی کے ساتھ یوں تحریر فرماتے ہیں:

"ذرا خیال تو کریں کہ معاملہ کہاں تک پہنچ چکا ہے، مسلمانی کی بُو بھی باقی نہیں رہی، ایک دوست نے کہا ہے کہ تم لوگوں میں سے جب تک کوئی دیوانہ نہ ہوگا، مسلمانی تک پہنچنا مشکل ہے، اسلام کا بول بالا کرنے کے لیے اپنے نفع ونقصان کا بھی خیال نہ کرنا، یہ ہے دیوانگی، اسلام رہے تو کچھ بھی ہو کوئی پرواہ نہیں اور اگر نہ رہے تو پھر کچھ بھی نہ رہے، اگر مسلمانی ہے تو پھر خدا کی رضا اور اس کے حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی بھی ہے، اور آقا کی رضا سے بڑھ کر کوئی دولت نہیں"[16]

---

[15] ۔شاہ ولی اللہ، الفرقان (بریلی: 1940ء)، نمبر 1، صفحہ 51

[16] ۔مکتوبات امام ربانی، دفتر اول، مولانا سعید احمد نقشبندی (کراچی: مدینہ پبلشنگ کمپنی، 1970ء)، مکتوب نمبر 163، صفحہ: 367

قید سے رہائی کی صورت میں مطالعہ ادیان میں خدمت:

صوفیائے کرام کا ہمیشہ سے یہ طریقہ کار رہا ہے کہ وہ مشکل میں ہوں یا آسانی میں، دھوپ میں ہوں یا چھاؤں میں، بھوک میں ہوں یا پیاس میں، اچھے حالات ہوں یا برے حالات ہر حال میں اللہ کے دین کی سربلندی اور رفعت کے لیے کام کرتے ہیں۔ان کا جینا، مرنا، اٹھنا، بیٹھنا ، سونا اور جاگنا ہر کام مخلوق خدا کی رہبری اور رہنمائی کے لئے ہوتا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی جب جیل کے اندر قید تھے تو بھی انہوں نے اپنا مشن جاری و ساری رکھا۔اور جب جیل سے باہر تشریف لائے تو ایسی شرائط بادشاہ کے سامنے رکھیں، جس سے دین حق کی سربلندی اور باطل ادیان کے رد کا عمل پایا جاتا ہے۔انہوں نے جیل میں قید و بند کی صعوبتوں کو مشیت ایزدی اور رحمت خداوندی کے نزول سے تشبیہ دی ہے۔

ابوالفیض کمال الدین محمد احسان، محمد احسان اللہ عباسی، ڈاکٹر برہان احمد فاروقی وغیرہ نے لکھا ہے کہ جب جہانگیر نے حضرت مجدد کو دربار میں طلب کیا تو آپ یہ شرائط پیش کیں۔

(1) سجدہ تعظیمی موقوف کیا جائے۔
(2) مسجدیں جو ویران ہو چکی ہیں ان کو آباد کیا جائے۔
(3) گاؤکشی کی ممانعت کے احکام منسوخ کیے جائیں۔
(4) قاضی و محتسب مقرر کیے جائیں۔
(5) ذمیوں سے جزیہ لیا جائے۔
(6) احکام شریعت کی ترویج اور بدعات کا انسداد کیا جائے۔
(7) تمام سیاسی قیدیوں کو آزاد کیا جائے۔[17]

جارحانہ ہندوؤانہ احیائیت اور حضرت مجدد کا رد عمل:

حضرت مجدد کی ایک نمایاں خصوصیت ان کا غیر مسلموں کے متعلق نقطہ نظر ہے۔ان کے خطوط میں غیر مسلموں کے خلاف غیظ و غضب کا اظہار کثرت سے ہوا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی سے پہلے ہندوستان میں بزرگان اہل طریقت نے غیر مسلموں کے ساتھ سختی اور

---

[17]۔ مسعود احمد، ڈاکٹر، سیرت حضرت مجدد الف ثانی، صفحہ 144

شدت کی تلقین نہیں کی۔ مسلمان بادشاہوں کا ملکی اور فوجی مصلحتوں کی بناپر اور اسے خواہ کیسا سلوک ہو اور فقہاء اور علماء ان کے متعلق کچھ ہی فتوے دیں لیکن حضرات صوفیاء نے ان کے خلاف غیظ وغضب کا اظہار نہیں کیا۔

نئے زاویہ نگاہ کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ حضرت مجدد نے وہ زمانہ دیکھا تھا۔ جب مسلمان ایک مسلمان بادشاہ کے عہد حکومت میں احکام اسلامی جاری کرنے سے عاجز تھے۔

آپ شیخ فرید بخاری رحمہ اللہ تعالی کو ایک مکتوب میں فرماتے ہیں:

''پس اسلام کی عزت کفر اور کافروں کی خواری میں ہے۔ جس نے اہل کفر کو عزیز رکھا اس نے اہل اسلام کو خوار کیا۔ ان کے عزیز رکھنے سے فقط تعظیم کرنا اور بلند بٹھانا ہی مراد نہیں۔ بلکہ اپنی مجلسوں میں جگہ دینا اور ان کی ہم نشینی کرنا اور ان کے ساتھ گفتگو کرنا سب اعزاز میں داخل ہے۔ کتوں کی طرح ان کو دور کرنا چاہئے۔ اور اگر دنیاوی غرض ان کے متعلق ہو جو ان کے بغیر حاصل نہ ہوتی ہو تو پھر بھی بے اعتباری کے طریق کو مد نظر رکھ کر بقدر ضرورت ان کے ساتھ میل جول رکھنا چاہئے۔ اور کمال اسلام تو یہ ہے کہ اس دنیاوی غرض سے بھی در گزر کریں اور ان کی طرف نہ ہو جائیں۔''[18]

جس وقت ہندوؤں میں احیائے مذہب کی تحریک زوروں پر تھی اور اطراف ملک میں اس کے جو مظاہرے ہوئے تھے، ان سے باغیرت مسلمانوں کے دل مجروح ہوتے تھے۔ حضرت مجدد کو ان واقعات کا بڑا قلق تھا اور ان کے دل میں انتقام اور غیظ وغضب کی آگ بھڑک اٹھی۔ ہندو احیائیت کی تحریک بسا اوقات دار السلطنت یا بڑے اسلامی شہروں مثلاً لاہور سے دور بڑی خطرناک صورت اختیار کر لیتی تھی۔ عہد اکبری میں متھرا کے ایک برہمن نے مسجد کی اینٹ پتھر کو ایک مندر کی تعمیر میں جس طرح استعمال کیا اور مسلمان مالک کی مزاحمت پر رسول اکرم کی شان میں گستاخی کی۔ ان تمام چیزوں کی وجہ سے حضرت مجدد الف ثانی کے دل میں غیر مسلموں کے لیے بہت غیض وغضب تھا۔

شیخ محمد اکرام اپنی کتاب رُودِ کوثر میں فرماتے ہیں:

"غیر مسلموں کے متعلق عام صوفیاء اور حضرت مجدد کے نقطہ نظر میں جو اختلاف تھا اس کا کچھ اندازہ سکھ رہنماؤں کے متعلق ان کے زاویہ نگاہ سے ہو سکتا ہے حضرت میاں میر کی محاصر سکھ گرو سے دوستی تھی اور ایک روایت کے مطابق امرتسر کے مشہور تالاب کا سنگ بنیاد

---

[18]۔ مکتوب امام ربانی، دفتر اول، مترجم مولانا سعید احمد نقشبندی، مکتوب نمبر 47، صفحہ 179'

حضرت میاں میر سے رکھوایا گیا لیکن جب گروارجن دیو کی جہانگیر کے ساتھ لاہور کے دیوان چندولال سے کشمکش ہوئی اور اس کا کشمکش میں اس کی موت واقع ہوئی تو حضرت مجدد نے شیخ فرید کے نام ایک مکتوب میں اس پر خوشی کا اظہار فرمایا"[19]

یورپی پادریوں سے مناظرہ:

اکبر بادشاہ کے فوت ہونے کے بعد جہانگیر ہندوستان کا جب بادشاہ بنا، ان کے وزراء میں سے کچھ اہل تشیع بھی تھے۔ جو اہلِ تشیّع نظریات اور عقائد کو درباری نظام میں رائج کروانا چاہتے تھے۔ ایک وزیر نے بادشاہ کے عقائد کو تبدیل کروانے کے لیے نوراللہ شاستری کو ایران سے اسپیشل بلوا کر ملاقات کروائی۔ بادشاہ سلامت کو وزیر کی اس پالیسی کا اندازہ ہوا اس نے نوراللہ شاستری کو ایک مست ہاتھی کے پاؤں تلے روندوا کر قتل کروادیا۔ اس بات کا وزیر کو بہت غصہ آیا۔ اس بات کا انتقام لینے کے لیے اس نے یورپ سے پادریوں کے ایک وفد کو بلوایا۔

صاحب روضہ القیومیہ بیان کرتے ہیں یورپ کے پادریوں نے جہانگیر کو عیسائیت سے متعلق تبلیغ کرنا شروع کردی. حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعریف اور معجزات کا تذکرہ کیا۔ بادشاہ حضرت عیسی علیہ السلام کے معجزات اور ان کا مشن سن کر کافی متاثر ہوا۔ اور اس قدر متاثر ہوا اس نے نصرانیت کو قبول کرنے کا ارادہ کرلیا۔ حضرت مجدد الف ثانی کو اس بات کی خبر پہنچی تو آپ نے خلوت میں جہانگیر سے ملاقات کی اس کو سمجھایا۔ عیسائی پادریوں سے حضرت مجدد الف ثانی نے ملاقات کی۔ جب ان سے بات چیت ہوئی تو انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات کے بارے میں بتایا آپ نے فرمایا کیا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گزرے ہوئے چودہ سو سال ہو چکے ہیں اگر یہ معجزے ہیں تو یہ تو ان کے غلام بھی دکھا سکتے ہیں۔

پھر آپ نے ان سے پوچھا حضرت عیسی علیہ السلام کو مانتے ہیں اور ہم بھی مانتے ہیں۔ کیا آپ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مانتے ہیں انہوں نے کہا نہیں۔ آپ نے فرمایا جس طرح آپ حضرت موسی علیہ السلام کو مانتے ہو مگر یہودی عیسی علیہ السلام کو نہیں مانتے۔ کافی دیر ان سے بات چیت ہوتی رہی مگر وہ مسلسل انکار کرتے رہے۔ جب آپ غیض وغضب میں آئے تو آپ نے نگاہ فرمائی اور اس میں سے کچھ پادری مر گئے آپ نے ان سے پوچھا کیا یہ زندہ ہیں یا مردہ؟ انہوں نے کہا یہ مردہ ہیں۔ آپ رحمتہ اللہ تعالی نے بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ کر قم باذن اللہ پڑا تو وہ زندہ ہو گئے. عیسائی پادری اس سے بہت متاثر ہوئے اور وہ مسلمان ہو گئے۔ اور جو بضد رہے ان کو بادشاہ نے قتل کروادیا"[20]

---

[19]۔ اکرام، شیخ محمد، رود کوثر (لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، 1992ء)، صفحہ 321

[20]۔ احسان کمال الدین، روضتہ القیومیہ، صفحہ 203

عہدیداران کو مکتوبات:

اکبر بادشاہ کی وفات کے بعد حضرت مجدد الف ثانی کی تبلیغی مساعی مزید تیز ہو گئیں۔ دینِ الٰہی کی وجہ سے مختلف مذاہب کی آمیزش کا اثر بہت زیادہ ہو چکا تھا۔ اس لئے اس کے اثر کو زائل کرنا بہت ضروری تھا۔ حضرت مجدد الف ثانی کو اس کے اوپر زیادہ فوکس کرنا پڑا۔ حضرت مجدد الف ثانی کی تعلیم و تبلیغ نے اپنا پورا پورا اثر دکھایا۔ امراء و وزراء سلطنت پر بھی اس کا اثر ہوا اور بالواسطہ جہانگیر بھی متاثر ہوا۔ چنانچہ تخت نشینی سے پہلے اس نے تحفظ اسلام کا یقین دلایا۔ اکبر کی زندگی ہی میں خود جہانگیر کا بیٹا خسرو، اکبر کی جانشینی کے لیے کوشاں اور اپنے باپ سے باغی تھا۔ بیشتر علماء و امراء اس کے طرفدار تھے۔ مگر حضرت مجدد الف ثانی کے بہت معتقد خاص اور جہانگیر کے معتمد خاص شیخ فرید بخاری نے اس شرط پر جہانگیر کی حمایت کا وعدہ کیا کہ وہ اپنی حکومت میں اسلام کا تحفظ کرے گا۔ تخت نشینی سے پہلے ہی شیخ فرید بخاری نے جہانگیر کو اسلام کی طرف بڑی حد تک راغب کر لیا تھا۔ اور تخت نشینی کے فورا بعد ہی حضرت مجدد نے مختلف امراء کے نام خطوط ارسال فرمائے کہ وہ بادشاہ کو اتباع سنت و شریعت کی طرف راغب کریں۔ سید صدر جہان کے نام ایک مکتوب میں فرماتے ہیں:

"اس وقت جبکہ حکومتوں میں انقلاب آگیا ہے اور دوسرے مذاہب کی دشمنی خاک میں مل چکی ہے آئمہ و علماء پر لازم ہے کہ اپنی تمام تر توجہ ترویج شریعت غرا کی طرف مبذول کر دیں۔ اور شریعت کے جو ستون منہدم ہو گئے ہیں ان کو پھر سے کھڑا کریں"۔[21]

اور اسی طرح ایک اور مکتوب میں خان جہان کو تحریر فرماتے ہیں

جب کبھی آپ بادشاہ سے ملاقات کریں اور وہ آپ کی باتیں سننے کی طرف متوجہ ہو تو کیا اچھا ہو کہ صراحتاً یا کنایتاً معتقدات اصل اہل سنت والجماعت کے مطابق کلمہ حق یعنی کلمہ اسلام ان کے کانوں تک پہنچائیں۔[22]

ایک اور مکتوب میں آپ فرماتے ہیں

"آج جب کہ بادشاہ کی تخت نشینی کی خوشخبری خاص و عام کے کانوں تک پہنچ رہی ہے اور دولت اسلام کا زوال ختم ہو رہا ہے۔ مسلمانوں نے اپنے لئے ضروری سمجھا کہ بادشاہ کے معین و مددگار اور شریعت کی ترویج اور ملت اسلامیہ کی تقویت کے لیے کوشاں ہے۔ یہ اعانت و تقویت خواہ زبانی ہو یا خواہ عملاً۔ سب سے بڑھ کر دولت اور امداد یہ ہے کہ مسائل شریعت کو بیان کیا جائے تاکہ کوئی مبتدع اور گمراہ

---

[21]۔ مکتوبات امام ربانی، دفتر اول، مولانا سعید احمد نقشبندی، مکتوب نمبر 195، صفحہ 437

[22]۔ نعمانی، محمد منظور، تذکرہ امام ربانی، صفحہ 147

درمیان میں حائل نہ ہو اور راستہ نہ بھٹکائے اور معاملہ ابتر نہ ہو جائے۔ چونکہ حق تعالی سبحانہ نے آپ کو قرب شاہی پوری طرح عنایت فرمایا ہے اور ساتھ ہی استقامت بھی بخشی ہے اس لئے آپ سے توقع ہے کہ بادشاہ سے جب ملنے کا موقع ملے تو شریعت کی کوشش کرتے رہیں اور مسلمانوں کو وطن میں بے وطنی کی زندگی سے نجات دلائیں"۔[23]

قلعہ کانگرہ کی فتح:

ایک سال بعد جہانگیر نے شیخ مجدد کی رہائی کا حکم صادر کر کے انھیں دربار میں بلایا اور خلعت سے سرفراز کیا، ان کی جائیداد انھیں واپس کر دی، مزید ایک ہزار روپے کا عطیہ دیا اور اجازت دی کہ چاہیں تو فوجی چھاؤنی میں قیام کریں اور چاہیں تو سرہند چلے جائیں. شیخ مجدد نے معسکر میں رہنے کا فیصلہ کیا، اس لئے کہ اس طرح ان کو بادشاہ اور درباریوں میں دعوت و تبلیغ کا موقع تھا۔ جہانگیر کے ساتھ مختلف نشستوں میں شیخ ان کو قرآن پڑھ کر سناتے، قرآن کے پیغام سے آشنا کرتے اور ایمان اور شریعت کے اصولوں کی وضاحت کرتے۔ ایسا لگتا ہے کہ ان ساری چیزوں کا اس پر خاصا اثر پڑا۔ ایک سال بعد جب جہانگیر نے کانگڑا قلعہ فتح کیا تو اس نے وہاں اسلامی قوانین کے نفاذ میں غیر معمولی جوش اور جذبے کا اظہار کیا۔ اسی سال اس نے کشمیر میں مسلمان لڑکیوں کی غیر مسلموں سے شادی کرنے پر روک لگادی۔ اس نے ہجری سنہ کو دوبارہ رواج دیا، سکوں پر اسلامی علامات کندہ کرائیں، جن مسجدوں کو شہید کر دیا گیا ان کی دوبارہ تعمیر کروائی اور عربی و اسلامی تعلیمات کی حوصلہ افزائی کی۔[24]

---

[23]۔ مکتوبات امام ربانی، دفتر اول، مولانا سعید احمد نقشبندی، مکتوب نمبر 47، صفحہ 179

[24]۔ اس موضوع کی تیاری میں درج ذیل کتب سے مدد لی گئی ہے:

کشمی، خواجہ محمد ہاشم، زبدۃ المقامات، مترجم ڈاکٹر غلام مصطفے خان، سیالکوٹ، مکتبہ نعمانیہ، 1407ھ

ندوی، سید ابوالحسن، تاریخ دعوت و عزیمت، کراچی، مجلس نشریات اسلام، سنہ نہیں لکھا

شائلہ، "وحدت ادیان علمائے برصغیر کی فکر کا مطالعہ "مقالہ برائے ایم اے علوم اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، 2006ء

بدایونی، ملا عبدالقادر، منتخب التواریخ، مترجم ڈاکٹر علیم اشرف خان، دہلی: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، 2008ء

نعمانی، محمد منظور، تذکرہ امام ربانی مجدد الف ثانی، ڈیرہ اسماعیل خان، مکتبہ سراجیہ، 1977ء

کمال الدین محمد احسان، روضۃ القیومیہ، لاہور، ملک فضل الدین تاجر کتب قومی، 1335ھ

خلاصہ بحث:

حضرت مجدد الف ثانیؒ ان عظیم اکابرین امت میں سے ہیں کہ جنہوں نے برصغیر کی سرزمین پر احیائے شریعت اور اتباع سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو زندہ فرمایا۔ آپ نے علمائے سُوء کے خلافِ شرع اور بے عملی پر مشتمل نظریات کی اصلاح فرمائی۔ شیخ ابن عربی کے نظریہ وحدت الوجود پر بڑے حکیمانہ طریقے سے تنقید فرمائی اور اس سے بہتر نظریہ "وحدت الشہود" کا تعارف کرایا. جو کہ مقام عبدیت ہے اور اس سے اعلیٰ مقام ہے۔ آپ نے اعمالِ شریعتِ مطہرہ کی نفی کرنے والے بے عمل اور خام خیال صوفیوں پر کڑی تنقید کی ہے۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ کے زمانہ میں اکبر بادشاہ کا دور دورہ تھا۔ اکبر بادشاہ کے درباری علماء کرام ابوالفضل اور فیضی سے آپ کی باقاعدہ ملاقاتیں تھیں اور انہوں نے بہت ساری چیزوں میں آپ سے اکتسابِ فیض کیا۔ علمی لحاظ سے دونوں بھائی بہت بڑا مقام رکھتے تھے مگر وہ آپ سے بہت متاثر تھے۔ اکبر بادشاہ سے باقاعدہ کوئی آپ کی ملاقات ثابت نہیں ہے۔ مگر پھر بھی آپ کا فیضان اس تک پہنچ رہا تھا۔ اکبر بادشاہ اپنے والد ہمایوں کے جلد انتقال فرمانے کی وجہ سے علم کی طرف متوجہ نہ ہو سکا، بایں وجہ وہ بہت ساری چیزوں کے حقائق کا ادراک نہ رکھتا تھا۔ بہر حال پھر بھی وہ علمائے کرام اور صوفیائے کرام کی مجالس اختیار کر کے سیکھنے کی کوشش کرتا رہتا تھا اور حقیقت تک پہنچنے کی جستجو میں

مسعود احمد، ڈاکٹر، سیرت مجدد الف ثانی، کراچی، ادارہ مسعودیہ، 1995ء

اکرام، شیخ محمد، رود کوثر، لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، 1992ء

حضرت مجدد الف ثانی، مبداء و معاد، مترجم علامہ اقبال احمد فاروقی، لاہور، مکتبہ نبویہ، 1996ء

حضرت مجدد الف ثانی، مکتوبات امام ربانی، دفتر اول،، مترجم مولانا سعید احمد نقشبندی، کراچی، مدینہ پبلشنگ کمپنی، 1972ء

حضرت مجدد الف ثانی، مکتوبات امام ربانی، دفتر دوم، مترجم مولانا سعید احمد نقشبندی، کراچی، مدینہ پبلشنگ کمپنی، 1972ء

حضرت مجدد الف ثانی، رسالہ اثبات النبوہ، مترجم ڈاکٹر محمد ہمایوں عباس شمس، لاہور، پروگریسو بکس، 2019ء

لاہوری، مفتی غلام سرور، خزینۃ الاولیاء، مطبوعہ لکھنو، 1873ء

الفرقان، شاہ ولی اللہ، نمبر 1 بریلی، 1940ء

Encyclopedia of Religion and Ethics

رہتا تھا۔اس نے ریاستی امور کو احسن طریقے سے چلانے کی بھرپور کوشش کی۔ریاستی امور میں اسلامی احکام ومسائل کے حل کے لئے علمائے کرام کی ایک کمیٹی تشکیل دی۔جو آپس میں انا پرستی کا شکار ہو گئے۔اس سے اکبر بادشاہ بہت دلبر داشتہ ہوا۔آہستہ آہستہ علماء کی قدر اس کے دل سے کھو گئی۔خام خیال اور ناقص العمل صوفیوں کی نظریہ وجودی کی غلط تشریحات وتوجیہات کی وجہ سے وہ صلحِ کل کا قائل ہو گیا۔سیاسی مصلحتوں کی بناپر وہ تمام مذاہب کو یکجا کرنا چاہتا تھا۔ایک ایسی عبادت گاہ تیار کروائی، جس میں تمام مذاہب کے لوگ مل کر عبادت کرتے تھے ۔اس نے دین الٰہی کا اعلان کیا جس میں تمام مذاہب کا معجون مرکب تھا۔

اکبر بادشاہ کے دین الٰہی کی وجہ سے جو خرافات پیدا ہو چکی تھیں، وہ جہانگیر بادشاہ کے دور میں کافی حد تک ٹھیک ہو گئیں۔حضرت مجدد الف ثانی نے بہت سارے حکومتی عہدے داران کو مکتوبات لکھ کر سلاطین کی اصلاح کی کوشش فرمائی۔جن میں شیخ فرید بخاری، شیخ صدر جہاں، میر نعمان خان اور خان خاناں مشہور ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی نے باقاعدہ کوئی تفسیر نہیں لکھی کہ جس کے ذریعے آپ کے مشرکین اور باقی مذاہب کے بارے میں نظریات وافکار کا اندازہ ہو سکے۔البتہ فلسفیوں کے غلط نظریات اور نبوت پر ہونے والے اعتراضات کی بناپر آپ نے ''رسالہ اثبات النبوۃ'' تحریر فرمایا، جس میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے حوالے سے دلائل پیش فرمائے۔یورپ سے آنے والے ایک یورپی عیسائی وفد نے جب جہانگیر بادشاہ کو ورغلانا چاہا، آپ اس وقت میدان میں آئے۔آپ نے ان سے مناظرہ کر کے فتح حاصل کی، جس سے بہت سے پادری مسلمان ہو گئے۔قید سے رہائی ہونے کے بعد آپ چونکہ جہانگیر کی فوجی لشکر میں رہتے تھے تو بادشاہ کو بھی نصیحت کرنے کا بہت موقع ملتا تھا۔آپ کی مسلسل رہنمائی اور دعا و برکت سے قلعہ کانگڑا فتح ہوا۔

حضرت مجدد الف ثانی نے ایک ہرول رام نامی ہندو کو ایک مکتوب میں رام اور رحمان میں مخلوق اور خالق ہونے کا فرق واضح کیا اور اس کو اصل حق کو پانے کی دعوت دی۔

ہندوستان میں احیائے مذہب کی جب تحریک چلی تو حضرت مجدد الف ثانی نے اس کی سخت مخالفت کی۔ویسے بھی عام صوفیاء کرام کی نسبت آپ کا ہندوؤں کے لئے ساتھ رویہ بہت سخت تھا۔شاہی دربار میں بھی آپ ان کی تذلیل چاہتے تھے۔

حضرت مجدد الف ثانی کو جب قلعہ گوالیار میں قید کیا گیا آپ نے اپنی تبلیغ اور حسن وکردار سے قیدیوں کو بہت متاثر کیا جس کے نتیجے میں سینکڑوں ہندو حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کا ایک اہم کارنامہ جو آپ نے سرانجام دیا وہ یہ تھا کہ جیسے آپ قلعہ گوالیار سے آزاد ہوئے تو آپ نے جہانگیر بادشاہ کے سامنے وہ تمام شرائط رکھیں جن کی وجہ سے دین اسلام آمیزش زدہ اور تمام مذاہب کا معجون مرکب بن گیا تھا۔ بادشاہ نے وہ تمام شرائط مان لیں کہ جس کی وجہ سے اختلاط دین پیدا ہوا تھا۔ اور اس عمل کے نتیجہ میں پیدا شدہ غلط نظریات کا خاتمہ ہونا شروع ہو گیا۔

جس وقت اکبر بادشاہ کے دور میں یہ ساری خرافات ہو رہی تھیں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ نے اپنے صوفیانہ اور حکیمانہ انداز تربیت کے مطابق یکدم کوئی سخت فیصلہ نہیں فرمایا اور نہ ہی اس کے خلاف کوئی کفر والحاد کا فتویٰ جاری کیا۔ بلکہ بڑے تحمل مزاجی، حکمت عملی اور دانشمندی کا مظاہرہ فرماتے ہوئے اپنی بنیادوں کو مضبوط فرمایا۔ شاہی حکام اور عہدے داران کی تربیت کے لیے اپنے مخصوص مریدین کا انتخاب فرمایا۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ نے احیائے دین اسلام کی جس انداز سے بنیاد رکھی اسکا بعد میں آنے والے سلاطین واکابرین جیسا کہ اورنگ زیب عالمگیر اور حضرت شاہ ولی اللہؒ کے لیے راستے آسان ہو گئے۔

شاہ ولی اللہؒ (1703ء۔1762ء) کی مطالعہ مذاہب میں خدمات

شاہ ولی اللہؒ کے حالات زندگی:

شاہ ولی اللہؒ 4 شوال 1114ھ کو یوپی کے ضلع مظفر نگر کے قصبے ''پھلت،، میں پیدا ہوئے۔ آپ کا خاندانی نام قطب الدین احمد رکھا گیا تاہم ولی اللہ نے زیادہ رواج پایا۔ آپ کا سلسلہ نسب امیر المومنین حضرت عمر بن الخطابؓ سے جاملتا ہے۔[25]

ابتدائی تعلیم گھر پر اپنے والد ماجد کی خاص توجہ اور خصوصی نگرانی میں حاصل کی۔ پانچ برس کی عمر میں مکتب جانا شروع کیا۔ سات سال میں قرآن مجید حفظ کیا اور نماز روزہ کی پابندی شروع کر دی۔ پھر عربی اور فارسی کتب کا مطالعہ شروع کیا اور صرف ونحو کے مسائل کی تعلیم حاصل کی۔ دس سال کی عمر میں شرح ملّا، کا درس لینا شروع کیا۔ پھر معقولات ختم کر کے منقولات تک جا پہنچے۔ فقہ، منطق، حدیث، کلام کے علاوہ آپ نے اپنے والد سے طب، معانی اور ہندسہ وحساب کی کتابیں بھی پڑھیں۔[26]

---

[25]۔ ولی اللہ، شاہ، امداد فی آثر الاجداد، (انفاس العارفین)، مطبع احمدی، طبع دوم، 1884، ص 152

[26]۔ ولی اللہ، شاہ، الجزء اللطیف فی ترجمہ العبد الضعیف مشمولہ انفاس العارفین، ص198۔199، ترجمہ، 305۔303، افکار شاہ ولی اللہ، ص55

پندرہ سال کی عمر میں تعلیم سے فراغت حاصل ہوئی اور اس کے دو سال بعد آپ کے والد کا انتقال ہو گیا۔ والد کی وفات کے بعد آپ مسند درس وتدریس پر فائز ہوئے اور بارہ سال تک کتب دینیہ اور معقولات کا درس دیتے رہے۔ تیس سال کی عمر میں علم حدیث حاصل کرنے کی غرض سے حرمین شریفین کا رخ کیا۔ فریضہ حج ادا کیا اور وہاں کے اساتذہ سے علم حدیث کی سند حاصل کی۔ کم و بیش چودہ ماہ کے قیام کے بعد وطن واپس آئے۔ ہندوستان واپس آکر مدرسہ رحیمہ میں علم وحدیث کا دوبارہ آغاز کیا۔[27] تدریس کا یہ سلسلہ آپ کی زندگی کے آخری ایام تک جاری رہا۔ اپنی زندگی کے آخری ایام دہلی میں بسر کیے اور 29 محرم 1176ء کو وفات پائی۔ آپ کے فرزند نے آپ کی عمر 61 سال برس چار ماہ لکھی ہے۔ اپنے عہد کے معروف علماء سے کسبِ فیض کے مواقع ملے۔

علمی مقام و مرتبہ:

حضرت شاہ ولی اللہ بیک وقت مفسر بھی تھے۔ فقیہ بھی تھے اور مجتہد بھی، متکلم بھی تھے اور صوفی بھی۔ انہوں نے اُصول و عقائد، علم معانی، علمِ منطق، علمِ ہندسہ و حساب اور علمِ ہیت کا بنظر غائر مطالعہ کیا تھا۔ درس وتدریس میں اپنی جلیل القدر تصانیف سے انہوں نے ہندوستان میں علوم و معارف کے دریا بہا دیئے۔ شیوخِ حرم بھی شاہ صاحب کی فہم و فراست، شرحِ حدیث اور توضیحِ مطالب کے قائل تھے۔

علمی و دینی خدمات:

سیاسی و اخلاقی زوال اور معاشی و معاشرتی بدحالی کے دور میں جب بادشاہ اور عوام انفرادی اور اجتماعی فرائض بھول کر رنگ و بو میں ڈوبے ہوئے تھے اور اس خود فراموشی میں انہوں نے مذاہب کی صحیح شکل وصورت کو مسخ کر دیا تھا، ابتری، بد نظمی اور خونریزی کے اس دور میں قوم کی اصلاح کا بیڑہ اٹھایا اور مسلمانانِ ہند کو مذہبی و اخلاقی درماندگی سے نجات دلانے کے لئے جہاد بالقلم میں مصروف ہو گئے اور علوم اسلامی سے متعلق مثلاً تفسیر، حدیث، اسرار شریعت، تصوف، سیر عقائد کو لیا اور ان میں بلند پایہ اور بنیادی کتب تصنیف کر کے ان علوم کی ایک مستقل لائبریری یادگار چھوڑی ہے۔ چند کے نام حسب ذیل ہیں:

1. تفسیر: فتح الرحمن فی ترجمہ القرآن، الفوز الکبیر فی اصول التفسیر، فتح الخبیر۔
2. حدیث: المسوی فی احادیث الموطا، المصفیٰ فی شرح الموطا، تراجم البخاری، اربعون حدیثا مسلسلات بالا شراف فی غالب سندھا، الارشاد الی مہمات علم الاسناد، الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ، الدر الثمین فی مبشرات النبی الکریم۔

---

[27] ۔ الجزء اللطیف فی ترجمہ العبد الضعیف مشمولہ انفاس العارفین، ص 198-199

3. اسرار شریعت: حجتہ اللہ البالغہ، انصاف فی بیان سبب الاختلاف، عقد الجید فی احکام الاجتہاد والتقلید۔
4. مناظرہ: ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفا، قرۃ العینین فی تفصیل الشیخین۔
5. عقائد: المقدمۃ السنیۃ فی قوانین الترجمہ، المقالۃ الوضیۃ فی النصیحتہا الوصیۃ، مکتوبات مع مناقب ابی عبداللہ اسمعیل بخاری وفضیلت ابن تیمیہ، مکتوبات فارسی، مکتوبات عربی، مکتوبات المعارف مع مکتوب ثلاثہ، مکتوبات شاہ ولی اللہ مرتبہ خلیق احمد نظامی۔

نظریہ وحدتُ الادیان:

بین المذہبی اختلافات کو ختم کرنے کے لئے آپ نے نظریہ وحدتُ الادیان پیش کیا جس میں آپ نے سامی مذاہب: یہودیت ،عیسائیت اور اسلام کو ہی حقیقی معنوں میں مذہب تسلیم کیا ہے۔اس لحاظ سے ان مذاہب میں صداقت موجود ہے۔چونکہ صداقت واحد ہے لہٰذا ان تینوں میں ہم آہنگی کا موجود ہونا ضروری ہے۔اس ہم آہنگی کی جستجو میں شاہ ولی اللہ نے یہ تصور پیش کیا ہے کہ

''انسانی سماج کی مانند مذہب بھی ارتقاء کے مراحل سے گزرتا ہے۔ارتقائی عمل کے دوران اس کے اسلوبِ اظہار اور رسوم، تغیر و تبدیل کا شکار ہوتی ہیں۔تاہم جہاں تک مذہب کی اصل روح کا تعلق ہے، وہ ایک ہی ہے۔تمام انبیاء نے اس کی تبلیغ کی ہے۔تمام انسانوں کے لئے وہی واجب الاتباع ہے۔اختلاف اگر ہے، تو فقط شرائع اور مفاہیم کا ہے۔تاہم جو شخص دین کی اصلی تعلیمات کو اچھی طرح جانتا ہے اور اختلاف کے جو اسباب اور مصالح ہیں، ان کا بھی اس کو پورا پورا علم ہو، اس کی مختلف ادیان اور شرائعِ منزلّہ کے احکام میں کوئی حقیقی اختلاف نظر نہیں آتا۔[28]

یہودیوں کے باطل اعتقادات:

یہود، اہلِ کتاب میں شامل ہیں کیونکہ وہ تورات کے حاملین ہیں۔قرآن میں ان کا ذکر بنی اسرائیل نام کے ساتھ ہوا ہے اور یہ بنی اسرائیل ہی بعد میں اپنے مذہب میں تحریف کی بنا پر قومِ یہود کہلانے لگے۔یہود، تورات پر ایمان کا دعویٰ کرتے تھے۔ان کی گمراہی یہ تھی کہ وہ تورات کے احکام میں لفظی یا معنوی تحریف کرتے تھے۔اس کی آیات کو چھپاتے اور اپنی طرف سے گھڑ کر اس کے ساتھ ایسی چیز کا الحاق

[28] قاضی جاوید، افکار شاہ ولی اللہ، فکشن ہاوس، لاہور، 2006ء، ص54

کرتے، جو اس میں نہ ہوتا۔ تورات کے احکام میں سستی اور لاپرواہی برتتے، اپنے مذہب کے ساتھ تعصب میں شدت اختیار کرتے، نبی اکرم ﷺ کی رسالت کو بعید سمجھتے اور آپ کی شان میں گستاخی و طعنہ زنی اور بخل و حرص میں مبتلا تھے۔[29]

آخرت میں نجات کا طریقہ:

یہودیوں کی گمراہی کا ایک سبب، نجات و بخشش کا غلط معیار مقرر کرنا ہے۔ انہوں نے یہ گمان کر لیا تھا کہ صرف یہودی اور عبری فرقے ہی جنت میں داخل ہو سکیں گے اور ان کو ان کے نبیوں کی شفاعت ہو گی۔ قرآن میں ان کی اس گمراہی کا یوں ذکر کیا گیا ہے۔ وقالولن تمسنا النار الا ایاما معدودۃ۔[30]

شاہ ولی اللہ اس کے عقیدے کے بارے میں لکھتے ہیں:

گویا یہودی اس باطل زعم میں مبتلا تھے کہ وہ جنت میں ضرور جائیں گے۔ اگرچہ مدار حکم ان پر ثابت نہ ہوتا ہو، اگرچہ خدا تعالیٰ پر ان کا ایمان بھی صحیح طریقے پر نہ ہو، اور اگرچہ ایمان بالآخرت پر ان کا ایمان نہ ہو اور ان کی طرف مبعوث ہونے والے نبی کی نبوت و رسالت پر بھی ایمان نہ رکھتے ہوں۔[31]

کیا یہودیت ناقابل تنسیخ ہے؟

یہودیوں کی گمراہی کی ایک اور وجہ یہودیت کو ناقابل تنسیخ خیال کرنا ہے۔ انہوں نے عقیدہ بنا لیا تھا کہ ایک دفعہ نافذ ہونے والا کوئی بھی حکم دائمی اور ناقابل تنسیخ ہوتا ہے اور اس کی دلیل وہ حضرت یعقوب کی وصیت کو بناتے ہیں جو انہوں نے اپنی اولاد کو کی تھی۔ ان کے خیال میں حضرت یعقوب نے ان کو یہودیت پر قائم رہنے کی وصیت کی تھی اور اسی وجہ سے وہ دین میں نسخ کے قائل نہیں ہیں اور سمجھتے ہیں کہ شریعت یہود قیامت تک واجب العمل رہے گی اور کبھی منسوخ نہیں ہو گی۔

---

[29]۔ ولی اللہ، شاہ، الفوز الکبیر فی اصول التفسیر، ص 41

[30]۔ سورۃ البقرۃ 803

[31]۔ خطیب تبریزی، ولی الدین ابی عبداللہ محمد بن عبداللہ، مشکوۃ المصابیح، کتاب العلم، حدیث نمبر 206

تورات میں تحریف اور قرآن کی وضاحت:

کلامِ الٰہی میں تحریف کرنا صریحاً خدا پر افترا کرنا ہے اور صاحبِ ایمان ہونے کے لئے اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان لانا، اس نبی کی اطاعت کرنا جو ان میں معبوث ہوا، اپنی ملت کے احکام پر عمل کرنا اور محرّماتِ شرعیہ سے اجتناب کرنا ضروری ہے۔ ان میں سے کسی ایک پر بھی عمل نہ کرنا کفر کا باعث ہے۔ ملتِ یہود نے اپنے دین سے اعراض کیا اور تورات کے احکام پر عمل کرنے کی بجائے اپنی ضد، ہٹ دھری اور تعصب کی بنا پر نہ صرف تورات کے احکام سے رو گردانی کی بلکہ اس کے احکامات کو ہی بدل ڈالا۔ اور جانتے بوجھتے خدا تعالیٰ کے احکامات میں تغیر و تبدیل کرنا، کمی بیشی کرنا یا غلط تاویلات کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا اللہ پر جھوٹ باندھنے کے مترادف ہے۔ گویا دین سے اعراض کرنا، بظاہر دین قبول کر کے اس کی مخالفت کرنا یا لوگوں کو اس کے راستے سے روکنا انسان کو ملت سے خارج کر دیتا ہے اور تمام شریعتوں کا بھی یہی حکم ہے۔

شاہ ولی اللہ نے دین میں تحریف کے سات اسباب بیان کیے ہیں:

1. تہاون

یعنی دین کو ہیچ سمجھنا۔ دینی احکام کی بجاآوری میں سستی اور لاپرواہی، دین کی تبلیغ واشاعت اور تعلیم و تعلم سے چشم پوشی، امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں سرد مہری، فرائض سے غفلت، جس کے نتیجے میں معاشرہ رسوم و بدعات اور فواحش و منکرات کے شکنجوں میں پھنس جائے اور طبیعتیں خلافِ شرع جذبات اور خیالات کی رو میں بہنے لگیں۔

2. تعمق فی الدین

اصطلاح میں اس سے مراد احکامِ شریعہ کو ان کی حدود سے متجاوز کرنا ہے۔ یعنی شارع ایک بات کا حکم دیں یا ایک بات کی ممانعت فرمائیں اور ایک امتی اپنی ذہنی لیاقت کے موافق اس کو سمجھے۔ اور درج ذیل صورتوں کی طرف حکم کو متجاوز کرے:

1) کسی امتی کا حسبِ استعداد اپنی دماغی کاوش سے کسی حکم شرعی کو مشابہت یا جزءِ علت میں اشتراک کی وجہ سے غیر منصوص موقعہ پر منطبق کرنا، یا حکم منصوص کے اجزاء اس کے احتمالی مواقع اور اسباب و دواعی میں سے کسی پر حکم شرعی منصوص کو لاگو کرنا۔
2) تعارضِ روایات کے وقت شدید حکم کو اختیار کرنا۔

3) نبی اکرم ﷺ کے تمام اعمال وعبادات کو واجب کا درجہ دینا۔

3. تشدد

دین کے بگڑنے کا تیسرا سبب تشدد ہے۔ شاہ ولی اللہ کی اصطلاح میں تشدد سے مراد ایسی سخت عبادتیں اختیار کرنا جن کا شریعت نے حکم نہیں دیا۔ جیسے ہمیشہ روزے رکھنا، رات بھر نماز پڑھنا، بیوی سے بے تعلق ہو جانا یا شادی نہ کرنا اور سنن وآداب کا واجبات کی طرح التزام کرنا۔

4. استحسان

شاہ ولی اللہ کی اصطلاح میں اس سے مراد ''کسی حکم شرعی کو خلاف حکمت و مصلحت سمجھ کر بدل دینا۔،، بالفاظ دیگر اپنی کج فہمی سے حکمِ شرعی کو یا مضر یا غیر مفید سمجھ کر اس میں ترمیم و تغیر کر دینا استحسان ہے۔ جو کہ نقلِ شرعی کے مقابلے میں عقلِ بشریٰ کو ترجیح دینا اور شیطان العین کی پیروی کرنا ہے۔ اور اسی جیسے نفسانی قیاس کے بارے میں محمد بن سیرینؒ اور حسن بصری نے اور من قاسِ ابلیس فرمایا ہے اور ابن سیرین نے اسے شرک کی اصل قرار دیا ہے کیونکہ حُبِّ مال اور حُبِّ جاہ اور امراء کی خوشنودی کے جذبات اس کی اجازت نہیں دیتے تھے کہ ااان کو رجم کرنے کا فیصلہ سنایا جائے، اس لئے صرف غرباء اور ضعفا پر ہی یہ حد جاری تھی، جس سے اختلافات ہوتے تھے۔ اس لئے اس کی جگہ پر ''منہ کالا کرنے،، اور کوڑے مارنے کی سزا تجویز کر کے ہمیشہ کے لیے روسیاہ ہو گئے۔

5. اتباعِ اجماع

شاہ صاحب کی اصطلاع میں اجماع سے مراد یہ ہے کہ ملت کے اکابرین کسی بات پر متفق ہو جائیں جن کے بارے میں عامۃ الناس کا اعتقاد ہو کر کسی چیز کو درست سمجھتے ہیں اور اس اعتقاد کی وجہ سے ان کے اتفاق کو ثبوت حکم کی قطعی دلیل سمجھ لیا جائے اور وہ اتفاق ایسی بات پر ہو جس کے لیے کتاب وسنت سے کوئی اصل نہ ہو۔ مثلاً یہود نہ حضرت عیسیٰ کی نبوت کو مانتے ہیں نہ حضرت محمد ﷺ کی نبوت کو مانتے ہیں اور ان کی دلیل صرف یہ ہے کہ ان کے اسلاف نے دونوں پیغمبروں کے حال کی تفتیش کر لی ہے۔ انہوں نے ان دونوں انبیاء کو شرائط کے مطابق نہیں پایا۔ اسی بے بنیاد اتفاق پر وہ چل رہے ہے۔

6. غیر معصوم کی تقلید

غیر معصوم سے مراد غیرِ نبی ہے۔ کیونکہ انبیاء کے لیے عصمت ثابت ہے۔ شاہ ولی اللہ کی اصطلاح میں اس سے مراد غیر نبی کے اجتہاد وصواب کو ایسے درجہ پر تسلیم کرنا کہ اس کی وجہ سے احادیث صحیح اور نصوص کی مخالفت روا ہو جائے۔

7. ایک ملت کا دوسری ملت کے ساتھ خلط ملط ہونا

ایک ملت کا دوسری ملت کے ساتھ اس طرح خلط ملط ہو جانا کہ دونوں میں کوئی امتیاز باقی نہ رہے۔اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ ایک شخص جو پہلے کسی اور دین کو مانتا تھا اور اس ملت کے علوم اس کے دل کے ساتھ چپکے ہوئے تھے، وہ اسلام قبول کرتا ہے اور اس کا میلان قلبی ان علوم کی طرف باقی رہتا ہے جو پہلے سے اس کے دل کے ساتھ چپکے ہوئے تھے۔ چنانچہ وہ اسلام میں بھی اس کی وجہ تلاش کرتا ہے گو وہ ضعیف یا موضوع ہو، بلکہ کبھی وہ اس مقصد کے لیے روایات گھڑنے کا بھی روادار ہو جاتا ہے۔[32]

عیسائیوں کے باطل اعتقادات:

عیسائی بھی اہل کتاب میں شامل ہیں کیونکہ کتاب الٰہی (انجیل) کے حاملین ہیں۔قرآن میں ان کا ذکر ''انصاری،، نام کے ساتھ رکھا ہوا ہے۔

نصاریٰ جمع ہے نصرانی کی۔ جس کے معنی مدد کرنے والے کے ہیں۔ابتداء میں یہ لوگ حضرت عیسیٰؑ کے حواری کہلاتے تھے، جو آپؑ پر ایمان لائے اور آپؑ کے لائے ہوئے دین کی تبلیغ اور ہر حکم کی تعمیل پر کمر بستہ رہتے تھے۔قرآن مجید نے اس بات کا ذکر یوں کیا ہے۔اس طرح یہ لوگ دین کے مددگار ہونے کی حیثیت سے نصاریٰ کہلائے اور پھر سارے عیسائیوں کے لیے یہی نام مشہور ہو گیا۔

عقیدہ اقانیم ثلاثہ

نصاریٰ کی گمراہی کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ یہ لوگ دعویٰ کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے تین اجزاء ہیں۔ پھر تینوں مل کر ایک خدا ہے۔ان تینوں کے اجزاء کا نام اقانیم ثلاثہ ہے۔ نصاریٰ اسے ''عقیدہ تثلیث،، یا ''توحید فی التثلیث،، کہتے ہیں۔قرآن مجید میں ان کے اس عقیدے کا ذکر ان الفاظ کے ساتھ ہوا ہے:

قالوا ان اللہ ثالث ثلاثہ۔[33] (وہ لوگ بھی قطعاً کافر ہو گئے، جنہوں نے کہا، اللہ تین میں سے تیسرا ہے)

---

[32]۔خطیب تبریزی، ولی الدین ابی عبداللہ محمد بن عبداللہ، مشکوۃ المصابیح، کتاب العلم، حدیث نمبر 206

[33]۔المائدہ 73:5

عہدِ جدید (اناجیل اربعہ) اردو کے مطابق حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا: ''میں اور باپ ایک ہے''[34]؛ ''باپ مجھ میں ہے اور میں باپ میں ہوں،،[35] ''باپ، بیٹا اور روح القدس ایک ہی ہے۔''[36]

شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں:

اور یہ لوگ اپنے اس عقیدے کے لیے دلیل کے طور پر انجیل کی بعض عبارتوں سے استدلال کرتے ہیں۔ مولانا خورشید انور قاسمی، شاہ ولی اللہ کی اس عبارت کی تفصیل میں لکھتے ہیں کہ نصاریٰ انجیل کی عبارتوں سے مختلف طور سے استدلال کرتے تھے۔ نصاریٰ میں دو قول ہیں : بعض کہتے ہیں کہ اللہ ہی تھا جو صُورتِ مسیح میں آیا اور بعض کہتے ہیں کہ تین حصے ہو گیا۔ ایک اللہ رہا، ایک رُوح القدس اور ایک مسیح۔[37]

غیر اللہ کی عبادت کرنے کا نام شرک ہے۔ یعنی اللہ کو ذات، صفات اور اس کی مشیت میں کسی کے ساتھ شریک ٹھہرانا ہے۔ اور صاحبِ ایمان ہونے کی سب سے پہلی شرط ''لاالہ الااللہ'' کا اقرار کرنا ہے اور جس کسی نے بھی اللہ کے ساتھ شرک کیا، وہ کافروں کے زمرے میں آئے گا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے شرک کو بہت بڑا گناہ تعبیر کیا ہے۔ جن کا تعلق اللہ تعالیٰ کی ذات سے ہے۔ یعنی اللہ کو نہ ماننا جو کفر و دہریت ہے یا اللہ تعالیٰ کو مخلوق جیسا ماننا جو تشبیہ ہے یا مخلوق میں کوئی خدائی صفت ماننا، جو اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانا ہے۔[38]

حضرت عیسیٰؑ کے کلام میں جہاں کہیں خدائی افعال کو متکلم کے صیغہ سے بیان کیا ہے وہ اپنی طرف انتساب کے طور پر نہیں بلکہ کلام ربانی کی نقل و حکایت کے طور پر ہے۔ لہٰذا آپؑ کی ذات گرامی محض ترجمان مقاصد یا سفیر نمائندہ ہے اور ظاہر ہے کہ رسول جن افعال و اقوال کو صیغہ متکلم سے بیان کرتا ہے وہ دراصل مرسل ہی کے اقوال و افعال ہوتے اور سمجھتے ہیں۔ اس لیے حضرت عیسیٰؑ کے اقوال سے (جو در حقیقت حق رسالت کی ادائیگی کے طور پر جاری ہوئے ہیں) استدلال کر کے آپؑ کی الوہیت کے راگ الاپنا ایسا ہی ہے جیسے کسی بادشاہ کے مقاصد و سفیر کی گفتگو سن کر کوئی شخص قاصد کی سلطنت پر استدلال کرے اور اس کے اقتدار کے گیت گانے لگے۔[39]

---

[34]۔ یوحنا، باب:10

[35] یوحنا، باب 38:10

[36] یوحنا، باب10

[37]۔ موضح قرآن، 110

[38]۔ حجۃ اللہ البالغہ، 144:1

[39]۔ موضح قرآن، 110

یہود و نصاریٰ کے عقائد و اعمال اور مسلم معاشرے پر اس کا نفوذ:

عصر حاضر میں ضعیف الاعتقاد مسلمانوں میں یہود و نصاریٰ کے عقائد و اعمال کی بہت سی جھلک نظر آتی ہے شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں:

عصر حاضر میں ضعیف الایمان مسلمانوں نے مشائخ اور دینی پیشواوں کو ارباًمن دُونِ اللہ، ٹھہرالیا ہے اور ان کی قبروں پر مسجدیں بنا رکھی ہیں۔ان بزرگوں کی قبروں، آثار و تبرکات اور ان کی نشست گاہوں کے آثار و زاویوں کو زیارت گاہوں کی حیثیت دے دی ہے جس طرح امت محمدیہ سے پہلے کی امتیں یہود و نصاریٰ ایسے اعمال کیا کرتے تھے۔ان مسلمانوں سے بد قسمتی سے یہود اور مجوسیوں کی ملت سے بہت سی باتیں اخذ کی ہیں اور ان پر پوری مضبوطی کے ساتھ کاربند ہیں۔انہوں نے مختلف ٹولیاں بنا رکھی ہیں اور اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر لیا ہے ۔ان کے علماء و مشائخ نے ان احکام کے مقابلے میں جن کی تصریح کتاب و سنت میں ہوئی ہے اپنے قیاس سے احکام بناتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ خود بھی راہ راست سے ہٹ گئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کر دیا۔[40]

مشرکین:

اللہ تعالیٰ کی ذات، صفات اور اس کی قدرت میں کسی کو شریک ٹھہرانا شرک کہلاتا ہے۔اور اس قبیح فعل کو سرانجام دینے والے مشرکین کہلاتے ہیں۔

خدا کے بارے میں کسی نہ کسی طرح کا اعتقاد اور تصور بلاشبہ ہر دین کی اساس میں داخل ہے یعنی ہر ایک کسی ایسے عامل یا عوامل پر یقین رکھتا ہے جو خلقت میں موثر اور نظام کائنات کو استوار رکھنے کا ذمہ دار نیز عبادت و پرستش کا سزاوار ہے۔اسلام سے قبل کے ان آسمانی مذاہب میں بھی خود ان کے ماننے والوں اور دینی رہنماوں کی دست اندازیوں کے سبب رفتہ رفتہ اس خدائے واحد کو شرک آمیز خرافاتی تصور کے قالب میں ڈھالنے کی کوشش کی گئی ہے۔تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ جب سے دنیا وجود میں آئی ہے، اس وقت سے لے کر ہر خطہ اور ہر زمانہ میں سب کے سب لوگ خدا تعالیٰ کے وجود کے قائل رہے ہیں۔اس دنیا کے تمام مذاہب اور ملتیں اس بات پر متفق ہیں کہ خدائے واحد، برحق ہے اور اس نے اپنی قدرت اور ارادے سے اس عالم کو پیدا کیا۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہر دور میں ایسا ہوتا آیا ہے کہ انسانوں کی ایک کثیر تعداد اپنی

---

[40]۔ولی اللہ، شاہ، البدوز البازغہ، مترجم قاضی مجیب الرحمٰن، ادارہ مطبوعات اردو بازار، لاہور۔س۔ن، 338۔324

جہالت اور لاعلمی کے سبب اپنے دستور حیات سے منحرف ہو کر غلط راستوں پر بھٹکنے لگی اور شرک میں مبتلا رہی ہے۔ان شرکیہ مذاہب میں مشرکین عرب، ہندوستانی مذاہب، پارسی مذاہب وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

مشرکینِ عرب:

اہلِ عرب حضرت اسماعیلؑ کی دعوت و تبلیغ کے نتیجے میں دین ابراہیمی کے پیرو تھے۔اس لیے صرف اللہ کی عبادت کرتے اور توحید پر گامزن تھے۔ پھر رفتہ رفتہ وہ ان امور سے ہٹ کر اپنی پسندیدہ چیزوں کی پوجا کرنے لگے اور اصل دین جس پر وہ پہلے تھے اسے بھول گئے۔ انہوں نے حضرت ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ کے دین کے عوض اور ہی دین بنالیا۔ علامہ حلبی لکھتے ہیں:

''حضرت ابراہیمؑ کے زمانے سے عرب مسلسل اُن کے دین پر قائم رہے اور عمرو بن لحیی کے زمانے تک بتوں کی پوجا سے بچتے رہے، مگر عمرو پہلا آدمی ہے جس نے دین ابراہیمیؑ کو مسخ کیا اور عرب میں گمراہیاں پھیلائیں۔''[41]

خود آزمائی:

1. حضرت مجدد الف ثانیؒ کے حالات زندگی پر نوٹ لکھیں۔
2. مطالعہ ادیان میں حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ للہ علیہ کی خدمات کا جائزہ لیں۔
3. حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ کے حالات زندگی پر نوٹ قلمبند کریں۔
4. حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ کے عہد میں کن مشکلات کا سامنا تھا؟ مفصل نوٹ تحریر کریں۔
5. حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ کے دینی واصلاحی کارناموں پر نوٹ تحریر کریں۔
6. حضرت مجدد صاحب علیہ الرحمہ سے متاثر ہو کر کس طرح لوگ جیل میں بھی مسلمان ہوئے؟ وضاحت کریں۔
7. ہروے رام نامی ہندو کی طرف لکھے گئے حضرت مجدد صاحب علیہ الرحمہ کے مکتوب کی وجہ اور ضرورت پر روشنی ڈالیں۔
8. حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ کے دور میں کیسے ہندوؤانہ رسومات کا خاتمہ ہوا؟ وضاحت کریں۔
9. مشرکانہ رسومات کے خاتمے کے لئے حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ کی کوششوں کا تفصیلاً جائزہ لیں۔

---

[41] ۔ حلبی، علی ابن برہان الدین، علامہ۔ انسان العبدن فی سیر ہاالامین المامون، بیروت دار المکتبہ العلمیہ، 2006ء، 51:1

10. تحریک احیائے دین میں حضرت مجدد الف ثانیؒ کی خدمات پر روشنی ڈالیں۔
11. حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ للہ علیہ کی مطالعہ ادیان میں خدمات کا تفصیلا جائزہ لیں۔
12. جہانگیر نے حضرت مجدد صاحب کو دربار میں طلب کر کہ ان کے سامنے کون سی شرائط رکھیں؟
13. جارحانہ ہندوؤانہ احیانیت کے خلاف حضرت مجدد صاحب رحمہ اللہ کا رد عمل کیا تھا؟نوٹ تحریر کریں۔
14. شاہ ولی اللسر حمہ اللہ کے مقام و مرتبہ، نیز علمی و دینی خدمات پر نوٹ قلمبند کریں۔
15. شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے بیان کردہ تعلیمات میں تحریف کے اسباب کی وضاحت کریں۔
16. شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کو محدث دہلوی کیوں کہا جاتا ہے؟ وضاحت کریں۔
17. بین المذہبی اختلافات کو ختم کرنے کے لئے شاہ ولی للہ رحمہ اللہ کی کی گئی کوششوں پر نوٹ تحریر کریں۔
18. یہودیوں کے باطل اعتقادات کا شاہ ولی للہ رحمہ اللہ نے کس طرح مقابلہ کیا؟ وضاحت کریں۔
19. شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ یہودیوں کے باطل عقائد کے رد میں کیا لکھتے ہیں؟ تفصیلا بیان کریں۔
20. کیا یہودیت قابل تنسیخ ہے؟ قرآن و سنت سے وضاحت کریں۔
21. شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے بیان کردہ دین میں تحریف کے اسباب کی وضاحت کریں۔
22. عیسائیوں کے باطل اعتقادات پر نوٹ لکھیں۔
23. یہود و نصاری کے عقائد و اعمال اور مسلم معاشرے پر اس نفاز کو کیسے روکا جاسکتا ہے؟
24. حضرت ابراہیم علیہ اسلام کے زمانہ میں عرب کس دین کے پیروکار تھے؟

جوابات:

تمام سوالوں کے جواب متعلقہ یونٹ سے تلاش کریں۔

مصادر و مآخذ/مزید مطالعہ کے لیے:

- کشمی، خواجہ محمد ہاشم، زبدۃ المقامات، مترجم ڈاکٹر غلام مصطفے خان، سیالکوٹ، مکتبہ نعمانیہ، 1407ھ
- ندوی، سید ابوالحسن، تاریخ دعوت و عزیمت، کراچی، مجلس نشریات اسلام، سنہ نہیں لکھا

- بدایونی، ملا عبدالقادر، منتخب التواریخ، مترجم ڈاکٹر علیم اشرف خان، دہلی: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، 2008ء
- نعمانی، محمد منظور، تذکرہ امام ربانی مجدد الف ثانی، ڈیرہ اسماعیل خان، مکتبہ سراجیہ، 1977ء
- کمال الدین محمد احسان، روضۃ القیومیہ، لاہور، ملک فضل الدین تاجر کتب قومی، 1335ھ
- مسعود احمد، ڈاکٹر، سیرت مجدد الف ثانی، کراچی، ادارہ مسعودیہ، 1995ء
- اکرام، شیخ محمد، رود کوثر، لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، 1992ء
- حضرت مجدد الف ثانی، مبداء و معاد، مترجم علامہ اقبال احمد فاروقی، لاہور، مکتبہ نبویہ، 1996ء
- حضرت مجدد الف ثانی، مکتوبات امام ربانی، دفتر اول،، مترجم مولانا سعید احمد نقشبندی، کراچی، مدینہ پبلشنگ کمپنی، 1972ء
- حضرت مجدد الف ثانی، مکتوبات امام ربانی، دفتر دوم، مترجم مولانا سعید احمد نقشبندی، کراچی، مدینہ پبلشنگ کمپنی، 1972ء
- ولی اللہ، شاہ، امداد فی آثار الاجداد، (انفاس العارفین)، مطبع احمدی، طبع دوم، 1884
- ولی اللہ، شاہ، الجزء اللطیف فی ترجمہ العبد الضعیف مشمولہ انفاس العارفین
- قاضی جاوید، افکار شاہ ولی اللہ، فکشن ہاوس، لاہور، 2006ء

یونٹ نمبر 7

شہزادہ دارا شکوہ کی مطالعۂ مذاہب میں خدمات

مؤلف: ڈاکٹر حسن بیگ، حافظہ حفصہ مجید
نظر ثانی: عثمان علی شیخ، شمع ناز

فہرست مضامین

عنوانات	صفحہ نمبر
یونٹ کا تعارف	184
یونٹ کے مقاصد	185
تعارف: شہزادہ دارا شکوہ	186
سیاسی زوال اور قتل دارا	190
تصانیف	195
سفینتہ الاولیاء	196
پہلا باب	196
دوسرا باب	196
تیسرا باب	196
چوتھا باب	196
پانچواں باب	196
چھٹا باب	197
ساتواں باب	197
آٹھواں باب	197
سکینتہ الاولیاء	197
رباعی	197
بیت	197
حسنات العارفین (شطحیات)	198
سر اکبر	199

بھگوت گیتا	204
بیاض داراشکوہ	204
مکاتیب	205
دیباچہ مرقع	205
رسالہ معارف	205
مثنوی	206
ترک	206
دیوان داراشکوہ (اکسیر اعظم)	206
مجمع البحرین	209
سوال داراشکوہ	216
جواب بابالال	216
رباعی	218
داراشکوہ اور مطالعات بین المذاہب	220
خودآزمائی	222
جوابات	223
مصادر و مآخذ/مزید مطالعہ	223

یونٹ کا تعارف

داراشکوہ مغل شہنشاہ شہاب الدین شاہ جہاں اول اور ممتاز محل کا بڑا بیٹا اور مغل شاہزادہ تھا۔ مضافات اجمیر میں جمعہ 19 صفر 1024ھ مطابق 20 مارچ 1615ء کو پیدا ہوا۔ 1633ء میں ولی عہد بنایا گیا۔ 1654ء میں الہ آباد کا صوبے دار مقرر ہوا۔ بعد ازاں پنجاب، گجرات، ملتان اور بہار کے صوبے بھی اس کی عملداری میں دئے گئے۔ 1649ء میں قندھار پر ایرانیوں نے قبضہ کر لیا۔ سلطنت دہلی کی دو فوجی مہم انھیں وہاں سے نکالنے میں ناکام رہیں تو 1653ء میں داراشکوہ کو خود اس کے ایما پر قندھار بھیجا گیا۔ اس جنگ میں اسے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا اور بحیثیت کمانڈر اس کی شخصیت مجروح ہوئی۔ داراشکوہ نے شاہ محمد دلربا کے نام اپنے ایک خط میں واضح طور پر تسلیم کیا ہے کہ وہ حضرت میاں میر، ملا شاہ بدخشی، بابا لال داس بیراگی، سرمد، بابا پیارے، شاہ محمد دلربا، میاں باری، محسن فانی کشمیری، شاہ فتح علی قلندر، شیخ سلیمان مصری قلندر اور شاہ محب اللہ صابری الہ آبادی جیسے آزاد مشرب صوفیہ کا دلدادہ تھا اور ان سے خاصی عقیدت بھی رکھتا تھا۔ داراشکوہ سرمد جیسے بزرگ کا شاگرد تھا۔ داراشکوہ کی آزاد خیالی اور وسعت مشرب کی جھلک ملتی ہے ان میں سے ایک خاص رنگ اور شان کے بزرگ شیخ محب اللہ الہ آبادی تھے جو علم ظاہری و باطنی کے جامع تھے۔ داراشکوہ آپ کا بڑا مداح تھا بلکہ ایک خط میں آپ کو لکھا ہے کہ الہ آباد کی گورنری سے مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ آپ سے ربط و ضبط ہو سکے۔ داراشکوہ ان سے بعض ذاتی کوائف اور کیفیات بھی بیان کرتا رہتا تھا۔ نیز ایک خط میں لکھتا ہے: ایک مدت تک مشائخ کی کتابوں کا مطالعہ کرتا رہا اور جب اختلاف بہت دیکھا تو کتابوں کا پڑھنا ترک کر کے دل کے مطالعہ میں مشغول ہوا کیونکہ دل ایک ایسا لامحدود سمندر ہے جس میں سے ہمیشہ تازہ تازہ موتی نکلتے رہتے ہیں۔ مجھے کسی دوسری کتاب کا حوالہ نہ دو کیونکہ میں اپنی حقیقت کو خود، ایک کتاب جانتا ہوں۔ صلح کل کے علمبردار ہونے کی وجہ سے داراشکوہ کے سکھوں کے گروؤں سے بہت اچھے اور خوشگوار تعلقات تھے۔ طبعاً کریم النفس، صلح جو، فارسی، عربی اور سنسکرت کا عالم اور تصوف کا شیدائی تھا۔ فارسی زبان بہت اچھی طرح جانتے تھا خطاط اور ایک بہترین مصنف بھی تھا ۔ ویدانت کا گہرا مطالعہ کیا تھا۔ سفینۃ الاولیاء۔ سکینۃ الاولیاء، رسالہ حق نما، مکالمۂ بابا لال و شکوہ، مجمع البحرین، حسنات العارفین، سر اکبر (اپنشدوں کا ترجمہ)۔ جیسی کتابیں بھی تصنیف کیں۔

۔ جب داراشکوہ اورنگزیب عالمگیر سے شکست کھا کر لاہور کی طرف بھاگا تو وہ گرو ہر رائے سنگھ (1630ء-1661ء) کے پاس بھی گیا۔ ایک سکھ محقق خوشونت سنگھ کے بقول دارا شکوہ اور اورنگزیب عالمگیر کی جنگ تخت نشینی میں سکھوں کی ہمدردیاں متعصب اورنگزیب عالمگیر کی بجائے وسیع المشرب داراشکوہ کے ساتھ تھیں۔ ایک اور سکھ محقق فوجا سنگھ نے تسلیم کیا ہے کہ داراشکوہ اور گرو ہر رائے سنگھ کے مذہبی ہم آہنگی کے فلسفہ کے تحت اچھے تعلقات کے باعث جنگ تخت نشینی میں اورنگزیب عالمگیر سے شکست کھانے کے بعد جب وہ بھاگ رہا تھا تو اورنگزیب عالمگیر کی متعاقب فوج کو گرو ہر رائے نے دریائے ستلج پر روکنے کی کوشش کی تاکہ

داراشکوہ کو ایران بھاگنے کا موقع مل جائے۔ 11 ذوالحجہ 1069ھ /30 اگست 1659ء میں اورنگزیب کے حکم سے الحاد و زندقہ کے جرم میں، اس کی گردن ماردی گئی اور مقبرہ ہمایوں (دہلی) میں دفن ہوا۔

یونٹ کے مقاصد

امید ہے کہ طلباء اس یونٹ کے مطالعے کے بعد اس قابل ہو جائیں گے کہ

1. شہزادہ محمد داراشکوہ کے حالاتِ زندگی کے بارے میں جان سکیں۔
2. داراشکوہ کی خدمات کے بارے میں آگاہی حاصل کر سکیں۔
3. داراشکوہ کی تصانیف کے بارے میں واقفیت حاصل کر سکیں۔
4. محمد داراشکوہ کی مطالعہ مذاہب عالم میں اسلوب کے بارے میں آگاہی حاصل کر سکیں۔

تعارف: شہزادہ داراشکوہ

مجمع البحرین کا مصنف شہزادہ محمد داراشکوہ پاک و ہند کی علمی، ادبی اور روحانی تاریخ کا ایک ایسا باب ہے جسے مورخین نے ایک ہی رخ سے دیکھا پرکھا اور فیصلہ کر دیا اور شہزادہ موصوف کے احوال و آثار پر اب بھی جو تاریخی کے سائے پڑے ہوئے ہیں، وہ ہماری اسی ایک رخی سوچ کا نتیجہ ہیں۔ یہ صورت حال نہ صرف بے انصافی کی مظہر ہے بلکہ ہماری علمی وادبی وراثت سے عدم توجہی کا ثبوت بھی ہے۔ ایک انگریز کرنل سلیمن کو جب داراشکوہ کے مزار پر جانے کا اتفاق ہوا تو اس نے کہا:

"کہ افسوس اس سنگ مرمر کی سیل کے نیچے وہ سر دفن ہے جس میں وہ عالی دماغ ودیعت کیا گیا تھا کہ اگر زمانہ اسے کچھ مہلت دیتا تو وہ اہل ہند کی قسمت بدل دیتا اور ہندوستانیوں کی تعلیم اور طرز تعلیم بالکل جداگانہ ہوتی۔"

دارا کی ابتدائی زندگی کے بارے میں کچھ زیادہ معلومات تاریخوں اور تذکروں میں نہیں ملتیں۔ حالانکہ شہزادہ کی گوناگوں مصروفیات اور اشغال کا تقاضا تو یہ تھا کہ اس نابغہ روزگار کی سوانح کی تفصیلات، جزئیات کی حد تک موجود ہوتیں تاکہ مختلف شعبہ ہائے علوم وفنون میں اس کا مقام متعین کرتے ہیں آسانی ہوتی اور یہ معلومات پس منظر کے طور پر محققین کے لیے مشعل راہ ثابت ہوتیں۔ شاہ جہاں جب شہزادہ خرم تھا تو ایک عظیم سلطنت کا ولی عہد ہونے کے باوجود اولاد نرینہ سے محروم تھا۔ وہ اس فطری خواہش کی تکمیل کے لیے حضرت خواجہ معین الدین چشتی کے مزار پر بکثرت حاضر ہوتا اور بڑے خشوع کے ساتھ تاج و تخت کے وارث کے تولد ہونے کی دعائیں نگتا۔ آخر دعائیں بار آور ہوئیں۔ اور ممتاز محل کے بطن سے ایک فرزند 19 صفر 1024ھ کے مطابق 20 مارچ 1516ء کو اجمیر میں پیدا ہوا۔ شاہنشاہ جہانگیر نے اپنے پوتے کا نام محمد داراشکوہ رکھا۔ اس سے قبل شاہجہاں کے ہاں دو لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ جور النساء جو 8 صفر 1022 بروز ہفتہ شام کو آگرہ میں تولد ہوئی اور تین سال ایک ماہ زندہ رہنے کے بعد اجیر میں 24 ربیع الثانی کو فوت ہو گئی[1]۔ دوسری لڑکی جہاں آرا بیگم میواڑ کی مہم کے دوران بنی گاؤں 21 صفر 1023ء کو پیدا ہوئی۔ اس لیے داراشکوہ کی پیدائش پر شاہانہ وقار اور عیش ونشاط کا مظاہرہ کیا گیا اپنی پیدائش کے ذکر میں مشمسزادہ سفینتہ الاولیاء میں حضرت خواجہ اجمیری کے ذکر میں یوں رقمطراز ہوتا ہے:-

"نیاز مند بھی کئی بار روضہ پر حاضر ہوا ہے۔ اجمیر شریف کی فضا بڑی پاکش اور یہاں کی آب وہوا میں نور دسرور کے اثرات کھلے ملے ہیں اس کے چاروں طرف ایک بڑا طویل وعین تالاب ہے جو دریا کی سی وسعت لیے ہوئے ہے۔ اس کا نام ساگرتال ہے۔ اس فقیہ کی ولادت بھی خطہ اجمیر میں ساگرتال کے قریب ہوئی ہے اور اس فقیر کی تاریخ پیدائش دوشنبہ 1024ء ماہ صفر است ہے۔ قبلہ والد ماجد کے گھر میں تین لڑکیاں تھیں۔ کوئی لڑکا متولد نہیں ہوا تھا اور ان کی عمر 24 سال کی ہو چکی تھی۔ والد ماجد نے اس اعتقاد کی بناء پر جو انہیں خواجہ خواجگان سے تھا،

---

[1] داراشکوہ، شہزادہ، مجمع البحرین، ایبٹ آباد: الگیلان پبلشرز، 1983ء، ص:12

نذر و نیاز کی پیشکش کے بعد لڑکے لیے دعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے اس دُعا کے صدقے میں اس فقیر کو پیدا کیا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے اور اس کی حرمت سے امید ہے کہ وہ اپنی اور اپنے دوستوں کی محبت سے نوازے اور نیکی کی توفیق ارزانی فرمائے"۔

جشن ولادت کے موقعہ پر ابو طالب کلیم نے تہنیتی قصیدہ پیش کیا جس کے ایک شعر سے تاریخ بھی نکالی ہے۔

بگوش دل از مہر تاریخ آمد	گل اولین گلستان شاہی 1024ء
بتاؤ کہ دل تاریخ کی مہر سے آیا	گلستان شاہی کا پہلا پھول 1024ء

دارا شکوہ کی ابتدائی مروجہ تعلیم کا آغاز ملا عبد الطیف سلطانپوری کی اتالیقی سے ہوا دارا کی عمر اس وقت چھ برس تھی اس زمانہ میں شاہجہاں پریشان حال تھا یہاں تک کہ سر میں بادت کا سودا سمایا کچھ لکہ نو یا کچھ ملکہ نور جہاں کی دورت کا بھی اثر تھا۔ آخر باپے صلح ہوئی اور دارا شکوہ و اورنگ زیب کو بطور پر عمال جہانگی کے پاس روانہ کر دیا گیا۔ اس وقت دارا گیارہ برس کا تھا ہے۔ چنانچہ ان حالات میں دارا شکوہ نے ملا عبد اللطیف سلطانپوری سے اکتسابی علوم حاصل کئے یہ امر حیرت انگیز ہے کہ شہزادے نے اپنی تصنیفات میں ملا موصوف کا کہیں ذکر نہیں کیا۔ حالانکہ ایک دوسرے استاد حضرت اخوند میری مشیخ کا ذکر بڑے ادب کے ساتھ اپنی تصنیفات میں کیا ہے ایک جگہ لکھتا ہے:-

"حضرت اخوند میری شیخ جو میرے علم ظاہر کے استاد اور عالم فاضل ہیں زہد و پرہیز گاری میں اور حق گوئی میں ان کا قدم نہایت استوار"۔

حضرت اخوند میرک کی بطور خاص قدر افزائی کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ آپ حضرت میا نمیر کے حلقہ ارادت میں شامل تھے۔ ملا عبد اللطیف بھی ایک جید عالم تھا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ انکی اتالیقی کا زمانہ مختصر تھا کیونکہ شاہ جہان کے بادشاہ بننے سے پہلے یہ اتالیق مقرر ہو چکے تھے ان کا شاگرد دارا شکوہ بھی سین شعور کی پختگی اور فرق و تمیز کی حدود سے بہرہ ور نہ ہوا تھا اس لیے ممکن ہے کہ وہ تاثرات لوح قلب پر قائم نہ رہ سکے ہوں جو اس فاضل زمانہ نے ابتدائی تعلیم میں مرتب کئے ہوں گے۔ عمل صالح کا مصنف ملا عبد اللطیف کے بارے میں لکھتا ہے۔

"سر آمد فضلائے ملت حنیف مولانا عبد اللطیف بگرد آوری سائر علوم و جملگی فنون حکمتی و ادبی کوشیدہ نہایت مراتب امکان این مرتبہ بدست آوردہ بحدت فہم وقوت حافظہ و فضاحت تقریر و صفائی تحریر بے نظیر وقت و روز گار بود. پیش از جلوس مبارک سعادت ملازمت شرف در یافتہ بہ منصہ تعلیم شہزادہ بلند اقبال محمد دارا شکوہ مقرر گشت"

مولانا عبد اللطیف، حنیف کی قوم کی دولت، باقی تمام علوم اور تمام حکمت و ادبی تراکیب کو جمع کیا، جس کی انہوں نے اپنی استطاعت کے مطابق کوشش کی۔ اس بار ملنے کا امکان بڑی فہم، یادداشت کی طاقت، پیش کش کی وضاحت اور تحریر کی وضاحت کی وجہ سے تھا جو وقت اور دن میں منفرد تھا۔ مبارک سعادت کی نشست سے پہلے شہزادہ بولند اقبال محمد دارا شکوہ کے تدریسی عہدے پر تعینات ہوئے۔

ان دو فضلائے زمانہ کے علاوہ شیخ بروہی کا ذکر بھی دارا کے اساتذہ کے ضمن میں کیا جاتا ہے۔ ان اساتذہ کی بجرافی میں دار شکوہ نے ظاہری علوم یعنی ادبیات عربی و فارسی، تفسیر وقت ور علوم متدادا کی تعلم حاصل کی لین جس تعلیم پر دارا شکوہ خود فخر کرتا ہے وہ اس کی روحانی اور باطنی تعلیم ہے اس ضمن میں دارا کے اساتذہ کی ایک کثیر تعداد ہے جن میں اولیاء اللہ کے علاوہ ہندو فقیر اور جوگی تارک الدنیا بھی موجود ہیں۔

دارا کی تو کی تصنیفات اور تالیفا میں جگہ بہ جگہ ایسے مقتدر اور صاحب حال و قال کا ذکر پایا جاتا ہے جن سے وقتاً فوقتاً وہ روحانی بالیدگی پاتا رہا۔ کسی ایک سے اپنی روحانی صحبتوں کا ذکر بھی کیا ہے۔ حضرت میاں میر لاہوریؒ کا تو سارا خاندان صدق دل سے معتقد تھا۔ شاہ جہاں نے متعدد بار حضرت میاں میر کے ہاں حاضری دی اور رشد و ہدایت سے مستفید ہوا۔ چونکہ دارا دارا شکوہ، شاہجہان کا بڑا بیٹا تھا۔ اور بڑی منتوں کے بعد پیدا ہوا تھا اس لیے س لیے اپنے باپ کی مصاحبت میں ہیں ہمہ وقت رہتا رہتا اور بادشان بھی ایک دم کی جدان گوارا نہیں کرتا تھا۔ اس طرح حضرت میامیرا کے پاس جانے کے بیشتر مواقع اسے میسر آئے۔ چنانچہ دارا شکوہ کی تصنیف سکینتہ الاولیاء جو حضرت میامیرا کے احوال واشتغال کے متعلق ہے مصنف کی کمال عقیدت و محبت کا بین ثبوت ہے دارا شکوہ کی منگنی کی رسم ممتاز محل بیگم کی خواہش کے مطابق شہزادہ پرویز کی لڑکی کریم النساء المعروف بہ نادرہ بیگم سے طے پا چکی تھی لیکن اسے اپنی زندگی میں بیٹے کی خوشی دیکھنے کا موقعہ نصیب بنے ہوا۔ اس کی وفات کے بعد دارا شکوہ کی شادی بڑے تزک احتشام کے ساتھ نادرہ بیگم سے جنوری 1633ء کے اواخر میں انجام پائی شادی میں حملہ مروجہ رسومات پر دل کھول کر دولت لٹائی گئی اور شاہ جہان نے اپنے چہیتے بیٹے کو اس کی ماں کی عدم موجودگی کا احساس نہ ہونے دیا۔ کئی دنوں تک تقریبات جاری رہیں کہا جاتا ہے کہ شادی کے جملہ معانی پر تین کروڑ بیس لاکھ روپے خرچ کئے گئے دارا کے بھائیوں کے علاوہ دربار کے تمام بڑے بڑے منصبداروں نے دارا کی قیام گاہ پر جا کر مبارکباد پیش کی اور تخالف نذر گزارے شاہ جہان کی خواہش تھی کہ دارا شکوہ کو امور جہانبانی اپنی نگرانی میں سکھائے۔ دارا کے بھائیوں شجاع، اورنگ زیب اور مراد کو مختلف صوبوں میں جاگیریں ملی ہوئی تھیں اور وہ سب وہاں کے نظم و نسق کو بطریق احسن اپنی ذاتی نگرانی میں چلاتے تھے اس کے برعکس دارا شکوہ پر عنایت شاہانہ بے حساب تھیں اور وہ دارالخلافہ ار میں بٹھ کر اپنے وکیلوں کی معرفت حکومت کی دیکھ؟ بھال کرتا ہے کرتا تھا اس کے دوسرے بھائیوں کو یہ بات کھٹکتی تھی شاہ جہان کے اکتالیسویں جشن سالگرہ کے موقعہ پر دارا شکوہ کو 12 ہزار ذات اور 6 ہزار سوار کا پہلا منصب 11 ربیع الثانی 1043ھ مطابق 10 اکتوبر 1633ء کو ملا۔

دارا پر عنایت خسروانہ کی رفتار سے یوں محسوس ہوتا ہے گویا شاہجہان انعام واکرام اور عزت و ترقی کے مواقع کی تلاش میں رہتا ہے چنانچہ پانچ سات سال کے عرصہ ہی میں دارا کا منصب 60 ہزار ذات اور 40 ہزار سوار کا ہو گیا جس ہیں۔ 3 ہزار دو اسپہ سہ اسپہ بھی تھے غالبا مغلیہ سلطنت میں کسی شہزادے کو اتنی جلدی اسقدر اکرامات کا مستحق نہیں سمجھا گیا اسی سال شہزادے کو ولی عہد سلطنت مقرر کرنے کا شاہی اعلان بھی ہوا اور اس کے ساتھ ہی حصار کی جاگیت بھی عنایت ہوئی۔ اس پرورش شاہانہ کو دارا کے دیگر بھائی کہ لکھتے تھے اور بعض حالات میں اپنی حق تلفی کو شدت سے محسوس کرتے تھے مثلاً جب 1657ء میں دارا کو بہار کی صوبیداری بھی مل گئی تو شاہ شجاع جو بنگال واڈلیسہ کا صوبیدار تھا۔ رنجیدہ خاطر ہو گیا۔ اب دارا کے اختیار و تحویل میں حصارہ الہ آباد، پنجاب، گجرات، ملتان اور بہار کی سرکاریں تھیں۔ اس وسیع جاگیرا اور سلطنت کے با وجود دارا شکوہ امور جہانبانی نہیں ناکام و نامراد رہا۔ سلطنت میں قیام نے اسے علم کے میدان کا شہوار تو بنا دیا لیکن میدان جنگ کے راو پیچ سمجھنے سے وہ قاصر رہا۔ وہ شاہی دربار میں بیٹھا علماء اور فضلا سے مختلف موضوعات پر تبادلہ خیال کرتا رہتا جبکہ اس کی وسیع سلطنت کے علاقوں میں اس کے نائب سکومت کرتے اس کے علاوہ بہت کم وقت کے لیے اور کبھی کبھار وہ اپنے علاقوں میں یہ نفیس نفیس جاتا۔ اسطرن وہ اپنے لوگوں اور فوج کے بہادروں سے کٹ کر رہ گیا اور وہ اعتبار و اعتماد جاتا رہا جس کے نتیجے میں صلہ اور وفاداری ظہور میں آتی ہے۔ دارا شکوہ کو ولی عہد بنانے

کے بعد اُسے شاہ بلند اقبال کا خطاب مرحمت ہوا۔ بادشاہ کے دربار کے وقت دارا کے لیے الگ تخت اور شاہی چھتر موجود ہوتا۔ بادشاہ کے پہلو میں اس کے لیے جگہ مخصوص ہوتی یعنہ فیکہ تمام امراءاور وزراء کو علی طور پر یہ باور کرادیا گیا کہ دارا شکوہ مستقبل میں ہندوستان کا بادشاہ ہوگا۔ لیکن اس کروفر کے باوجود شہنشاہ کی قربت اور شاہی دربار سے وانگی سے وہ کچھ نہ سکی جس کی ایک عظیم سلطنت کے ولی عہد کو ضرورت ہوتی ہے۔ تاہم اس کے کردار کا ایک روشن پہلو یہ ہے کہ جنگ و سیاست ہیں وہ ہزیمت کے باوجود اس نے مصائب و آلام کے دوران میں صبر و استقامت کا مظاہرہ کیا۔ اس کی ایک ایسے شہزادے سے توقع نہیں کی جاسکتی تھی جس کی زندگی میں راحت، عیش و مسرت اور فارغ البالی کا دور دورہ تھااو بر غم واندوہ کا دور دور تک نشان نہ تھا۔

دارا شکوہ نہایت رحمدل، انصاف پسند اور سنی تھا۔ تھا۔ دارا کے ہاں پہلے ایک لڑکی پیدا ہوئی جو چند ماہ زندہ رہ کر 21 مارچ 1334ء کو فوت ہوگئی۔ اس دوران شہزادہ جو باپ کے ساتھ لاہور آرہا تھا، شدت غم کی وجہ سے سخت بیمار پڑ گیا۔ اس ام نے شہنشاہ کو بھی متفکر کر دیا۔ یہاں تک کہ شاہجہان خود متعدد بار اس کے خیمے میں شمار داری کیلئے گیااور غریبوں اور فقیروں میں کثیر خیرات تقسم کی۔

دارا شکوہ کی نادرہ بیگم کے بطن سے آٹھ اولادیں ہوئیں جن میں 4 لڑکے اور 4 لڑکیاں تھیں۔ لڑکوں میں سے مہر شکوہ 1049ءہار میں چند ماہ زندہ رہ کر فوت ہوگیا۔ اسی طرح ممتاز شکوہ 1053ء میں پیدا ہوا اور پانچ سال کے بعد 1058 میں فوت ہوگیا باقی دو لڑکے سلیمان شکوہ اور سپہر شکوہ دونوں دارا کے قتل تک زندہ تھے۔

سیاسی زوال اور قتل دارا:

سلیمان شکوہ اپنے باپ کی شکست کے بعد سرینگر کشمیر کے راجہ کے ہاں پناہ گزیں ہوا۔ لیکن راجہ کے بیٹے میدنی سنگھ نے دھوکہ سے اسے گرفتار کرنا چاہا۔ سلیمان شکوہ کو اس دغابازی کا علم ہوا تو اس نے لداخ کی طرف کوچ کا ارادہ کر لیا لیکن میدنی سنگھ کے راجپوت سپاہیوں نے راستے ہیں جالیا۔ شہزادہ جان توڑ کر لڑا اور زخمی ہوا۔ اس کے کئی وفادار ساتھی بھی مارے گئے زخمی حالت میں ہی اسے پابہ زنجیر دہلی لایا گیا جنوری 1661ء میں اسے قلعہ سلیم گڑھ میں قید کر دیا۔ گیا۔ جب اُسے اورنگ زیب کے سامنے پیش کیا گیا تو اس کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ شاہجہان کا یہ پوتا بڑا خلیق، خوبصورت اور نیک سیرت جوان رعنا تھا۔ ابتدائے شباب میں کئی معرکوں میں شامل رہا۔ بات کا ذہنی اور مرد میدان تھا۔ فرانسیسی سیاح ڈاکٹر برنیے اپنے سف بنائے میں لکھتا ہے:-

"اورنگ زیب کے درباری، انقلاب زمانہ کے ہاتھوں خستہ حال شہزادے کو دیکھ کر رو پڑے۔ یہاں تک کہ محل سرا کی خواتین جو پردے کے پیچھے سے تماشائے عبرت کر رہی تھیں۔ روئے بغیر نہ رہ سکیں اور گزریں نے کہا کہ تمہارے ساتھ مناسب سلوک کیا جائے گا اس لیے تمہیں ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں البتہ تمہارے باپ کو تحفہ کے جرم میں اپنی جان سے ہاتھ دھونے پڑیں گے"

چنانچہ 15 جنوری 1661ء استاد کو سلیمان شکوہ کو الیا کے قلعہ ہیں منتقل کر دیا گیا۔ وہاں شاہی حکم کے مطابق اسے بھنگ اور پوست کا محلول دیا جاتا تھا جس کے اثر سے رفتہ رفتہ جسم وجاں کا رشتہ بغیر کسی احتجاج کے منقطع ہوتا جاتا۔ اگلے سال مئی میں 1662ء میں یہ بہادر اور خوبرو نوجوان بعمر 30 سال مین عالم شباب میں راہی ملک عدم ہوا اور شہزادہ مراد بخش کے مزار کے متصل قلعہ گوالیار کی پہاڑیوں پر مدفون ہوا سپہر

شکوہ جو سلیمان شکوہ کے ساتھ قید رہا۔ اس کا انجام بھی اپنے پیشروں سے مختلف نہ تھا دارا شکوہ کے قتل کے بعد اسے گوالیار ک قلعہ ہمیں بند رکھا گیا اس وقت اس کی عمر پندرہ سولہ سالی کے لگ بھگ ہو گی۔ مستقف خزینتہ الاصفیاء لکھتا ہے کہ دارا شکوہ کے قتل کے بعد اس کے بیٹے کو اورنگ زیب کے روبرو پیش کیا گیا تو اس نے پوچھا۔

"ور اے پسر چگونہ، و حالت چیست - پسر این شعر فی البدیہہ بزبان اور و بہ گفت :

ہجر دا را بر دل من کمتر از یعقوب نیست
اولپسر گم کردہ بود و من پدر گم کردہ ام۔

عالمگیر با شما این تقریر سخت بر بنید و گفت «گرگ را کشتن و بچہ اش نگاہ داشتن کار خہ ندان نیست - این ہمہ را بہ کشید

"اے بیٹے، کیا حال ہے، اور کیا حال ہے؟'

میرے دل پر ہجر یعقوب سے کم نہیں

الپسر ہار گیا تھا اور میں نے اپنے والد کو کھو دیا ہے۔

عالمگیر نے اس تاویل کو آپ کے ساتھ سختی سے لیا اور کہا کہ "بھیڑیے کو مارنا اور اس کے بچوں کی دیکھ بھال کرنا کوئی جہالت کی بات نہیں ہے۔ اس نے یہ سب کچھ لیا۔"

بہر حال سپر شکوہ کو 12 سال کے بعد قلعہ گوالیار سے نکال کر لو سلیم میں میں ڈال دیا گیا پھر 26 دسمبر 1672ء سارہ کو عالمگیر کے سامنے پیش کیا گیا۔ جہاں اسے رہائی کا پروانہ دیا گیا۔ اس کے بعد 30 جنوری 1673ء کو زبدۃ النساء دختر اورنگ زیب عالمگیر سے اس کی شادی کر دی گئی۔ اسی طرح دارا شکوہ کی لڑکی جہانزیب بالو عرف جانی بیگم کی شادی کچھ عرصہ کے بعد اورنگ زیب کے حکم سے شہزادہ محمد اعظم کے ساتھ انجام پذیر ہوئی۔ دارا شکوہ کی زندگی کا کربناک انجام دنیائے دوں کے لیے مقام عبرت ہے۔ وہ بادشاہی کے زمانہ میں فقراء اور حکمائے زمانہ سے علم وادب کے میدان میں خراج تحسین لیتا رہا لیکن اس کا سابقہ مفاد پرستوں، محسن کشوں اور غداروں سے پڑا جن کے ہاتھوں اس کی موت کا المیہ تمام ہوا۔ ساموگڑھ کی لڑائی اور شکست کے بعد ایک اعتبار سے دارا شکوہ کی قسمت کا فیصلہ نوشتہ دیوار بن چکا تھا، تاہم دوران فرار اور حالت ملال میں کبھی کبھی امید کی کرن روشن ہوتی۔

دارا شکوہ نے دربدر کی پریشان نوردی'' سے تنگ آکر قندھار جانے کی ٹھانی۔ اس کے ساتھی ایک ایک کر کے ساتھ چھوڑنے لگے۔ اہل خاندان ہندوستان کی سرزمین پر جینا اور مرنا چاہتے تھے۔ دارا اضمحلال اور تھکن سے چور، متذبذب کیفیت میں مبتلا کسی رجال الغیب کا منتظر تھا۔ اس کی چہیتی بیوی نادرہ بیگم زیادہ بیمار ہو گئی۔ تقاضائے حال کے اعتبار سے دارا نے یہ مناسب سمجھا کہ داد ور کے افغان جاگیر دار ملک جیون کے پاس چند سے مقیم رہ کر دوبارہ سفر جاری رکھا جائے دارآ کو یہ قوی امید تھی کہ ملک جیون جو ایک زمانے میں اس کا ممنون احسان تھا بلکہ بغاوت میں ماخوذ ہونے کے سبب شاہجہاں اس کے قتل کا حکم صادر کر چکا تھا کہ دارا شکوہ کی سفارش پر اس کی جان بخشی ہوئی۔ اس وقت ملک جیون نے دارا شکوہ کے قدموں پر سر رکھ کر یہ کہا تھا کہ ہ تمام عمر اس کا غلام رہے گا۔ اور اس احسان کو کبھی فراموش نہیں کریگا۔ دارا شکوہ کا یہ فیصلہ قرین مصلحت اور تقاضائے وقت تھا۔ اس نے ملک جیون کی امداد کے بارے میں جو قیاس کیا تھا وہ اس میں بجا طور پر حق بجانب تھا۔ بعض مورخین نے اسے

داراشکوہ کی بدتدبیری اور عام بے یقینی پر محمول کیا ہے۔ نہیں ٹھنڈے دل سے سوچا جائے تو اس کسمپرسی کی حالت میں وہ اس سے زیادہ کیا کر سکتا تھا جبکہ اس کی رفیقہ حیات موت وزیست کی کشمکش میں مبتلا تھی۔

چنانچہ ملک جیون کے علاقے کو جاتے ہوئے نادرہ بیگم اس جہان فاق سے کوچ کر گئی اے دار کو داس ناگہانی صدمے کی تاب نہ لا سکا اور بیہوش وحواس کھو بیٹھا۔ تقدیر، نذیر پر غالب آچکی تھی۔ نادرہ بیگم کی لاش سامنے پڑی تھی اور وہ دنیا ومافیہا سے بے خبر سوچوں کے اتھاہ جزیروں میں گر تھا۔ نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن۔ نادرہ بیگم نے داراشکوہ کی رفاقت میں جن مشکلات اور مصائب کا خندہ پیشانی سے سامنا کیا، شاید ہی مغل شاہزادیوں میں سے کسی نے ایسی جرات صبر اور استقامت کا مظاہرہ کیا ہو مسلسل سفر کی صعوبتیں، جنگل وصحرا کی وسعتیں، فنیم کا خوف، پنجاب، ملتان، بھکر، سندھ اور بلوچستان تک خانہ بدوش زندگی، بھلا شہنشاہ اکبر کی پڑپوتی نے ایسی زندگی کاہے کو دکھی ہو گی لیکن جو کچھ خدا دکھائے، ناچار دیکھنا کے مصداق اس نے حق رفاقت ادا کر دیا۔ داراشکوہ بھی اس سے بے حد محبت کرتا تھا۔ نادرہ بیگم کی وصیت تھی کہ اس کی قبر ارض ہندوستان میں کی جائے۔ چنانچہ لاش کو ملک جیون کے گھر لایا گیا اور آخری تمنا کی تکمیل کی خاطر دارا نے لاش کو اپنے 70 جانثاروں کے ساتھ گل محمد کی سرکردگی میں لاہور روانہ کیا جہاں اسے حضرت میانمیر کے فہرستان میں سپرد خاک کر دیا گیا۔ نیرنگی روزگار کا یہ ایک اور کچھ کا تھا کہ داراشکوہ اپنی محبوب رفیقہ حیات کی تجہیز وتکفین میں بھی شامل نہ ہو سکا۔ داراشکوہ مصائب وآلام کے ہاتھوں محصور ہو چکا تھا۔ تین دن تک نادرہ بیگم کا سوگ منانے کے بعد ملک جیون کے گھر سے نکلا تاکہ قندھار کی طرف چلا جائے۔ ابھی تھوڑی دور گیا تھا کہ ملک جیون کی فوج نے آلیا۔ داراشکوہ فلک کا ستایا ہوا کیا مزاحمت کر سکتا تھا۔ البتہ اس کے بیٹے سپہر شکوہ کی رگوں میں تیموری خون نے جوش مارا ہے اس نے حتی المقدور مقابلہ کیا لیکن جلد ہی باپ کے ساتھ گرفتار ہوا جس کے حکم سے ایک دن ملک جیون کی زنجیری کھولی گئی تھیں، اب وہ اور اس کا بیٹا ملک جیون کے حکم سے پابہ زنجیر تھے۔ تاریخ اپنے آپ کو معکوسی طور پر دہرا رہی تھی 9 جون 1949ء کو داراشکوہ، اس کا بیٹا پر شکوہ اور اس کی دو لڑکیوں کو قیدی بن کر بہادر خان اور ملک جیون سوئے دہلی روانہ ہوئے۔ راستے میں ہے سنگھ بھی آتلا۔ اس قافلے کا دلی میں بڑی شدت سے انتظارت سے انتظار کیا جارہا تھا۔ چنانچہ ماہ مل سفر کے بعد یہ مقرالٹا پٹا کارواں 23 اگست 1659ء کو دارالسلطنت دہلی پہنچا۔ باپ بیٹا دونوں نذر بیگ کے سپرد کر دیے گئے پیشخص اورنگ زیب کا غلام تھا اور بطور جلاد خصوصی مقرر تھا۔ نہایت ظالم، مکردہ شکل اور پرلے درجے کا بے رحم تھا۔ نذر بیگ کے دونوں قیدیوں کو دہلی کے جنوب میں تین میل کے فاصلے پر خواص پورہ کے قلعہ میں بند کر دیا۔ 29 اگست بروز منگل اورنگ زیب نے حکم دیا کہ داراشکوہ اور اس کے بیٹے سپہر شکوہ کو شہر بلی کے کوچہ وبازار میں قیدیوں کی حالت ہیں پھرایا جائے۔ تاکہ لوگ عبرت پکڑیں اور پھر کسی کو سر اٹھانے کا حصہ نہ ہوا۔ داراشو کی تشبہ کا ایسا دردناکن نظارہ اس سے پہلے چشم فلک نے نہ دیکھا ہو گا۔ تاج وتخت کے لیے تخلقوں، فلجیوں اور مغلوں نے کتنے خون بہا لیکن جس ذلت رسوائی باکا سامنا موت سے پہلے داراشکوہ کو کرنا پڑا۔ اس کی مثال کہیں نہیں ملتی۔ دارا کو بیٹے کے ساتھ ایک بوڑھی خارش زدہ ہتھنی پر سوار کیا گیا۔ ہود بغیر حجیت کے تھا۔ ہتھنی کو مزید کریہ المنتظر بنانے کے لیے اس کے جسم پر مٹی اور راکھ کل دی گئی۔ دونوں قیدیوں کے دست وپا آہنی زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے۔ جلوس کی قیادت بہادر خان کر رہا تھا جبکہ ملک جیون کے سپاہیوں نے ارد گرد گھیرا ڈالا ہوا تھا۔ زندانیوں کا طلبہ اور لباس کہنہ درس عبرت فراہم کر رہا تھا۔ دارا کے جسم پر مہینوں کے سفر کی

خاک ائی ہوئی تھی۔ بال بڑھے ہوئے اور پریشان تھے۔ کپڑوں کی چکنا ہے اور گندگی قیدیوں کی زبوں حالی پر چلپی کھا رہی تھی۔ چہرے کسی بھیانک انجام کے خیال سے افسردہ اور بے نور تھے۔ سروں پر کالی پگڑیاں مانغم کی علامت تھیں۔ دونوں چپ چاپ، سر نہوڑائے اپنی منزل کی طرف ناچار پڑھ رہے تھے۔ یہ جلوس شہر دہلی میں لاہوری دروازے سے داخل ہوااور چاندنی چوک، بازار سعد اللہ خان سے ہوتا ہوا قلعہ سے باغ خضر آباد تک گیا۔ دہلی کے لوگ جلوس کو ایک نظر دیکھنے کے لیے امڈے پڑتے تھے۔ دارا کے دوست اور دشمن سبھی رنجیدہ اور کبیدہ خاطر تھے۔ اگست کے سورج کی حدت، تپتی ہوئی دوپہر اور شہر دہلی کے دیکھے بھالے کوچہ بازار، دونوں باپ بیٹا آنکھیں بند کئے موت کے جزیرے کی طرف بڑھ رہے تھے۔ ڈاکٹر برنیے جو اس جلوس کا عینی شاہد ہے لکھتا ہے کہ لوگ زار و قطار رو رہے تھے۔ ان میں بچے۔ بوڑھے اور عورتیں بھی شامل تھیں جلوس رواں دواں تھا کہ ایک نامعلوم آواز نے دارا کو چھ نکادیا۔ اس دوران پہلی مرتبہ داراشکوہ نے سر اٹھایا اور آواز کی جانب متوجہ ہوا۔ ایک مانگنے والا کہہ رہا تھا۔ اسے دارا! میں آج تک تمہارے دروازے سے خالی ہاتھ نہیں لوٹا لیکن آج میں جانتا ہوں کہ تو بے بس اور خالی ہاتھ ہے۔ تو مجھے کچھ نہیں دے سکتا۔ سوالی کے یہ الفاظ دارا کے دل پر نشتر کی طرح لگے۔ دارا کے داد و پیش کے چرچے زبان زد خاص و عام تھے۔

میر رضی دانش کو ایک شعر کے عوض ایک لاکھ اشرفی انعام دے دی تھی۔ کوئی گھر ہو گا کہ اس کے جود و سخا سے محروم ہو گا۔ وہ مذہب و ملت کی تفریق کے بغیر حاجت روائی کرتا۔ لیکن آج فقیر کے، بول نے دارا کے سینہ میں آگ لگادی چشم زدن میں دارا نے اپنے کندھے سے میلی اور بوسیدہ کشمیری شال اتاری اور سوالی کی طرف پھینک دی۔ یوں مرنے سے قبل خود خالی ہاتھ ہونے کے باوجود دارا کی غیرت نے فقیر کو خالی ہاتھ نہ جانے دیا۔

جلوس کی کیفیت اور لوگوں کے رد عمل سے پرچہ نویسوں نے اورنگ زیب کو آگاہ کیا اور نگ زیب نے محسوس کیا کہ لوگوں کی ہمدردیاں کہیں اس کے لیے مشکلات کا سبب نہ بنیں۔ اس لیے دارا کے قضیے کو جلد از جلد نپٹانا ضروری ہے چنانچہ اسی رات دربار میں خاص مجلس مشاورت کا انعقاد ہوا۔ بعض امراء کا خیال تھا کہ فی الحال دارا کو قید میں رکھا جائے اور آخری فیصلہ کی مناسب وقت پر کیا جائے خصوصا دانشمند خان نے دارا کو بچانے کی بہت کوشش کی لیکن بہادر خان، شائستہ خان، حکیم داؤد (مقرب خان اور دیگر امرائے دربار نے اس کی ایک نہ چلنے دی۔ سر نے قتل کر دینے کی حمایت کی۔ آخر کار اورنگ زیب کی بہن روشن آرا بیگم نے جو شاہجہان کے دربار میں اس کی وکیل اور سفر بھی تھی اورنگ زیب کو قتل داراشکوہ کے لیے آمادہ کر لیا اور اس کا ووٹ فیصلہ کن ثابت ہوا۔ اسی رات داراشکوہ نے اورنگ زیب کو ایک خط لکھا جس میں رحم کی اپیل کی گئی تھی اسے اورنگ زیب نے اس خط کی پشت پر قرآن کی ایک آیت لکھ کر خط واپس کر دیا چنانچہ شرعی جواز کے لیے علمائے سلطنت سے رجوع کیا گیا۔ علمائے وقت نے دارا کے خلاف کفر کا فتوی صادر کیا اور حکم ہیں لکھا کہ دردین کی حفاظت اور ملک کی خیر خواہی کیلئے بادشاہ ضروری سمجھتا ہے کہ داراشکوہ کی زندگی کا چراغ گل کر دیا جائے۔ اسی شام اورنگ زیب نے نذر بیگ غلام کو حکم یا کہ وہ داراشکوہ کا سر کاٹ لائے۔ اور اس کے بیٹے سپہر شکوہ کو اس سے الگ کر کے قید میں رکھے۔ اس غرض کی تکمیل کیلئے شفیع خان کو بھی ساتھ رکھا گیا۔ رات کو جب دونوں باپ بیٹا ابلے ہوئے چاول اور ساگ پکا رہے تھے تو دونوں جلاد زندانیوں کی کوٹھڑی میں داخل ہوئے۔ انہیں دیکھ کر دارشکوہ آنے والے واقعات کو

جان گیا۔ نذر بیگ نے مہیبر شکوہ کو دارا کے سینہ سے الگ کیا جو مور بچے نفتور سے باپ سے لیٹ گیا تھا۔ دارا شکوہ نے اس کے آنسو پونچھے اور غلاموں سے التجا کی کہ وہ اورنگ زیب سے کہیں کہ وہ اپنے بھتیجے کو مجھ سے الگ کرے۔ نذر بیگ نے صاف انکار کر دیا بلکہ نہایت گستاخانہ انداز میں دارا شکوہ کی سر زنش کی ی پر شکوہ کو ساتھ والی کوٹھڑی میں بند کر دیا گیا۔ بیٹے کی دلخراش چیخیں دارا کے کانوں سے ٹکرا رہی تھیں۔ جب دارا کو یقین ہو گیا کہ اس کا آخری وقت آن پہنچا ہے تو اس نے مقابلہ کرنے کی ٹھانی وہ بے دست و پا تھا، تاہم اپنے تکیے کے اندر سے قلم تراش نکالا اور غلام پر حملہ کر دیا۔ شاید یہ سمجھتے چراغ کی آخری بھڑک تھی۔ جلد ہی وہ غلاموں کی گرفت میں آ گیا۔ کہتے ہیں کہ وہ آخری دم تک ہاتھا پائی میں مکوں سے وار کرتا اور لڑتا رہا۔ لیکن تا بہ گئے۔ نذر بیگ کی تلوار نے شہزادہ محمد دارا شکوہ کا سر قلم کر دیا۔ تاریخ شجاعی کا مصنف لکھتا ہے کہ اس گنہر کار نے سنا ہے کہ شہادت کے بعد دارا کے سر نے کلمہ شہادت دہرایا۔

اگلے دن یعنی 30 اگست کو اورر نگ زید بنے اس غرض کے لیے دربار منعقد کیا کہ ان لوگوں کو انعامات سے نوازا جائے۔ جنہوں نے دارا شکوہ کو گرفتار کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا تھا ملک جیون اپنے افغان سپاہیوں کے ساتھ دارا شکوہ کے ساتھ فداری، بے وفائی اور احسان ناشناسی کے عوض اورنگ زیب سے انعام و خلعت لینے جا رہا تھا کہ وہ دہلی کے شہریوں کی آتش انتقام کا نشانہ بنا جارس والے دن لوگوں کے ہاتھ فوج شاہی کے خوف سے نہ اُٹھ سکے تھے۔ نفرت کی آگ اندر ہی اندر سلگ رہی تھی۔ آج ملک جیون کی خود نمائی دیکھ لوں پھڑک اٹھے۔ شاہی فوج کے ایک افسر ہیبت خان نے لوگوں کو غیرت کا تازیانہ لگایا چنانچہ ایک نو خیز ملک جیون اور اس کے لشکریوں پر ٹوٹ پڑا۔ خافی خان لکھتا ہے کہ ملک جیون کے بہت سے سپاہی پتھروں کی بارش سے زخمی ہو گئے۔ گھروں کی چھتوں سے عورتوں نے انسانوں کی گندگی لشکریوں کے سروں پر پھینکی ہے ملک جیون کی محسن کی کھلی نفرت کا نشان بن گئی۔ دارا شکوہ کی حمایت میں ہر طبقہ کے لوگوں نے ملک جیون پر آوازے کستے اور طعن و تشنیع کی۔ بعض شہریوں نے چاقوؤں اور خنجروں سے سپاہیوں پر حملہ کر دیا۔ چنانچہ اس قدر غل پڑا کہ اگر شاہی فوج ملک جیون کی مدد کو نہ آجاتی تو شاید وہ انعام لینے دربار تک زندہ و سلامت نہ پہنچ سکتا۔ بہر حال ملک جیون انعامات سے سرفراز ہوا اور نمایاں کار گزاری کے صلہ میں بختیار خان کا خطاب پایا لیکن یہ اعزازہ سے زیادہ دنوں تک نصیب نہ ہو سکا۔ جب یہ اپنی جاگیر کو واپس جا رہا تھا تو راستے ہیں اُسے قتل کر دیا گیا۔ مغل دربار سے جو دولت محسن کشی کے عوض حاصل ہوئی تھی وہ اس کے گھر تک بھی ساتھ نہ دے سکی۔ حملہ آوروں نے سب کچھ لوٹ کر غارت کر دیا۔ فاعتبر و یا اولی الا احساس ۳۱ اگست داری کو اورنگ زیب بنے دارا شکوہ کا کٹا ہوا سر ملاحظہ کیا۔ جب سر پیش کیا گیا تو اورنگ زیب نے دھلا کر اطمینان کر لیا۔ پھر حکم دیا کہ دارا کی نش کو شہر کے گلی کوچوں میں بغرض تشہیر پھیرا یا جائے تا کہ دارا کے حمایتی اپنی آنکھوں سے اس کا انجام دیکھ لیں اور دبدبہ سلطانی کے آگے سر تسلیم خم کر دیں۔ اورر نگ زمین نے دارا کی نعش کو دیکھنے سے انکار کر دیا اور کہا۔ آہ اس بدبخت، دین سے گمراہ کا چہرہ میں نے زندگی میں دیکھنا پسند نہ کیا اور نہ اب کروں گا، اورنگ زیب کے حکم سے دارا شکوہ کا سر نعش سے جوڑ دیا گیا اور رات کے اندھیرے میں مقبرہ ہمایوں میں اس کہنہ لباس میں دفن کر دیا گیا۔ قبر کی شناخت کے لیے کوئی اہتمام نہیں کیا گیا اور اسے کچا رہنے دیا۔ ایک روایت کے مطابق دارا شکوہ کی قبر اکبر بادشاہ کے دو چھوٹے بچوں کی قبروں سے ملحق تھی۔ اب امتداد زمانہ سے تمام آثار مٹ چکے ہیں۔

(داراشکوہ)آل تیمور ہور کے شہزادوں میں داراشکوہ کا نام اس حیثیت سے کہ اس نے دنیائے علم وادب سے خراج تحسین حاصل کیا سب سے زیادہ نمایاں ہے۔ وہ ایک کثیر التصانیف مصنف تھا۔ علمی ذوق شوق اور تلاش و جستجو کا یہ عالم تھا کہ مروجہ علوم وفنون اور ہر مذہب وملت کی کتابیں اس کے زیر مطالعہ رہتی تھیں تصوف اس کا پسندیدہ موضوع تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی بیشتر تصانیف اسی موضوع کے مختلف النوع مسائل کی گرہ کشائی کرتی ہیں۔ شہزادے نے ابتدائے عمر ہی میں صوفیانہ ماحول کو اپنایا تھا۔ بزرگانِ دین اور اولیائے کرام سے اسے بے حد عقیدت تھی۔ کثرت مطالعہ اور تلاش حقیقت کی وجہ سے وہ نہایت وسیع المشرب واقع ہوا تھا۔ صوفیائے اسلام کے تمام سلسلوں کا رمز شناس تھا۔ اس کی تصنیفات میں موقعہ محل کے مطابق قرآن شریف کی آیات اور احادیث کے حوالے کثرت سے پائے جاتے ہیں مشاہیر اولیاء اور علماء کے اقوال کی تحقیق اور شرح پر وہ عالمانہ عبور رکھتا تھا۔ اپنی زندگی میں وہ کئی بزرگ ہستیوں سے ملا اور ان سے فیض حاصل کیا۔ ان میں حضرت میانمبر 7 جنہیں وہ میان جیو کے نام سے مخاطب کرتا تھا سر برتر تھے۔ حضرت ملا شاہ قادری جو حضرت میان جیو کے خلیفہ تھے۔ داراشکوہ نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اور داراشکوہ کو جو عقیدت حضرت حوت الأظلم عبدالقادر جیلانی اور حضرت ملا شاہ پیر و مرشد سے تھی، اس نسبت سے اپنا تخلص قادری پسند کیا اور سلوک و معرفت کے حصول کے لیے سلسلہ قادریہ میں شامل ہوا۔ ان کے علاوہ آزاد خیال علماء اور صوفیاء کا ایک گروہ جس میں مرید شہید، ملا محسن فانی، شیخ محب اللہ اور شاہ دلربا تھے اس کے ہم جلیس تھے چندر بھان پنڈت المتخلص برہمن، بھوپت رائے بیغم بیراگی اور ہرکرن وغیرہ اس کے درباری شاعر تھے۔ اور اس کے ہم خیال میں تھے۔

تصانیف:

یہاں داراشکوہ کے علمی کارناموں کا مختصر تذکرہ کرنا ضروری ہے تاکہ اس کے رجحانات نفقد علم اور جستجوئے حق کے بارے میں کوئی رائے قائم کی جاسکے۔

سفینتہ الاولیاء:

داراشکوہ کی یہ پہلی علمی کاوش ہے جسے 25 سال کی عمر میں 27 رمضان المبارک 1049ء کو مکمل کیا گیا۔ یہ اولیائے اسلام کے تمام سلسلوں کا مستند تذکرہ ہے جس میں رسول اکرم صلعم سے لیکر حضرت بی بی جمال خاتون جو حضرت میامیر اکی ہمشیرہ تھیں اور اس وقت بقید حیات تھیں ہیں کے سوانح دانی بزبان فارسی لکھ گئے ہیں۔ ان میں دور آخر کے بعض حضرات سے داراشکوہ ذاتی طور پر ملاقات کر چکا تھا۔ یجنوں کے حالات ثقہ راویوں سے دریافت کر کے لکھے۔ اگرچہ اس سے قبل اس موضوع پر نفحات الانس، کشف المحجوب، اور طبقات سلطانی وغیرہ تذکرے موجود تھے مگر ان سب میں مختلف سلسلہ ہائے تصوف میں تسلسل مفقود تھا۔ سفینتہ الاولیاء کے مقدمہ میں سبب تالیف کا ذکر کیا ہے۔

اس فقیر خیر محمد داراشکوہ نفی قادری کے ذہن میں یہ بات آئی کہ مشائخ کے حالات بقید سنین ولادت و رحلت کیوں نہ ضبط تحریر میں لائے جائیں۔ نیز ان مشائخ کے مزارات عالیہ کا ذکر بھی اسی ضمن میں آجائے، اسے مقدر میں وجہ تالیف پر مزید گفتگو کرتے ہوئے رقمطراز ہے:۔

اس عاجز فقیر کو صوفیہ کے مقدس گروہ سے ایک خاص ارادت ہے۔ان کا ذکر میر میر دن رات کا مشغلہ ہے۔دوسرے تمام اشغال اس کے مقابلے میں پیسے معلوم ہوتے ہیں فقراء کا یہ خام اپنے آپکو اولیائے کرام رام کے پرستاروں اور ارادت مندوں کی فہرست میں شامل سمجھتا ہے یہی وجہ ہے کہ وہ اس کتاب میں ان کے حالات و واقعات کا اندراج خیر و برکت اور اپنی سعادت مندی کا وسیلہ سمجھتا ہے۔وہ شخص جسے محبوب کا وصال نصیب نہیں ہوتا وہ ذکر محبوب ہی سے اپنے دل کو ٹھنڈک پہونچاتا ہے ہے اس تذکرے میں بشمول رسول کر مسلم اہل بیت کرام اولیائے کار کے حالات برای چان پھٹک کے بعد یکجا درج کئے گئے ہیں۔میں کتاب کو آٹھ ایوب پر تقسیم کیا گیا ہے اور اور سوانحیات کا بہ ترتیب سنین اہتمام کیا گیا ہے:

پہلا باب : اس میں حضرت می صمد رحم، خلفائے راشدین، دوازدہ امام کے حالات کے علاوہ آپ کے بعض اصحاب اور فقہ اسلام کے چاروں بانیوں کے حالات بیان ہوئے ہیں۔

دوسرا باب : سلسلہ عالیہ قادریہ جو حضرت شیخ محی الدین عبد القادر جیلانی سے منسوب ہے) کے مشہور بزرگان دین کے حالات پر مشتمل ہے۔

تیسرا باب: سایہ شریفہ خواجگان بزرگوار کے بارے میں ہے۔

چوتھا باب: اولیائے سلسلہ چشتیہ کے متعلق ہے۔

پانچواں باب: کبروی سلسلہ کے بزرگوں پر مشتمل ہے۔

چھٹا باب: سہروردیہ بزرگوں کے حالات پر مشتمل ہے۔

ساتواں باب: اس میں ان مشائخ کا تذکرہ ہے جن کا سلا معلوم نہیں ہو سکا۔

آٹھواں باب :اس میں خدا رسیدہ خواتین کا ذکر خیر ہے۔1 سفینتہ الاولیانہ الاولیاء کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ دارا شکوہ ابو صفیۃ کا مقلد اور شیخ عبد القادر جیلانی کا باک بڑا معتقد تھا چنانچہ قادری سلسلہ کے حالات بڑی تفصیل سے بیان کئے ہیں۔

سکینتہ الاولیاء:

یہ دارا شکوہ کی دوسری تصنیف ہے جو عمر کے اٹھائیسویں سال 1052ء میں لکھی گئی۔
اس میں 1058ھ کے مطابق 1648ھ تک مختلف اضافے کئے جاتے رہے۔اس کتاب کو بھی آٹھ ابواب پر تقسیم کیا گیا ہے۔

باب اول میں حمد و ثنا، نعت رسول صلیم اور توصیف اصحاب کے بعد سکینتہ الاولیاء کے لکھنے کی تحریک کے بارے میں بیان ہے۔ نیز پیر طریقت کی ضرورت و اہمیت کی بحث بھی ہے۔ باب دوم میں سلسلہ قادریہ کی فضیلت کے بیان کے علاوہ دوسرے اولیائے اللہ کے سلسلوں کا مختصر تعارف ہے۔

باب سوم سے باب ششم تک حضرت میا میٹرو کے تفصیلی سوانحیات تحریر کئے گئے ہیں۔ باب ہفتم میں ان مریدان باسعادت کا تذکرہ ہے جو حضرت میامیر کی زندگی میں فوت ہوئے اور آخری باب میں ان مریدان باصفا کا ذکر ہے جو حضرت میامیرم کی وفات کے بعد بھی زندہ رہے۔

در حقیقت سکینتہ الاولیا اور ان کے خلیفہ مجاز حضرت ملا شاہ بادخشی مرشد دارا شکوہ کے احوال و فضائل کا مجموعہ ہے۔ ایک کے مصنف نے سکینتہ الاولیاء میں سرمد شہید کا بھی ذکر کیا ہے۔ لیکن اس کتاب میں سردی کا تذکرہ کہیں نہیں لا حضرت میانجو سے دارا کا علق عامر بچپن سے تھا۔ دارا کا دانا شہنشاہ جہانگیر بھی حضرت میانجوام سے بڑی عقیدت رکھتا تھا جہانگیر نے ملاقات کی غرض سے آپ کو کئی رقعات تحریر کئے۔ ایک رقعہ کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

"نوشتہ جھانگیر بن اکبر شاہ حضرت پیر دستگیر شیخ میرا کے حضور پہنچے"

ان رفعات میں جہانگیر نے اپنی نیاز مندی اور عقیدت ظاہر کرنے کے بعد توجہ کی درخواست ؟ کی ہے۔ اس کے علاوہ ایک بالمشافہ گفتگو بھی ہوئی جس میں حضرت میانجو نے بادشاہ کو پند و نصیحت اس خوش اسلوبی اور حکمت سے کی کہ جہانگیر کہنے لگا کہ سلطنت، جاہ و حشمت اور جو کچھ میرے پاس ہے، میری نظر میں سنگ و نفس کے برابر ہے اگر آپ توجہ فرمائیں تو دنیا کے علائق کو ترک کر دوں۔ اسی طرح شاہ جہاں کئی بار حضرت میانمیر کے مجرے میں حاضر ہوا ان صحبتوں میں دارا شکوہ بھی موجود ہوتا۔ ایک دفعہ دارا شکوہ کو بیماری لاحق ہوئی جو لاعلاج ثابت ہوئی شاہی اطبا عاجز آ گئے۔ شاہجہان اپنے بیٹے کو حضرت میانخور کے پاس لے گیا اور دعا کی درخواست کی۔ حضرت نے مٹی کا پیالہ جس میں وہ خود پانی پیا کرتے تھے۔ پانی سے بھرا، دھاپڑھی اور دارا شکوہ کو پلوادیا ایک ہفتہ کے بعد بیماری شفائے کاملہ عطا ہوئی۔

پانی بے رنگ اور بے صورت ہے۔ جب جم جائے تو کبھی ہے ب جم جائے تو کبھی سیخ کبھی اولہ اور کبھی برف کی صورت پکڑ لیتا ہے۔ پس جس شخص نے پہچان لیا ہے اور دیدہ بینا رکھتا ہے تو وہ پانی کے تمام مراتب و کیفیات جانتا ہے۔۔۔ آخر میں کہتا ہے کہ اے یار ! باوجود تقیدات کے اپنے آپ کو عین سجت اور محض ہستی جانتا ہے اور جو کچھ اپنا غیر دکھائی دے اس کو عین اپنا سمجھنا اور روٹی کی جڑ کو اکھڑ دنیا اور بعد و بیگانگی کے پردہ کو دور کر دینا اور سب کو ایک ذات دیکھنا ہے۔

مرشد نے جب طالب صادق کو اس مرتبہ تک پہونچا دیا اور اس دقیقہ کو سمجھا دیا تو اب تعلیم و تعلیم کی گنجائش نہ رہی۔ تیرا وجود، وجود کل ہو گیا۔ رہی اور خوف وہم و دوئی اور مہجوری تیرے دل اُٹھ گئی۔ عذاب و ثواب سے چھوٹ گیا۔ نجات ابدی تک پہنچ گیا۔ اب جو چاہتا ہے کہ اور جس وصف کے ساتھ کہ چاہتا ہے، رہو۔

حسنات العارفین (شطحیات):

یہ مختصر کتاب ان صوفیانہ اقوال کا مجموعہ ہے جو بڑے بڑے بر گزیدہ صوفیائے کرام اور اولیائے عظام کی زبان سے یہ حالت وجد اور حال و سنتی نکلے، اور جن کا مطلب شریعت اسلام کے ظاہری قوانین کے بر عکس تھا۔ چونکہ دارا شکوہ جو خود کو ایک صوفی باصفا اور فقر میں کامل سمجھتا تھا، اس کی زبان سے بھی ایسے ہی کلمات نکلے۔ اور دائرہ تحریر میں آکر اہل ظاہر کے اعتراضات کا سبب بنے۔ چنانچہ اپنی بر اُت کی خاطر دارا شکوہ نے مشہور صوفیاء کے اقوال کو مرتب کر کے شطحیات نام رکھا۔ دارا شکوہ کتاب کی وجہ تسمیہ کے متعلق رقمطراز ہے:-

"چونکہ میں موجودہ علماء کے مذہب مسلے مین نہیں ہوں اور میں نے دریں اثنا کچھ کلمات حق کہے اور لکھے ہیں جن کا تعلق میری روحانی کیفیات سے ہے۔ اس لیے بعض شر پسند اور بد نیست اشخاص جن کے پاس نقد علم نہ ہونے کے برابر ہے، مجھے ان کلمات کے سبب ملامت کرتے ہیں اور بد عت و کفر کا الزام دھرتے ہیں۔ چنانچہ میں نے ضروری سمجھا کہ ایک رسالہ شطحیات کے ضمن میں مرتب کر کے کے انہ ان لوگوں کو قائل کروں جو مسیح کے کر کے ان لوگ روپ میں دجال ہیں۔ اور موسیٰ کے بجائے فرعون ہیں۔ اور حضرت محمد صلعم کے اخلاق کے بجائے ابو جہل کے تعصب کے حامل ہیں۔ کچھ شطحیات اگرچہ روز بھان بقلی نے فراہم کئے ہیں تاہم میں نے زبان کو سہل اور عام فہم بنانے کے ان میں اضافہ کیا ہے۔"

اس اقتباس سے معلوم ہوتا ہے کہ دارا شکوہ معرفت حق کے ان مدراج کو طے کر چکا تھا جن کے بعد مشاہیر صوفیاء ایسے الفاظ ادا کرنے کے مجاز تصور ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دارا شکوہ نے بڑی جرات، حق گوئی اور بے باکی سے بے کم و کاست اپنے مافی الضمیر اظہار کیا ہے۔ ان شطحیات میں دارا نے اپنی مشطحیات کا ذکر نہیں کیا بلکہ بعض احباب کے استفسار اور تقاضوں کے جواب میں یہ کہا کہ ان بزرگوں نے جو کچھ کہا ہے اور میں نے لکھا ہے گویا یہ بھی کچھ میرا ہی ہے۔ جن مقتدر صوفیائے کرام کی شطحیات کے حوالے کتاب میں درج کئے ہیں ان کے نام یہ ہیں:۔

حضرت بایزید بسطامی، حضرت ذوالنون مصری، حضرت ابو سعد حراز، حضرت جنید بغدادی حضرت ابو بکر واسطی، حضرت امام احمد غزالی و حضرت عبد القادر جیلانیؒ، حضرت ابن العربیؒ، ان کے علاوہ رسول اکرم ﷺ کے خلفائے اربعہ، حضرت امام زین العابدین؟ اور امام جعفر صادق کے اقوال بھی پیش کئے ہیں۔

اس کتاب کا آغاز 1062ھ میں ہوا جبکہ دارا شکوہ کی عمر 28 سال تھی اور کتاب کا اختتام 1064 میں بروز سوموار آخر ربیع الاول ہوا۔ شطحیات کا اُردو ترجمہ لاہور میں حسنات العارفین کے نام سے 1912ھ میں ہوا۔ کتاب کے آخر میں دارا شکوہ لکھتا ہے وہ شخص حقیقت میں خوش نصیب ہے جو ان باتوں کو سمجھتا ہے اور ان سے. مستفید ہو کر لطف اندوز ہوتا ہے۔ قرآن توحید کی تعلیم دیتا ہے اور توحید کو جاننا مقر کہلاتا ہے۔ اور انسان کے علم کا منتہا یہی دو باتیں ہیں۔

سر اکبر:

یہ کتاب ہندو مذہب کی کتب اپنشدوں کے پچاس ابواب کے ترجمہ پر بنی ہے جسے سنسکرت زبان میں دارا شکوہ نے بنارس کے اہل علم پنڈتوں کی مدد سے منتقل کیا۔ یہ ترجمہ 1067ھ میں پایہ تکمیل کو پہنچا اور اس کا نام سترا اکبر رکھا گیا۔

دارا شکوہ نے جب یہ ترجمہ کروایا تو علمائے ظاہر نے برہمی اور ناراضگی کا حسب معمول اظہار کیا لیکن دارا شکوہ، کہ جس کی زندگی کا مقصد جستجوئے حقیقت اور ادراک معرفت نامانے ہندوست کے علوم کا مطالعہ بڑی عرق ریزی سے کیا اور اپنشدوں میں اسے وہ کچھ کیا کیا میں نے اس کے توہمات اور گمانوں کو یکسر رفع کر دیا۔

لفظ اپنشد سند (مصدر) سے پہلے این علامت لگانے سے اپنشد بنا ہے۔ اس مصدر کے معنی ملنے کے ہیں۔ یعنی اپنشدوں کے معنی اس علم کے ہیں جو خدا سے ملا دیا ہے۔ سنسکرت میں ساز مصدر کے تین اور معنی بھی میں ڈھیلا کرنا، جانا اور مٹانا۔ چنانچہ ہندو فیلسوف یہ معنی نکالتے ہیں کہ جو علم تمام بری خواہشوں کو غلط بادر کرا کے فنا کر دے۔ وہ اپنشد ہے۔ سنسکرت کی اس کوش نامی گفت کی رو سے اپنیشد کا لفظ راز، یعنی پر اسرار مفہوم کے لیے بولا جاتا ہے۔ چونکہ اپنشد ذات خداوندی جو انتہائی پوشیدہ اور پر اسرار ہے کی وضاحت کرتا ہے اس لیے اس لفظ کے معنی راز یا بھید کے بیان کئے جاتے ہیں۔ اپنیشد کے علم کو وبدانت کبھی کہتے ہیں۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ اپنشدوں کا وجود وید کے انت یعنی آخری حصے میں پایا جاتا ہے ۔اپن شد تعداد میں بہت زیادہ ہیں اور مختلف ناموں سے پہچانے جاتے ہیں سنسکرت ادب میں اپنشدوں کی یہ سب کتابیں علم و عرفان کا خزانہ مانی جاتی ہیں۔ چونکہ ان میں خاص طور پر علم الہیات کی تحقیق کا بیان ہے۔ اس لیے اپنشدوں کا علم روحانیت کا علم سمجھا جاتا ہے۔ دارا شکوہ تیرا کبر کے دیباچہ میں لکھتا ہے کہ اسے 1050ھ میں جب کشمیر جانے کا اتفاق ہوا تو حضرت ملا شاہ سلمہ اللہ سے شرف ملاقات نصیب ہوا۔ چونکہ اسے سر طائفہ کے عارفوں اور موحدین سے ملاقات کا شوق رہا ہے اس لیے وہ ان کی عارفانہ باتوں اور حکیمانہ کلام سننے کو بے حد پسند کرتا ہے۔ اس مقصد کے لیے اس نے تصوف کی اکثر کتابیں مطالعہ کی ہیں بلکہ خود بعض رسائل تصنیف بھی کئے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود طلب توحید کی پیاس بجھنے کے بجائے دم بدم زیادہ ہوتی اور دقیق مسائل ہر وقت دل میں تحریر کی کیفیت پیدا کرتے رہتے۔ ان مشکلات کا حل سوا کلام الہی ا فضل خداوندی کے مکن نظر نہ آتا۔ قرآن کریم میں جو اشارات موجود ہیں ان کے جاننے والے فی زمانہ کیاب ہیں۔ بنا بریں یہ خواہش ہوئی کہ حملہ آسمانی کتب کو بنظر تحقیق اور حصول مدعا کی خاطر دیکھا جائے اس لیے کہ کلام الہی خود آپ اپنی تفسیر ہوتا ہے اگر ایک کتاب میں اجمال ہوا دوسری میں تفصیل ہو سکتی ہے چنانچہ اس غرض کے لیے توریت، انجیل، زبور اور دیگر میں آسمانی کا مطالعہ بھی کیا گیا۔

دارا شکوہ نے بنارس کے تمام پنڈتوں اور سنیاسیوں کو جو علم بید و اینکوت کے رازداں تھے۔ اکٹھا کیا اور خود ترجمہ کیا۔ وہ کہتا ہے کہ بہت سی مشکلات اور الجھنوں کا حل اسے مل گیا۔

"د ہر مشکلی و سر سخن بلند ہے کہ ہمی خواست طالب آن بود، می جست و نمی یافت"

"ایک مسئلہ اور ایک اونچی آواز میں بات ہے جو ہم ہمیشہ چاہتے تھے، ہم نے اسے تلاش کیا لیکن ہمیں وہ نہیں ملا

آگے چل کر لکھتا ہے کہ یہ اپنشد بحر توحید کا سر چشمہ ہے اور بے شک و شبہ اولیں کتاب سماوی ہے اس لیے قرآن مجید کے مطابق بلکہ اس کی تفسیر ہے اور یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ذیل کی آیت شریفہ اسی قدیم کتاب کے حق میں نازل ہوئی ہے:-

"این خلاصه کتاب قدیم که بی شک و شبہ اولین کتاب سماوی و سرچشمه تحقیق بحر توحید است و مطابق قرآن مجید ، بلکه تفسیر آن است . صریح و ظاهر می شود که این بعینہ در حق این کتاب قدیم است"

"انه القرآن كريم في كتاب مكنون لا يمسه الا المطهرون تنزيل | من رب العالمين۔"

یعنی قرآن کریم در کتاب است و آن کتاب پنهان است و او را درک نمی کنند. مگر ولی که مطهر باشد، نازل از پروردگار عالم و عالمیان مشخص و معلوم می شود که این آیه در حق زبور، توریت و انجیل نیست بلکه از لفظ تنزیل چنین ظاهر می گردد که در حق لوح محفوظ هم نیست چون این کهت که ستر پوشیدنی است، اصل این کتاب است و آیت هائے قرآن مجید بلعینه در آن یافته مے شودر پس تحقیق شد که کتاب مکنون این کتاب قدیم باشد۔

یہ پرانی کتاب کا خلاصہ ہے جو بلاشبہ پہلی آسمانی کتاب اور بحر توحید پر تحقیق کا ذریعہ ہے اور قرآن کریم کے مطابق یہ اس کی تفسیر ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ اس پرانی کتاب کے بارے میں درست ہے۔

بیشک یہ عزت والا قرآن ہے۔۔ پوشیدہ کتاب میں (ہے)۔ اسے پاک لوگ ہی چھوتے ہیں۔ یہ تمام جہانوں کے مالک کا اتارا ہوا ہے

اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن پاک ایک کتاب میں ہے اور وہ کتاب چھپی ہوئی ہے اور وہ اسے نہیں سمجھتے۔ جب تک کہ ولی پاک نہ ہو وہ رب کائنات کی طرف سے نازل ہوا ہے اور واضح اور واضح ہے کہ یہ آیت زبور، تورات اور بائبل کے حق میں نہیں ہے بلکہ اس کا ظہور کلام الٰہی سے ہوتا ہے۔ کہ یہ لوح کے حق میں نہیں ہے، کیونکہ یہ آیت اس کتاب کی اصل ہے اور اس میں قرآن کریم کی آیات پائی جاتی ہیں، اس لیے تحقیق کی گئی کہ مکنون۔ کتاب ایک پرانی کتاب ہے۔

سر اکبر کے دیباچہ سے دارا شکوہ کی جستجو، علم کی پیاس اور طلب حقیقت کا بخوبی انداز لگایا جا سکتا ہے۔ یہ یاد رہے کہ دارا شکوہ ایک عظیم سلطنت کا بنی عہد ہے۔ ہم ہر گز یہ قیاس نہیں کر سکتے تھے زمی سیف کی چونکانے والی تحقیقات کے پس منظر میں ذاتی شہرت یا شمت جانا منصہ وہ فرما ہو گا۔ یہ ترجمہ اور اس کی دیگر تصانیف اس کے خلوص اور رندبی شغف کی مظہر آپ ہر مذہب وملت کے موحدین کے ساتھ ربط و تعلق اس کی وسیع المشربی کی دلیل ہے۔ وہ اس مقولے پر عمل پیرا نظر آتا ہے کہ سچائی اور حقیقت مومن کی میراث ہے۔ جہاں کہیں بھی ہو اسی کی گم گشتہ ملکیت ہے۔ دارا شکوہ نے جن خیالات کا اظہار کیا ہے وہ حقیقت سے قریب تر ہیں۔ پاک وہند کے علاوہ یورپ وایشیا کے کئی مصنفین اور محققین نے ویدوں اور اپنشدوں کی عظمت کا اعتراف کیا ہے۔ ان کتابوں میں بنیادی طور پر مسئلہ توحید (وحدت الوجود) کی توضیح کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ خدا کی قربت کے حصول کے لیے مراقبوں کے بیانات ہیں۔ علم البیات کے مسائل مثلاً پیدائش عالم، کینیت روح، مادہ کی مابیت، خدا کی حقیقت روح کا بہشت و دوزخ میں رہنا اور حالت ریخ دخوشی وغیرہ۔

حقیقت یہ ہے کہ اپنشدوں کے مضامین سے سبھی اہل علم خواہ وہ کسی مذہب سے تعلق رکھتے ہوں، متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ مشہور مسلمان البیرونی ان اپنشدوں کے گہرے مضامین سے بڑا متاثر تھا۔ یہاں تک کہ جب اس نے گیارہویں صدی میں ہندوستان کا سفر کیا تو اپنشدوں کو سمجھنے کے لیے سنسکرت کی تعلیم حاصل کی ہے دارا شکوہ کے اس فارسی ترجمے کی اتنی پذیرائی ہوئی کہ اسے فارسی زبان سے فرانسیسی زبان میں منتقل کیا گیا۔ جب یہ ترجمہ جرمنی کے مشہور فلسفی شوپن ہار نے پڑھا تو اس سے روحانی بصیرت حاصل ہوئی۔

پروفیسر میکس مولر جو ویدانت کا بڑا عالم نقتور کیا جاتا ہے، اس کا خیال ہے کہ شوپن ہار کا بیان کسی تصدیق کا محتاج نہیں

اپنشدوں کے حیرت انگیز مسائل کے بارے میں شوپین مزید لکھتا ہے:۔

"یہ مسائل ایسے ہیں جو ایک طرح سے غیر انسانی تصنیف ہی ہیں۔ یہ جن کے دماغ سے ظاہر ہوئے ہیں ان کو صرف انسان کہنا کٹھن ہے"۔

پال ڈائسن (PAIL DEUSSEN) جرمنی کے ایک دوسرے عالم نے اپنیشد درشن ایک کتاب بھی لکھی ہے اس کی رائے ہے کہ اپنشدوں میں جو فلسفیانہ مضامین ہیں وہ نہ صرف ہندوستان بلکہ ساری دنیا میں بے مثل ہیں۔ آگے مزید لکھتا ہے کہ کانٹ اور شوپن ہار کے خیالات اپنشدوں میں پہلے ہی سے موجود تھے نیز قدیم فلسفیانہ صداقت کا ظہور اس نجات دلانے والے روحانی علم سے زیادہ شاید ہی کہیں ہوا ہو ان اقتباسات کی روشنی میں جن میں بدلیسی عالموں اور فلسفیوں کی آراء ہیں۔ بخوبی معلوم ہو سکتا ہے کہ دارا شکوہ اور ان کے خیالات میں کتنی مماثلت پائی جاتی ہے اپنشدوں کے علوم اور مباحث کے حقیقی اور الہامی ہونے میں اکثر مفکرین دارا کے ہم خیال نظر آتے ہیں۔

ہندو مذہب دنیا کے قدیم ترین مذاہب میں سے ہے۔ چنانچہ ان کی مقدس کتابوں کی قدامت بھی اسی اعتبار سے ہو گی۔ صدیوں سے اہل ہند کا یہ عقیدہ چلا آتا ہے کہ وعید انسان کی تصنیف نہیں بلکہ خدا کی طرف سے رشیوں کو جو مکاشفات ہونے اور انہوں نے دل کی آنکھوں سے کلام الہی کا مشاہدہ کیا۔ اس کا بیان ہے۔ یہ فقط اس کلام کو دوسروں پر ظاہر کرنے کا وسیلہ تھے نہ کہ اس کلام کے مصنف۔

پروفیسر میکس مولر کے خیال کے مطابق ان کتابوں کا زمانہ دو سو قبل از مسیح سے دو ہزار قبل از مسیح تک کا ہے۔ اکثر یورپین محققین نے ویدوں کے زمانہ کا تعین کرنے کی کوشش کی ہے رینٹلے (BENTLY) کا خیال ہے کہ ویدوں کا زمانہ زیادہ سے زیادہ چوبیس سو سال قبل مسیح ہے۔ ان مفکرین کی رائے ہے کہ دیدوں کی تصنیف کی ابتدا وسط ایشیا میں ہوئی تھی۔ ہندوستان کے ایک عالم تلک کا خیال ہے کہ ویدوں کی تصنیف چھ ہزار قبل مسیح میں شروع ہوئی اور چوبیس سو قبل مسیح میں ختم ہوئی۔ اس لیے ویدوں کا زمانہ 360000 قبل مسیح میں شروع ہوئی اور چوبیس سو قبل مسیح میں ختم ہوئی۔ اس لیے ویدوں کا زمانہ 3600 قبل مسیح ہے۔ فی الحال مسٹر ملک کی تحقیق ہی علمی دنیا کے اندر تسلیم کی جاتی ہے موصوف نے اس کاوش کو ایک کتاب کی شکل میں پیش کیا ہے جس کا نام اورائن (ORHINE) ہے اس تحقیق سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ دید کسی ایک زمانہ میں تصنیف نہیں ہوئے بلکہ ان کا زمانہ تصنیف کئی صدیوں پر پھیلا ہوا ہے حضرت مرزا مظہر شہید جان جاناں 1113 تا 1195 ایک مشہور صوفی بزرگ اور عالم دین تھے۔ آپ نے سلوک و تصوف کی جستجو کے لیے اپنی عمر وقف کر دی تھی علم حدیث میں حاجی محمد افضل سیالکوئی اور قرآن حکیم کی تعلیم میں حافظ عبدالرسول چوہدری کے شاگرد تھے۔

نقشبندی سلسلہ میں حضرت سید نور محمد بدایونی سے بیعت کی جو صرف دو واسطوں سے حضرت مجدد الف ثانیؒ کے سلسلہ میں منسلک تھے۔ حضرت میرزا مظہر، قادریہ، نقشبندیہ اور چشتیہ تینوں طریقوں کی تلقین کرتے تھے۔ آپ اپنے ایک مرید کے سوال کا جواب دیتے ہوئے جو مذہب ہنود کے متعلق تھیں اپنے ایک مکتوب میں لکھتے تھے۔

"اہل ہند کی قدیمی کتب سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بے انتہار رحمت نے نوع انسانی کی معاد و معاش کی اصلاح کے لیے برہما نامی فرشتے کی معرفت وید مدرسی نازل کیا---اہل ہنود کے تمام فرقے خدا تعالیٰ کی توحید میں اتفاق رکھتے ہیں عالم کو مخلوق جانتے ہیں۔ جہان کو فانی سمجھتے ہیں۔اور قانون مجازات پر ان کو یقین ہے۔اہل سنود میں بعض ایسے عالم ہوئے ہیں کہ جن کو علوم عقلی و نقلی اور مجاہدات و مکاشفات میں پوری دسترس حاصل تھی۔اور تحقیق و معارف میں ان کو بید طولی تھا۔ان کے متکلمین نے انسانی زندگی کو چار حصوں میں تقسیم کیا ہے۔چوتھے حصے میں دنیا سے الگ تھلگ ہو کر عزلت گزیں ہوا جاتا ہے اور بقیہ عمر تزکیہ نفس اور یاد الٰہی میں بسر کی جاتی ہے۔ غرضیکہ ان کے دین کے قواعد و ضوابط میں پورا نظم و نسق تھا۔ پس معلوم ہوا کہ یہ دین بھی دین الٰہی تھا مگر بعد میں منسوخ ہو گیا شریعت میں موسوی و عیسوی دین و مدی کے سوا اور کسی مذہب کی تنسیخ کا ذکر نہیں آیا۔"

یہ امر خدا تعالیٰ کی رحمت عامہ سے بعید نظر آتا ہے کہ آسمانی ہدایت سے ہندوستان جیسے وسیع و عریض خطہ کو محروم رکھا جاتا۔اس سرزمین میں بھی انبیاء و رسل کی بعثت واقع ہوئی ہے۔ان کا حال اہل ہنود کی کتابوں میں پایا جاتا ہے ان کے احوال و آثار سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ کامل اور اکمل تھے۔اگرچہ ایسے پیغمبروں کا ذکر مذہب اسلام کی کتب میں مذکور نہیں تاہم یہ مسلمہ امر ہے کہ آنحضرت صلعم کی بعثت سے قبل ہر ایک قوم میں ایک پیغمبر مبعوث ہوا اور ان اقوام پر اپنے اپنے پیغمبروں کی اطاعت لازمی و واجب ٹھہرائی گئی ہے نہ کہ دوسرے پیغمبروں کی۔ مگر آنحضرت صلعم فداہ روحی کی بعثت تمام جہان کے لیے ہے اور آپ کا دین جملہ ادیان کا ناسخ ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلعم کی بعثت کے بعد جن لوگوں نے آپ کا اتباع نہیں کیا وہ کافر ہیں نہ کہ آپ کی بعثت سے پہلے کے لوگ۔اس آیت کریمہ کی رو سے کہ

مِنْهُمْ مَنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَنْ لَمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ

شریعت نے اکثر انبیا کے حالات سے سکوت فرمایا ہے۔

اس ضمن میں قرآن مجید میں واضح آیات موجود ہیں۔ جن کی روشنی میں ہندوستان میں پیغمبروں اور نبیوں کی بعثت کے بارے میں کسی شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ذیل میں قرآن کریم کی چند آیات پیش کی جاتی ہیں:-

1. ولكل امة رسول - ماذا جاء رسولهم تعنى بينهم با القسط و هم لا يظلمون (مر ایک اُمت کا ایک رسول ہوا ہے۔ قیامت کے دن ہر امت کا رسول ہمارے ہاں حاضر ہو گا اور لوگوں پر مطلقاً کوئی ظلم نہ ہو گا)
2. ولقد بعثنا في كل امة رسول(اور ہم نے سر امت میں رسول بھیجا ہے)
3. لقد ارسلنا إلى امير من قبلك ہم نے تم سے پہلے بھی اُمتوں میں مرسل بھیجے تھے)
4. ويوم نبعث من كل امت شهيداً (قیامت کے دن ہم ہر امت کے نبی کو گواہ بنا کر کھڑا کریں گے)۔

5. وإن من أمة الأخلا فيها نذير اور کوئی است ایسی نہیں گزری جس میں کوئی ڈرانے والا نہ گزرا ہو)
6. ولقد ارسلنا من قبلك في شيع الاولين اور ہم نے تم سے پہلے بھی بہت سے گروہوں میں پیغمبر بھیجے تھے)
7. وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتى نَبْعَثَ رَسُولا (جب تک ہم رسول بھیج کر اتمام حجت نہ کرلیں، ہم کسی کو سزا نہیں دیا کرتے)

حضرت شیخ احمد فاروقی مجدد الف ثانی کے خیالات سے بھی گزشتہ صفحات کے بیانات اور دلائل کی تصدیق ہوتی ہے حضرت مجدد صاحب فرماتے ہیں:۔

"گزشتہ اُمتوں پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسی جگہ بہت کم ہے جہاں پیغمبر مبعوث نہ ہوا ہو حتی کہ زمین ہند میں بھی جو اس معاملے سے دور دکھائی دیتی ہے۔ اہل ہند میں سے پیغمبر مبعوث ہوئے اور خدا کی طرف سے دعوت فرمائی۔ اگر ایسے شہروں کا تعین کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں ۔۔۔ بعض ایسے پیغمبر گزرے ہیں جن کے صرف دو یا تین اشخاص تابع ہوئے بلکہ ایسا پیغمبر بھی گزرا ہے جس کی کسی نے تابع نہیں کی، اہل ہند کی مذہبی کتب کی صفات، تقدس و مہید کے متعلق جو کچھ نہیں میسر آیا ہے وہ سب انہی پیغمبروں کی تعلیم کا نتیجہ ہے اسے مقامات حضرت امام ربانی میں لکھا ہے:-

مجھے ہندوستان میں بعض انبیاء علیہم السلام کی قبریں دکھائی گئی ہیں جن میں سے نور طلوع ہوتا ہے۔"

بھگوت گیتا:

یہ ہندوؤں کی مذہبی کتابوں میں سے ایک مشہور کتاب ہے جسے سنسکرت زبان سے فارسی میں داراشکوہ نے ترجمہ کیا۔ اس کا ایک خطی نسخہ مر 1949 انڈیا آفس لائبریری میں موجود ہے چونکہ نسخہ میں تاریخ وغیرہ نہیں ملتی اس لیے سن تالیف و ترجمہ کے بارے میں کچھ قطعی طور پر کہا نہیں جاسکتا۔ غالب گمان ہے کہ 1067ھ یعنی اپنشدوں کے ترجمے سے قبل بہر حال نہیں ہوا ڈاکٹر ریو اس ترجمے کو ابوالفضل کی طرف منسوب کرتا ہے لیکن فہرست نگار ڈاکٹر ایتھی نے داراشکوہ کی تصنیف کیا ہے۔

بیاض داراشکوہ:

داراشکوہ کی ایک بیاض کا تذکرہ صرف مخزن الغرائب کے مصنف نے کیا ہے بلکہ اس بیاض سے استفادہ بھی کیا ہے۔ اس بیاض کا ذکر کسی اور تذکرے میں موجود نہیں اور نہ یہ کسی لائبریری میں موجود ہے۔ دارا کے ذوق شاعری کے پیش نظر اس نوعیت کی بیاض مرتب کرنے کا گمان ہو سکتا ہے۔

مکاتیب:

داراشکوہ نے اپنی زندگی میں بہت سے خطوط لکھے۔ سرکاری اور سیاسی خطوط ہمارا موضوع نہیں بلکہ وہ رفعات جو وقتاً فوقتاً علماء اور صوفیاء کو مذہبی مسائل کی تحقیق کے بارے میں لکھے گئے تھے۔ ان کا ذکر ایک کتاب در فیاض القوانین میں ہے۔ اس میں داراشکوہ کے آٹھ خطوط ملتے ہیں جو اس نے شاہ محمد دلربا، شیخ محب اللہ الہ آبادی، حضرت ملا شاہ قادری بدخشی اور شیخ سرمد وغیرہ کے نام ہیں۔ داراشکوہ کے بعض خطوط پر غیر محفوظ الحق کی نظر میں متفرق کتب انشاء اور دیگر مجموعوں میں گزرے ہیں

دیباچہ مرقع:

کتب خانہ ملی پریس میں ایک نسخہ خطی بنام نگارستان منیر ہے جس کے آخری حصے میں ایک دیباچہ مرقع بخط دارا موجود ہے۔ فہرست نگار بلوچی نے اسے داراشکوہ کی تصنیف شمار کیا ہے لیکن محفوظ الحق کا خیال ہے کہ یہ مرقع شاید وہی ہوگا جو شہزادہ داراشکوہ نے 1051ھ میں اپنی بیوی نادرہ بیگم کو تحفہ میں پیش کیا تھا۔ اورینٹل کالج میگزین لاہور 1955ید کے ضمیمہ

میں علامہ مولوی محمد شفیع استاد جامعہ لاہور نے اپنے مضمون میں تحریر کیا ہے کہ ایک اصلی نسخہ مرقع داراشکوہ کتب خانہ انڈیا آفس لندن میں موجود ہے لیکن کتب خانہ مذکور کی فہرست میں درج نہیں۔ اس مرقع کے 81 اوراق ہیں جن میں خطاطی اور نقصاویر کے نادر نمونے ہیں۔ یہ مرقع داراشکوہ کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ بہت سے مشاہیر خوشنویسوں کے خطاطی کے نمونے اس میں موجود ہیں۔ خطاطانِ ذیل کے قطعات بھی موجود ہیں۔

سلطان علی مشھدی، سلطان محمد خندان، زین الدین محمود، میر علی، محمود بن اسحاق الشہابی، شاہ محمد نیشاپوری، محمد حسن کشمیری، محمد حسین زرین قلم اکبر شاہی، عبدالرحیم عنبریں مسلم۔

مرقع کے آخر میں یہ عبارت درج ہے۔

"این مرقع نفیس با لیس خاص و بھدم و ھمراز با ختصاص نادرہ بانو بیگم دادہ شدہ حررہ محمد دارا شکوہ ابن شاہجہان بادشاہ غازی 1051ھقیمت ہزار روپیہ"

نادرہ بانو بیگم کی خاص چاٹ اور دم کے ساتھ یہ شاندار مرقع حرہ محمد داراشکوہ ابن شاہجہان بادشاہ غازی نے دیا ہے جس کی قیمت 1051 ہزار روپے ہے۔

رسالہ معارف:

جیسا کہ اس رسالہ کے نام سے ظاہر ہے یہ رسالہ تصوف و معرفت کے متعلق ہے اس کا ذکر خزینتہ الاصفیا کے مصنف مفتی غلام سرور نے دارا شکوہ کی تصنیف کے طور پر کیا ہے عبداللطیف اپنی تصنیف لاہور، بزبان انگریزی میں بھی اسے داراشکوہ کی تصنیف بتایا ہے۔

مثنوی:

داراشکوہ کی ایک فارسی مثنوی کا ذکر محلہ مخزون، لاہور 1907ھ اور مجلہ مجلس تاریخ پنجاب جلد یہ شمارہ مرا میں ملتا ہے کسی اور ادبی تاریخ یا تذکرہ ہمیں اس کا ذکر نہیں ہے۔

ترک:

پنڈت شیونرائن نے اپنے مضمون مجلہ مجلس تاریخ پنجاب جلد دوم صدا میں اسے داراشکوہ کی تصنیف بتایا ہے۔ لیکن کوئی نسخہ موجود نہیں۔اس لیے یہ بیان مشکوک نظر آتا ہے

دیوان داراشکوہ (اکسیر اعظم):

داراشکوہ کی فارسی نثر کی اکثر کیاہیں مختلف کتب خانوں کی زینت ہیں۔ نثر نگار کی حیثیت سے وہ ایک جداگانہ اسلوب کا اربیب مانا جاتا ہے۔اس کی متعدد نثری تصانیف کی روشنی میں یہ برملا کہا جاسکتا ہے کہ اسے زبان وبیان پر ہر قسم کے مفاہیم ومطالب کے ادا کرنے کے لیے بڑا عبور حاصل تھا۔وہ مشکل اور پیچیدہ مضامین کو بخوبی مناسب پیرائے میں ادا کرنے پر قادر نہیں۔ لیکن اس کی شاعرانہ حیثیت ایک عرصہ تک پردہ خفا ہی رہی جس کی رتبہ اس کے دیوان کی نایابی تھی ہمارے پاس سوانتخب اشعار اور چند رباعیات کے جو مختلف ادبی تذکروں کا زینت تھیں اور کچھ نہ تھا۔ دیوان کا ایک ناقص نسخہ ظفر الحسن کلیکشن کراچی میوزیم میں تھا جس کے ناقص ہونے کے سبب وہ محققین کی عدم دلچسپی کا شکار رہا۔ کچھ عرصہ بعد پنجاب پبلک لائبریری لاہور میں ایک اور نسخہ معلوم ہوا۔ فہرست نگار نے اسے قیاساً مولانا عبد القادر بدایونی کا دیوان لکھ دیا۔ اس میں سوائے "قادری- تخلص کے اور کوئی نشانی مصنف کا نہ تھا لیکن کراچی والے نسخہ سے جب مقابلہ کیا گیا تو معلوم ہوا کہ یہ داراشکوہ کا دیوان ہے جس کا تخلص قادری تھا۔ چنانچہ احمد نبی خان نے دونوں نسخوں کے تقابلی مطالعے کے بعد اسے 1949ھ میں مرتب کیا اور ادارہ تحقیقات پاکستان دانشگاہ پنجاب لاہور نے اسے شائع کیا ہے پنجاب پبلک لائبریری کا نسخہ زرکار اور مطلا کاغذ پر خوشخط نستعلیق میں لکھا گیا ہے۔ یہ 70 اوراق پر مشتمل ہے۔اور ہر ورق پر 14 اسطریں ہیں۔اس میں 210 غزلیں اور 141 رباعیات ہیں۔

موجودہ نسخہ میں مؤلف نے دیگر ذرائع سے بعض غزلوں اور رباعیوں کا متن میں اضافہ کیا ہے جو دونوں نسخوں میں موجود نہیں تھیں۔ اور مختلف تذکروں یا داراشکوہ کی نثر کی کتابوں میں درج تھیں اس طرح موجودہ شائع شدہ دیوان میں کل 215 غزلیں اور 145 رباعیات کا ذخیرہ مرتب ہو گیا ہے۔ دیوان میں غزلوں اور رباعیات کا ایک ہی موضوع ہے جو داراشکوہ کا پسندیدہ ہے۔ یعنی تصوف کے گوناگوں مسائل، ان کی تشریحات، رموز ونکات، فلسفہ وحدت وجود اور وبداست کے بیانات ہیں۔ یہی موضوعات اس کی نثری تصانیف میں جلوہ گر ہیں۔اس کے علاوہ دیوان میں حمد ونعت کے علاوہ ان اولیائے کرام اور صوفیائے عظام کو داراشکوہ نے خراج عقیدت پیش کیا ہے جو اس کی عقیدت کا مرکز تھے مثلاً سلسلہ تنوف ''قادریہ''، جس میں وہ خود بھی بیعت تھا، اس کی یوں تعریف کرتا ہے۔

سلسله زلف با سلسله ما بود
طالب آن روی را خوشتر از میں بالود

زلف خاندان ہمارے خاندان کے ساتھ تھا۔

طالب مجھ سے زیادہ خوش ہے۔

حضرت غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی کی مدح میں یوں کہا ہے:

حضرت میراں خدا وند جہاں
غوث جن و انس شاہ عارفاں
محی دین شیخ عبد القادر است
آنکہ اور ا عرش باشد آشیاں

حضرت میراں خداوند جہاں

غوث جن اور انس شاہ عرفان

محی دین شیخ عبدالقادر ہیں۔

جو تخت پر ہے وہ آشیان ہے۔

وحدت الوجود یا ہمہ اوست پر دارا شکوہ نے بہت لکھا ہے۔ پورا دیوان انہی مضامین سے بھرا پڑا ہے چند مثالیں درج ذیل ہیں۔ دارا شکوہ کی شاعری میں اخلاقیات کا عنصر نمایاں ہے۔ فقر اور اخلاق میں گہرا ہے۔ وہ ایسے اصول پیش کرتا ہے جو آفاقی اقدار اور ہمہ گیر افادیت کے حامل ربط ہیں وہ حب زر کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ سچائی اور حقیقت کو اپنا اور یہ سمجھتا ہے۔ خواہ وہ کہیں سے حاصل ہو۔ وہ انسان دوست ہے اور صلح کل اس کا پیغام ہے۔ وہ ظاہر داری اور ریاکاری کو مکروہ عمل سمجھتا ہے۔ وہ کج بحثی میں نہیں پڑتا بلکہ حق وراستی کے لیے رسوائی اور طعن و سلامت کو بھی خندہ پیشانی سے برداشت کرنا ہے نام نہاد ملاؤں سے وہ نالاں ہے اس نوع کی چند مثالوں پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

دست زر آلود بد بو می شود
جان زرآلود را احوال چیست
را ز خود را بغیر دل تو مکوسی
به راز داری بغیر دل نبود

سنہری ہاتھ سے بدبو آتی ہے۔

جان زرالود کی کیا حالت ہے؟

اپنے دل کے بغیر اپنے آپ کو صاف کریں۔

یہ دل کے بغیر نہیں تھا کہ آپ کو کوئی راز ہے

غزلیات میں مضمون کی یکسانیت کی وجہ سے ایک عام قاری کے لیے دلچسپی کا کوئی سامان تا باشی بد نیا باش آزاد: تراچوں قادری کردہ خبر دار نہیں ۔تاہم معلوم ہوتا ہے کہ دارا شکوہ نے اپنا دیوان اُن لوگوں کے لیے مرتب کیا تھا جو را سلوک کے راہر و تھے۔ گویا یہ دیوان ایک مخصوص طبقہ کے لوگوں کی ترجمانی کے لیے تھا۔تاہم بعض اشعار زبان و بیان کے اعتبار سے بڑے رواں دواں ہیں۔ زبان نہایت سلیس اور عام فہم ہے اظہار مدعا پیش نظر ہے بعض غزلیات سہل ممتنع کا نمونہ ہیں۔ایک غزل کے چند اشعار نقل کئے جائیں۔

هر که بد نام باشند مبارک باد
کام بر کام ششدر مبارک باد

مبارک ہیں وہ جو بد نام ہیں۔
آپ کی قسمت اچھی ہے۔

اس خیال سے ہم متفق نہیں کہ دارا شکوہ نے اپنی شاعری کے لیے موضوع اور اسلوب دونوں ملا شاہ کے یہاں سے مستعار لیے میں نے حضرت ملا شاہ چونکہ دارا شکوہ کے روحانی مرشد تھے لہذا ان کے خیالات، عقائد اور فلسفیانہ رموز و اسرار کی تشریحات وغیرہ کے اثرات کا اپنے مرید دارا شکوا شکوہ کے ذہن وق ن و قلب پر مرنب ہونا مرتب ہونا قدرتی اور فطری امر ہے لیکن یہ بھی ذہن میں رکھنا چاہیے کہ دارا شکوہ کا مزاج اور طبعی رجحان ابتدائی عمر سے روحانیت کی طرف مائل تھا۔اُسے ایسے ایسے نکات سوجھتے تھے کہ اس کے ہمعصروں کے بس کی بات نہ تھی سوچ بچار اور فکر و تدبر میں دارا شکوہ کا ذہین کورانہ تقلید کا قائل نہ تھا بلکہ اس ہیں ایک ان پیچ اور مسئلہ کی نہ تک پہونچنے کی کوشش نمایاں ہوتی تھی۔ دوسری بات یہ کہ حضرت ملا شاہ نے شاعری بہت بعد میں شروع کی اور تقریباً 20 برس کی ریاضت و عبادت کے بعد جب وہ سعادت کامل حاصل کر چکے تو ان کی طبیعت خود بخود موزوں ہو گئی ان کا اپنا بیان ے کہ آخر سعادت کے تمام مرتے مجھ پر ظاہر ہوئے اس وقت میری طبیعت بھی موزود ہوئی اور شعر گوئی کے لیے زبان کھل گئی۔اس سے پہلے میں نے کبھی شعر نہیں کہا تھا۔

اس کے بعد حضرت ملا شاہ، حضرت میانجود کی اجازت سے لاہور سے رخصت ہو کر کشمیر میں قیام پذیر ہو گئے تھے۔ یہ گویا ان کی زندگی کا پختہ اور آخری دور تھا۔ان حالات میں حضرت ملا شاہ کی شاعری کا اثر کہاں ہو سکتا تھا۔ جبکہ شہزادہ دارا شکوہ کا ذوق شاعری بہت پہلے سے نمایاں ہو چکا تھا۔ بلکہ حضرت ملا شاہ نے ایک مکتوب میں دارا شکوہ کی شاعری کی داد دی ہے۔ دارا شکوہ نہ صرف ایک سخنور تھا بلکہ بہترین سخن فہم کبھی تھا۔اساتذہ قدیم کے سینکڑوں استعمار اسے ازبر تھے۔اس کی جملہ کتب میں اشعار کی فراوانی نظر آتی ہے اور وہ شعر کا بر محل استعمال بھی جانتا تھا یہ تمام آثار اس کے ذوق شاعری اور موزونی طبع پر دلالت کرتے ہیں۔

مجمع البحرین:

یہ کتاب دارا شکوہ نے 1065ھ میں لکھی جبکہ اس کی عمر 42 سال کی تھی سے یہ اس کی آخری تصنیف ہے اور اپنے موضوع کے اعتبار سے بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ شہزادے کی دیگر تصانیف سے اس کے خیالات اور عقائد کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے تفتوف سے لگاؤ اور اولیائے کرام سے روحانی عقیدت اسے ہمیشہ سے رہی ہے۔ اسلام و صوفیاء کی تربیت میں اس نے سمجھنے اور پالینے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔

دارا شکوہ نے 1050ھ میں ملا شاہ بدخشی کے ہاتھ پر بیعت کی تو ان کی تربیت میں سلوک معرفت کی منزلیں طے کرنے لگا۔ ملا شاہ کا احوال گذشتہ اوراق میں گزر چکا ہے۔ لیکن یہ معلوم ہو کہ ان کا مسلک اہل ظاہر کا نہ تھا۔ بلکہ ریاضت و مجاہدہ کے سبب یہ گویا تارک الدنیا ہو گئے تھے ۔اکثر حالت وجد و جذب طاری رہتی، چنانچہ ان کی مصاحبت میں غیر مسلم جویائے حق بھی موجود رہتے اور یہ اپنی وسیع القلبی اور کمال انسانیت کے سبب سب کو معرفت و حقائق سے مستفیض کرتے۔ دارا کو ان کی مجلسوں میں دیگر مذاہب کے عالموں اور محققوں سے منتفع ہونے کا نہ صرف موقعہ ملا بلکہ اس کے دل میں دیگر مذاہب عالم کو کھنگالنے اور پرکھنے کی خواہش بھی پیدا ہوئی۔ دارا کا خیال تھا کہ سچائی مہر مذہب میں موجود ہے اور یہ کسی ایک مذہب کا درثہ نہیں۔ اس غرض کی تکمیل کی خاطر دارا نے زبور توربت، انجیل اور زرتشی کتب کا مطالعہ بھی کیا۔ حسنات العارفین 1062ھ کی تصنیف بھی اسی تحقیق کی کردی معلوم ہوتی ہے۔ اس سلسلے میں دارا کو جو ولی عہد سلطنت بھی تھا، کوئی تکلیف پیش نہیں آئی۔

چنانچہ جہان وہ شاہ دلربا اور مولانا محب اللہ سے شکوک و شبہات کا ازالہ کروانا چاہتا؟

وہاں بابا لعل بیراگی سے بھی جستجوئے حق کے لیے بحث و تمحیص کرنا ضروری سمجھتا ہے۔ یہی جستجو اور فکر و تدبر اسے ہندو مذہب کی کتابوں کے مطالعے اور ترجمے پر راغب کرتا ہے مجمع البحرین سے قبل ہندو مذہب کے بارے میں دارا شکوہ علمی اعتبار سے بہت کچھ جان چکا تھا اپنیشد کے بعض ابواب کے تراجم (ستر اکبر بھگوت گیتا کا ترجمہ، جوگ بشٹ کا ترجمہ وغیرہ ایسے علمی اور تحقیقی کام تھے۔ کہ اب دارا شکوہ اسلام اور ہندومت کے اصول و عقائد پر خود شرح وبسط سے گفتگو کر سکتا تھا۔ چنانچہ مجمع البحرین انہی دو بڑے مذاہب کو سمجھے اور افہام و تفہیم کے ذریعے انہیں ملانے اور ربط دینے کے لیے تصنیف کی گئی۔ اس لحاظ سے یہ غالبا" پہلی اور آخری کوشش ہے۔ بین المذاہب اختلافات، موافقات اور مماثلات کے مطالعہ کے لیے دارا کی یہ کوشش بڑا جرات مندانہ اقدام تھا۔ کیونکہ اہل تحقیق کا اب یہ خیال ہے کہ اسی کتاب کی پاداش میں، اس پر تکفیر کا فتویٰ لگا کر اسے قتل کیا گیا۔ قبل اس کے کہ مذہب کے ٹھیکیداروں نے دارا کے ساتھ جو سلوک کیا اس کا محاکمہ کیا جائے۔ یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مجمع البحرین کے مضامین اور دارا شکوہ کے سبب تصنیف پر نظر ڈال لی جائے

مجمع البحرین کا آغاز حمد و نعت سے ہوتا ہے اس کے بعد دارا شکوہ لکھتا ہے، فقیر بے اندوہ محمد دارا شکوہ کہتا ہے کہ جب اس کو حقیقت الحقائق اور صوفیائے کرام کے مذہب برحق کے رموز و حقائق معلوم ہو گئے اور یہ فقیر اس نعمت عظمی بہ می پر فائز ہو گیا تو میں اس بات کے دات کے درپے ہوا کہ ہندو فقراء کا مشرب اور طریقہ کار کھی دریافت کروں۔ چنانچہ اس قوم کے بعض محققوں سے کئی بار گفتگو ہوئی اور میں نے انہیں خدا رسیدہ پایا۔ مجھے صوفیائے کرام اور جوگیوں میں سوائے لفظی اختلاف کے کوئی فرق معلوم نہیں ہوتا چنانچہ میں نے فریقین کے کلام میں مطابقت پیدا کرنے کیلئے یہ رسالہ لکھا اور اس کا نام مجمع البحرین رکھا۔

مجمع البحرین کے 22 ابواب ہیں اور ان کا بیان بڑا مختصر لیکن مدلل ہے الہیات اور کائنات کے اسرار و رموز کا بیان ہے۔ عنوانات یہ ہیں۔
در بیان عناصر، حواس، شغل، صفات اللہ تعالیٰ۔ روح، بادیا عوالم اربعہ آواز، نور، رویت، اسمائے اللہ تعالیٰ نبوت و ولایت، بر بماند، جھات آسمانھا، زمین، قسمت زمین، عالم برزنع، قیامت، مکت، روز و شب اور بے نہایتئ ادوار۔

ان عنوانات سے کتاب کی اہمیت اور مسائل کی نوعیت بخوبی ظاہر ہو سکتی ہے۔ جب سے یہ کائنات عالم وجود میں آئی ہے تب سے اہل علم و فکر اس قسم کے مسائل سے دوچار ہیں۔ ہر زمانہ میں مفکرین اور مدبرین عقل وجدان دونوں سے کام لے کر ان کا حل اور جواب پیش کرتے رہے ہیں۔ جملہ مذاہب میں ان کی تفصیل و تشریح اپنے اپنے انداز میں موجود ہے لیکن یہاں دارا شکوہ نے ہندو مذہب کی کتابوں اور اسلام کے حوالے سے ان نانوک مسائل کو بیان کیا ہے دارا کا خیال ہے کہ ہندو مذہب قدیم ترین مذاہب میں سے ایک ہے اور اس کی کتابیں وباد مقدس وغیرہ آسمانی اور الہامی ہیں۔ ہندومت بنیادی طور پر توحید کا تصور رکھتا ہے اور اس کے عالم اور جوگیوں میں روحانی ریاضت اور معرفت کی جستجو بہت نہ یادہ پائی جاتی ہے توحید کا تصور ہندوؤں کی تمام کتابوں میں موجود ہے مسلمان صوفیائے کرام کی طرح ان کے ہاں وحدت الوجود کا نظریہ بڑا راسخ ہے۔ اپنشیروں کے ترجمے کے سبب، دارا شکوہ کے خلاف بدعقیدہ ہونے کے الزام عائد کئے گئے۔ حالانکہ دارا شکو نے علم حقیق کیلئے اپنشدوں کے مضامین کی چھان بین کی ہے سنسکرت اور میں اپنشدوں کی سب کتابی علم عرفان کا ترا تسلیم کی جاتی ہے اور اس کا خاص موضوع عم البیات ان کے این سی ای علم کو خواہ کسی درسے متعلق ہوں متاثر کرتے ہیں جیسا کہ گزشتہ مباحث ہیں کسی ملکی اور غیر ملکی عالموں کے اقوال سے ثابت کیا گیا ہے۔ اپنشدوں میں بنیادی طور پر مسئلہ توحید (وحدت الوجود کی توضیح کی گئی ہے اپنشدوں کی توحید کا حاصل یہ ہے کہ ماسوا یعنی انسانی نظر سے دکھائی دینے والی یہ پوری دنیا بامحسوس کثرت حقیقی نہیں ہے اور ان تمام چیزوں میں حقیقتا ایک خدا ہی کی ذات جلوہ گر ہو رہی ہے۔ چنانچہ روح انسانی پر چھایا ہوا مجازی پردہ اگر اٹھ جائے تو دیکھنے والے کی نظر میں خدا کی ہستی کے سوا اور کچھ باقی نہیں رہتا۔ اپنشدوں کے مطابق انسانی روح کو اگر اس کی حقیقت کے اعتبار سے دیکھا جائے تو وہ خدا کی بغیر نہیں ہے لیکن اس نے اپنی کرشمہ ساز اعتبار کی قدرت سے ارادتا پوشیدہ ہو کر اور ان نمائشی بھول بھلیوں کو واقعی سی بنا کر اپنے اوپر خیالی لاعلمی طاری کر لی ہے۔ لہذا جب تک حقیقی علم کے ذریعے سے ان غیر واقعی بھول بھلیوں کا قلع قمع ہو کر اور خدا کی اندرونی بنیادی وحدت کا مشاہدہ نہیں ہوتا۔ اس وقت ہیک کسی کی بھی اصلی نجات نہیں ہو سکتی نی اندرونی دقت یعنی روح اور خدا کو از روئے حقیقت ایک ہی محسوس کرنے کا نام وحدت الوجود ہے اور اس مسئلہ کا دار و مدار صرف اس یقین پر ہے کہ ایک خالص قدیم اور منزہ خدا کے سوا اور کسی کا دجود در اصل حقیقی وجود نہیں ہے۔

ذیل میں اپنشد ایشن کے ایک منتر کی عبارت ملاحظہ کیجئے:

تمام کائنات میں جو کچھ ساکن اور متحرک دنیا موجود ہے یہ سب بہتی ربانی ہے ڈھک دینے کے قابل ہے ترک کی ہوئی اُس دنیا کے ذریعے سے تو اپنی پرورش کر اسے۔

اس منتر میں بعض اصولی اور بنیادی باتیں بتائی گئی ہیں۔ مثلاً ان سب محسوس دنیاوی چیزوں کو پرمیشور کی مہستی سے ڈھانپ دینا چاہیئے یعنی خدا کی حقیقی ہستی کے مقابلے میں دنیا کی اس محسوس کثرت کو کالعدم سمجھ لینا چاہیے۔ کثرت مذکور کو کالعدم سمجھ لینے کی وجہ سے دل سے گری

ہوئی چیزوں سے ہٹ کر اپنی عالمگیر روح (آتھا) کی طرف متوجہ ہونا چاہیے۔ مطلب یہ ہے کہ جب دنیاوی چیزیں نظرانداز ہو کر دل سے گر جائیں گی تو ان سے گہری وابستگی بھی باقی نہ رہے گی اور اس وجہ سے ناجائز خواہشات بھی ختم ہو جائیں گی جو عالمگیر روحانیت اور آفتاب حقیقت کا حجاب بن کر قلب انسانی پر چھائی رہتی ہیں۔ اس پردے کو ہٹا کر اپنی روحانیت کو نمایاں کرنا ہی اس کی پرورش کرنا یعنی اس کی طرف متوجہ ہونا ہے۔

دنیاوی چیزوں کو بستی ربانی سے ڈھک دینا یوں ہے کہ ڈھکنا صرف بادی چیزوں سے ہی نہیں ہوتا بلکہ صحیح اور سچے علم کے ذریعے سے بھی غلط علم کو ڈھانکا جا سکتا ہے جیسے کسی نے رات کے اندھیرے میں پڑی ہوئی درستی کو نظر کی غلطی سے سانس سمجھ لیا تو وہ خوف سے کانپنے لگا لیکن جب ٹھیک توجہ اور رشوانی کی مدد سے اس پر اصل حقیقت کھل گئی تو اس کے دل سے سانپ کی غلط ہستی اس طرح غائب ہو گئی جس طرح پردہ ڈھکنے پر ڈھکی ہوئی چیز غائب ہو جاتی ہے۔ چنانچہ عرض یہ ہے کہ دنیاوی چیزوں کے غلط علم کو عرفان الٰہی کے علم سے ڈھانپ دیا جائے۔

اپنشدوں کی اس تعلیم سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر چیز میں جلوہ ربانی دیکھا جائے کیونکہ دنیا کی موجودہ صورتیں اور شکلیں اللہ تعالیٰ نے اپنی بے مثل اور کامل قوت اعتباری یا اپنی کرشمہ ساز قوت خیالی سے آراستہ کر دی ہیں۔ غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ مختلف حیثیتیں اور نام تو بول چال کی سہولت کے لیے ہیں۔ اصل میں صاحب حیثیت (جس پر یہ حیثیتیں عارضی ہوتی ہیں) اسی کا وجود واقعی اور حقیقی ہے۔ اسی حقیقت کی طرف اپنشدوں کی بہت سی شرکتیاں (آیتیں اشارہ کرتی ہیں مثلاً:

یقینی طور پر خدا ہی دنیا کی شکلوں اور ناموں کو (خارج میں روشن اور نمایاں کرنے والا ہے اور یہ دونوں (شکلیں اور نام) جس کے اندر (علم میں) موجود ہیں وہی خدا ہے

ان شرتیوں اور دیگر شاستروں سے واضح ہو جاتا ہے کہ خدا کے علم میں یہ تمام دنیا صور علمیہ کی حالت میں پہلے ہی موجود تھی جس کو بھاگوت گیتا اور ہندو شاستروں میں وراٹ سوروپ کے نام سے ظاہر کیا گیا ہے اور اس دنیائے ظاہر کو اس کا کس بتایا گیا ہے۔ مذکورہ صور علمیہ کو جب خدا نے عالم ظاہر میں پیدا کرنا چاہا تو ان کو زبردست قوت اعتباری کے ذریعے سے خواب میں اصلی معلوم ہونے والی چیزوں کے مانند اپنے علم سے باہر نمایاں کر دیا جیسا کہ خاص طور پر تیتری اوپیشہ میں موجود ہے

اوس ایشور نے چاہا کہ میں ظاہر ہو جاؤں اور دنیا کی طرح طرح کی صورتوں کے ذریعے سے کثرت میں آجاؤں تب اس نے زبردست اعتباری ارادہ سے کام لیا اور اسی کے ذریعے سے یہ جو کچھ ہے (سب) پیدا کر دیا اور پیدا کرنے کے بعد اسی میں داخل ہو گیا

اب یہ بات قابل توجہ ہے کہ پیدائش سے پہلے کل دنیا دا کے علم میں ہونے کی وجہ سے ذات خداوندی کے پردے میں تھی اور صرف وحدت ہی وحدت نمایاں تھی لیکن مذکورہ بالا عینیت مفروضہ کے ذریعے دنیا کو باہر ظاہر کرتے وقت خدا تو چیزوں کے پس منظر میں مخفی ہو گی اور کلون ناموں کے اختلاف سے پیدا ہونے والی غیریت اور کثرت کا احساس پیش منظر میں آگیا۔ اس کی تشریح گیتا کے اس قول سے بھی ہوتی ہے اے ارجن! ایشور تمام جانداروں کے پردے (باطن) میں موجود ہے اور مشین پر چڑھی ہوئی تیلیوں کی طرح سب چیزوں کو گھما رہا ہے۔

اب یہ مسئلہ یوں حل کیا جاسکتا ہے کہ انسان کو چاہیے کہ اوپر کا مصنوعی احساس اور غیریت کا خول، اندرونی حقیقی احساس وحدت سے اتار پھینکا جائے۔ جیسا کہ حضرت فریدالدین عطار نے فرمایا: "آنکھ کھول کیونکہ دلدار کا جلوہ در و دیوار دیوار (کل کائنات پر چمک رہا ہے۔

اہل ہنود کی کتابوں کے علاوہ وحدت الوجود یا ہمہ اوست کا تصور دیگر مذاہب میں بھی کسی نہ کسی شکل میں پایا جاتا ہے۔ آسمانی مذاہب میں توحید کا عنصر بنیادی اہمیت کا حامل ہے اور جملہ الہامی کتابوں میں خالص توحید کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ان کتابوں میں امتداد زمانہ کے ساتھ تحریف کا عمل بہت زیادہ ہوا اور آج کوئی کتاب بھی اپنی اصلی شکل اور تعلیم کے لحاظ سے نہیں ملتی، تاہم تحقیق و تجسس کرنے والوں کے لیے ان بنیادی عوامل اور عناصر کا تلاش کر لینا چنداں مشکل نہیں۔ مثلاً اہل کلیسا کا مشہور عقیدہ توحید فی التثلیث اور تثلیث فی التوحید دراصل وحدت الوجود ہی کی ایک شکل ہے۔ اس مسئلہ کو یوں سمجھا جاسکتا ہے کہ ایک شخص بازار میں تین مٹی کے کھلونے دیکھتا ہے جو مختلف شکلوں اور ناموں کے ہیں۔ اگر ظاہری شکلیں دیکھیں تو تین چیزیں نظر آئیں گی۔ اور حقیقت ہیں نظروں سے دیکھا جائے تو ایک چیز یعنی مٹی نظر آئے گی اور دوسری شکلیں غائب ہو جائیں گی چنانچہ بائیبل کی تعلیم بھی خدا اور مخلوق کے درمیان غیریت کی نفی کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ اسی طرح زرتشی یعنی پارسی مذہب میں بھی خدا کا اعتبار ہی دنیا کی پیدائش کا اصل ٹھہرتا ہے جیسا کہ ان کی مذہبی کتاب دساتیر میں موجود ہے۔

اے خدا آپ ہی سے پہلے ہیں۔ آپ سے پہلے کچھ تھا۔ اس کے علاوہ نہ صرف یہودی، شنٹو اور تاؤ دھرم میں خدا کو واحد بتایا گیا۔ یا ہے بلکہ ہر مذہب میں خدا کے ایک ہونے کا عقیدہ کسی نہ کسی رنگ میں ضرور پایا جاتا ہے۔ صوفیائے اسلام نے بھی اسی طرح کے خیالات و عقائد کا اظہار کیا ہے۔ اور قرآن مجید میں ایسی بہت سی آیات موجود ہیں جن کے حوالے سے وحدت الوجود کے مسئہ کو قطعی طور پر ثابت کیا جاسکتا ہے قرآن کا ارشاد ہے:

"کہ جب خدا کسی چیز کو پیدا کرنا چاہتا ہے تو اس سے کہتا ہے کہ تو ہو جا۔ پس وہ پیدا ہو جاتی ہے۔"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا کے علم میں دنیا کی تمام شکلیں موجود تھیں ورنہ تو ہو جا، کیسے کہا جاسکتا تھا جبکہ لفظ تو کی مخاطب کوئی چیز موجود نہیں تھی۔ ایک اور جگہ ارشاد ربانی ہے کہ خشک اور تر کوئی بھی چیز ایسی نہیں ہے جو خدا کے علم میں موجود نہ ہو۔

اور اسی طرح فرمایا:

"کیا انسان پر ایسا وقت نہیں آیا جبکہ وہ ذکر کی ہوئی چیز نہ تھا"۔

چنانچہ پیدائش سے پہلے انسان کو علم الٰہی میں بھی معدوم مانا جائے تو قرآن کا ارشاد کہ اس پر ضرور ایسا وقت آیا غلط ہو جائے جائے گا کیونکہ جب وہ سرے سے تھا ہی نہیں تو اس پر وقت کیسے آتا۔ اس لیے ان آیات کی روشنی میں امام غزالی اور ابن عربی وغیرہ نے دنیا کی شکلوں کو ان کے خارجی ظہور سے پہلے ہی خدا کے علم میں موجود مانا ہے تفسیر ابن عربی میں ہے: "ہر چیز جو دنیا میں پیدا ہوتی ہے اس کی شکل پہلے ہی سے عالم روحانی میں موجود ہوتی ہے۔

شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی آیت اللہ نور السموات والارض کی تفسیر کرتے ہوے کہتے ہیں آسمان و زمین رگل عالم اللہ تعالی کے نور کے ذریعے عدم کے اندھیرے سے نکل کر دنیائے ظاہری میں نمودار ہوئے ہیں۔اس کے بعد فرماتے ہیں کہ پیدائش عالم اللہ کے اعتبار اعظم اور صفت علمی ہی کے ذریعے سے موجودہ شکل میں ظاہر ہوا ہے نہ کہ اس کے ذاتی نور سے۔اگر پیدائش میں صفات کا واسطہ نہ ہوتا تو اشیاء میں سے کسی شے کا حاصل ہونا منصور نہ ہوتا کیونکہ اشیاء کو حق تعالی کی ذاتی شعاعوں کے غلبہ میں بلاک اور فانی اور نیست و نابود ہونے کے سوا کچھ حاصل نہ ہوتا۔

حضرت مجدد صاحب مکتوب 44 دفتر دوم میں فرماتے ہیں:-اور یہ جو میں نے کہا کہ حق تعالی نے اس کو عالم کو مرتبہ جس دوہم میں پیدا فرمایا ہے یعنی اشیاء کو اس مرتبہ میں ایجاد کیا ہے کہ اس مرتبہ کے لیے جس ووسم کے سوا کوئی محصول و ثبوت نہیں جس طرح شعبدہ باز غیر واقع چیزوں کو واقع ظاہر کرے اور ایک چیز کی دس چیزیں دکھائے۔ان دس چیزوں کا ثبوت و حصول وہم و حس کے سوا نہیں۔

حضرت مجدد صاحب، ایک اور مثال میں موجودات عالم کو پہاڑ یا آسمان کی صورت میں، جو آئینہ میں ظاہر ہوتی ہے۔بتاتے ہیں۔ظاہر ہے کہ کوئی بیوقوف ہی ہوگا جو آئینہ میں منعکس صورتوں کو اجسام خیال کرے گا اور جو سمجھ کر قائم بذات خود جانے گا۔چنانچہ اس طرت ارباب کشف و شہود کے نزدیک تمام ممکنات آئینہ کی ان صورتوں کی طرح ہیں اور تماثیل سے زیادہ کچھ نہیں۔اس کے علاوہ اپنے ایک مکتوب میں بعنوان "رفعہ وہی دنیا کے نمائشی اور اعتباری وجود کو ثابت کرنے کے لیے ایک مثال بیان کرتے ہیں:-

"روز شعلہ جوالہ کو جب لڑکے تیزی سے گھماتے ہیں تو اگرچہ خارج میں کوئی دائرہ نہیں ہوتا مگر مرتبہ رسم و حسن میں کھلے طور پر دائرہ محسوس ہوتا ہے۔مطلب یہ ہے کہ عالم کا وجود خارج میں محض وہم کی وجہ سے معلوم ہوتا ہے۔ورنہ اصل میں سوائے خدا کے کوئی بھی دوسری چیز صحیح معنوں میں موجود نہیں ہے۔"

موجودات عالم کے متعلق شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی فیصلہ وحدت الوجود و وعدالشہریۃ میں ایسے ہی خیالات کا اظہار کرتے ہیں۔فیصلہ کے صفحہ 13 میں لکھتے ہیں اور جو کچھ ماسوااللہ کا وجود محسوس اور دکھائی دیتا ہے وہ وہی اور اعتباری ہے۔مثلا بہت سی اشیاء انسان کو خواب میں نظر آتی ہیں اور ان کے آثار یک مرتب ہو جاتے ہیں مگر فی الواقعہ اور نفس الامر میں ان کا وجود نہیں ہوتا۔

بخاری شریف کی حدیث ہے کہ آنحضرت صلعم کے سامنے بیدابن ربیعہ شاعر نے آکر بیشعر پڑھا "آگاہ ہو کہ اللہ کے سوا ہر چیز باطل ہے، یعنی جھوٹی ہستی رکھتی ہے۔اس کو سن کر حضور صلعم نے فرمایا" یہ سب سے سچا قول ہے جو شاعر نے کہا ہے۔اتھے نیز یہ حدیث کہ جس نے اپنے آپ کو پہچان لیا، اس نے اپنے پروردگار کو پہچان لیا۔اے سے صاف ظاہر ہے کہ انسان کی نہتی اور رب حقیقت میں تو ایک ہی چیز ہے لیکن وہی فرضی غیریت اور کثرت بینی کا مصنوعی خلاف اوڑھ لینے کی وجہ سے نمائشی نمود اپنی حقیقت سے الگ محسوس ہونے لگی ہے۔

امام غزالی اپنی کتاب کیمیائے سعادت، میں توحید پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں: چوتھے درجے کی توحید یہ ہے کہ انسان ایک کے سوا دوسرے کو دیکھے ہی نہیں۔ساری دنیا کو ایک ہی دیکھے اور ایک ہی سمجھے۔

اس قول سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ دوسری چیزوں کی سہستی محض خیالی ہے اور حقیقت حال کھلنے پر معدوم ہو جاتی ہے حضور صلعم نے ہجرت کے وقت محاصرہ کرنے والے مخالفین پر کنکریاں پھینکیں اور وہ لوگ اندھے ہو گئے۔ چنانچہ اس کے متعلق قرآن فرماتا ہے :۔ کہ اے پیغمبر جب تم نے کنکریاں پھینکیں تو تم نے نہیں پھینکیں بلکہ اللہ نے پھینکیں

اس آیت شریفہ میں آنحضرت صلعم کے فعل کو اللہ کا فضل اور اللہ کے کام کو آنحضرت صلعم کا کام کہا گیا ہے اور یہ اسی طرح ممکن ہے کہ آپ صلعم کی ہستی اور اللہ کی ہستی کو ایک حیثیت سے عینیت اور دوسری حیثیت سے غیریت تسلیم کیا جائے۔

ادھر مخلوق میں شامل اُدھر اللہ سے واہل: خواص اس برزخ کبری میں تھا حرف مشد کا شہر یا گزشتہ اور ان میں جو بحث کی گئی ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ پیدائش عالمہ اللہ تعالی کی زبردست اعتباری قوت سے ہوئی ہے اور مستحکم نہیں بلکہ ظلی اور مرتبہ وہم وحس میں ہے۔

حقیقت اس وقت کھلتی ہے جب یہ حجابات اٹھا دیئے جائیں۔ اس ضمن میں جملہ مذاہب کے عالموں اور ان کی کتابوں کی تعلم کا ذکر بھی ہو چکا۔ اہل اسلام میں سے بھی ثبوت فراہم ہوئے۔ نتیجتاً معلوم ہوا کہ بہ جز لفظی اختلاف کے ان میں مسئلہ توحید لعینی وحدت الوجود یا ہمہ اوست و ہمہ از وست میں کوئی فرق نہیں۔

مجمع البحرین میں ایسے ہی دیگر مسائل ہیں جہاں اہل ہنود اور اہل اسلام قریب ہیں۔ دارا شکوہ نے کہیں اپنے ان خیالات کو بھولنے کی کوشش نہیں کی بلکہ ایسے اختلافی بنیادی مسائل کو اس نے عمداً چھیڑا ایک نہیں جو دونوں مذاہب کے ماننے والوں کے لیے نفرت وانتقام کا ثبات بن سکتے تھے ۔ اپنے صوفی ہونے کے ناطے سے یہ بات ہر گز پسند نہ بھی کر کسی انسان کا دل دکھایا جائے۔ بقول صوفیاء: التصوف ھو الانصاف والتصوف ترک التکلیف:

جیسا کہ پہلے بھی لکھا گیا ہے، دارا شکوہ کو تحقیق و تجس کا چسکا تھا اور وہ بلا تفریق مذہب و ملت علماء اور فقرائے ہند سے مذہبی مسائل اور باطنی مدارج کے متعلق تبادلہ خیالات کرتا رہتا۔ صوفیائے اسلام کا تو وہ اکثر تذکرہ کرتا ہے اور رسالے میں کئی ایک نام اس نے گنوائے بھی ہیں لیکن وہ جوگیوں، پنڈتوں، مجذوبوں اور ہندو سنیاسیوں سے بھی اس سلسلے میں رابطہ رکھتا

اور علی محبت کرتا چنانچہ پنڈت چندر بھان جو دارا شکوہ کا مینشی او تنسو بہن کا اچھا عالم تھا، اس نے وہ تمام باچیت جو مکالمات کی شکل میں دارا شکوہ اور بابل بیراگی کے درمیان مختلف مسائل پر ہوئی، مرتب کی تھی جس کا نام مکالمہ دارا شکوہ بابالا برائی رکھا تھا۔ یہ مکالمات بڑے دلچسپ ہیں اور ان میں پوچھے گئے سوالات کی نوعیت بڑی اہم ہے۔ مثال کے طور پر چند سوالات یہاں درج کئے جاتے ہیں۔

سوال دارا شکوہ:

ہندوور ومیام پرستی کیا ہے ؟ اورام راسے کس نے جاری کیا؟

جواب بابالال:

برای، بت پرستی کا جراءدل کو تقویت پہ پہنچانے کے ے کے لیے ہوا ہے وہ شخص جو چیزوں کی باطنی حقیقت جان لیتا ہے وہ اس سے مستقی ہو جاتا ہے لیکن وہ جو علم باطن نہیں رکھتا اُسے خارجی عبادت سے منسلک رہنا پڑتا ہے۔ مثال کے طور پر ایک کنواری لڑکی کھلونوں سے دل بہلاتی ہے۔ لیکن شادی کرنے کے بعد وہ انہیں ترک کر دیتی ہے اس لیے کہ وہ کھلونوں کی حقیقت اور تہتر تک پہونچ چکی ہوتی ہے۔ یہی حال خارج میں بت پرستی کا ہے۔

سوال دارا شکوہ:

خالق اور مخلوق کے درمیان کیا فرق ہے۔ میں نے یہ سوال بعض اور لوگوں کے کے سامنے بھی کیا جنہوں نے مقابلہ کرتے ہوئے کہا کہ جو فرق درخت اور اس کے بیج ہیں ہے۔ کیا یہ ایسا ہے کہ نہیں؟

جواب بابالال:

خالق ایک سمندر کی مانند ہے اور مخلوق ایک پانی سے بھرے ہوئے گھڑے کی مانند۔ اگرچہ گھڑے اور سمندر میں وہی پانی ہے لیکن ان دونوں کی مقدار اور ظرف میں بہت بڑا فرق ہے، اس لیے خالق، خالق ہے اور مخلوق مخلوق ہے۔

سوال دارا شکوہ:

پرآنا اور جیب آتا میں کیا فرق ہے؟ جو آنا دوبارہ پرآنما سے کس طرح مل کر ایک ہو جاتی ہے۔؟

جواب بابالال:

شراب پانی سے بنتی ہے جب اسے زمین پر گرا دیا جائے تو اس کا نشہ خمار اور اثر ختم ہو جاتا ہے جبکہ پانی زمین میں جذب ہو جاتا ہے اور پھر بھی خالص پانی رہتا ہے۔ یہی حال انسان کا ہے جو کہ آج تک جیو آتا ہے۔ اگر وہ اپنے وجود و حواس خمسہ کو ترک کر دے تو وہ پرآسما سے واصل ہو جاتا ہے۔

دارا کو ان مسائل سے ایسی دلچسپی تھی کہ وہ سمہ وقت پیچیدہ مسائل کی گرہ کشائی ہیں مصروف رہتا۔ وہ اکثر صوفیاء سے ہر دوست اور فنا کے مسائل پر خط و کتابت کیا کرتا تھا۔ یہ خط و کتابت نہ صرف دلچپ ہے بلکہ موضوعات کے اعتبار سے بڑی اہم ہے فنا کے وہ سرمد کو لکھتا ہے:-

پیر و مرشد من ھر روز فقصد ملازمت • ادہ مترنمی شود. اگر من منم ارادہ من معطل چرا بہ اگر من نیستم، چہ تقصیر را بہ قتل امام حسین اگر شیت از دیلیت پس بذیر در میان چیست؟ واگر غیر مثبت است پس معنی یَفْعَلُ اللّٰہُ مَا یَشَاءُ وَ یَحْکُمُ ما یرید چیست؟ نبی مختار صلعم بہ جنگ کفار می رفت شکست در اسلام می افتاد- علمائے ظاہر می گویند، تعلیم صبر است. منتھی را تعلیم چہ در کار بہ"؟

سرمد نے اس کا جواب ایک نہا بہت بلیغ شعر میں دیا:

"اے عزیز"

"ما آنچہ خواندہ ایم فراموش کردہ ایم الا حدیث یار کہ تکرار می کنم"

شیخ سرمد کا اصل نام معلوم نہیں لیکن یہ ارض پاک وہند کی ایسی شخصیت ہے جس کا وجود عرفان باطنی اور عقائد ظاہری کی طاقتوں کا نبرد گاہ بن گیا تھا۔اپنے تخلص سرک سے مشہور ہیں لیکن بعض تذکرہ نگاروں نے سعیدائے سرمد لکھا ہے۔یہ یہودی الاصل تھے لیکن مسلمان ہو گئے تھے۔ ریاض الشعراء کے مطابق کاشان کے رہنے والے تھے۔علی شیر مصنف مراۃ الخیال لکھتا ہے کہ :-

اصلش ارمنی بود ودر اثنائے تجارت بہ شہر شتہ (ٹھٹھہ) افتاد وسندو پسرے عاشق گزشت

اس ہندو کے بیٹے کا نام اُبھے چند تھا۔اسی دھن میں تمام مال ومتاع لٹادیا اور اور ہر دم ابھے چند کی رفاقت میں رہنے لگے۔

برابجھے چند مذکور، عشق بداں غایت داشت کہ چون جائی سوار شدی و او ہمراہ برااسپ دیگر در عقب سے بود خود براسپ روئے طرف دم سوار می شد تاازدیدن محروم نماند کسے پرسید ش کہ خدابیت کسبت: بہ گفت نمی دانم ابھی چنداست یا غیر

سرمد نے علائق دنیا سے اس قدر کنارہ کشی اختیار کرلی کہ کپڑے پہننا چھوڑ دیئے۔اور برہنہ رہنے لگے۔پھرتے پھرتے دہلی پہنچ گئے اور بقول علی شیر چوں خاطر سلطان دارا شکوہ بجانب مجانین میل داشت محبت بہ دی در گرفت مولانا ابو کام آزاد اپنے اس ضمن میں لکھے میں کرلی شی کو کیا برکی دنیا میں ایسے ترازو بھی ہیں۔جنکے ایک پتے میں دیوانی رکھ دی جاے تو دوسرا یہ تمام عالم کی ہوشیاری رکھنے سے بھی نہیں جھک سکتا۔مرید علم ونسل میں کیتائے زمانہ تھے اور سارا شاہجہاں آباد ان کا معتقد تھا۔سرمدمات دیں میں شعر گوئی بھی کرتے جو اہل دل ہی سمجھتے تھے جب سلطنت اورنگ زیب عالمگیر کے ہاتھوں میں آئی تو دارا کی مصاحبت کی وجہ سے سرمد بھی کتاب شاہی کی زد میں آگئے۔احتساب شرعی نے ان کی ایک رباعی پر گرفت کی جو سخیال ان کے معراج جسمانی کے عقیدہ کے منافی تھی۔

رباعی:

هر کس که سر حقیقتش پادر شده
او سپین تر از سپهر پهنا در شد
ملا گوید که بر فلک شد احمد
سرید گوید فلک به احمد در شد

جو کوئی بھی حقیقت جانتا ہے۔

وہ کھلے آسمان سے زیادہ سفید ہو گیا۔

ملا کہتے ہیں کہ احمد آسمان پر چڑھ گیا۔

سیر د کہتا ہے کہ احمد کو پیار ہو گیا۔

دربار اورنگ زیب یہ چاہتا تھا کہ سرمد کو لوگوں کی توجہ کا مرکز نہ بنے دیا جائے چنانچہ سلطنت کی طرف سے احتساب شرعی کے بہانے قاضی القضاۃ ملا عبد القوی کو سرمد کے پاس بھیجا گیا تا کہ اس سے برہنگی کا جواز طلب کرے اور عدم جواب کی صورت میں اسے کیفر کردار تک پہنچایا جائے۔جب ملا قوی نے سرمد سے برہنگی کے بارے میں استفسار کیا تو اس نے جواب دیا کہ شیطان قوی است اور ساتھ یہ رباعی پڑھی

خوش بالا نے کرده چین میں پست مرا
چشم بد و جام برده از دست مرا

او در بغل نیست و من در طلبش
رز دے مجھے برہنہ کر دست مرا
میں نے اپنی پوسٹ چین میں پوسٹ کی۔
نظر بد اور پیالہ میرے ہاتھ سے چھین لیا۔
وہ میری بانہوں میں نہیں ہے اور میں اسے ڈھونڈ رہا ہوں۔
مجھے ایک گلاب دو، میرے ہاتھ ننگے کر دو

ملا قوی نے سرمد کے جواب کو ذاتی طنز پر محمول کیا اور برہمی کا اظہار کیا۔ چنانچہ عالمگیر سرمد کو طلب کیا اور پوشاک پہننے کو کہا۔ سرمد یوں مخاطب ہوا۔

آنکس کہ ترا کار جہانبانی داد
مارا ہمہ اسباب پریشانی داد
پوشاند لباس ہر کرا عیبے دید
بے عیباں را لباس عریانی داد
جس نے آپ کو دنیاوی کام دیا۔
اس نے ہمیں تمام پریشانیاں دیں۔
کپڑوں کو ڈھانپ کر اس نے سارے عیب دیکھے۔
اس نے بے عیب کو ننگا لباس دیا۔

پھر سرمد کو کل طیبہ پڑھنے کا حکم دیا گیا لیکن وہ لا الہ سے آگے نہ بڑھنا۔ چنانچہ علمائے دربار کے شور کرنے پر اس نے کہا میں ابھی تک نفی کے مرحد میں ہوں، اثبات تک نہیں پہونچا۔ الا اللہ کیسے کہہ دوں۔ اس پر علماء نے قتل کا فتویٰ صادر کیا۔ بقول مولانا آزاد شاہ اسد اللہ نامی ایک مرد دار ولیش راوی ہیں کہ مجھے سرحد کی خدمت میں کمال خصوصیت حاصل تھی جب ہنگامہ شروع ہوا تو میں نے موقع پاکر کہا کہ اگر وضع بدل دی جائے تو کوئی نقصان نہیں۔ سرمد نے یہ سن کر نظر اٹھائی اور اپنا یہ شعر پڑھا،

عمر یست کہ آوازہ منصور کہن شد
من از سر نو جلوہ دھیم دارو سن را
عمر کی زندگی میں منصور کی شہرت پرانی ہو گئی۔
میں پرانی دوا کو نئے سرے سے ظاہر کروں گا۔

جب سرمد کو قتل گاہ لے چلے تو سارا شہر ٹوٹ پڑا۔ جلاد آگے بڑھا تو سرمد نے مسکرا کر کہا۔ "فدائے تو شوم، بیا بیاہ تو بہر صورتے کہ میں آئی"۔ من تراخوب می شناسم، اور یہ شعر پڑھا:

سر جدا کرد از تنم شوقی که با ما یار بود
قصه کوتاه گشت ، در نه درد سر بسیار بو

اس نے میرے جسم سے وہ جذبہ جدا کر دیا جو ہمارے ساتھ تھا۔

قصہ مختصر، سر میں بہت درد تھا۔

سرمد جامع مسجد دہلی کے عقب میں نامہ میں شہید ہوئے اور وہیں دفن ہونے والے داغستائی لکھتا ہے کہ خلیفہ ابراہیم بدخشانی نے سنا کہ سر حد کے سر کشتہ سے تین بار لاالہ کی صدا بلند ہوئی۔ واللہ اعلم

داراشکوہ اور مطالعات بین المذاہب:

داراشکوہ نے الہیات کے مسائل پر شیخ محب اللہ الہ آبادی سے بھی خط و کتابت کی۔ شیخ موصوف نہایت آزاد خیال اور وسیع المشرب بزرگ تھے ۔ان کی مشہور کتاب نشوید، جو عربی زبان میں لکھی گئی۔ گئی۔ تصوف کے موضوع پر نے مخیالات کی آئینہ دار ہے۔ اورنگ زیب نے اس کتاب کی ضبطی کا حکم دیا۔ اور شیخ کے شاگردوں سے اس کی باز پرس کی۔ تسویر میں وحی پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جبرائیل کسی پروں والے فرشتوں کا نام نہیں بلکہ ایک باطنی قوت کا نام ہے جب اس باطنی قوت کا غلبہ ہوتا تو وحی کا نزول ہوتا۔ چنانچہ اسی ہے فرح پیغمبر کے باطن میں اس کا جبرائیل ہوتا ہے۔

داراشکوہ نے 1645ء میں الہ آباد کی گورنری محض اس لیے منظور کی کہ شیخ محب اللہ وہاں قیام پذیر تھے۔ دارا نے شیخ موصوف کو سوالات لکھ بھیجے اور جوابات کے ملنے کے بعد مزید تشریح و تفصیل کے لیے دارا نے شیخ سے درخواست کی تشہیر خان لودھی کی تصنیف مراۃ الخیال میں شیخ محب اللہ الہ آبادی کے کچھ حالات پائے جاتے ہیں۔ اسی طرح شیخ دلربا سے بھی آکر مسائل پر خط و کتابت رہتی۔ وہ فیاض الفقوانین ہیں داراشکوہ کے چھ خطوط کا حال درج ہے جو اس نے شاہ دلریا کو لکھے تھے۔ داراشکوہ نے اپنی تصنیف "حسنات العارفین یا ستنظمیات میں بھی ان کا ذکر کیا ہے۔ گذشتہ ابواب میں سلطان داراشکوہ کے منظریات اور احوال و آثار کا مفصل جائزہ پیش کیا جا چکا ہے۔ ہے کوئی۔ بھی عقل سلیم رکھنے والا اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا۔ کہ کفر والحاد کی والحاد کی آلائش سے داراشکوہ بالکل میری نظر آتا ہے۔ اس کا قتل خالصتنا سیاسی نوعیت کا تھا۔ اور اسلام اس طرح کے قتل کی اجازت نہیں دیتا۔ اس میں شک نہیں کہ اورنگ زیب عالمگیر ایک عالم، متشرع اور متدین شخصیت کا مالک تھا نیز اس میں قائدانہ صلاحیتیں بھی موجود تھیں۔ جو کسی فرماں روا کے لیے ضروری ہوتی ہیں۔ لیکن فتادی عالمگیری کے مصنف کو یہ حق نہیں پہونچتا کہ محض ملکی و سیاسی مصلحتوں کے پیش نظر داراشکر پر جنین کا جرم عائد کر کے اسکی زندگی کا چراغ گل کر دے۔ خاص کر ایسے حالات عائد اس میں جبکہ داراشکوہ شکست خوردگی کے باعث اس کا قیدی بن چکا تھا آل تیمور ہمیں تاج و تخت کے حصول کے لیے خون کی ہولی کھیلنے کی جو روایت پہلے سے تھی، اس سے یہ عالم اور باشرع شہنشاہ بھی اپنا دامن نہ بچا سکا۔ اورنگ زیب عالمگیر کے کردار کا تفصیل محاکمہ کرنا ہمارے موضوع سے

خارج ہے تاہم عالمگیر کا تخت حاصل کرنے کے بعد جو سلوک دوسرے بھائیوں کے ساتھ رہااور جس طرح ایک ایک کر کے اسلام اور شریعی قوانین کی آڑ میں اس نے سب کو راہ سے ہٹایا۔ یہ ایک ایسا باب ہے جو کسی شرح کا محتاج نہیں اپنے والد شہنشاہ شاہجہان کو جس طرح بے دست و پا کیا گیا،اس کے جواز کے لیے بھی شرع کو ڈھال بنایا گیا۔ خزانہ عامرہ کو پر کرنے کے لیے تمام نقدی وجواہرات وصول کر لیے۔اس لیے کہ اب ان سب اشیاء پر عوام کا حق تھا۔اور اس کے والد کو انھیں اپنے پاس کتنے کی ضرورت نہ تھی۔اس کاروائی نہیں پہلے پہل نرمی اور پھر حکم اور برا عمل کر دیا گیا یہاں تک کہ ایک مالا مر دارید کو واپس کرنے کا جب حد سے زیادہ اصرار ہوا تو شاہجہاں نے کہا کہ اس تسبیح کو میں درود و وظائف کے لیے استعمال کرتا ہوں اس لیے اسے جدا نہیں کرنا چاہتا اور اگر جبر کیا گیا تو میں اس کے قیمتی دانوں موتیوں کو پیس ڈالوں گا۔اورنگ زیب کی خزانہ عامرہ کے لیے یہ کوششیں بظاہر درست تھیں لیکن اپنے بیٹوں کی شادیوں پر لاکھوں روپے کے جو معارف اٹھے تھے اور جن کی تفاصیل کتب تاریخ میں موجود ہیں۔ کیا ان کے خزانہ عامرہ پر بوجھ نہیں پڑتا تھا؟ کیا شاہانہ کروقرار دیا ہے۔ کے لیے درویش بادشاہ بظاہر مجبور تھا یا گیا اسلام میں سلطانی اور درویشی دو الگ الگ راستے ہیں۔ ہے کیا اسلام موم کی ناک ہے کہ جس طرف چاہا موڑ لیا ہے بایں ہمہ اورنگ زیب عالمگیر برصغیر کے مسلمانوں کا آئیڈیل ہے اور چونکہ عالمگیری تشہیر نے داراشکوہ پر الحاد وزندقہ کی تہیں چڑھادی تھیں اس لیے آج تک ہم داراشکوہ کو اس کی تمام خوبیوں اور علمی کارناموں کے باوجود دہریت کا علمبردار سمجھتے رہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تاریخ میں اس بدنصیب شہزادے کی شخصیت کو ابھی تک وہ مقام نہیں ملا جس کا وہ بجاطور پر حقدار نظر آتا ہے۔اور نگ زیب کے مقابلہ میں داراشکوہ کا امیج اسطرح دھندلا گیا ہے کہ اس کی صورت گردوغبار کے نیچے دب کر رہ گئی ہے۔

مجمع البحرین دارا کی آخری تصنیف ہے اور یہی اس کے الحاد کا سبب ٹھہری ہے بعض تعلیمیافتہ حضرات کا خیال ہے کہ بے شک دارا پہلے راسخ العقیدہ مسلمان تھااور اس کا ثبوت اس کی تصانیف ہیں لیکن جوں جوں وہ ویدانت اور دیگر ہندوؤں کے علوم سے آشنا ہوتا گیا۔اس کا عقیدہ کمزور اور وہ اسلام سے دور ہٹ گیا۔اس مفروضے میں کوئی جان نہیں ہے۔ مجمع البحرین اور دیگر سنسکرت کے تراجم محض اس کی تحقیق اور تجسس علمی کی دلیل ہیں۔اس نے کبھی اسلام سے ترک تعلق کا اعلان نہیں کیا۔اس تصنیف میں متعدد بار وہ لوگوں کے تعقب اور کند فہمی کے بارے میں لکھتا ہے یوں لگتا ہے کہ اسے اس کتاب کے نتائج کا پہلے سے علم تھا۔اسی لیے بار بار وہ کہتا ہے کہ میری یہ تحقیق محض خواص کیئے اور اپنے اہل بیت کے لیے سے مجھے عوام سے جوان مسائل کو نہیں سمجھتے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ لیکن اس کے کفر پر مجمع البحرین مہر ثابت ہوئی اور اس کے لکھنے پر کسی نے کان نہیں دھرا۔ بہر کیف زمانہ یہ ثابت کر دے گا کہ مذہب کی آڑ لے کر سیاسی مصلحتوں کی تعمیل کرنے والے زیادہ دیر تک پس پردہ نہیں رہ سکتے۔ قتل داراشکوہ میں مل کے چیدہ چیدہ سرکاری و درباری علماء نے اورنگ زیب کی رضی کے مطابق صادر کیا اور کسی کو یہ جرات نہ ہوئی کہ حق و باطل کے درمیان تمیز کر سکے۔ الاماشاءاللہ۔ ان نام نہاد مذہر کے ٹھیکیداروں کا پول ایک نقشبندی اور مجددی بزرگ مولوی محمد یعقوب نے کھول کر رکھ دیا۔اورنگ زیب کے جاری کردہ کفر کے فتویٰ پر موصوف نے دستخط کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ مولوی محمد یعقوب عالمگیر کے بیٹوں سلطان محمد و محمد معظم کے استاد تھے۔ ہمیں بریس یک مدرس مدرستہ بادشاہی عقب مسجد جہاں نما، رہے۔ عالمگیران کی لیاقت کا اس حد تک معترف تھا کہ قاضی عبدالوہاب کی جگہ انہیں عہدہ قضا قبول کرنے کیلئے کہا لیکن آپ نے کہا من لیاقت قضاندارم، مولانا

موصوف وہی بزرگ تھے جنہوں نے بادشاہ کے اصرار بلکہ عتاب کے باوجود داراشکوہ کے محضر الحاد پر دستخط کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ ذکر جمیع اولیانے دہلی (قلمی میں یوں مذکور ہے۔

"مدتے بدار و غگی عدالت و وکالت شرعی نقل سبحانی امتیاز داشت محضریکہ علماء بر الجاد دارا شکوہ ساختند مولانا بر آن مهر نکرد. هر چند بادشاه خطاب پر عتاب نمود که این همه اهل فضل مهر کردند ۔ وجه مهر نه کردن شما چیست ؟ عرض نمود کسانیکه کرد ه اند ۔ علم بر الحاد دارا شکوه دارند، مرا علم بر الحاد او نیست "

"ایک عرصے سے، نقل سبحانی کی انصاف اور قانونی نمائندگی کو ایک اعزاز حاصل تھا، الجد داراشواہ پر علماء کی نوٹرائزیشن، مولانا نے اس پر مہر نہیں کی۔ حالانکہ بادشاہ نے سرزنش کرتے ہوئے خطاب کیا کہ تمام اہل فضل نے اپنی مہر ثبت کر دی۔ آپ کی مہر کا کیا مطلب ہے؟ انہوں نے کہا کہ جنہوں نے کیا ہے الحاد کا علم تو شان ہے لیکن الحاد کا علم اس کا نہیں[2]۔

خودآزمائی:

1: شہزادہ دارشکوہ کی مطالعہ مذاہب میں خدمات کا جائزہ لیں۔

2: دارشکوہ کے حالات زندگی پر تفصیلا نوٹ لکھیں۔

3: دارشکوہ کی کتاب مجمع البحرین کا تفصیلی تعارف پیش کریں۔

4: دارشکوہ کو کن وجوحات کی بناپر سیاسی زوال کا سامنا کرنا پڑا؟

5: دارشکوہ کو کیوں اور کیسے قتل کیا گیا؟

6: دارشکوہ کی تصانیف پر تفصیلی نوٹ تحریر کریں۔

7: دارشکوہ کو سفینۃ الاولیاء اور سکینۃ الاولیاء کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی؟

8: سفینۃ الاولیاء کے ابواب پر نوٹ قلمبند کریں۔

9: حسنات العارفین پر نوٹ تحریر کریں۔

10: سراکبر کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟ وضاحت کریں۔

---

[2] داراشکوہ، شہزادہ، مجمع البحرین، ص:90

جوابات:

تمام سوالوں کے جواب متعلقہ یونٹ سے تلاش کریں۔

مصادر و مآخذ/مزید مطالعہ کے لیے:

- داراشکوہ، شہزادہ، مجمع البحرین، ایبٹ آباد: الگیلان پبلشرز، 1983ء۔

یونٹ نمبر 8

امام احمد رضا خان، پیر کرم علی شاہ، علامہ سید احمد سعید کاظمی اور علامہ غلام رسول سعیدی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کی مطالعہ مذاہب میں خدمات

مؤلف: ڈاکٹر حسن بیگ، حافظہ حفصہ مجید

نظر ثانی: عثمان علی شیخ، شمع ناز

فہرست مضامین

عنوانات	صفحہ نمبر
یونٹ کا تعارف	230
یونٹ کے مقاصد	231
تعارف	232
ولادت امام احمد رضا خان رَحْمَۃُاللہِ تعالٰی علیہ	233
ابتدائی تعلیم کے ماہ و سا ل	233
ناظرہ قرآن کی سعادت	233
خطاب ذی شان بعنوان میلاد مصطفی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم	234
فن نحو پر پہلی کاوش	234
فقیہانہ بصیرت کا آغاز	234
دستار فضیلت	234
آپ رَحْمَۃُاللہِ تعالٰی علیہ کی عملی زندگی کا آغاز	235
نگاہ شیخ میں آپ رَحْمَۃُاللہِ تعالٰی علیہ کا مقام	235
وفاتِ حسرت آیات	236
امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ تعالی کی مطالعہ مذاہب میں خدمات	236
یہود و نصاری کے عقائد: نصرانی/عیسائی کے جھوٹے کا حکم	236
حکم	237
اقول	237

اقول	238
عیسائی کی چھوئی ہوئی چیز کا حکم	240
یہود و نصاریٰ کی تابعداری کرنے والے کی امامت کا حکم	241
استغفار کا حقدار ہر مسلمان ہے	242
نصرانیہ/عیسائیہ سے نکاح	242
یہود و نصاری کا ذبیحہ	244
فی زمانہ نصاری کا حکم مع تفصیل	245
یہود و نصاری کے کپڑے	246
نصاری اور یہود پر مسلمان ہونا لازمی	246
آیت	247
نصاریٰ اور یہود پر لعنت کی وجہ	248
یہود و نصاریٰ سے موالات کا حکم	248
یہود و نصاریٰ کے ساتھ کھانے پینے کا حکم	250
یہود و نصاریٰ کے پاس نوکری کا حکم	251
بدمذہب کے عقائد	252
بدمذہب کسے کہتے ہیں؟	252
بدمذہب سے محبت زہر قاتل ہے	252
مشرک کے احکام	253
مشرک سے مدد لینا	253
قادیانیوں کی نماز	253
مرتد کو وکیل بنانے کا حکم	253
قادیانی کے جھوٹے خدا	254
نیچریوں کے جھوٹے خدا	255
پیر کرم علی شاہ الازہری رحمۃ اللہ تعالی کی مطالعہ مذاہب میں خدمات	255

تعارف	255
پیدائش	256
نام ونسب	256
تعلیم وتربیت	256
تصانیف	257
وفات	258
مطالعہ یہودیت وعیسائیت	258
یہود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلہ سے فتح طلب کیا کرتے	258
علماء یہود کا اس خیال سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ور غلانا کہ آپ بشر ہی تو ہیں اور ناکام ہونا	260
یہود کی دلآزاری اور اللہ تعالی کی دلجوئی	261
عیسائیوں کو دعوت مباہلہ	262
نصاری اور یہود ایک دوسرے کو گمراہ کہتے	263
یہود کے اطوار کفر بالآیات، انبیاء ومبلغین کا قتل، ان کی سزا، ان کو ان کے غلط مرعومات نے گمراہ کر دیا	264
علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ تعالیکی مطالعہ مذاہب میں خدمات	268
تعارف	268
مقالے کا تاریخی سیاق اور پس منظر	268
اسلام اور عیسائیت کا تجزیہ اور اہم نکات	277
خاتمہ بحث	283
اسلام اور عیسائیت حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمہ اللہ کی روشنی میں	284
عیسائیت کا مفہوم	284
اسلام کے معنی	284
اسلام اور انسانیت کا تلازم	284
محبت اور انس کس کے لئے ہے	285
ایک سوال کا جواب	285

اسلام اور انسانیت کی وسعت	286
صداقت اسلام کی دلیل	286
اسلام کے بعد عیسائیت	286
اسلام انسان کا پیدائشی دین ہے	286
ایک اور سوال کا جواب	287
اسلامی تعلیمات صداقت اسلام کی روشن دلیل ہیں	287
حقیقت شہادت	287
ارکانِ اسلام کا نماز میں پایا جانا	288
ایک شبہ کا ازالہ	288
اسلام میں توحید کی تعلیم	288
اسلام میں رسالت کا پاکیزہ تصور	289
اسلام نے عقائد واعمال اور مکمل دستور العمل قرآن میں پیش کیا	289
اسلام کے مقابلہ میں عیسائیت	289
عیسائیت میں نہ کوئی علمی نظریہ ہے نہ عملی پروگرام	289
عیسائیت کے بنیادی نظریات	289
تثلیث	289
کفارہ	290
عدل اور رحم	290
اسلام اور کفارہ	290
سزا رحم کے اور معافی عدل کے منافی نہیں	291
کفارہ صرف عیسائیوں کا ہوا یا تمام بنی آدم کا	291
کفارہ کا نظریہ انتہائی خطرناک ہے	291
قرآن کا توراۃ وانجیل کی تصدیق کرنا موجودہ توراۃ وانجیل کے غیر محرف ہونے کی دلیل نہیں	291
حضور ﷺ اللہ تعالیٰ کا جزو نہیں بلکہ نور ذات کا جلوہ ہیں	292

سائنس ومذہب	292
علامہ غلام رسول سعیدی کی مطالعہ ادیان میں خدمات	297
تفسیر تبیان القرآن کا تعارف اور امتیازی خصوصیات	297
تفسیر تبیان القرآن کا مطالعہ ادیان میں انداز واسلوب	297
سابقہ آسمانی کتب سے استدلال	297
آسمانی کتب کا تعارف اور تحقیق	297
پرانے عہد نامہ کے مشمولات	298
اصل توراۃ کے مشمولات	298
تکوین	299
خروج	299
لاویین	299
عدادا	299
موجودہ توراۃ کے متعلق یہودی اور عیسائی علماء اور مفکرین کا نظریہ	300
حوادثِ روزگار کے ہاتھوں توراۃ کا تلف ہو جانا	300
قرآن مجید اور تورات اور انجیل کے احکام کا تقابل	300
خلاصہ کلام	302
خود آزمائی	302
جوابات	304
مصادر ومآخذ/مزید مطالعہ	304

یونٹ کا تعارف

مطالعۂ مذاہب مسلمانوں کی عظیم روایت رہی ہے۔ ہندوستان زمانہ قدیم سے ہی مختلف مذاہب و نظریات کا مسکن رہا ہے۔ متعدد مذاہب نے اس دھرتی سے جنم لیا اور بعض مذاہب ہندوستان کی سرزمین سے باہر سے آئے۔ مقامی مذاہب میں ہندومت، جین مت، بُدھ مت اور سکھ مت وغیرہ شامل ہیں۔ جو مذاہب باہر سے آئے ان میں سامی مذاہب (یہودیت، مسیحیت اور اسلام) کے علاوہ مجوسیت (زرتشیت) شامل ہیں۔

برصغیر میں غیر ملکیوں کی آمد سولھویں صدی عیسوی میں تجارتی مقاصد کے پیش نظر ہوئی۔ تاہم وقت کے ساتھ ساتھ ان کے مقاصد میں مذہبی اور سیاسی عنصر بھی شامل ہوتا چلا گیا۔ بالخصوص نوآبادیاتی دور میں سیاسی غلبے کے ساتھ ساتھ مذہبی غلبے کی راہ ہموار ہو گئی۔ مسیحیت کی ترویج واشاعت کے لیے جہاں حکومتِ وقت کی سرپرستی حاصل رہی وہیں مختلف ممالک کے "مشن" بھی ان کی پشت پر تھے۔

ایک طرف مسلمانوں کو سیاسی طور پر محکومی کا سامنا تھا تو دوسری طرف "کلیسائی مبشّرین" عوام النّاس میں دینِ اسلام، قرآنِ حکیم اور پیغمبرِ اسلام کو نشانہ بناتے اور شکوک وشبہات پیدا کرتے۔ ایسے میں مسلمان علمائے محققین میدان عمل میں آئے اور انھوں نے دیگر مذاہب کے ساتھ ساتھ مسیحی اعتراضات اور شکوک وشبہات کو رفع کر کے مسلمانوں کا اعتماد بحال کیا۔ اس ضمن میں بالخصوص مولانا الشاہ احمد رضا خان، پیر کرم علی شاہ الازہری اور علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کی شخصیات اور ان کی خدمات نہایت نمایاں ہیں۔

اسی طرح بیسویں صدی میں مفسرِ قرآن علامہ غلام رسول سعیدیؒ نے قرآن وحدیث کی جو خدمت کی ہے اُس کو ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ آپ نے مختلف موضوعات پر تفسیر، حدیث، فقہ، معاشیات اور تصوف پر تقریباً پینتالیس ہزار صفحات تحریر کیے۔ بالخصوص تفسیر میں ''تبیان القرآن''، ''تبیان الفرقان''، ''شرح صحیح مسلم'' اور ''نعمۃ الباری'' اس صدی کے کارہائے نمایاں ہیں۔ علامہ سعیدی اس صدی کے وہ ممتاز مفسر و محدث ہیں جنھوں نے ہر آیت کی جامع تفسیر پیش کی ہے اور دین کے فلسفہ و فکر کو بڑے شاندار انداز میں پیش کیا ہے۔ صرِ حاضر میں سائنسی و صنعتی انقلابات کے بعد جو تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں ان کے بارے میں اسلامی نقطۂ نظر پیش کرنے والی نمایاں ہستیوں میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ علامہ سعیدی کے کام کی وجہ سے نئی نسل اکابرینِ امت کے علمی و تحقیقی کام سے آگاہ ہوئی ہے اور علم و تحقیق کے نئے در وا ہوئے ہیں۔ مطالعہ ادیان میں آپ نے اسلام پر اٹھنے والے اعتراضات کے مدلل جوابات دیے ہیں۔ مذکورہ یونٹ میں مولانا الشاہ احمد رضا خان، پیر کرم علی شاہ الازہری، علامہ سید احمد سعید کاظمی اور علامہ غلام رسول سعیدی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے حالاتِ زندگی اور ان کی علمی خدمات کا تفصیل سے جائزہ لیا جائے گا۔

یونٹ کے مقاصد

امید ہے کہ اس یونٹ کے مطالعے کے طلباءاس قابل ہو جائیں گے کہ

1. مطالعۂ مذاہب میں مولانا الشاہ احمد رضا خان علیہ الرحمہ کی خدمات کا جائزہ لے سکیں۔
2. مولانا الشاہ احمد رضا خان علیہ الرحمہ کے حالاتِ زندگی سے واقفیت حاصل کر سکیں۔
3. مولانا الشاہ احمد رضا خان علیہ الرحمہ کی تصانیف سے آگاہی حاصل کر سکیں۔
4. مولانا الشاہ احمد رضا خان رحمہ اللہ کے اسلوب سے آگاہ ہو سکیں۔
5. مطالعۂ مذاہب میں پیر کرم علی شاہ الازہری رحمہ اللہ کی خدمات کا جائزہ لے سکیں۔
6. پیر کرم علی شاہ الازہری رحمہ اللہ کے حالات زندگی سے واقفیت حاصل کر سکیں۔
7. پیر کرم علی شاہ الازہری رحمہ اللہ کی تصانیف سے آگاہی حاصل کر سکیں۔
8. پیر کرم علی شاہ الازہری رحمہ اللہ کے اسلوب سے آگاہ ہو سکیں۔
9. مطالعۂ مذاہب میں علامہ سید احمد سعید کاظمی علیہ الرحمہ کی خدمات کا جائزہ لے سکیں۔
10. علامہ سید احمد سعید کاظمی علیہ الرحمہ کے حالات زندگی سے واقفیت حاصل کر سکیں۔
11. علامہ سید احمد سعید کاظمی علیہ الرحمہ کے اسلوب سے آگاہ ہو سکیں۔
12. علامہ غلام رسول سعیدیؒ کے حالاتِ زندگی اور خدمات کے بارے میں آگاہی حاصل کر سکیں۔
13. علامہ غلام رسول سعیدیؒ کی تصانیف کے بارے میں واقفیت حاصل کر سکیں۔
14. علامہ غلام رسول سعیدیؒ کی مطالعۂ مذاہب میں خدمات پر بحث کر سکیں۔
15. علامہ غلام رسول سعیدیؒ کے اسلوب سے آگاہ ہو سکیں۔

تعارف:

مولانا شاہ احمد رضا خان رَحْمَۃُاللہِ تعالٰی علیہ عالم اسلام کی عظیم شخصیت اپنے تعارف کے لئے کسی قلم کی محتاج نہیں بلکہ ان کا علمی ورثہ، ہزاروں موضوعات پر تحریریں، علم کے ٹھوس ادلہ سے مزین رسائل، پیش آمدہ مسائل کے بارے میں قرآن وسنت، فقہائے امت کے ادلہ سے ماخوذ مستند فتاوی، تاریخ اسلامی کا انسائیکلوپیڈیا فتاوی رضویہ، عشق ومحبت سے لبریز عشاق دلفگار کے لئے نعتیہ کلام کا تحفہ، متلاشیاں حق کی تربیت کے لئے سلوک کے اسباق، جویان تحقیق کے لئے تحقیقی اصولوں پر مبنی نگارشات، کم وبیش پانچ سو ساٹھ علوم کے دریا بہاتے علم کے چشمے مولانا احمد رضا خانؒ معروف بہ اعلی حضرت کی شخصیت کے تعارف ہیں۔آپ کو اس صدی کا مجدد اور دین وملت کا نگہبان مانا جاتا ہے۔تاجدار اہلسنت امام اہلسنت مولانا احمد رضا خان رَحْمَۃُاللہِ تعالٰی علیہ کی جلالت علمی، شان فقاہت، فہم ودانش، عقل وفراست اور تبحر علمی کے اپنے تو کجا غیر بھی معترف ہیں۔ایسی نابغہ روزگار ہستی جس نے فنون علم ودانش کا کوئی ایسا شعبہ بھی نہیں چھوڑا جس میں امام رَحْمَۃُاللہِ تعالٰی علیہ کے علمی نگارشات کے انمول نقوش نا ملتے ہوں۔چھ سال کی عمر سے سفر آخرت تک قلم رضا سے وہ نور بداماں علم کی کرنیں پھوٹیں کہ دنیا ورطہ حیرت میں ہے کہ ہزاروں موضوعات پر ہزار سے زائد کتابیں اور ہر کتاب میں موضوع سے متعلق دلائل کے انبار ہیں۔

محقق اہلسنت، وارث علوم نبوت، واقف شریعت وطریقت شاہ امام احمد رضا خان رَحْمَۃُاللہِ تعالٰی علیہ کے بارے میں مولانا ابو بلال محمد الیاس عطار قادری دامت برکاتھم العالیہ اپنے رسالہ ''تذکرۂ امام احمد رضا''' میں لکھتے ہیں:'' اعلیٰ حضرت رَحْمَۃُاللہِ تعالٰی علیہ عشقِ مصطفٰے صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کا سرتاپا نُمونہ تھے، آپ رَحْمَۃُاللہِ تعالٰی علیہ کا نعتیہ دیوان ''حدائقِ بخشش شریف ''اِس اَمر کا شاہد ہے۔ آپ رَحْمَۃُاللہِ تعالٰی علیہ کی نوکِ قلم بلکہ گہرائیِ قلب سے نِکلا ہوا ہر مصرعہ مصطفٰے جانِ رحمت صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ سے آپ رَحْمَۃُاللہِ تعالٰی علیہ کی بے پایاں عقیدت ومحبت کی شہادت دیتا ہے۔آپ رَحْمَۃُاللہِ تعالٰی علیہ نے کبھی کسی دُنیوی تاجدار کی خوشامد کے لیے قصیدہ نہیں لکھا،اِس لیے کہ آپ رَحْمَۃُاللہِ تعالٰی علیہ نے حُضورِ تاجدارِ رِسالت صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کی اِطاعت وغُلامی کو دل وجان سے قبول کرلیا تھا۔اوراس میں مرتبہ کمال کو پہنچے ہوئے تھے،اس کا اظہار آپ رَحْمَۃُاللہِ تعالٰی علیہ نے ایک شِعر میں اِس طرح فرمایا نے

اِنہیں جانا اِنہیں مانا نہ رکھا غیر سے کام

الحمدللہ میں دُنیا سے مسلمان گیا[1]

---

[1](تذکرہ امام احمد رضا، ص10)

اعلی اخلاق و کردار، سینکڑوں سالہ قدیم وجدید علوم وفنون میں دسترس،لاتعداد کتابوں کے مصنف،فقہائے ائمہ اربعہ کے علوم پر مہارت، فقاہت وبصارت،عبادت وریاضت،اخلاق وکردار،محبت وعشق رسول میں اعلی حضرت رَحمَۃُاللہِ تعالٰی علیہ جیسا کوئی ہمعصر نا تھا۔
اعلی حضرت رَحمَۃُاللہِ تعالٰی علیہ کی شخصیت کا ہر گوشہ ہزاروں صفحات پر محیط ہے اور آپ کی ذات کے مختلف پہلوؤں پر اہل قلم لکھتے چلے آرہے ہیں ،جو جس زاویہ سے اعلی حضرت رَحمَۃُاللہِ تعالٰی علیہ کو دیکھتا ہے اس پہلو کو سپرد قلم کرکے اپنی کم مائیگی کا اعتراف کرتا ہے۔

ولادت امام احمد رضا رَحمَۃُاللہِ تعالٰی علیہ :

شوال المکرم کی 10 تاریخ بمطابق 14 جون 1856 برصغیر کی علمی آماجگاہ شہر بریلی میں ایک ایسے بچے کی ولادت باسعادت ہوتی ہے جس کو عالم شرق وغرب کے علماوفقہا میں امام اہلسنت، مولانا احمد رضا خانرَحمَۃُاللہِ تعالٰی علیہ کے نام سے جانا جاتا ہے۔اس نومولود کی ولادت نا صرف اہل خانہ کے لئے خیر کا باعث بنی بلکہ ہندوستان اور دنیا بھر کے مسلمانوں کو دُورِ اسلاف کے علماوفقہا، صلحاواتقیا کی عملی تصویر دیکھنے کو ملی۔آپ کی پیدائش پر اہل خانہ نے آپ کا نام محمد رکھااور تاریخی اعتبار سے آپ المختار (1272ھ) کے لقب سے ملقب ہوئے۔جد اعلی حضرت جناب مولانا رضا علی خانرَحمَۃُاللہِ تعالٰی علیہ نے آپ کو احمد رضا کے نام سے موسوم کیااور یہ ہی نام زبان زَدِ خاص وعام ہوا۔

ابتدائی تعلیم کے ماہ وسال:

اعلی حضرت کا جنم ایسے گھرانہ میں ہوا جو علم وعمل کے لحاظ سے پورے بریلی میں اپنی مثال آپ تھا،والد گرامی قدر جناب مولانا نقی علی خان صاحب رَحمَۃُاللہِ تعالٰی علیہ اپنے وقت کے قادر الکلام عالم ذی شان تھے تو جد امجد مولانا رضا علی خان بحر علوم اسلاف تھے۔اور یہ وجہ ہے کہ ذوق علم کی میراث آپ رَحمَۃُاللہِ تعالٰی علیہ کو اپنے گھرانہ سے ملی۔

ناظرہ قرآن کی سعادت:

چنانچہ زندگی کے چار سال ابھی مکمل ہوئے ہی تھے کہ ناظرۂ قرآن ختم کرنے کی سعادت ملی۔کلام الٰہی کی برکتوں کو دامن میں سمیٹا تو علوم قرآن کی طرف توجہ مبذول ہوئی۔علوم دینیہ عقلیہ ونقلیہ کی تحصیل کے لئے امام احمد رضا خان صاحب رَحمَۃُاللہِ تعالٰی علیہ کو زانوئے تلمذ طے کرنے کا شرف سب سے پہلے والد ماجد حضرت علامہ مولانا نقی علی خان رَحمَۃُاللہِ تعالٰی علیہ صاحب سے ہوا۔باپ اپنے وقت کا امام اور بیٹے نے اہلسنت کی قیادت وسیادت کی امامت پر فائز ہونا ہے،ایک طرف والد گرامی کی پدرانہ شفقت بیٹے کے سینے کو علوم ومعارف کے گنجینہ سے لبریز کررہی تھی تو دوسری طرح علم وعمل، تقوی وطہارت پر کاربند باپ کی روحانیت بیٹے کی آنکھوں کے ذریعے سینے میں منتقل ہورہی تھی۔

خطاب ذی شان بعنوان میلاد مصطفی ﷺ:

والد گرامی کی مشفقانہ محنت و محبت سے جو علوم اعلی حضرت کے سینے میں منتقل ہوئے تھے چھ سال مکمل ہونے پر اس کے اظہار کا آپ کو موقع ملا۔آپ رَحمَۃُاللہِ تعالٰی علیہ نے ایک کثیر الازدحام مجمع میں عشق مصطفی میں ڈوب کر میلاد مصطفی کے موضوع پر ایسی مدلل جامع قرآن وسنت کے دلائل سے مزین بصیرت افروز خطاب کیا کہ مجمع میں موجود ہر شخص اعلی حضرت رَحمَۃُاللہِ تعالٰی علیہ کی تقریر سن کر انگشت بدنداں ہو گیا،دل ودماغ پر سکتہ طاری ہو گیا، علما اش اش کر اٹھے ایسا دلنواز خطاب ایسی پر مغز تقریر کی کہ آپ رَحمَۃُاللہِ تعالٰی علیہنے سب کو حیران کر دیا۔

فن نحو پر پہلی کاوش:

عمر آٹھ سال ہوئی تو علم کا سمندر جو سینے میں موجزن تھا اس کی موجیں اپنا جوبن دکھانے لگیں،علوم کے بحر بیکراں کا قطرہ قطرہ علم کے موتی بن کا صفحہ قرطاس پر منتقل ہونے لگا عمر کے آٹھویں سال فن علم نحو کے موضوع پر مشہور زمانہ کتاب ''ھدایۃالنحو '' کی شرح عربی زبان میں کر کے فن نحو کے علما کو ورطہ حیرت میں ڈالا۔

فقیہانہ بصیرت کا آغاز:

زندگی کے پہلے عشرہ میں فقہائے امت کو علم اصول فقہ کی لاجواب کتاب ''مسلم الثبوت'' کے حاشیہ کا تحفہ دیا اور یوں دبستان امام اعظم ابو حنیفہ رَحمَۃُاللہِ تعالٰی علیہ میں ایک نئے فقیہ کی حیثیت سے اپنی پہچان کروائی۔

دستار فضیلت:

آپ رَحمَۃُاللہِ تعالٰی علیہ کے القابات میں سے ایک لقب عظیم البرکت بھی ہے اس لقب کے معنی بہت زیادہ برکتوں والا ہے۔اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ رَحمَۃُاللہِ تعالٰی علیہ پر بچپن سے ہی رب کائنات کی طرف سے برکتوں کا نزول ہوا،ذہن وفطانت ، عقل وشعور، فہم وفراست،زیرک ودانائی، تقوی وپرہیز گاری کی تعمیری صلاحیتیں خداوند کریم کی طرف سے آپ کو ودیعت کی گئیں تھیں۔

بانکپن کی عمر میں بچوں کو کھیل کود اور شغل میلا سے خاص شغف ہوتا ہے ذہن بھی اتنا پختہ نہیں ہوتا کہ علوم ومعارف کی باریکیاں اپنے اندر سمو لے۔لیکن امام احمد رضا رَحمَۃُاللہِ تعالٰی علیہ کی زندگی نے اپنے بچپن سے ہی علم کی وہ منزلیں طے کر لی تھیں جن کو ہر کوئی اتنا آسانی سے طے نہیں کر سکتا تھا۔یہ فقط اللہ تعالی کا فضل وکرم اور رسول محتشم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی نظر کرم تھی کہ تیرہ سال دس ماہ چار دن کی عمر میں مروجہ علوم کی نا صرف تکمیل ہوئی بلکہ ان علوم پر سیر حاصل دسترس بھی ہوئی اور ان علوم پر ایسا ید طُولی نصیب ہوا کہ جس دن تحصیل علم سے فراغت ہوئی اسی دن علم کے ثمرات،اساتذہ کی محنت، آباد واجداد کی علمی وراثت،ماں باپ کی دعاؤں کی تعبیر دیکھنے کو ملی جب ایک تیرہ

سال کا لڑکا فقہی بصارت کا حامل مسئلہ رضاعت پر جامع مانع فتوی لکھ کر والد ماجد رئیس المتکلمین مولانا محمد نقی علی خان صاحب قدس سرہ سے تحریر کردہ فتوی پر مہر تصدیق ثبت کرواکر مسند افتاء کی اہم ذمہ داری پر فائز ہوااور تاریخ نے دیکھا کہ اس نوخیز نے دنیا میں ثانی امام اعظم بن کر فقہ وفتوی کی ایسی خدمت کی کہ آج تک امام اہلسنت رَحْمَۃُاللہِ تعالٰی علیہ کے علوم کا سورج اپنی آب وتاب سے علم کی راہوں کو روشن کر رہا ہے۔

آپ رَحْمَۃُاللہِ تعالٰی علیہ کی عملی زندگی کا آغاز:

تیرہ سال کی عمر میں علم کی دستار فضیلت سر پر سجائے مستند تدریس، منصب افتاء کی ذمہ داریوں پر فائز ہو کر عملی زندگی کا آغاز ہوااور تادم واپسی دین کی تبلیغ واشاعت کا کام اپنی شان وشوکت کے ساتھ جاری رہا۔

آپ رَحْمَۃُاللہِ تعالٰی علیہ کی ظاہری وباطنی تربیت میں ان کے والد گرامی مولانا نقی علی خان صاحب رئیس المتکلمین کا بہت بڑا کردار تھا اسلیئے امام اہلسنت کا دل دنیاوی لذات اور خواہشات سے پاک تھا، دل کی پاکیزگی کا سامان تقوی وطہارت، اخلاص وللہیت ، خوف وخشیت خداوند کریم کی طرف سے پیدائشی طور پر ملا ہوا تھا۔دل کی لطافت کا یہ عالم تھا کہ بائیس سال کی عمر میں والد ماجد کی ہمراہی میں مرشد دوراں حضرت سید آل رسول قادری برکاتی کے آستانہ پر پہنچے تو نگاہ مرشد میں یک دم سما گئے اور بیعت کے شرف کے ساتھ خلافت واجازت سلسلہ عالیہ قادریہ برکاتیہ کے اوراد ووظائف سے بھی نواز دیئے گئے جبکہ اس مقام پر پہنچنے کے لئے سالکین کو بڑی ریاضتیں اور مشقتیں اٹھانی پڑتی ہیں تب جاکر خلافت واجازت کا گوہر نایاب حاصل ہوتا ہے۔

نگاہ شیخ میں آپ رَحْمَۃُاللہِ تعالٰی علیہ کا مقام:

آپ رَحْمَۃُاللہِ تعالٰی علیہ کو خلافت واجازت سے نوازنے کے بعد شیخ کے وہ الفاظ اعلی حضرت کی شخصیت اور مرید باصفا کے کمالات کو جاننے کے لئے کافی ہیں۔ حضرت سید آل رسول قادری برکاتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”مجھے بڑی فکر تھی کہ بروز محشر اگر احکم الحاکمین نے سوال فرمایا کہ آل رسول تو میرے لیے کیا لایا ہے؟ تو میں کیا پیش کروں گا؟ مگر اللہ کا شکر ہے کہ آج وہ فکر دور ہو گئی، اس وقت میں احمد رضا کو پیش کردوں گا [2]“

آپ رَحْمَۃُاللہِ تعالٰی علیہ نے اپنی زندگی کا ہر لمحہ دین کی تبلیغ، سنت رسول کی احیاء، عقائد اہلسنت کی حقانیت، ،اسلامی افکار ونظریات کی ترویج، اصلاح احوال، اسلامی نظام معیشت کی آبیاری کے ساتھ عقائد باطل کی سرکوبی، بدعات کا قلع قمع، فرقہ باطلہ کی بیخ کنی کے لئے عملی اقدامات

---

[2](امام احمد رضا اور ارباب علم ودانش کی نظر میں، ص: ۳۵، دار القلم، ذاکر نگر، نئی دہلی، بحوالہ ترجمان اہل سنت، پیلی بھیت۔)

بھی اٹھائے۔لوگوں کی تربیت کے لئے درس وتدریس، بیانات، خطبات کا سلسلہ جاری کیا۔اس کے علاوہ آپ رَحْمَۃُاللہِ تعالٰی علیہ کے علمی کاموں میں ایک بہت بڑا کام خدمت قرآن کا تھا۔

آپ رَحْمَۃُاللہِ تعالٰی علیہ نے مختلف عُنوانات پر کم و بیش ایک ہزار کتابیں لکھی ہیں۔ یوں تو آپ رَحْمَۃُاللہِ تعالٰی علیہ نے 1286ھ سے 1340ھ تک لاکھوں فتوے دیئے ہوں گے، لیکن افسوس! کہ سب نَقل نہ کئے جاسکے، جو نَقل کر لیے گئے تھے اُن کا نام ''العطایا النبویۃ فی الفتاوی الرضویۃ'' رکھا گیا۔ **فتاوٰی رضویہ** (مخرجہ) کی 30 جلدیں ہیں جن کے کل صَفحات 21656، کل سُوالات وجوابات : 6847اور کل رسائل:206ہیں۔

قرآن و حدیث ، فقہ، مَنطِق اور کلام وغیرہ میں آپ رَحْمَۃُاللہِ تعالٰی علیہ کی وُسعَتِ نظری کا اندازہ آپ رَحْمَۃُاللہِ تعالٰی علیہ کے فتاوٰی کے مطالَعے سے ہی ہو سکتا ہے۔کیوں کہ آپ رَحْمَۃُاللہِ تعالٰی علیہ کے ہر فتوے میں دلائل کا سَمندر موج زَن ہے۔ ''

وفاتِ حسرت آیات:

آپ رَحْمَۃُاللہِ تعالٰی علیہ نے اپنی وفات سے **4ماہ22** دن پہلے خود اپنے وِصال کی خبر دے کر پارہ29 سورۃالدھر کی آیت15 سے سالِ انتِقال کا استخراج فرمادیا تھا۔اِس آیتِ شریفہ کے علم ابجد کے حساب سے 1340 عَدَد بنتے ہیں اور یہی ہجری سال کے اعتبار سے سنِ وفات ہے۔وہ آیتِ مبارَکہ یہ ہے:

وَ یُطَافُ عَلَیْهِمْ بِاٰنِیَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ وَّ اَكْوَابٍ كَانَتْ قَوَارِیْرَاۤ [3]

ترجمہ کنزالایمان: اوران پر چاندی کے برتنوں اور کُوزوں کا دَور ہوگا۔

امام احمد رضا خان رحمۃاللہ تعالی کی مطالعہ مذاہب میں خدمات:

مطالعات بین المذاہب میں امام احمد رضا خان علیہ الرحمہ کی کی خدمات وتعلیمات کو اجاگر کیا جائے گا

یہود و نصاری کے عقائد:

یہود و نصار کے عقائد کو بیان کرتے ہوئے سب سے پہلے نصاری نصرانی/عیسائی کے جھوٹے کا حکم کے بارے میں امام احمد رضا علیہ الرحمہ احادیث سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

---

[3] سورۃالدھر،15

نصرانی/عیسائی کے جھوٹے کا حکم:

نصرانی/عیسائی کے جھوٹے کا حکم دیتے ہوئے امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

رسول صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے نصرانی کے کھانے سے ممانعت فرمائی: سنن ابی داؤد و جامع ترمذی و مصنف ابو بکر بن ابی شیبہ و مسند امام احمد میں ہلب رضی اللہ تعالی عنہ سے ہے:

حکم:

1. حضرت ابی بکر فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا کہ بعام نصرانی سے نہی فرمائی اور ارشاد کیا زنہار تیرے سینے میں وہ کھانا جنبش نہ کرے جس میں نصرانیت کا اشتراک ہو۔

اقول:

انہی الفاظ سے اس کو امام سیوطی نے جامع کبیر میں ذکر کیا اور حسن کہا اوھ اور یہ مروی کی واضح تردید ہے انہوں نے حدیث کی تاویل کی کہ یہ صاف ستھرا ہے، یہ مجمع البحار میں اُن سے منقول ہے پھر انہوں نے اس کو اپنے اس قول سے رد کیا اور حدیث کا سیاق اس کے مناسب نہیں۔

میں کہتا ہوں اسی طرح وہ بھی بعید ہے جو ابو داؤد نے اس سے سمجھا ہے کیونکہ انہوں نے اس کو باب کراہیۃ التقدر الطعام میں وارد کیا ہے، اور انہوں نے ایسا اس لئے کیا ہے صلی کیونکہ ان کی روایت کے لفظ یہ ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کو سنا، اور آپ سے ایک شخص نے فی سوال کیا تو آپ نے فرمایا ان کھانوں میں سے ایک کھانا ایسا ہے جس سے میں حرج محسوس کرتا ہوں، تو آپ نے فرمایا تمہارے دل میں کوئی ایسی چیز خلش پیدا نہ کرے جو نصرانیت کے ساتھ ملی ہے اھ اب ان الفاظ میں احتمال ہے اور جو ہم نے ذکر کیا ہے وہ صریح نص ہے، اور اللہ ابو حاتم الرازی پر رحم فرمائے وہ فرمایا کرتے تھے کہ ہم اُس وقت تک حدیث کو نہیں پہچانتے تھے جب تک کہ اس کو ساٹھ طریقوں سے نہ لکھ لیں۔

میں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم اہم دشمن کے ملک میں جہاد کو جاتے ہیں اُن کے برتنوں کی حاجت پڑتی ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا جہاں تک بن پڑے ان برتنوں سے دور رہو اور اگر اور برتن نہ ملے تو انہیں دھو کر پاک کر لو اس کے بعد ان میں کھاؤ پیو۔

میں کہتا ہوں احمد، بخاری، مسلم، ابو داؤد، ترمذی اور دوسروں نے بھی اس کو روایت کیا ہے اور ترمذی کا لفظ فاغسلوھا کی جگہ انقوھا غسلا ہے۔

اللہ عزوجل فرماتاہے:

إِنَّمَا المُشْرِكُون نجس "[4]

کافر ناپاک ہیں۔ یہ ناپاکی ان کے باطن کی ہے پھر اگر شراب وغیرہ نجاستوں کا اثر ان کے منہ میں باقی ہو تو ناپاکی ظاہری بھی موجود ہے اور اس وقت ان کا جھوٹا ایسا ہی ناپاک ہے جیسا کتے کا، بلکہ اُس سے بھی بدتر لخلاف مالک فی الکتاب (کیونکہ کتے کے بارے میں امام مالک کا اختلاف ہے۔ اور خطے وغیرہ جس چیز کو اُن کا لعاب لگ جائے گا ضرور ناپاک ہو جائے گی۔ تنویر الابصار میں ہے:

شرابی کا شراب پینے کے بعد فوری جھوٹا اور بلی کا چوہا کھانے کے بعد فوری جھوٹا نجس ہے۔ بشود و نصاری و غیر ہم اکثر شراب خور ہوتے ہیں اور مونچھیں بڑھانا ان کا شعار اور شراب

2. خور کی مونچھیں بڑی بڑی ہوں کہ شراب مونچھ کو لگ گئی تو جب تک مونچھ ڈھل نہ جائے پانی وغیرہ جس چیز کو لگے گی ناپاک کر دے گی۔ در مختار میں ہے:

اگر شراب خور کی مونچھیں لمبی ہوں کہ زبان ان تک نہ پہنچ سکے تو اس کا جھوٹا نجس ہے اگرچہ وہ طویل وقت کے بعد پانی پیئے اور اگر نظاہری نجاستوں سے بالکل جدا ہو جس کی امید کافروں میں بہت کم ہے تو اس کے جوٹھے کو اگرچہ سنتے کے جوٹھے کی طرح صریح ناپاک نہ کیا جائے۔ تنویر اور در میں ہے آدمی کا جھوٹا چاہے وہ جنبی ہو یا کافر ہو پاک کیونکہ منہ پاک ہے۔

اقول:

مگر ہر چیز کہ ناپاک نہ ہو طیب و بے وفد نہ ہو ناضرور نہیں رینٹے بھی تو ناپاک نہیں پھر کون عاقل سے اپنے لب و زبان سے لگانا گوارا کرے کا کافر کے جوٹھے سے بھی محمد اللہ تعالی مسلمانوں کو ایسی ہی نفرت ہے اور یہ نفرت ان کے ایمان سے ناشئ ہے

اور اس کو ان کے دلوں سے اٹھانے میں کافروں کی برائی کو ان کی نگاہوں میں ختم کرتا ہے یا کم کرتا ہے، اور یہ مسلمانوں کو دھوکا دینا ہے

اور علماء نے تصریح کی ہے جیسا کہ عقود الدریہ وغیرہا میں ہے کہ مفتی کو وہی فتوی دینا چاہئے جس میں اس کے نزدیک مصلحیہ ہو اور مسلمانوں کو مصلحہ اس میں ہے کہ ان کے والوں میں کافروں سے نفرت باقی رہے نہ یہ کہ نفرت ختم ہو جائے۔ جو شخص دانستہ اُس کا جھوٹا کھائے پیے مسلمان اس سے بھی نفرت کرتے ہیں وہ مطعون ہوتا ہے اس پر محبت کفار کا گمان جاتا ہے اور حدیث (1) میں ہے:

جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو تہمت کی جگہ کھڑا نہ ہو۔

---

[4] سورۃ التوبہ، 28

متعدد(4)حدیثوں میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اس بات سے بیچ جو کان کو بُری لگے اس کو امام احمد نے ابوالعادیہ سے روایت کیااور طبرانی نے کبیر میں اور ابن سعد نے طبقات میں اور عسکری نے امثال میں اور ابن مندہ نے معرفہ میں اور خطیب نے مؤتلف میں ان سب نے ام عادیہ، عاص بن عمرو تفاوی کی پھوپھی سے روایت کی، اور عبداللہ بن احمد نے زوائد مسند میں، اور ابو نعیم اور ابن مندہ نے دونوں معرفہ میں عاص مذکور سے مرسلاً روایت کی، اور ابو نعیم نے معرفہ میں حبیب بن حارث سے روایت کی۔

نیز بہت حدیثوں میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اياک وكل امر يعتذر منه'۔

ہر اس بات سے ہی جس میں عذر کرنا پڑے۔

اس کو بھی مختارہ اور دیامی میں دونوں نے بسند حسن روایت کیاانس سے اور طبرانی نے اوسط میں جابر سے اور ابن منیع نے اور عسکری نے امثال میں اور قضاعی اپنی مسند میں ابن منبع کی سند سے ایک ساتھ اور بغوی نے اور اس کی سند سے طبرانی نے اپنی اوسط میں اور مخلص چھٹے فائدہ میں، اور ابو محمد ابراہیمی نے کتاب الصلوۃ میں اور ابن نجار نے اپنی تاریخ میں، سب نے ابن عمر سے، اور حاکم نے اپنی صحیح میں اور بہاتی نے الزہد میں اور عسکری نے امثال میں اور ابو نعیم نے المعرفۃ میں سعد بن ابی وقاص سے اور احمد وابن ماجہ اور ابن عساکر نے ابوایوب الانصاری سے، ان تمام حضرات نے اس کو حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی طرف رفع کیا ہے، اور بخاری نے اپنی تاریخ میں اور طبرانی نے کبیر میں اور ابن مندہ نے سعد بن عمارہ سے، انہی کا قول نقل کیا، اللہ ان سب سے راضی ہو۔

فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم:

بشارت دو اور وہ کام نہ کرو جس سے لوگوں کو نفرت پیدا ہو۔ اسے احمد، بخاری، مسلم اور نسائی نے انس رضی اللہ تعالی، سے روایت کیا۔ پھر اس میں بلاوجہ شرعی فتح باب غیبت ہے اور غیبت حرام فمادی الیہ فلا اقل ان یکون مکروھا (تو جو اس تک پہنچائے وہ کم از کم مگروہ ضرور ہو گا۔) تو دلائل شرعیہ واحادیث صحیحہ سے ثابت ہوا کہ کافر کے جوٹھے سے احتراز ضرور ہے اور اسباب میں یہاں نصاری کا حکم بہ نسبت ہنود کے بھی

سخت تر ہے کہ وجود کثیرہ مذکورہ میں دونوں شریک اور نصاری میں یہ امر زائد کہ یہاں ان کی سلطنت ہونے کے باعث مذہبی نفرت کی کمی میں تبدیل دین یا کم از کم ضعف ایمان کا وہ اندیشہ بہ نسبت ہنود کہیں زیادہ ہے[5]۔

عیسائی کی چھوئی ہوئی چیز کا حکم:

عیسائی کی چھوئی ہوئی چیز کا حکم دیتے ہوئے امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

نصاری کے مذہب میں خون حیض کے سوا شراب پیشاب پاخانہ غرض کوئی بلا اصلا ناپاک نہیں وہ ان چیزوں سے بچنے پر بنتے اور اپنی ساختہ تہذیب کے خلاف سمجھتے ہیں تو ان کا ظاہر حال نجاست سے متلوث ہی رہتا ہے۔

امام ابن الحاج مکی مدخل میں فرماتے ہیں:

صاحب اختیار کا فرض ہے کہ وہ ان اہل کتاب کو بازاروں سے اٹھادے جو اس کام میں مشغول ہیں (یعنی دوائیوں پر مبنی مشروبات جیسے عناب اور بنفشہ وغیرہ کا شربت بیچتے ہیں) کیونکہ عیسائی اپنے پیشاب کو پاک سمجھتے ہیں اور وہ خون حیض کے علاوہ کسی نجاست کو چھوڑنے کا عقیدہ نہیں رکھتے۔ لہذا عیسائیوں سے حاصل کردہ مشروب غالب گمان کے مطابق ناپاک ہوتا ہے۔ استفسارات رد نصاری کے سترھویں استفسار میں ہے مسلمان لوگ بول و براز اور خون سے آلودہ رہنے کو عقلا بھی نامستحسن جانتے ہیں اور عیسائی لوگ اس بات پر انہیں ہنسا کرتے ہیں تو ان کی چھوٹی ہوئی تر چیزوں کا استعمال شر کا مطالقا مگر وہ ناپسند جیسے بھیگے ہوئے پان اگرچہ مسلمان ہی کے پانی سے بھیگے ہوں کما حققنا ذلک في کتابنا الاحلی من السکر لطلبۃ سکر روسر (جیسا کہ ہم نے اسے اپنی کتاب "الاحلی من السکر لطلبۃ سکر روسر" میں تحقیق سے بیان کیا ہے۔ت) اور اس کے سوا یہاں ایک دقیقہ انیقہ اور ہے جو اس کراہت کو تر و خشک دونوں کو شامل اور اشد و کامل کرتا ہے شرع مطہر میں جس طرح گناہ سے بچنا فرض ہے یونہی مواضع تہمت سے احتراز ضرور ہے اور بلاوجہ شرعی اپنے اوپر دروازہ طعن کھولنا ناجائز اور مسلمانوں کو اپنی غیبت و بدگوئی میں مبتلا کرنے کے اسباب کا ارتکاب ممنوع اور انہیں اپنے سے نفرت دلانا قبیح و شنیع احادیث و اقوال ائمہ دین سے اس پر صدہا دلائل ہیں و قد ذکرنا بعضھا في کتاب الحظر من فتاونا وفي غیرہ من تصانیفنا منھا الحدیث الصحیح بشروا ولا تنفروا (ہم اپنے فتاوی کی کتاب الحظر" اور دوسری تصانیف میں اس کا کچھ حصہ ذکر کیا ہے اس سے ایک صحیح حدیث یہ ہے:

(خوشخبری دو متنفر نہ کرو)

---

[5] احمد رضا، اعلی حضرت امام، فتاوی رضویہ، لاہور: رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ، 2009ء، 2/ 319-314

امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے:

(جس بات سے عذر پیش کرنا پڑے اس سے بچو۔ت) وحدیث ایاک ومایسوء الاذن (جو بات کان کو اچھی نہ لگے اس سے بچو۔ت) وحدیث من کان یؤمن باللہ والیوم الآخر فلایقفن مواقف التھم الی غیر ذلک من النصوص (جو شخص اللہ تعالی اور روزِ قیامت پر ایمان رکھتا ہے وہ تہمتوں کی جگہ پر کھڑا نہ ہو اس کے علاوہ دیگر نصوص ہیں، ت) تو اپنا کھتا چونہ دینا اپنے پانی سے پان بھگونا ساری احتیاط کرنا مگر پان عیسائی کے ہاتھ کا ہونا اس میں سوا اس کے کیا نفع ہے کہ مسلمان نفرت کھائیں بدنام کریں مستلم جانیں غیبت میں پڑیں اسی طرح جب اُس کے یہاں کی شیرینی ان مفاسد کا دروازہ کھولتی ہو تو اس سے بھی احتراز شرعاً درکار واللہ تعالی اعلم[6]۔

یہود و نصاریٰ کی تابعداری کرنے والے کی امامت کا حکم:

نصاریٰ کی تابعداری کرنے والے کے بارے میں امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ:

1. "تابعداری یہود و نصاری کی ہو یا ہنود کی یا مسلم کی، حلال میں حلال ہے، حرام میں حرام ہے، کفر میں کفریہ جو کفر میں کسی کی تابعداری کرے وہ کافر ہے اور اس کے پیچھے نماز باطل، اور جو حرام میں اتباع کرتا ہو فاسق ہے اور اس کے پیچھے سائل نے تابعداری کا گول اور مجمل لفظ لکھا تابعداری نصاری کی ہو یا ہنود کی یا مسلم کی، حلال میں حلال ہے، حرام میں حرام ہے، کفر نماز مکروہ، اور جو حلال میں اطاعت کرے اس پر الزام نہیں، نہ اس وجہ سے اس کی امامت میں حرج۔ واللہ تعالیٰ اعلم"
2. "جو امامت کے لائق ہے اس کے پیچھے سب کی نماز ہو سکتی ہے اس صورت میں خاصہ کو یہاں دخل نہیں کہ آدمی ایک خاص قسم کے لوگوں کی امامت کر سکتا ہو دوسرے لوگوں کی اس کے پیچھے نماز جائز نہ ہو جیسے معذور کہ اپنے مثل معذور کی امامت کر سکتا اوروں کی نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم مجمل سوال ہے بارہا مسئلہ حق بیان کرنے سے جاہلوں میں اختلاف پڑتا ہے اور احمق یا بددین لوگ اسے نفاق ڈالنا کہتے ہیں یہ وجہ التزام نہیں ہو سکتا، سائل مفصل لکھے کہ کیا کہتا اور کیا نفاق ڈالتا ہے واللہ تعالیٰ اعلم"
3. "اگر توبہ کر چکا اور اس سے نفرت قلوب میں نہ رہی اور کوئی وجہ مانع امامت نہ ہو تو اس کی امامت میں حرج نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم) غیر مقلد کی امامت باطل ہے اور اس کے پیچھے نماز محض ناجائز، اور جب اس کا غیر مقلد ہونا ثابت و تحقیق ہے تو اس کا براہ تقیہ اپنے آپ کو حنفی کہنا کچھ مفید نہیں۔"

اللہ تعالی نے فرمایا:

---

[6] احمد رضا، اعلی حضرت امام، فتاوی رضویہ، 4/ 553

"جب منافق تمھارے حضور حاضر ہوتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں بے شک حضور ضرور اللہ کے رسول ہیں، اور اللہ جانتا ہے کہ بے شک تم اس کے رسول ہو اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ بے شک منافق ضرور جھوٹے ہیں۔"

استغفار کا حقدار ہر مسلمان ہے:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"اور اے محبوب اپنے خاصوں اور عام مسلمان مردوں اور عورتوں کے گناہوں کی معافی مانگو۔"

امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

"اگر انھوں نے بے جا الزام لگایا ہے سخت گنہگار حق العبد میں گرفتار، نفاق ڈالنے کا جواب نمبر میں ہو چکا مجمل باتوں پر قطعی حکم دے کر فتوی کو کسی غرض نفسانی کا مزید نہیں کر سکتے و من لم یعرف اھل زمانہ فھو جاحل (جو اپنے زمانے کے احوال سے واقف نہیں وہ جاہل ہے۔) واللہ تعالیٰ اعلم"[7]

نصرانیہ/عیسائیہ سے نکاح:

امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

"عورت مجوسیہ سے مسلمان نکاح نہیں کر سکتا، اگر کرے گا باطل، یوں ہی نصرانیہ سے ایک قول پر اور دوسرے قول پر نصرانیہ سے نکاح اگرچہ ہو جائے گا مگر ممنوع و گناہ ہے، پہلے قول پر اس سے بچنا فرض ہے اور دوسرے قول پر واجب۔ واللہ تعالیٰ اعلم"

از خیر آباد ڈاکخانہ خاص محلہ شیخ سرائے ضلع سیتاپور مرسلہ امتیاز علی صاحب 9 شوال 1337ھ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید وہندہ دونوں مسلمان حنفی المذہب زن و شوہر میں ہندہ سیدہ ہے مگر جاہل بیوقوف تند مزاج ہے اور زید شیخ کچھ لکھا پڑھا اور سخت مزاج غصہ ور ہے اور ہر دو معزز اور ایسے خاندان کے ہیں جو اپنے مذہب کے پابند و مطیع اور مسائل شریعت سے واقف ہیں جس میں ایک دوسرے کے حقوق کے بھی مسائل شامل ہیں، زید چاہتا ہے کہ ہندو پرورش اطفال و خدمت خود و خاطر مدارات اعزا و احباب و امور خانہ داری و مھمان نوازی تابہ مقدور کرے، اگر کوئی کام زید کی مرضی کے خلاف ہوتا ہے تو زید ہندہ سے سختی سے پیش آتا ہے اور اکثر سخت مگر مہذب الفاظ کہتا ہے ایسے کاموں میں وسط رمضان المبارک میں زید ہندہ سے خفا ہوا اور ہندہ سے کہا کہ میں نے تم کو بارہا نصیحت کی اور پھر اپنے اور تمہارے گھر والوں میں فضیحت کی مگر کچھ سود مند نہ ہوا اب صرف اذیت کا درجہ باقی ہے جس کو اگر میں چاہوں تو مجھ کو پہنچانے کا حق ہے اور یہ شرعی احکام ہیں مگر میں بوجہ شرافت اس کو پسند نہیں کرتا ہوں اگر تم کو یہ پسند نہیں ہے اور نباہ ہونا مشکل ہے تو مجھ سے کہہ دو کہ میں تم کو آزاد کر دوں یعنی طلاق دے

---

[7] احمد رضا، اعلی حضرت امام، فتاوی رضویہ، 6 /587

دوں کیونکہ شریعت کی یہ تعلیم ہے بعد کو تم اپنا کر لینا جیسا تم کو اچھا معلوم ہو میں اپنا کر لوں گا اس میں کوئی عیب نہیں ہے۔اس پر ہندہ نے غصہ میں آکر کہا کہ چولہے میں جائے ایسی شریعت یا مغربی پڑے ایسی شریعت پر زید کو فقرہ اوّل یاد ہے کہ ہندہ نے کہا تھا، ہندہ اس سے انکار کرتی ہے اور کہتی ہے کہ میں نے فقرہ نمبر 2 کہا تھا۔

اور کہتی ہے کہ مجھ سے غصہ میں روز مرہ کی بول چال کے مطابق یہ الفاظ نکل گئے اس سے میری غرض نیت اسلام سے خارج ہونے کی نہ تھی نہ تحقیر شریعت، لہذا مفصلہ ذیل امور کا جواب برائے خدا اور سول بحوالہ کتب جلد مرحمت فرمائے:

(1) کیا فقرہ مندکورہ بالا سے ہندہ مرتد ہو گئی اور اسلام سے خارج ہوئی؟

(2) اگر مرتد ہو گئی تو کیا نکاح فسخ ہو گیا اور ہندہ درجہ طلاق میں گئی؟

(3) کیا اب زید بلا طلاق دئے ہوئے ہندہ سے تعلق ترک کر سکتا ہے اور کوئی مواخذہ اس سے نہ ہو گا؟

(4) کیا بحالت مرتد ہونے کے اور نکاح فسخ ہونے پر مہر سابقہ کلیہ یا اس کا کوئی بجز اس پر جواب الادا ہے یا بالکل سوخت؟

(5) کیا ایسی صورت میں ہندہ بعد تجدید ایمان بلا اجازت زید دوسرا نکاح کر سکتی ہے؟

(6) کیا ہندہ کا نفقہ ایسی صورت میں زید پر واجب الادا ہے؟

(7) اگر ہندہ نے تجدید ایمان کر لیا تو کیا زید و ہندہ باہد گر تجدید نکاح پر شرعا مجبور ہیں اور اگر نہ کریں تو کوئی مواخذہ تو نہ ہو گا؟

(8) صورت حال میں اگر زید تجدید نکاح پر تیار ہو تو مہر سابقہ تعداد پر معین ہو گا یا اب تعداد جدید فریقین کی رضامندی پر معین ہو گی؟

(9) صورت حال میں کیا ہندہ زید کی مرضی کے موافق کم مہر پر مجبور کی جائے گی اور تعداد مہر کم سے کم کیا ہو سکتی ہے؟

ہندہ نے پہلا فقرہ کہا ہو خواہ دوسرا، ہر طرح اس کا ایمان جاتا رہا کہ اس نے شرع مطہر کی توہین کی مگر ہندہ نکاح سے نہ نکلی، نہ ہر گز اسے روا ہے کہ بعد اسلام کسی دوسرے سے نکاح کر لے لان الفتوی علی روایۃ النوادر لاجل فساد الزمان کما بیناۃ فی فتاونا (کیونکہ فساد زمانہ کی وجہ سے فتوی نوادر کی روایت پر ہے جیسا کہ ہم نے اس کو اپنے فتاوی میں بیان کیا ہے۔ت) ہاں بعد اسلام زید سے تجدید نکاح پر مجبور کی جائے گی احتیاطا لاصل المذاہب (احتیاط کے طور پر واسطے اصل مذہب کے۔تازیدا گر اس سے ترک تعلق چاہے تو طلاق دے، ہندہ کا نفقہ زید پر نہیں جب تک اسلام نہ لائے کہ وہ اپنے فعل سے زید پر حرام ہو گئی ہے ولا نفقۃ لمرتدۃ (مرتد و کے لئے کوئی نفقہ نہیں۔ت) مگر مرتدہ ہونے سے مہر مدخولہ ساقط نہیں ہوتا تمام و کمال بدستور زید پر واجب ہے، تجدید نکاح میں مہر جدید رضائے فریقین معنین ہونا یا پہلی تعداد کا لحاظ کچھ ضرور نہیں بلکہ ہندو سب سے کم مہر پر مجبور کی جاسکتی ہے جس طرح نکاح پر مجبور کی جائے گی۔

در مختار میں ہے:

اسلام پر مجبور کی جائے گی اور بطور زجر کمترین مہر مثلاایک دینار کے بدلے تجدید نکاح پر مجبور کی جائے گی اور اسی پر فتوی ہے یہ قاضی کو اختیار ہے کہ وہ اس عورت سے کمترین مہر کے عوض تجدید نکاح کرائے اگرچہ ایک دینار ہو چاہے وہ عورت املا اس پر راضی ہو یا نہ ہو۔ مہر کی اقل مقدار دس درم ہے کہ یہاں کے دو روپے تیرہ آنے سے کچھ کم ہے یعنی 5/9-3/12 پائی۔ واللہ تعالی اعلم۔[8]

یہود و نصاری کا ذبیحہ:

اس سے متعلق امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "فتح القدیر میں ہے کتابیات سے نکاح جائز ہے، اور اولی یہ ہے کہ نہ کیا جائے اور نہ ہی ان کا ذبیحہ بغیر ضرورت کھایا جائے الخاورا گر انہیں علماء کا مذہب حق ہوا اور یہ لوگ بوجہ اعتقادوں کے عبد اللہ مشرک ٹھہرے تو پھر زنائے محض ہو گا اور ذبیحہ حرام مطلق والعیاذ باللہ تعالی، تو عاقل کا کام نہیں کہ ایسا فعل اختیار کرے جس کی ایک جانب نامحمود ہو اور دوسری جانب حرام قطعی، فقیر غفر اللہ تعالی لہ ایسا ہی گمان کرتا تھا یہاں تک کہ توفیق الہی مجمع الانسبر میں اس مضمون کی تصریح دیکھی، جہاں انہوں نے فرمایا کہ اس بناء پر ہمارے ملک کے حکام پر لازم ہے کہ وہ لوگوں کو نصاری کے ذبیحہ سے منع کریں کیونکہ ہمارے زمانہ کے نصاری عیسی علیہ السلام کے ابن اللہ ہونے کی تصریح کرتے ہیں، جبکہ ضرورت بھی متحقق نہیں ہے تو احتیاط واجب ہے کیونکہ ان کے ذبیحہ میں علماء کا اختلاف ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے تو حرمت والی جانب اپنانا بہتر ہے جبکہ ضرورت نہیں ہے۔ واللہ سبحنہ و تعالی اعلم"

کتابیہ عورت سے نکاح صحیح ہے اگرچہ مکروہ تنزیہی ہے الھابشرطیکہ وہ عورت کسی مرسل نبی پر ایمان رکھتی ہو اور کسی منزل من اللہ کتاب کا اقرار کرتی ہو اگرچہ عمومی طور پر وہ نصاری عیسی علیہ السلام کو الہ مانتے ہوں یونہی ان کا ذبیحہ بھی مذہب میں حلال ہے، بحر، اھ۔

ردالمحتار میں بحر الرائق سے منقول ہے:

"حاصل یہ ہے کہ مذہب میں اطلاق ہے کیونکہ شمس الائمہ سرعسی نے مبسوط میں یہ ذکر کیا ہے کہ نصرانی کا ذبیحہ مطلقا حلال ہے وہ عیسی علیہ السلام کے متعلق ثالث حملہ کا قول کریں یا نہ کریں کیونکہ کتاب اللہ کا یہاں اطلاق ہے اور یہی دلیل ہے، اس کو فتح القدیر میں ترجیح دی ہے۔"

مستصفی میں عبارت مذکورہ کے بعد مبسوط سے ہے:

لیکن دلائل کو دیکھتے ہوئے یہی مناسب قول ہے کہ ان کا ذبیحہ کھانا اور ان کی عورتوں سے نکاح جائز ہے انتھی۔

---

[8] احمد رضا، اعلی حضرت امام، فتاوی رضویہ، 12 /262

فتاوی حامدیہ میں ہے:

دلائل کا مقتضی یہی ہے کہ جائز ہے جیسا کہ اسے تمرتاشی نے اپنے فتاوی میں ذکر کیا ہے الخ

اور ایک حدیث میں آیا:

"سود کا ایک درم دانستہ کھانا ایسا ہے جیسا چھتیس بار اپنی ماں سے زنا کرنا۔"

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم[9]

فی زمانہ نصاری کا حکم مع تفصیل:

نصاری باعتبار حقیقت لغویہ انجاسہ قیام مبدہ مستلزم صدق مشتق ہے بلاشبہ مشرکین ہیں کہ وہ بالقطع قائل بہ تثلیث وبنوت ہیں اسی طرح وہ یہود جو الوہیت وابنیت عزیر علیہ الصلوۃ والسلام کے قائل تھے، مگر کلام اس میں ہے کہ حق تبارک وتعالی نے کتب آسمانی کا اجلال فرما کر یہود و نصاری کے احکام کو احکام مشرکین سے جدا کیا اور ان کا نام اہل کتاب رکھا اور ان کے نساء وذبائح کو حلال ومباح نظیر آیا نصاری زمانہ بھی کہ الوہیت عبداللہ مسیح بن مریم علیہما الصلوۃ والسلام کی علی الاعلان تصریح اور وہ می بود جو مثل بعض طوائف ماضیہ الوہیت بندہ خدا عزیز علیہ الصلواۃ والسلام کے قائل ہوں انہیں میں داخل اور اس تفرقہ کے مستحق ہیں یا ان پر شرکا یہ ہی احکام مشرکین جاری ہوں گے اور ان کی نساء سے تنزوج اور ذبائح کا تقاول ناروا ہوگا۔ کلمات علماء کرام رحمۃ اللہ تعالی علیہم اجمعین اس بارے میں مختلف بہت مشائخ نے قول اخیر کی طرف میل فرمایا، بعض علماء نے تصریح کی کہ اس پر فتوی ہے، مستصفی میں ہے؟

علماء نے نے فرمایا کہ ان کا ذبیحہ تب حلال ہوگا کہ وہ عیسی علیہ السلام کو الہ نہ مانتے ہوں، لیکن اگر وہ ان کو الہ مانتے ہوں تو پھر حلال نہ ہوگا اور شیخ الاسلام کی مبسوط میں ہے کہ مسلمانوں پر لازم ہے کہ اہل کتاب کا ذبیحہ اس صورت میں نہ کھائیں جب وہ مسیح علیہ السلام اور عزیر علیہ السلام کو الہ مانتے ہوں اور اندریں صورت ان کی عورتوں سے نکاح بھی نہ کریں، اسی پر فتوی کہا گیا ہے۔

ان علماء کا استدلال آیہ کریمہ " وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزيز ابن اللهِ وَقَالَتِ النَّصْرَى المَسِيحُ ابن الله "یہود نے کہا عزیز ابن اللہ اور نصاری نے کہا مسیح ابن اللہ۔ت) سے ہے کہ اس کے آخر میں ارشاد پایا سبحانہ وتعالی "سُبْحٰنَهُوَ تَعَالٰى عَمَّا يُشْرِكُونَ "وہ پاک ذات ہے اور جو انہوں نے اس کا شریک بنایا اللہ تعالی اس سے بلند وبالا ہے۔ ردالمحتار میں ہے:

---

[9] احمد رضا، اعلی حضرت امام، فتاوی رضویہ، 14 /122

معراج میں ہے کہ نصاری کے مذکورہ شرائط عام روایات کے مخالف ہیں[10]۔

یہود و نصاری کے کپڑے:

اس سے متعلق امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بلاضرورت زنار باندھنا یا ہیٹ یعنی انگریزی ٹوپی رکھنا بلاشبہ کفر ہے، حدیقہ ندیہ میں فرمایا:لبس زی الافرنج علی الصحیح : المحصا)فرنگیوں کا ہیٹ پہننا صحیح قول کے مطابق کفر ہے۔رہے کوٹ پتلون دوا گر موافقت نصاری اور ان کی وضع کے استحسان کے لئے ہے تو اسے بھی فقہاء کرام نے مطلقا کفر فرمایا۔

غمز العیون میں ہے:

"کافروں کے کسی فعل کو اچھا سمجھا باتفاق مشائخ کافر ہو گیا۔"

اور اگر ایسا نہیں تو فسق ضرور ہے جبکہ بلاضرورت شرعیہ ہوں، اور اسے اختیار نہیں کرتا مگر وہ جس کے دل میں کجی ہے جب حب فی اللہ اور بغض اللہ کہ مناط ایمان میں قلب میں مستحکم ہو جاتے ہیں تو اولیاء اللہ کی ہر ادا کجی معلوم ہوتی ہے اور اعداء اللہ کی مر (۲) کسی بات کی طرف نظر کرنے کی حاجت نہیں بعد اس کے کہ مولی علی کرم اللہ وجہہ کو خدا کے یقینا کافر مرتد ہے، بات بری، نسال اللہ الھدایۃ (ہم اللہ تعالی سے ہدایت مانگتے ہیں۔ جس نے اس کے کفر و عذاب میں شک کیا وہ کافر ہو گیا۔ جو اس کے قول پر مطلع ہو کر اس کے کفر میں شک کرے خود کافر ہے، مسلمانوں کو اس کے پاس بیٹھنا، اس سے میل جول سلام کلام سب قطعا حرام۔

اللہ تعالی نے فرمایا اور جو کہیں تجھے شیطان بھلادے تو یاد آئے پر ظالموں کے پاس نہ بیٹھ اللہ تعالی نے فرمایا: اور ظالموں کی طرف نہ جھکو کہ تمہیں آگ چھوئے گی۔(ت) اللہ تعالی نے فرمایا: تم میں جو کوئی ان سے دوستی رکھے گا تو وہ انہیں میں سے ہے[11]۔

نصاری اور یہود پر مسلمان ہونا لازمی:

اے محبوب! تم فرمادو کہ اے لوگو! میں تمام آدمیوں کی طرف اللہ کا رسول ہوں وہ کہ زمین و آسمان میں اس کی بادشاہی ہے اس کے سوا کوئی سچا معبود نہیں وہی جلائے اور مارے، تو ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول نبی امی پر کہ اللہ اور اس کے کلاموں پر ایمان لاتا ہے اور اس کی پیروی

---

[10] احمد رضا، اعلی حضرت امام، فتاوی رضویہ، 14 /117-115

[11] احمد رضا، اعلی حضرت امام، فتاوی رضویہ، 14 /276

کرو کہ تمھیں ہدایت ہو، معلوم ہوا کہ ہدایت تو نبی امی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے ماننے پر موقوف ہے جو ان کو نہ مانے اسے ہدایت نہیں، اور جب ہدایت نہیں ایمان کہاں تو

" مَنْ آمَنَ بِاللهِ الْيَوْمِ الأخير "

(جو کوئی سچے دل سے اللہ اور قیامت پر ایمان لائے) میں کیونکر آسکتا ہے۔

آیت:

"بے شک جو انکار کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسولوں کا اور چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں میں جدائی ڈال دیں، اور کہتے ہیں کہ ہم کسی پر ایمان لائیں گے اور کسی کے منکر ہوں گے، اور چاہتے ہیں کہ سب پر ایمان اور سب سے کفر کے بیچ میں کوئی راستہ نکالیں وہی پورے کے کافر ہیں، اور ہم نے کافروں کے لئے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے اور وہ جو اللہ اور اس کے سب رسولوں پر ایمان لائے اور ان میں کسی کے انکار اور باقی پر ایمان سے ان میں جدائی نہ ڈالی عنقریب اللہ ان کو ان کے ثواب دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔"

اس آیہ کریمہ نے صاف فرمادیا کہ اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان میں جدائی ڈالنے والا پکا کافر ہے، اور یہ کہ جو ان سب کو مانے اور ایک ہی کا منکر ہو وہ اللہ اور سب رسولوں کا منکر اور ویسا ہی پکا کھلا کافر ہے، یہ نہیں کہ جو سب کو مانیں وہ مسلمان اور جو سب سے منکر وہ کافر، اور یہ جو بعض کو مانتے ہیں اور بعض کے منکر ہیں کچھ اور ہوں، نہیں نہیں یہ بھی کل کے منکر کی طرح پورے کافر ہیں بیچ میں کوئی راہ نکل ہی نہیں سکتی۔

"بے شک اللہ کے نزدیک دین یہی اسلام ہے یہود و نصاری نے دانستہ براہ سرکشی اس کا خلاف کیا اور جو اللہ کی آیتوں سے کافر ہوا بے غم نہ ہو اللہ جلد حساب لینے والا ہے، اگر وہ تم سے جھگڑیں تو فرمادو کہ میں اور میرے پیرو تو سب اللہ کے لئے اسلام لائے اور یہود و نصاری و مشرکین سب سے کہو کیا تم مسلمان ہوتے ہو، اگر اسلام لائیں تو راہ پاجائیں اور منہ پھیر دیں تو تم پر صرف پہنچا دینا ہے اور اللہ بندوں کو دیکھ رہا ہے۔ جو اسلام کے سوا کوئی اور دین چاہے وہ ہر گز قبول نہ فرمایا جائے گا، اور اسے آخرت میں خسارہ رہے گا۔"

یہود و نصاری محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایسا پہچانتے تھے جیسا اپنے بیٹوں کو پہنچانتے ہیں اور ان میں ایک گروہ دانستہ حق کو چھپاتا ہے۔

وہ جنھوں نے اپنی جان خسارہ میں ڈالی وہ ان پہچانے ہوئے نبی پر ایمان نہیں لاتے۔ اس سے پہلے اس نبی کے وسیلہ سے کافروں پر فتح مانگتے تھے جب وہ جانا پہچانا تشریف لایا اس سے منکر ہو بیٹھے تو اللہ کی لعنت کافروں پر[12]۔

---

[12] احمد رضا، اعلی حضرت امام، فتاوی رضویہ، 14 /704

نصاریٰ اور یہود پر لعنت کی وجہ:

مسلم اپنی صحیح اور عبدالرزاق مصنف اور داری سخن میں ام المومنین و عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے راوی: نزع روح اقدس کے وقت رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم چادر روئے اقدس پر ڈال لیتے جب ناگوار ہوئی منہ کھول دیتے۔ اسی حالت میں فرمایا: یہود و نصاری پر اللہ کی لعنت انھوں نے اپنے انبیاء کی قبریں مساجد کر لیں، ڈراتے تھے کہ ہمارے مزار پر انوار کے ساتھ ایسا نہ ہو۔

بزار مسند میں امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ سے راوی:

رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے وفات انور کے مرض میں مجھ سے فرمایا: لوگوں کو ہمارے حضور حاضر ہونے دو۔ میں نے اذن دیا۔ جب لوگ حاضر ہوئے تو حضور نے فرمایا: اللہ کی لعنت ہو ہر اس قوم پر جس نے اپنے انبیاء کی قبریں جائے سجدہ ٹھہرائیں، پھر حضور پر غشی طاری ہو گئی جب افاقہ ہوا فرمایا: اے علی الوگوں کو اذن دو۔ میں نے فرمایا: اللہ کی لعنت ہوتی ہے اس قوم پر جس نے اپنے انبیاء کی قبریں جائے سجدہ کر لیں۔ تین بار ایسا ہوا۔

یہود و نصاریٰ سے موالات کا حکم:

یہود و نصاریٰ سے موالات کا حکم دیتے ہوئے امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

1. ترک اور تو نے کیا جانا کیا ترک صد با سائل سے حامیان دین متین اور حافظان بیضہ دین خادمان حرمین محترمین اور مالاکان قلب و عین ان کے اخیار نہ خلفاء کہ جیسوں خلفاء کہلانے والوں سے افضل و اعلیٰ خیر خواہی و نصیحت اور بقدر قدرت اعانت کی فرضیت لفظ خلافت پر موقوف جانتا جہات اور اس کے لئے محض بلا وجہ احادیث متواترہ و اجتماع صحابہ و اجماع تابعین و اجماع ائمہ دین و عقید با جملہ اھلسنت و جماعت کا رد کرنا اور خارجیوں معتزلیوں کا دامن پکڑنا ضلالت۔
2. جو جس قدر پر قادر ہو شرع اسی قدر کا اسے حکم فرماتی ہے اس سے آگے بڑھانا شرع پر زیادت اور اللہ پر افترا اور مسلمانوں کی بد خواہی ہے۔
3. لفظ خلیفہ سائل نے حماقہ بڑھایا کیا سلطنت اسلام کی بد خواہی میں حرج نہیں رسیدیں دیں مدد میں دیں چندے دئے، طبّی وفد کا سامان کہ جنگ بلقان میں مسلمانوں نے ترک کے لئے خریدا تھا گورنمنٹ کو دے دے جو بمقابلہ ترک استعمال میں آیا۔

4. مسلمان بادشاہ کی فوج میں بھی نوکر ہو کر خواہ بے نوکری مسلمانوں سے مقابلہ کسی حال میں جائز نہیں مگر باغیوں خارجیوں وامثالم سے تو اہل خلافت کمیٹی جن کا مقولہ ہے کہ ہم ہندی قوم پرست ہیں ہمارا فرض ہے کہ ترکی بھی ہندوستان پر چڑھائی کرے تو ہم اس کے خلاف تلواریں اٹھامیں، خلافت کمیٹی کے طور پر بھی کافر وخارج از اسلام ہیں۔

5. سب جانتے ہیں کہ عمدا قتل ناحق مسلم ارشد کبائر سے ہے اگرچہ لشکر مسلمین کے ساتھ ہو اس کی سزا اگر پارٹی دے سکتی ہے تو پہلے اپنے لیڈروں کو دے جن کا قول مذکور ہوا۔

6. شرع مطہر کا حکم عام ہے اسلامی ریاست خواہ اسلامی سلطنت کی بھی وہ ملازمت جس میں خلاف شرع حکم کرنا ہو جائز نہیں، قصد اخلاف شریعت حکم کرنا اگر بر او عناد یا استحسان یا استحلال مخالفت یا استخفاف حکم شریعت ہو کفر ہے ورنہ ظلم و فسق، اور یہ کچھ ملازمت ہی پر موقوف نہیں، نہ مقدمات سے خاص ویسے ہی جو شخص خلاف ما انزل اللہ حکم کرے گا انھیں صورتوں پر کافر، ظالم، فاسق ہے جیسے یہ لوگ کہ ہندؤوں سے اتحاد منا رہے ہیں، ان سے استمداد کر رہے ہیں ان سے بھائی چارہ گانٹھ رہے ہیں انھیں رہنما اور آپ ان کے پس رو بن رہے ہیں معاملہ دینی میں ان کی اطاعت کر رہے ہیں جو وہ کہتے ہیں وہی مانتے ہیں انھیں مسجدوں میں لے جا کر مسلمانوں کا واعظ بناتے ہیں ان کی خاطر شعار اسلام بند کرتے ہیں ان کے معاہد و حلیف بنتے ہیں انھیں اپنا خیر خواہ سمجھتے ہیں وغیرہ وغیرہ کہ تمام لیڈر بننے والے ان میں مبتلا ہیں اور انھیں باتوں کا عوام کو حکم دیتے ہیں سب انھیں آیات کفرون ظلمون، فسقون کے تحت میں داخل ہے کہ یہ سب باتیں خلاف ما انزل اللہ ہیں

7. اس کا جواب جواب سابق سے واضح۔

8. موالات کسی غیر مسلم بلکہ کسی غیر سنی سے جائز نہیں، مجرد دنیوی معاملات سوائے مرتد سب جائز ہے ہنود وہابیہ و دیوبندیہ سے جو موالا میں خلافت کمیٹی والے کر رہے ہیں وہ سخت حرام و تباری دین و موجب لعنت رب العالمین ہے کتابیوں سے بدتر مجوس ہیں، مجوس سے بدتر مشرکین ہے ں، جیسے ہنود مشرکین سے بدتر مرتدین ہے ں جیسے وہابیہ خصوصا دیوبندیہ سائکوں کی وہ پارٹی ہو وہابیہ کی کیا کیا تعظیم میں کر رہی ہے جو حسب روشن تصریحات فقہائے کرام کفر ہے۔ کیا پارٹی زیر حکم شریعت نہیں یا مسئلہ تعظیم کفار سے جنود وہابی دیوبندی مستثنی ہیں، ہر گز نہیں، ہاں صورت ضرورت سلطنت مستثنی ہے کما یفیدہ مافی المدارک والمفاتیح وغیرھما (جیسا کہ مدارک اور تفسیر کبیر وغیرہ میں اس کا افادہ پیش فرمایا۔ت) خود قرآن عظیم اس استثناء پر دال "وَاللّٰہُ یَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ" (اور اللہ تعالٰی فساد کرنے والے اصلاح کرنے والے کو جانتا ہے۔ت)

9. مذہبی منافرت بحسب مراتب کفر و ضلالت ہے۔ ہنود مشرک بت پرست ہیں اور شرک بدترین اصناف کفر سے ہے۔ تو ہنود ہی سے مذہبی منافرت اشد و آلد ہے۔ اور ہنود سے بھی سخت تر منافت کے مستحق وہابیہ دیوبندیہ ہیں کہ مرتدین ہیں لیکن ہندو پس اور دیو

بندیوں سے اتحاد منایا جارہا ہے، انھیں جگر کا پارا آنکھ کا تارا بنایا جارہا ہے۔ اسلام واحد قہار کے حضور تمھارا شائی ہے۔ (1) بڑے دن کا حکم پارٹی کے جگری بھائیوں کی ہولی ووالی سے خفیف تر ہے اور ماتھوں پر ہندوؤں سے قشقے لگوانا سب سے سخت تر۔ اگر ثابت ہو کہ یہ دن ولادت سیدنا عیسی علیہ الصلوۃ والسلام کا ہے تو بے شک شرع میں ہر نبی کا روز ولادت صاحب عظمت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے وجوہ فضیلت روز جمعہ سے پہلی وجہ یہی ارشاد فرمائی کہ اس میں تخلیق سیدنا آدم علیہ الصلوۃ والسلام ہوئی، صحیح مسلم میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا:

حدیث سب سے بہتر دن کہ جس پر سورج طلوع ہوا ہو روز جمعہ ہے۔ اس میں حضرت آدم (علیہ الصلوۃ والسلام) پیدا کئے گئے۔ ابن ماجہ نے ابولبابہ ابن عبدالمنذر رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کی رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا:

یقینا روز جمعہ تمام دنوں کا سردار ہے اور اللہ تعالی کے نزدیک ان سب سے عظیم تر ہے۔ اس میں پانچ خصلتیں ہیں۔ ایکیہ کہ اس میں اللہ تعالی نے حضرت آدم کو پیدا فرمایا۔ (ت) اگر کوئی اس نکتے سے غافل ہو کر (جس سے آج بڑے بڑے لیڈر بننے والے اور تمام عوام غافل ہیں کہ شرع مطہر میں تاریخ قمری معتبر ہے نہ کہ ششی، علماء نے فرمایا اپنے معاملات میں بھی مسلمانوں کو اس کے اعتبار کی اجازت نہیں[13]۔

یہود و نصاریٰ کے ساتھ کھانے پینے کا حکم:

یہود و نصاریٰ کے ساتھ کھانے پینے کا حکم دیتے ہوئے امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: اللہ تعالی کی بے شمار رحمتیں حضرت شیخ سعدی قدس سرہ پر کہ فرماتے ہیں:

تیم خوردہ سنگ ھم سنگ را شاید کتے کا جھوٹا کتے ہیں کے لائق ہے یعنی وہی کھائے۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

بشر وا ولا تنفروا

خوشخبری سناؤ اور نفرت نہ دلاؤ۔ واللہ تعالی اعلم[14]۔

---

[13] احمد رضا، اعلی حضرت امام، فتاوی رضویہ، 22 /452

[14] احمد رضا، اعلی حضرت امام، فتاوی رضویہ، 21 /664

یہود و نصاریٰ کے پاس نوکری کا حکم:

یہود و نصاریٰ کے پاس نوکری کا حکم دیتے ہوئے امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

اصل مزدوری اگر کسی فعل ناجائز پر ہو سب کے یہاں ناجائز، اور جائز پر ہو تو سب کے یہاں جائز اس امر میں رنڈیاں اور غیر رنڈیاں، نصاری و ہنود وغیرہم سب برابر ہیں۔ کلام اس میں ہے کہ اگر ان کے یہاں کسی فعل جائز پر مزدوری کی تو آیا زر اجرت ان کے مال سے لینا روا، اور وہ اکل حلال ہو گا یا نہیں، اس کا حکم یہ ہے کہ رنڈیوں کو جو مال گانے ناچنے یا معاذ اللہ زنا کی اجرت میں ملتا ہے ان کے لئے حرام ہے وہ ہر گز اس کی مالک نہیں ہوتیں وہ ان کے ہاتھ میں مال معصوب کا حکم رکھتا ہے، نہ انہیں خود اس کا اپنے صرف میں لانا جائز نہ دوسرے کو، وہ مال بعینہ اپنے قرض خواہ کسی چیز کی قیمت، خواہ مزدوری کی اجرت میں، خواہ ویسے ہی بلا معاوضہ بطور ہدیہ، خواہ صدقہ، خواہ کسی طرح لینا روا ہو سکے بلکہ فرض ہے کہ جن جن سے لیا ہے انہیں کو پھیر دیں۔

فتاوی ہندیہ، بحث کرامیہ میں بحوالہ محیط امام محمد سے مروی ہے کہ گانے والی عورت کی کمائی سے اگر قرض ادا کیا جائے تو قرض خواہ کو اس کا لینا جائز نہیں الخ۔ رد المحتار بحث ممنوعات میں امام سغناقی نے بعض مشائخ کے حوالہ سے روایت کی ہے کہ گویا مغنیہ کی کمائی غصب شدہ چیز کی طرح ہے لہٰذا اس کا لینا جائز نہیں۔

اسی طرح ان کے آشنا جو مال بطور تحفہ و ہدیہ ان کے راضی رکھنے یا ان کا دل اپنی طرف مائل کرنے کو دے آتے ہیں اگرچہ اس وقت خالی ملاقات کو جائیں اور زنا یا غنا کچھ مقصود نہ رکھیں اس کا بھی یہی حکم ہے کہ وہ رشوت ہے اور رنڈیاں اس کی مالک نہیں ہو جاتیں اس کا واپس دینا بھی واجب ہے۔

حاشیہ طحطاوی بر در مختار میں علامہ طحطاوی نے مصنف قنیہ کے کلام کو برقرار رکھتے ہوئے اس سے نقل کیا ہے کہ عاشق معشوق کو جو کچھ بطور رشوت دے اور اس کے حوالے کرے تو اس کا واپس کرنا ضروری ہے اس لئے کہ معشوقہ اس کی مالک ردہ ولا تملک اہ۔ نہیں

اگر لینے والے کو معلوم ہو گا کہ یہ مال بعینہ وہی ہے انہوں نے گانے، ناچنے، زنا کی اجرت یا آشناؤں سے تحفہ ہدیہ رشوت میں پایا ہے تو اسے لینا ہر گز روا نہیں۔ اور وہ مال جو انہیں گانے ناچ مجلے میں انعام بلا شرط یعنی اجرت مقررہ سے زیادہ ملتا ہے ان کے حق میں حکم ہبہ کا رکھتا ہے کہ وہ عقد اجارہ باطلہ جو ان افعال محرمہ پر ہوا یہ مال اس کے تحت میں داخل نہیں بلکہ بہت لوگ بطور خوشنودی کچھ اپنی ناموری کے خیال سے بعض جاہل یہ سمجھ کر کہ ایسے مقامات پر انعام دینا شان ریاست ہے دیا کرتے ہیں تو وہ اس مال کی مالک ہو گئیں، اسی طرح ڈومنیوں کو جو بیل ملتی ہے اس کا بھی یہی حکم ہے[15]۔

---

[15] احمد رضا، اعلی حضرت امام، فتاوی رضویہ، 23 /507

بدمذہب کے عقائد:

بدمذہب کے عقائد کو بیان کرتے ہوئے سب سے پہلے بدمذہب کے تعارف میں امام احمد رضا علیہ الرحمہ احادیث سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

بدمذہب کسے کہتے ہیں؟

بدمذہبوں سے متعلق امام احمد رضا خان لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "جو شخص کسی منافق کو "سردار" کہہ کر پکارے وہ اپنے رب عزوجل کے غضب میں پڑے"

امام حافظ الحدیث عبدالعظیم زکی الدین نے کتاب الترغیب والترھیب میں ایک باب وضع کیا یعنی ان حدیثوں کا بیان جس میں کسی فاسق یا بدمذہب کو "اے میرے سردار" یا کوئی کلمہ تنظیم کہنے سے ڈرانا۔

اور اس باب میں یہی حدیث انہیں روایت ابھی داؤد و نسائی سے ذکر فرمائی جب صرف زبان سے اے میرے سردار کہے باعث غضب رب جل جلالہ ہے حقیقت سردار مالک بنالینا کس قدر سخت معجب اور غضب ہوگا والعیاذ باللہ رب العالمین۔[16]

بدمذہب سے محبت زہر قاتل ہے:

بدمذہب سے محبت کے متعلق امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

"برے مصاحب سے بچ تو اس سے پہچانا جائے گا"

اسے ابن عساکر نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا ہے۔

یعنی جیسے لوگوں کے پاس آدمی کے نشست برخواست ہوتی ہے ویسا ہی جانتے ہیں اور بدمذہبوں سے تعلق تو زہر قاتل ہے اس کی نسبت احادیث کثیرہ صحیحہ معتبرہ میں جو خطرے عظیم آیا سخت ہولناک ہے ہم نے وہ حدیث اپنے رسالہ "المقالۃ المسفورہ عن احکام بدعۃ المفکرۃ" میں ذکر کی بلجملہ ہر طرح ان سے دوری مناسب خصوصا ان کے پیچھے نماز سے تو احتراز واجب اور ان کی امامت پسند نہ کرے گا مگر دین میں مداہن یا عقل سے مجانب۔[17]

---

[16] احمد رضا، اعلی حضرت امام، فتاوی رضویہ، 400/11

[17] احمد رضا، اعلی حضرت امام، فتاوی رضویہ، 720/6

مشرک کے احکام:

مشرکوں کے احکام بیان کرتے ہوئے امام احمد رضا علیہ الرحمہ حدیث سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

مشرک سے مدد لینا:

مشرک سے مدد لینے کے حکم میں امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: ہم مشرک سے مدد لینا ناپسند کرتے ہیں اس کو صحیح سند کے ساتھ حضرت ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہ سے احمد، ابوداؤد اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔[18]

قادیانیوں کی نماز:

قادیانیوں کی نماز سے متعلق امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں

نہ قادیانیوں کی نماز ہے نہ ان کا خطبہ، خطبہ کہ وہ مسلمان ہی نہیں اہل سنت اپنی اذان کہہ کر اسی مسجد میں اپنی خطبہ پڑھیں اپنی جماعت کریں یہی اذان و خطبہ و جماعت شرعا معتبر ہوں گے اور اس سے پہلے جو کچھ قادیانی کر گئے باطل و مردود محض تھا و ھو تعالی اعلم۔[19]

مرتد کو وکیل بنانے کا حکم:

مرتد کو وکیل بنانے کے حکم میں امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

مسلمان نے کسی مرتد کو وکیل بنایا مرتد کی وکالت جائز ہو گی اور یوں ہی کسی مسلمان کو وکیل بنایا پھر وہ وکیل مرتد ہو گیا تو اس کی وکالت باقی رہے گی مگر وہ دار الحرب بھاگ جائے تو اس کی وکالت باطل ہو جائے گی۔ بدائع میں اسی طرح ہے۔[20]

قادیانی کے جھوٹے خدا:

---

[18] احمد رضا، اعلی حضرت امام، فتاوی رضویہ، 257/3

[19] احمد رضا، اعلی حضرت امام، فتاوی رضویہ، 466/8

[20] احمد رضا، اعلی حضرت امام، فتاوی رضویہ، 173/11

ایسے کو خدا کہتا ہے جس نے چار سو جھوٹوں کو اپنائی کیا ان سے جھوٹی پیشین گوئیاں کہلوا میں جس نے ایسے کو ایک عظیم الشان رسول بنایا جس کی نبوت پر اصلا دلیل نہیں بلکہ اس کی نفی نبوت پر دلائل قائم جو (خاک بدہن ملعونان) ولد الزنا تھا جس کی تین دادیاں نانیاں زناکار کسبیاں تھیں۔ایسے کو جس ایک بڑھئی کے بیٹے کو محض جھوٹ کہہ دیا کہ ہم نے بن باپ کے بنایا اور اس پر یہ فخر کی جھوٹی ڈینگ ماری کہ یہ ہماری قدرت کی کیسی کھلی نشانی ہے۔ایسے کو جس نے علا ایک بدچلن عیاش کو اپنا نبی کیا جس نے ایک یہودی فتنہ گرہ کو اپنا رسول کر کے بھیجا جس کے پہلے ہی فتنہ نے دنیا کو تباہ کر دیا۔ایسے کو جو اسے ایک بار دنیا میں لا کر دوبارہ لانے سے عاجز ہے وہ جس نے ایک شعبدہ باز کی مسمریزم والی مگر وہ حرکات قابل نفرت حرکات جھوٹی بے ثبات کو اپنی آیات بینات بتایا، ایسے کو جس کی آیات بینات لہو لعب میں اتنی بے اصل کے عام لوگ ویسے عجائب کر لیتے تھے اور اب بھی کر دکھاتے ہیں بلکہ آجکل کے کرشمے اُن سے زیادہ بے لاگ میں اہل کمال کو ایسی باتوں سے پرمیز رہا ہے۔ ایسے کو جس نے اپنا سب سے پیارا بروزی خاتم النبیین دوبارہ قادیان میں بھیجا مگر اپنی جھوٹ فریب تمسخر ٹھٹول کی چالوں سے اُس کے ساتھ بھی نہ چوکا، اُس سے کہہ دیا کہ تیری جورو کے اس عمل سے بیٹا ہو گا جو انبیاء کا جادشاہ اُس کے کپڑوں سے برکت لیں گے پروزی بیچارہ اس کے دھوکے میں آکر اسے اشتہاروں میں چھاپ بیٹھا اسے تو یوں ملک میں جھوٹا بننے کی ذلت اور سوائی اورنے کے لئے جل دیا اور جھٹ پٹ میں الٹی گل پھرادی بیٹی بنادی بروزی بیچارہ کو اپنی غلط فہمی کا اقرار چھاپنا پڑا اور اب دوسرے پیٹ کا منتظر رہا اب کی یہ مسخرگی کی کہ بینادے کرامید دلائی اور دھائی سال کے بچے کا دم نکال دیا نہ نبیوں کا چاند بنے دیا نہ بادشاہوں کو اُس کے کپڑوں سے برکت لینے دی، غرضکہ اری کا جھوٹا کذاب ہونا خوب اچھالا اور اس پر مزہ یہ کہ عرش پر بیضا اس کی تعریفیں کا رہا ہے، اس پر بھی صبر نہ آیا بروزی کے چلتے وقت کمال بے حیائی کی ذلت ورسوائی تمام ملک میں طشت از بام ہونے کے لئے اسے یوں چاؤ دلایا کہ اپنی بہن احمدی کی بیٹی محمدی کا پیام دے، بروزی بیچارے کے منہ میں پانی بھر آیا، پیام پر پیام، لائی پر لائی دھمکی پر دھمکی، ادھر احمدی کے دل میں ڈال دیا کہ ہرگز نہ پہنچیوں لڑائی ٹھنڈا کر اپنے امدادی وعدوں سے بروزی کی امیدوار بڑھائی کہ دیکھ احمدی کا باپ اگر دوسری جگہ اس کا نکاح کر دے گا تو ڈھائی برس میں وہ مرے گا، اور تین برس میں وہ شوہر، یا بالعکس، پیر وزی بجی تو ہمیشہ اس کی چالوں میں آجاتے تھے اسے بھی چھاپ بیٹھے یہاں تک تو دہی جھوٹی پیشن گوئیاں رہتیں جو سدا کی تھیں۔اب اس قادیانی کے ساختہ خدا کو اور شرارت سوجھی حجت بروزی کو وحی پھنٹادی کہ "زوجناکھا" محمدی سے ہم نے تیرا نکاح کر دیا۔اب کیا تھا بروزی جی ایمان لے آئے کہ اب محمدی کہاں جاسکتی ہے یوں بجل دے کر بروزی کے منہ سے اُسے اپنی منکوحہ چھپوادیا، تاکہ وہ حد بھر کی ذلت جو ایک چمار بھی گوارا نہ کرے کہ اُس کی جورو اور اس کے جیتے جی دوسرے کی بغل میں یہ مرتے وقت بروزی کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکا ہو، اور رہتی دنیا تک بیچارے کی فضیحت وخواری وبے عزتی وکذابی کا ملک میں ڈنکا ہو، ادھر تو عابد ومعبود کی یہ وحی بازی ہوئی ادھر سلطان محمد آیا اور نہ عابد کی چلنے دی نہ معبود کی بروزی جی کی آسمانی جورو سے بیاہ کر ساتھ لے، یہ جا، وہ جا، چلتا بنا، ڈھائی تین برس پر موت دینے کا وعدہ تھا وہ بھی جھوٹا گیا،

الئے بروزی جی زمین کے نیچے چل ہے وغیرہ وغیرہ خرافات ملعونہ۔ یہ ہے قادیانی اور اس کا ساختہ خدا۔ کیاؤ دخدا کو جانتا تھا یاب اس کے پیرو جانتے ہیں۔[21]

نیچریوں کے جھوٹے خدا:

نیچری ایسے کو خدا کہتا ہے جو نیچر کی زنجیروں میں جکڑا ہے اس کے خلاف کچھ نہیں کر سکتا اور نیچے بھی اتنا جو نیچری کی سمجھ میں آئے جو اس کی ناقص عقل سے وراء ہے معجزہ ہو یا قدرت سب پاؤر ہوا ہے، ایسے کو جس نے (خاک بدمن ملعونان) جھوٹا دین اسلام بھیجا کہ اس میں باندی غلام حلال کیا (اگرچہ پیر نیچر کے نزدیک ابتدا ہی میں) اور وہ دین جس میں باندی غلام بنانا حلال ہوا ہو نیچری کے نزدیک خدا کی طرف سے ہر گز نہیں ہو سکتا، ایسے کو جس نے مدتوں اسلام میں اپنی خلاف مرضی باتیں ناپاک چیزیں، اصلی ظلم، ٹھیٹ ناانصافی روا رکھی، ایسی بد باتیں بہائم کی حرکتیں کہ ایک لمحہ کے لئے بھی یہ بات مانی نہیں جاسکتی کہ سچا مذہب جو خدا کی طرف سے اترا ہو اس میں ایسے امور جائز ہوں۔ ایسے کو جو ان سخت ظالموں، ٹھیٹ ناانصافوں جانور سے بدتر وحشیوں کو جن کا چھوٹا بڑا اول سے آج تک ان ناپاکیوں پر اجماع کئے ہوئے ہے خیر الامم کا خطاب دیتا اور اپنے بھنے ہوئے بندے کہتا ہے۔ ایسے کو جس نے کہا تو یہ روشن آیتیں بھیجتا ہوں تمھیں اندھریوں سے نکال کر روشنی میں لاتا ہوں اور کیا یہ کہ جو کہی کہہ مکرفی کہی تمثیلی داستان پہیلیاں چیستا، لفظ کچھ مراد کچھ جو لغت عرفاً کسی طرح اس کا مفہوم نہ ہو۔ فرشتے، آسمان، جن، شیطان، بھشت، دوزخ، حشر اجساد، معراج، معجزات سب باتیں بتائیں اور بتائیں بھی کیسی ایمانیات ٹھہرا ہیں اور من میں یہ کہ در حقیقت یہ کچھ نہیں ہو ہیں طوطا مینا کی کی کہانیاں کہہ سنائیں وغیرہ وغیر و خرافات ملعونہ۔ کیا انھوں نے خدا کو جانا۔[22]

پیر کرم علی شاہ الازہری رحمہ اللہ کی مطالعہ مذاہب میں خدمات

تعارف:

مفکر اسلام، مفسر قرآن، ضیاء الامت حضرت جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری ایسی نابغہ روزگار شخصیت تھے جنہوں نے اپنے علم و عمل اور کردار کی بدولت تاریخ کا دھارا موڑ کر رکھ دیا۔ ان کے کارہائے نمایاں سے نہ صرف پاکستان بلکہ پورا عالم اسلام مستفید ہو رہا ہے۔

پیدائش:

---

[21] احمد رضا، اعلی حضرت امام، فتاوی رضویہ، 543/15

[22] احمد رضا، اعلی حضرت امام، فتاوی رضویہ، 540/15

ضیاءالامت جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری 21 رمضان المبارک 1336ھ یکم جولائی 1918 بعد نماز تراویح بھیرہ ضلع سرگودھا میں پیدا ہوئے۔

نام ونسب:

آپ کا نام پیر دا کھارا شریف کی معروف روحانی شخصیت حضرت پیر کرم شاہ ٹوپی والی سرکار کی نسبت سے آپ کا نام محمد کرم شاہ رکھا گیا۔آپ کے دادا امیر السالکین پیر امیر شاہ نے آپ کا نام پسند کیا۔

تعلیم وتربیت:

آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد حضرت پیر محمد شاہ سے حاصل کی۔قرآن کریم حفظ کیا۔اور 1925 میں محمدیہ غوثیہ پرائمری اسکول میں داخل ہوئے۔آپ اپنے اسکول کے پہلے طالب علم تھے۔1936 میں گورنمنٹ ہائی سکول بھیرہ سے میٹرک کیا۔اپنے والدہ کے قائم کردہ دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ سے دینی تعلیم کی تکمیل کی۔حضرت ضیاء الامت کے پہلے استاد کا نام ماسٹر برخوردار تھا جو چک مبارک ضلع سرگودھا کے رہنے والے تھے۔گورنمنٹ ہائی سکول بھیرہ میں زیر تعلیم رہنے کے دوران ایک اہم واقعہ آپ کی طبیعت کی عکاسی کرتا ہے۔آپ کے اسکول کی مسجد میں نماز کا اہتمام نہ تھا۔آپ نے اسکول کے ہیڈ ماسٹر صاحب کو خط لکھا کہ وہ طلبہ کو مسجد میں نماز ادا کرنے کا حکم دیں۔تاکہ ہم اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کر سکیں۔ہیڈ ماسٹر صاحب نے جواب میں کہا کہ سرکاری ملازمت ہے۔حکومت اس امر کی اجازت نہیں دے گی۔جواب میں حضور ضیاءالامت نے فرمایا جو ذات ہمیں نعمت دے رہی ہے اس کی ڈیوٹی بھی ادا کرنا ضروری ہے۔آپ کے اس بیان کے بعد گورنمنٹ ہائی سکول بھیرہ میں پہلی دفعہ نماز باجماعت ادا کرنے کا سلسلہ شروع ہوا۔

گورنمنٹ ہائی سکول بھیرہ میں آپ نے مختلف موضوعات پر اردو میں مضامین تحریر کیے۔دارالعلوم محمدیہ غوثیہ میں تعلیم کے دوران آپ نے فارسی، عربی گرامر،اور منطق کی کتب سے اپنے اساتذہ کرام کے پاس پڑی۔آپ تقریبا ایک سال مولانا غلام محمود صاحب ساکن پپلاں کے پاس بھی زیر تعلیم رہے جہاں سے آپ نے حماسہ،ادب،ھدایہ کی تعلیم حاصل کی۔صرف ونحو کی کتب کی دھرائی ممتاز عالم دین مولانا قاضی ثناءاللہ سے کی جو کہ موہڑہ کدلتھی کے رہنے والے تھے۔1942 میں آپ نے فاضل عربی کا امتحان اورنٹیئل کالج لاہور سے پاس کیا۔آپ نے 600 میں سے 512 نمبر لے کر پورے پنجاب میں پہلی پوزیشن حاصل کی۔شیخ الاسلام خواجہ قمرالدین سیالوی کے فرمان پر 1943 میں آپ جامعہ نعیمیہ مرادآباد تشریف لے گئے اور مولانا سید نعیم الدین مرادآبادی سے دورہ حدیث کی تکمیل کی۔1945 میں پنجاب یونیورسٹی سے بی اے کا امتحان پاس کیا۔بی اے کا امتحان پاس کرنے کے بعد آپ تحریک پاکستان میں مشغول ہو گئے۔1946 کے ریفرنڈم میں مسلم لیگ کی

کامیابی کے لیے دن رات ایک کیا۔اپنی تمام نجی و تعلیمی مصروفیات معطل کر دی۔ قائدِ اعظم محمد علی جناح کی ہدایات کے مطابق تحریک پاکستان میں اپنا بھرپور کردار ادا کیا۔آپ کی شادی بھی تحریک پاکستان میں آپ کی مصروفیات کے باعث مؤخر ہوتی رہی۔۔قیام پاکستان کے بعد 1948 میں رشتہ ازدواج میں منسلک ہو گئے۔1951 میں عالم اسلام کی عظیم درسگاہ جامعہ الازہر میں داخلہ لیا۔چھ سال کا کورس 3 سال میں مکمل کرنے کے بعد 1954 میں وطن واپس تشریف لائے اور تدریسی سرگرمیوں کا آغاز کر دیا۔الازہر میں تعلیم کے دوران آپ نے کی کتابچے اور کتب تحریر فرمائیں جن میں پیمان سرفروشی اور سنت خیر الانام نمایاں ہیں۔۔دارالعلوم محمدیہ غوثیہ میں تدریسی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ آپ نے دربار عالیہ بھیرہ شریف کے انتظامی نظم و نسق میں حصہ لینا شروع کر دیا اور اپنے پیر بھائیوں کے دکھ سکھ میں شریک ہونے لگے. 1957 میں آپ کے والد گرامی غازی اسلام حضرت محمد شاہ کا وصال ہوا۔اور آپ کے چہلم کے موقع پر آپ نے دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف کی نشاۃ ثانیہ کا اعلان کیا۔اور 19 مئی 1957 بروز بدھ بعد نماز ظہر جامع مسجد درگاہ حضرت امیر سالکین میں نو تشکیل شدہ ادارہ میں داخل ہونے والے طلبہ کو پہلا سبق پڑھایا اور پہلے سبق میں آٹھ طلباء شامل تھے۔ابتدا ادارہ صرف ایک چھوٹے سے کمرے پر مشتمل تھا جب 1959 کے آخر میں آٹھ کمروں پر مشتمل دارالعلوم کی پہلی عمارت تعمیر ہوئی۔ادارہ کی عمارات کو مزید وسعت دینے کے لیے 1981 میں 52 کنال پر مشتمل قطعہ اراضی خریدا۔جہاں پر آج عظیم عمارات، دارالعلوم محمدیہ غوثیہ کی عظمت کی گواہی دے رہی ہیں۔

تصانیف:

یکم رمضان المبارک 1379ھ 29 فروری 1960 کو تفسیر ضیاء القرآن لکھنے کا کام شروع کیا۔اور 19 سال 6 ماہ کے عرصے میں پانچ جلدوں پر مشتمل ضیاء القرآن کا کام مکمل ہوا۔ضیاء القرآن کی پہلی جلد 1965 میں شائع ہوئی جو 552 صفحات پر مشتمل تھی جبکہ دوسری جلد 1970 میں شائع ہوی۔اکتوبر 1970 میں ماہنامہ ضیائے حرم کا اجراء کیا جو آج بھی اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ جاری ہے۔ماہنامہ ضیاء حرم کا اداریہ خود تحریر فرماتے اور 1970 سے لے کر 1980 تک کے تمام اداریے آپ کے اپنے قلم سے لکھے ہوئے ہیں۔1980 کے بعد حضرت پیر محمد امین الحسنات شاہ اداریہ تحریر فرما رہے ہیں۔1979 میں ضیاء القرآن کی تصنیف مکمل ہوئی۔جبکہ 13 جون 1983 بروز پیر بعد نماز فجر ضیاالنبیکیتصنیفکاآغاز ہوا۔1981 میں وفاقی شرعی عدالت کے جج کے طور پر آپ کو نامزد کیا گیا۔1982 میں کو آپ سپریم کورٹ آف پاکستان کا جج مقرر کیا گیا۔اور جج کے طور پر کئی اہم، تاریخی اور معرکۃ الاراء فیصلے تحریر فرمائے۔ان میں رجم، تصویر کی حرمت، انعامی بانڈز، حدود آرڈیننس، وغیرہ شامل تھے۔سپریم کورٹ آف پاکستان کے ساتھ آپ تادم وصال منسلک رہے۔1971 سے 1980 تک آپ مرکزی رویت ہلال کمیٹی پاکستان کے رکن رہے۔1981 سے 1986 تک مرکزی رویت ہلال کمیٹی کے چیئرمین رہے۔1985 سے 1992 تک قائدِ اعظم یونیورسٹی کے سنڈیکیٹ اور سینٹ کے ممبر ہے ہ۔1964 سے 1994 تک اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور کے بورڈ آف گورنرز کے ممبر رہے۔1981 سے 1993 تک دارالمال الاسلامیہ کے سپروائزری بورڈ کے رکن رہے۔۔

وفات:

7اپریل1998کو حضور ضیاءالامت اللہ کا وصال ہوا۔ حکومت پاکستان نے آپ کو ستارہ امتیاز دیا جبکہ آپ کی وفات کے بعد آپ کے نام سے حکومت پاکستان نے یادگاری ٹکٹ بھی جاری کیا آپ کا عرس مبارک 2019 محرم الحرام کو بھیرہ شریف میں ہوتا ہے۔[23]

مطالعہ یہودیت وعیسائیت:

قرآن مجید نے جہاں مسلمانوں کو اس کائنات کی وسعتوں سے متعارف کروایا ہے وہاں اُس نے انہیں ماضی کی اقوام اور امم کی تاریخ کے اتنے حصوں سے بھی واقف کیا ہے جتنا ان کی ذمہ داریوں کی ادائیگی کے لیے ضروری تھا۔اُن اہم سابقہ کے تذکروں میں زیادہ حصہ بنی اسرائیل کو ملا ہے۔ قرآن مجید میں انبیائے بنی اسرائیل، ان کی طرف بھیجی گئی کتب سماویہ، ان انبیاء اور کتب کے ساتھ بنی اسرائیل کے سلوک اور دوسری اقوام کے ساتھ ان کے معاملات کی نوعیت پر کافی روشنی ڈالی گئی ہے۔ آخری اسرائیلی نبی حضرت سیدنا عیسی علیہ السلام تھے۔اُن کے پیروکار نصاری(Christians) کے نام سے مشہور ہیں۔ مگر بنی اسرائیل کے وہ لوگ جنہوں نے آپ علیہ السلام کو اللہ کا سچا نبی نہ مانا اور شریعت موسوی(Mosaic Law) کو ہی اللہ کا آخری پیغام تصور کیا وہ یہودی(Jews) یا اسرائیلی(Israelites) کے نام سے معروف ہیں۔ اس طرح یہودیت(Judaism) اور نصرانیت(Christianity) دو علیحدہ ادیان اور اُن کے پیروکار دو مختلف امتیں بن گئے۔ حضرت سیدنا موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام چونکہ قوم بنی اسرائیل کی طرف ہی بھیجے گئے تھے اس لئے قرآن مجید میں بعض مقامات پر یہود و نصاری کا تذکرہ اکٹھا کیا گیا اور بعض مقامات پر الگ الگ۔ چونکہ قرآن مجید نے ان دو اقوام کا تذکرہ زیادہ کیا ہے اس لئے مفسرین قرآن بھی تفسیر قرآن میں ان سے متعلق معلومات زیادہ جمع کرتے ہیں۔[24]

یہود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلہ سے فتح طلب کیا کرتے:

اللہ کریم قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْۙ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖۚ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ.

ترجمہ:

[23] https://www.nawaiwaqt.com.pk/27-Aug-2021/1405208

[24] سعیدی، خورشید احمد، ماہنامہ ضیائے حرم، اسلام آباد، : خیابان کرم، جلد 37، شمارہ 11، اگست 2007ء، ص: 61

"اور جب اللہ کے ہاں سے ان کے پاس کتاب آئی جو ان کی (آسمانی) کتاب کی بھی تصدیق کرتی ہے، اور وہ پہلے (ہمیشہ) کافروں پر فتح مانگا کرتے تھے، تو جس چیز کو وہ خوب پہچانتے تھے، جب ان کے پاس آ پہنچی تو اس سے کافر ہو گئے۔ پس کافروں پر اللہ کی لعنت"

تفسیر:

اس آیت مبارکہ کی تفسیر کرتے ہوئے پیر کرم علی شاہ الازہری لکھتے ہیں:

یہودیوں کی ہٹ دھرمی اور دانستہ کفر کی ایک اور مثال بیان فرمائی جارہی ہے حضور کریم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری سے پیشتر یہود کا شعار تھا کہ جب کبھی کفار و مشرکین سے اُن کی جنگ ہوتی اور ان کی فتح کے ظاہر کی امکانات ختم ہو چکتے تو اس وقت تورات کو سامنے رکھتے اور وہ مقام کھول کر جہاں حضور نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کی صفات کمالات کا ذکر ہوتا وہاں ہاتھ رکھتے اور ان الفاظ سے دعا کرتے۔

" اللهم انا نسلك بحق نبيك الذي وعدتنان تبعثه في آخر الزمان ان تنصرنا اليوم على مدونا فينصرون ۔"

اے اللہ تجھے تیرے اُس نبی کا واسطہ دے کر عرض کرتے ہیں جس کی بعثت کا تو نے ہم سے وعدہ کیا ہے آج ہمیں اپنے دشمنوں پر فتح دے تو حضور پر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقے اللہ تعالیٰ انھیں فتح دینا۔ قرآن کریم فرماتا ہے کہ آج تک تم جس کا نام لے کر جیتتے رہے اور جس کی برکت سے فتحیاب ہوتے رہے جب میرا وہ رسول اور محبوب اور تمھارا نجات دہندہ تشریف فرما ہوا تو اُس پر ایمان لانے سے انکار کر دیا۔ تف ہے ایسے تعصب پر احیف ہے ایسی محب جاہ و مال پر!

یعنی اُن کی سرکشی اور انکار کسی دلیل پر مبنی نہیں تھا۔ صرف یہ حسد انھیں جلا رہا تھا کہ یہ نبی حضرت اسمعیل علیہ السلام کی اولاد سے کیوں بھیجا گیا۔ بنی اسرائیل میں سے کیوں نہیں چنا گیا۔ لیکن یہ تو اللہ تعالی کی اپنی مرضی ہے جس پر چاہے اپنا فضل و کرم فرمادے۔[25]

علماء یہود کا اس خیال سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ورغلانا کہ آپ بشر ہی تو ہیں اور ناکام ہونا:

اللہ کریم قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ ۔

[25] الازہری، پیر کرم علی شاہ، ضیاء القرآن،، لاہور: ضیاء القرآن پبلیکیشنز، 1995ء، ج: 1، ص: 74-75

ترجمہ:

اور (ہم پھر تاکید کرتے ہیں کہ) جو (حکم) خدا نے نازل فرمایا ہے اسی کے مطابق ان میں فیصلہ کرنا اور ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کرنا اور ان سے بچتے رہنا کہ کسی حکم سے جو خدا نے تم پر نازل فرمایا ہے یہ کہیں تم کو بہکا نہ دیں اگر یہ نہ مانیں تو جان لو کہ خدا چاہتا ہے کہ ان کے بعض گناہوں کے سبب ان پر مصیبت نازل کرے اور اکثر لوگ تو نافرمان ہیں۔

تفسیر:

صاحب مؤلف اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

مسلمانوں کو آگاہ کیا جارہا ہے کہ اہل کتاب خود تو احکام الہیہ سے منہ موڑ چکے تھے اور اپنی کتابوں سے رشتہ توڑ چکے تھے لیکن اب وہ یہ بھی گوارا نہیں کر سکتے کہ تم ہدایت کی راہ پر چلو اس لیے وہ طرح طرح کے شبہات قسم قسم کے اعتراضات اور گوناگوں وسوسوں سے تمھیں بھی اپنے دین سے برگشتہ کرنے کی بھرگوری کوشش کریں گے۔ خبردار ان کے جال میں پھنس کر اللہ کے دین قیم کی رسی چھوڑ نہ دینا۔ آج بھی گم کردہ راہ لوگ متاع ایمان ٹوٹنے کے لیے اپنی تمام کوششیں صرف کر رہے ہیں۔ پانی کی طرح روپیہ بہایا جارہا ہے فتنوں اور سازشوں کا ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا سیلاب اسلامی اقدار کو بہالے جانے کے لیے بڑھا چلا آرہا ہے۔ کاش ہم قرآن کی اس تنبیہ پر کان دھریں اور ہوشیار ہو جائیں۔ چور نہیں بلکہ وہ مالک قابل علامت ہے جو اپنے قیمتی سامان کی حفاظت نہیں کرتا۔ حضرت ابن عباس منہ نے اس آیت کا شان نزول یہ بیان فرمایا ہے کہ چند یہود علماء نے جن میں ابن صوریا، کعب بن اسد اور ابن صلونا ان کے اکابر بھی تھے یہ مشورہ کیا کہ آؤ چلیں محمد (فداہ ابی وامی صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس اور انھیں کسی حیلہ سے اپنے دین سے برگشتہ کریں فانما ھو بشر وہ بشر ہی تو ہے اسے دھوکا دینا کیا مشکل ہے۔ بڑی سوچ بچار سے ایک منصوبہ تجویز کیا اور حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ آپ جانتے ہیں کہ ہم یہود کے احبار (علماء) ہیں اور اگر ہم آپ کا دین قبول کر لیں تو سب یہودی مسلمان ہو جائیں گے۔

ہم آپ کے پاس اس لیے آئے ہیں کہ ہمارا بعض لوگوں کے ساتھ کچھ تنازعہ ہے ہم اس کے تصفیہ کے لیے آپ کے پاس آئیں گے۔ اگر آپ نے اس کا فیصلہ ہمارے جن میں کیا تو ہم سب مسلمان ہو جائیں گے اور ہمارے ایمان لانے سے سارے یہودی اسلام قبول کر لیں گے۔ بہت ہی خطرناک تھی یہ سازش! اُنھیں اچھی طرح معلوم تھا کہ کسی کے اسلام قبول کرنے سے جو مسرت حضور کو ہوتی ہے وہ اور کسی چیز سے نہیں ہوتی۔ وہ عقل کے اندھے سمجھ رہے تھے کہ بشر ہی تو ہے ہمارے جال میں پھنس جائے گا لیکن حقائق عالم کو بے حجاب دیکھنے والا، اسرار کائنات

کے رخ سے ہر نقاب الٹ دینے والا، دین اسلام کا سچا داعیہ رشوت کب قبول کر سکتا تھا جس کی فراست نور خداوندی سے روشن تھی اس سے ان کی چال کیوں کر مخفی رہ سکتی تھی

فابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (قرطبیؒ) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صاف انکار کر دیا۔

فنزلت هذه الاية (قرطبیؒ) تو یہ آیت نازل ہوئی۔ وہ بیچارے ساری عمر اسی غلط فہمی کا شکار رہے کہ یہ بھی ہماری طرح بشر ہیں۔ اور ان کی نگاہیں مقام محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رفعتوں کو نہ دیکھ سکیں۔ آفتاب مصطفوی کی جلوہ سامانیوں کو نہ پا سکیں۔ آج بھی توحید کی آڑ لے کر شان رسالت کی عظمتوں کا انکار کرنے والے بعینہ یہی الفاظ دہراتے سنائی دیتے ہیں۔ اس یہودی مہیت کو مسلمان کہلانے والوں نے کیوں اور کیسے قبول کر لیا بڑی حیرت اور افسوس کا مقام ہے۔[26]

یہود کی دلآزاری اور اللہ تعالی کی دلجوئی:

اللہ کریم قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِى الْكُفْرِ مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ ۛ وَمِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا ۛ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ۙ لَمْ يَاْتُوْكَ ۭ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ ۚ يَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِيْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا ۭ وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَيْـــًٔا ۭ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ ۭ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ ۚ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۔

ترجمہ:

اے پیغمبر! جو لوگ کفر میں جلدی کرتے ہیں (کچھ تو) ان میں سے (ہیں) جو منہ سے کہتے ہیں کہ ہم مومن ہیں لیکن ان کے دل مومن نہیں ہیں اور (کچھ) ان میں سے جو یہودی ہیں ان کی وجہ سے غمناک نہ ہونا یہ غلط باتیں بنانے کے لیے جاسوسی کرتے پھرتے ہیں اور ایسے لوگوں (کے بہکانے) کے لیے جاسوس بنے ہیں جو ابھی تمہارے پاس نہیں آئے (صحیح) باتوں کو ان کے مقامات (میں ثابت ہونے) کے بعد بدل دیتے ہیں (اور لوگوں سے) کہتے ہیں کہ اگر تم کو یہی (حکم) ملے تو اسے قبول کر لینا اور اگر یہ نہ ملے تو اس سے احتراز کرنا اور اگر کسی کو خدا گمراہ کرنا چاہے تو اس کے لیے تم کچھ بھی خدا سے (ہدایت کا) اختیار نہیں رکھتے یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو خدا نے پاک کرنا نہیں چاہا ان کے لیے دنیا میں بھی ذلت ہے اور آخرت میں بھی بڑا عذاب ہے۔

تفسیر:

صاحب مؤلف اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

---

[26] الازھری، پیر کرم علی شاہ، ضیاء القرآن، ج: 1، ص: 74-75

یہود کی خباثتوں سے حضور کریم کا دل آزردہ ہوتا تھا حضور ان کو قدم قدم پر اسلام کی حقانیت کے ثبوت مہیا فرماتے لیکن وہ برابر کفر سے چمٹے رہنے پر مصر رہتے۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کو تسلی دے رہے ہیں کہ آپ افسردہ نہ ہوں۔ یہ نہ آپ کو کوئی گزند پہنچا سکتے ہیں اور نہ اسلام کی ترقی کو روکتے ہیں کامیاب ہو سکتے ہیں۔ یہ صرف زبان سے ایمان کا اقرار کرلی ہے ہیں ان کے دل اسی پرانے گھر میں مبتلا ہیں۔[27]

عیسائیوں کو دعوت مباہلہ:

اللہ کریم قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ۔

ترجمہ:

پھر اگر یہ لوگ عیسیٰ کے بارے میں تم سے جھگڑا کریں اور تم کو حقیقت الحال تو معلوم ہو ہی چلی ہے تو ان سے کہنا کہ آؤ ہم اپنے بیٹوں اور عورتوں کو بلائیں تم اپنے بیٹوں اور عورتوں کو بلاؤ اور ہم خود بھی آئیں اور تم خود بھی آؤ پھر دونوں فریق (خدا سے) دعا والتجا کریں اور جھوٹوں پر خدا کی لعنت بھیجیں۔

تفسیر:

صاحب مؤلف اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

عیسائی حضرت عیسی علیہ سلام کی بن باپ پیدائش کو اس بات کی دلیل بناتے تھے کہ آپ خدا یا خدا کے بیٹے ہیں۔ قرآن کریم ان کی واضح تردید فرماتا ہے کہ اگر عیسی علیہ اسلام کے خدا ہونے کی ہی دلیل ہے تو پھر آدم علیہ السلام کے متعلق تمھارا کیا خیال ہے۔ ان کا تو نہ کوئی باپ تھا اور نہ کوئی ماں۔ اگر ان کو تم انسان مانتے ہو تو عیسی علیہ السلام کو کیوں خدا یا خدا کا بیٹا بنا رکھا ہے۔ اللہ تعالی کی قدرت کاملہ کے سامنے آدم اور عیسی علیہا السلام کی پیدائش یکساں ہے وہ بھی اس کی قدرت کی جلوہ گری ہے اور یہ بھی اس کی مشیت کی کرشمہ نمائی

[27] الازھری، پیر کرم علی شاہ، ضیاء القرآن، ج: 1، ص: 469

نہ خدائی کا دم بھرنے کا اسے حق پہنچتا ہے نہ اسے سب اس کے بندہ ہونے پر اور اسے اپنا رب پہچاننے پر شکہ کناں ہیں عیسائوں میں بھی کئی ایسے فرقے گزرے ہیں جو حضرت عیسی علیہ السلام کو اللہ تعالی کا بندہ یقین کرتے تھے۔اور ان کو خدا مانتے تھے فی خدا کا بیٹا حضرت عیسی علیہ السلام کی حقیقت یہود کی افتراء بازیوں، بہتان تراشیوں اور نصاری کی مبالغہ آرائیوں میں گم ہو کہ دہ گئی تھی۔قرآن نے یہ سارے پردے ہٹا دیئے۔اُن کی اور اُن کی والدہ کی طہارت و پاکیزگی، ان کی عجیب و غریب پیدائش اُن کے حیران کن معجزات بھی بیان کر دیئے اور ان کا بندہ ہونا بھی ثابت کر دیا۔اب اس پر یہ کہ کر تصدیق ثبت کر دی گئی کی الحق من ربک یہ وہ کی حقیقت ہے جو اللہ تعالی نے بیان فرمائی ہے۔اِس لیے اس میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں فلا تکو من میں خطاب یا تو قرآن کے ہر پڑھنے سنے والے کو ہے یا خطاب حضور کریم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کو ہے اور مراد حضور کی سنت ہے کیونکہ حضور کی اپنی ذات شک وشبہ سے بالاتر تھی الخطاب النبی صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم والمراد أمته لانه صلی اللہ علیہ وسلم لم یکن شاکافی امر عیسی علیہ السلام۔[28]

نصاری اور یہود ایک دوسرے کو گمراہ کہتے:

اللہ کریم قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ ۙ وَّهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ۭ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ .

ترجمہ:

اور یہودی کہتے ہیں کہ عیسائی رستے پر نہیں اور عیسائی کہتے ہیں کہ یہودی رستے پر نہیں۔حالانکہ وہ کتاب (الٰہی) پڑھتے ہیں۔اسی طرح بالکل انہی کی سی بات وہ لوگ کہتے ہیں جو (کچھ) نہیں جانتے (یعنی مشرک) تو جس بات میں یہ لوگ اختلاف کر رہے خدا قیامت کے دن اس کا ان میں فیصلہ کر دے گا۔

تفسیر:

صاحب مؤلف ان آیات کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

---

[28] الازھری، پیر کرم علی شاہ، ضیاء القرآن، ج:1، ص:238

نجران کے عیسائی بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے تو ان کی آمد کی خبر سن کر علماء یہود بھی وہاں پہنچ گئے۔ فریقین مین گفتگو شروع ہو گئی۔ اثناء کلام میں یہود نے کہہ دیا کہ نصاری کا مزہب بالکل باطل ہے اور نصاری نے بھی جوابا کہ دیا کہ یہود کا حق و صداقت سے کوئی واسطہ نہیں۔ اللہ تعالی دونوں کی غلطی کا فرماتے ہیں کی جب تورات میں حضرت عیسی علیہ السلام کی آمد اور ان کی رسالت کا ذکر موجود ہے تو تورات پر ایمان کا دعوے کرنے والے یہود کو یہ حق نہیں پہنچتا کی وہ حضرت عیسی علیہ السلام کی رسالت کا انکار کریں اور انجیل میں جب حضرت موسی علیہ السلام کی نبوت کی ان گنت شہادتیں موجود ہیں تو اب نصاری کس منہ سے موسی علیہ السلام کی نبوت کا انکار کرتے ہیں غرضیکہ کی راستی کا دامن دونوں کے ہاتھ سے چھوٹ گیا ہے دونوں اپنی ضد پر اڑے ہوتے ہیں۔[29]

یہود کے اطوار کفر بالآیات، انبیاء و مبلغین کا قتل، ان کی سزا، ان کو ان کے غلط مرعومات نے گمراہ کر دیا:

اللہ کریم قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

فَاِنۡ حَآجُّوۡكَ فَقُلۡ اَسۡلَمۡتُ وَجۡهِىَ لِلّٰهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ‌ؕ وَقُلۡ لِّلَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ وَالۡاُمِّيّٖنَ ءَاَسۡلَمۡتُمۡ‌ؕ فَاِنۡ اَسۡلَمُوۡا فَقَدِ اهۡتَدَوۡا ۚ وَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَاِنَّمَا عَلَيۡكَ الۡبَلٰغُ‌ؕ وَاللّٰهُ بَصِيۡرٌۢ بِالۡعِبَادِ

ترجمہ:

اے پیغمبر اگر یہ لوگ تم سے جھگڑنے لگیں تو کہنا کہ میں اور میرے پیرو تو خدا کے فرمانبردار ہو چکے اور اہل کتاب اور ان پڑھ لوگوں سے کہو کہ کیا تم بھی (خدا کے فرمانبردار بنتے ہو) اور اسلام لاتے ہو؟ اگر یہ لوگ اسلام لے آئیں تو بے شک ہدایت پالیں اور اگر (تمہارا کہا) نہ مانیں تو تمہارا کام صرف خدا کا پیغام پہنچا دینا ہے اور خدا (اپنے) بندوں کو دیکھ رہا ہے۔

اللہ کریم قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّ الَّذِيۡنَ يَكۡفُرُوۡنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقۡتُلُوۡنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيۡرِ حَقٍّ ۙ وَّيَقۡتُلُوۡنَ الَّذِيۡنَ يَاۡمُرُوۡنَ بِالۡقِسۡطِ مِنَ النَّاسِ ۙ فَبَشِّرۡهُمۡ بِعَذَابٍ اَلِيۡمٍ ۔

ترجمہ:

جو لوگ خدا کی آیتوں کو نہیں مانتے اور انبیاء کو ناحق قتل کرتے رہے ہیں اور جو انصاف (کرنے) کا حکم دیتے ہیں انہیں بھی مار ڈالتے ہیں ان کو دکھ دینے والے عذاب کی خوشخبری سنا دو۔

---

[29] الازھری، پیر کرم علی شاہ، ضیاء القرآن، ج: 1، ص: 86-87

اللہ کریم قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمَا لَهُمْ مِنْ نَاصِرِينَ ۔

ترجمہ:

یہ ایسے لوگ ہیں جن کے اعمال دنیا اور آخرت دونوں میں برباد ہیں اور ان کا کوئی مددگار نہیں (ہوگا)

اللہ کریم قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِنَ الْكِتَابِ يُدْعَوْنَ إِلَىٰ كِتَابِ اللَّهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلَّىٰ فَرِيقٌ مِنْهُمْ وَهُمْ مُعْرِضُونَ ۔

ترجمہ:

بھلا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو کتاب (خدا یعنی تورات سے) بہرہ دیا گیا اور وہ (اس) کتاب اللہ کی طرف بلائے جاتے ہیں تاکہ وہ (ان کے تنازعات کا) ان میں فیصلہ کر دے تو ایک فریق ان میں سے کج ادائی کے ساتھ منہ پھیر لیتا ہے۔

اللہ کریم قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَعْدُودَاتٍ ۖ وَغَرَّهُمْ فِي دِينِهِمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ۔

ترجمہ:

یہ اس لیے کہ یہ اس بات کے قائل ہیں کہ (دوزخ کی) آگ ہمیں چند روز کے سوا چھو ہی نہیں سکے گی اور جو کچھ یہ دین کے بارے میں بہتان باندھتے رہے ہیں اس نے ان کو دھوکے میں ڈال رکھا ہے۔

تفسیر:

صاحب مؤلف ان آیت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اگر حق سمجھ لینے کے بعد حسد کی وجہ سے وہ حق کا انکار کریں اور اپ سے جھگڑا کریں تو ایسے لوگ لفظی بحث میں الجھ کر اپنا قیمتی وقت کیوں ضائع کریں بلکہ ان کی پسند اور ناپسند سے بے نیاز ہو کر اپنے اور اپنا غلاموں کے محکم عقیدے اور کا کھلے الفاظ میں اعلان کر دیں اس کا ان پر نفسیاتی اثر پڑے گا کیونکہ جب وہ دیکھیں گے کہ ان کے ہزاروں حیلے اور لاکھوں فریب پہ اثر ثابت ہو گئے ان کے باوجود حق کے پرچاروں کے پاؤں نہیں گائے بلکہ ان کی تعداد دن بدن بڑھ رہی ہے تو ان کے حوصلے پست ہو جائیں گے اور اسلام کے مخالفت میں ان کی گرم جوشی سرد پڑ جائے گی

یہاں ایک اور لائن کا حکم دیا جارہا ہے کہ اپ ان پر بھی یہ واضح کرتے ہیں کہ ہم تم کو اسلام کی جو بار بار دعوت دے ہیں ان کی یہ وجہ نہیں کہ تمہاری سنگت سے اپنی تقویت کا قصد کر رہے ہیں اور در پردہ اپنی مصلحت کے لیے کوشاں ہیں بلکہ اسلام کی دعوت قبول کر لینے میں سراسر تمہارا ہی فائدہ ہے اور اگر ضد پر اڑے رہے اور اس کو قبول نہ کیا تو ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکو گے بلکہ اپنی دنیا و اخرت کا ستیاناس کر دو گے۔

آیت 20 تا 25 میں یہود کی بد عنوانیوں سرکشیوں اور حق سے وابستہ انکار اور اہل حق پر ظلمت ستم توڑنے اور ان کو بے رحمی سے قتل کر دینے کی دیرینہ عادت کا ذکر کیا جارہا ہے اور اس پر انہیں قیامت کے دن کی سختیوں کو یاد کر کے تنبیہ کی جارہی ہے تاکہ وہ اپنی اس روش سے باز آجائیں نیز ان کی اس غلط فہمی کا رد بھی کر دیا جس میں وہ بری طرح مبتلا تھے کہ وہ جو کہ وہ خواہ کچھ بھی کرتے رہیں ان کو یا تو عذاب ہو گا ہی نہیں اور اگر ہوا بھی تو گنتی کے چند روز انہیں واضح طور پر بتا دیا گیا کہ یہ تمہاری من گھڑت باتیں ہیں جن کی کوئی حقیقت نہیں بلکہ تم سے تمہاری بدکاری کا سخت باز پرس ہو گی اور تمہیں تمہاری کارستانیوں کی پوری سزا دی جائے گی تقریبا یہی مضمون پہلے سورہ بقرہ میں گزر چکا ہے۔[30]

اللہ کریم قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ ۘ سَنَكْتُبُمَاقَالُوْاوَقَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّنَقُوْلُذُوْقُوْا عَذَابَالْحَرِيْقِ۔

ترجمہ:

خدا نے ان لوگوں کا قول سن لیا ہے جو کہتے ہیں کہ خدا فقیر ہے۔ اور ہم امیر ہیں۔ یہ جو کہتے ہیں ہم اس کو لکھ لیں گے۔ اور پیغمبروں کو جو یہ ناحق قتل کرتے رہے ہیں اس کو بھی (قلمبند کر رکھیں گے) اور (قیامت کے روز) کہیں گے کہ عذاب (آتش) سوزاں کے مزے چکھتے رہو

تفسیر:

[30] الازھری، پیر کرم علی شاہ، ضیاء القرآن، ج: 1، ص: 216-217

صاحب مؤلف اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

حضور کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ کو یہود کے ایک قبیلہ بنی کینکا کے پاس اپنا مکتوب گرامی دے کر بھیجا جس میں ان کو دعوت اسلام دی گئی تھی نماز اور زکوۃ کے متعلق تاکید کی گئی تھی اور یہ بھی تحریر تھا کہ اللہ تعالی کو قرض حسنہ دیں نیکی کے کاموں میں اپنی دولت خرچ کریں اس پر ان کے ایک منہ پھٹ فحاص بن ازورہ نے تمسخر کہا کہ اللہ مفلس نادار ہے اس لیے تو ہم سے قرض مانگ رہا ہے حلیم الطبع ابو بکر رضی اللہ تعالی عنہ اس گستاخی کو برداشت نہ کر سکے اور اس کے منہ پر تمانچہ رسید کیا اور فرمایا اگر ہمارے تمہارے درمیان معاہدہ نہ ہوتا تو تمہارا سر قلم کر دیتا اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت صدیق کے اکبر رضی اللہ تعالی عنہ کی شکایت کی اور اپنے الفاظ سے بالکل مکر گیا اس وقت رب العزت نے یہ آیت نازل فرمائی ہم یہ الفاظ ان کے نامہ اعمال میں لکھ لیں گے کلام الہی کے ساتھ مذاق اتنا بڑا جرم ہے کہ قتل انبیاء کے ساتھ اسے لکھا گیا یعنی یہود کو یہ عذاب شدید بلاوجہ نہیں دیا گیا بلکہ ان کی بدکاریوں اور طبعی سمر اور عادلانہ سزا ہے یہود نے جو فن حیلہ سازی کے امام تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لانے کا ایک اور عذر تراشہ کہنے لگے کہ ہم تو اپ کو نبی نہیں مان سکتے کیونکہ ہمارے رب نے ہم سے پختہ وعدہ لیا ہے کہ کسی ایسے شخص کو نبی نہ مانا جو تمہیں یہ معجزہ نہ دکھائے کہ وہ قربانی کرے اور آسمانی آگ آکر اسے جلا کر راکھ کر دے اور اپ نے تو یہ معجزہ نہیں دکھایا اس لیے ہم آپ کی رسالت تسلیم کرنے سے معذور ہیں قران پاک نے ان کے اس عذر کو بھی باطل کر دیا تمہاری مقدس کتابوں میں یہ تو ہے کہ بعض انبیاء نے معجزہ دکھایا کہ ان کی دعا سے آسمان سے آگ اتری اور ان کی قربانی کو جلا گئی لیکن یہ تسری نام کو بھی نہیں کہ جو نبی معجزہ نہ دکھائے اس پر ایمان نہ لانا اگر اس کی صداقت اور واضح دلیلیں موجود ہوں اور اگر ایک لمحے کے لیے یہ فرض کر بھی لیا جائے کہ تم نے اس سے پہلے کب پاس رکھا وہ انبیاء جن سے یہ معجزہ ظاہر ہوا ان کے ساتھ بھی تم نے کفر کیا اور صرف زبانی کفر پر ہی بس نہیں کی بلکہ ان کو قتل تک کر دیا تمہیں جن کا دامن معصوم انبیاء کے پاس خون پاک خون سے داغدار ہے ایسی بے سروسر و پا باتیں کہتے ہوئے حیا نہیں آتی۔[31]

حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمہ اللہ کی مطالعہ مذاہب میں خدمات

تعارف:

حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمتہ اللہ علیہ کی ولادت 14 ربیع الآخر 133ھ/مارچ 1913ء کو امروہ ضلع مراد آباد ہندوستان میں ہوئی۔ آپ نے تقریباً 74 سال کی بھرپور علمی عملی، دینی، تدریسی تبلیغی تصنیفی تحریکی اور سیاسی زندگی گزار کر بروز بدھ 25 رمضان المبارک 1406/14 جون 1986ء بعد از افطاری وصال فرمایا۔ آپ کے ہم عصر اہل علم، اہل دل، اصحاب کشف قلوب اور صاحبان معرفت و

[31] الازھری، پیر کرم علی شاہ، ضیاء القرآن، ج: 1، ص: 303-302

تصوف نے آپ کو امام اہل سنت، شیخ الحدیث، بیہقی دوراں، غزالی زماں، رازی دوراں، امام الواصلین وغیرہ القاب سے متعارف کروایا۔ آپ کے حالات زندگی پر مشتمل تفصیلی تذکرہ حیات غزالی زماں کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ آپ کی تصانیف کو مقالات کاظمی اور آپ کے متعلق مختلف علماء کی تحریروں کو امام کاظمی کے نام سے کئی جلدوں میں شائع کیا جا چکا ہے۔ آپ کے مقالات کاظمی کی جلد اول میں ایک مقالہ اسلام اور عیسائیت کے عنوان سے شامل ہے۔

مقالے کا تاریخی سیاق اور پس منظر:

غزالی زماں حضرت علامہ کاظمی رحمتہ اللہ علیہ کے مقالے اسلام اور عیسائیت کے پس منظر کو واضح کرنا ضروری ہے کیونکہ یہ پاکستان میں اپنے وقت کی مذہبی سرگرمیوں کو جانے میں محمد معاون ہے۔ اس مقالے کے تاریخی، مکانی اور زمانی سیاق، اسباب محرکات اور ان کے تقاضے سامنے آجائیں گے تو آج کے تاریک اور سودی کاروں کو پاکستان کے عدم موزیک ابتدائی چودہ سالوں کا مذہبی منظر نامہ اور اس وقت کے سنی علماء اور مشائخ کی علم اور عملی ترجیحات کی وجوہات اور ان کا باہمی ربط معلوم ہو جائے گا۔ قیام پاکستان سے پہلے برصغیر کا معاشرہ خلف ادیان کے پیروکاروں پر مشتمل ایک کٹر مذہبی معاشرہ تھا۔ اس میں ہندوست (Hinduism) کے پیروکار رہتے تھے تو اسلام کو ماننے والے بھی، بدھ مت (Buddhism) کے مطابق زندگی گزارنے والے موجود تھے تو جین مت (Jainism) کے پیروکار بھی سکھ مت (Sikhism) پر چلنے والے موجود تھے تو مجوسی مذہب (Zoroastrianism) کے زرتشتی اور پارس آتش پرست بھی۔ پاک و ہند کی مردم شماریوں کو دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کے معاشروں کی کثیر المذہبی صورت حال کسی حد تک اب بھی موجود ہے۔ معاشرے کے مسلم و غیر مسلم آبادی کے اس مذہبی منظر نامے کے پیش نظر خلیفہ اعلیٰ حضرت ابو محمد سید محمم دیدار علی شاہ الوری (1373-1354/-18571935ء) نے مقدمہ تغیر میزان الادیان'' لکھا۔ اس مقدمے کا باب دوم خاص طور پر کتب امم سابقہ میں نبی اکرم ﷺ کی بعثت کے متعلق بشارات کو دلیل اور مستند انداز میں زیر بحث لاتا ہے[32]۔

سیال شریف ضلع سرگودھا سے شیخ الاسلام حضرت خواجہ حافظ محمد قمر الدین سیالوی (1906-1986) نے ایک کتابچہ عیسائی مذہب" سے کے نام سے شائع کیا۔ عوام الناس پر تحریر سے زیادہ تقریر کے فوری اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ اس لیے آپ نے کم شرح خواندگی۔ کے سبب اشاعت کتب کے بجائے زیادہ تر تقریر کے طریقہ تبلیغ کو تری دیں۔۔۔ آپ عیسائی پادریوں کے ساتھ توریت و انجیل میں مسئلہ تحریف عقیدہ کفارہ عقیدہ البیت می اور عقیدہ الویت صیح جیسے موضوعات پر مناظرہ کرنے اور انہیں شکست دینے میں بہت شہرت رکھتے تھے۔ بعض مناظروں میں معاونت کے لیے انہوں نے علامہ ابو النصر پیر منظور احمد شاہ (1920/2019ء) آف ساہیوال کو اپنے ساتھ رکھا۔ تردید عیسائیت کے سلسلے میں حضرت خواجہ قمر الدین سیالوی کے مضامین مشہور ماہنامہ شمس الاسلام بھیرہ میں بھی شائع ہوتے تھے۔ مثلاً اس کے

---

[32] سعیدی، خورشید احمد، ماہانامہ ضیائے حرم، اسلام آباد: خیابان کرم، جلد 51، شمارہ 09، جون 2021ء، ص: 25-26

شمارہ نومبر دسمبر 1935ء میں عیسائیوں کے نام--- فبهت الذي كفر اور شمارہ جون 1937ء میں عیسائی دوستوں کے لیے نئے افکار کے مضامین شائع ہوئے۔

قیام پاکستان کے بعد معاشرے کی دینی، مذہبی، سیاسی، معاشی، معاشرتی تعلیمی، انتظامی اور حکومتی صورت حال بدل گئی۔اب مسلمان بھاری اکثریت میں۔ہیں تھے۔ان کے وطن کا نام اسلامی جمہوریہ پاکستان ہو گیا یعنی اس میں دین اسلام کو غیر اسلامی ادیان و مذاہب پر غالب آنے اور نفاذ نظام اسلام کی توقعات تھیں۔ مسلمانوں کی اکثریت، اسلام کے غلبے اور ان کی حکومت کے باوجود عیسائیوں نے اپنی تبلیغی مشنری سر گرمیاں بڑھادیں۔اس لیے مسلمان علماءاور بالخصوص سنی مشائخ نے اس صورت حال کو محسوس کیااور عملی اقدامات کے فیصلے کیے۔

غزالی زماں حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی پیے اس وقت کے معروف سنی علماء و مشائخ کی قیادت کے ایک نمایاں قائد تھے۔ان کا اسلام اور عیسائیت "نامی مقالہ کمپیوٹر پر کمپوزڈ مقالات کاظمی کی جلد اول میں شائع ہونے سے پہلے کتابت کاتب سے تحریر اور شائع ہونے والے ماہنامہ السعید ملتان میں علمی جواہر پارے کے تحت مدرسہ عربیہ انوار العلوم ملتان کے انیسویں سالانہ اجلاس کی آخری نشست کے عنوان سے شائع ہوا تھا۔اس عنوان کے متعلق چند اہم تاریخی اور بنیادی باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ایک یہ کہ یہ مقالہ دراصل حضرت غزالی زماں رازی دوران کے خطاب کی تحریری شکل ہے جو آپ نے مدرسہ اسلامیہ عربیہ انوار نے مدرسہ العلوم کے سالانہ اجلاس کی آخری نشست میں کیا تھا۔اس خطاب کا موضوع ''اسلام اور عیسائیت اور حجیت حدیث تھا لیکن اب مقالات کاظمی میں اسلام اور عیسائیت اور حجیت حدیث دو الگ مقالات کے طور پر شائع کیے گئے ہیں۔دوسری بات یہ ہے کہ اپنے اس موضوع کے بارے میں حضرت غزالی زماں نے فرمایا: "ان دونوں عنوانات پر مجھے تفصیل سے کہنا تھا لیکن قلت وقت کے ان دونوں رباعث اجمالی طور پر نہایت اختصار کے ساتھ چند بنیادی نکات پیش کرتا ہوں۔یہ بات بالکل درست ہے کیونکہ کئی دہائیوں بعد اب ہم اس مقالے کا مطالعہ کرتے ہیں تو یہ آپ کے خطاب کا اختصار معلوم ہوتا ہے۔اگر آپ کے پاس اپنی گوناگوں تحریکی، تدریسی، تبلیغی اور انتظامی مشغولیات کے دوران اس موضوع پر قلم اُٹھانے کے لیے وقت اور فرصت ہوئی تو اس کا ابتدائیہ، تمہید، ساخت، اور ترتیب، طلب موضوع، اقتباسات، دلائل، شواہد، مثالیں، طول و عرض، خاتمہ، نتائج، ضخامت وغیرہ سب کچھ مختلف ہوتے۔ تیسری بات یہ ہے کہ یہ خطاب مدرسہ انوار العلوم کے انیسویں سالانہ اجلاس کی آخری نشست تاریخ یکم اپریل 1962ء کو ہوا تھا۔اس کی صدارت راولپنڈی سے تعلق رکھنے والے حضرت مولانا شاہ عارف اللہ قادری سید (پیدائش 1327ھ/1909ء) نے کی تھی۔اس سے پاکستان میں اس وقت کے علماء کا باہمی تحریکی و جماعتی تعلق، دینی ترجیحات اور علمی کاموں کے درمیان تعاون، ربط اور رابطے کا علم ہوتا ہے۔ چوتھی بات یہ کہ اس اجلاس میں شرکاء کی تعداد میں ہزار سے زائد تھی۔اس دور میں مدرسہ کے سالانہ اجلاس میں شرکاء کے اس جم غفیر سے مدرسہ اسلامیہ عربیہ انوار العلوم،اس کے روح رواں غزالی زماں حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی بیان کی مقبولیت عام، گہرے اثرات اور ان کے سالانہ اجلاس میں علماءاور عوام الناس کی دلچسپی معلوم ہوتی ہے۔

یہاں یہ سوال ذہن میں آسکتا ہے کہ حضرت غزالی زماں رازی دوراں نے مذکورہ اجلاس کی آخری نشست کے ہیں ہزار سے زائد شرکاء کی دینی و فکری تربیت کے لیے اپنے خطاب میں اسلام اور عیسائیت کے موضوع کو ترجیح کیوں دی؟ راقم الحروف کی معلومات کے مطابق اس کی چند اہم

وجوہات ہیں۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ قیام پاکستان کے چند سالوں بعد ہی سے اسلامی جمہوریہ پاکستان میں عیسائیوں کی مشنری سرگرمیاں بہت تیز اور وسیع ہوگئی تھیں۔ 1951ء بمقابلہ ۱۹۶۱ء کی مردم شماری نے ان کی آبادی میں معمول سے ہٹ کر بہت زیادہ اضافہ ظاہر کیا تھا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ پاکستان کے مختلف شہروں سے شائع ہونے والے دینی رسائل اسلام بمقابلہ عیسائیت کے موضوع پر مقالات اور مضامین نشر کر رہے تھے۔ مثلاً سیالکوٹ سے سلطان الواعظین علامہ ابوالنور محمد بشیر (1913ء1428/2007ء)اور علامہ عطاءالمصطفیٰ جمیل کی ادارت میں ماہنامہ ماہ طبیہ کوٹلی لوہاراں سے شائع ہو رہا تھا۔ یہ رسالہ اسلام اور عیسائیت کے حوالے سے مقالات و مضامین شائع کرنے کا اہتمام کیا کرتا تھا۔ راقم الحروف نے اس میں ایک مقالہ "حضرت عیسی علیہ السلام نہ خدا ہیں نہ خدا کے بیٹے بلکہ وہ خدا کے سچے نبی ہیں" کا مطالعہ کیا ہے۔ اس میں قرآن مجید کی آیات کے ساتھ عہد نامہ جدید کی اناجیل اور پولیس کے بعض خطوط کی عبارات سے استشہاد کیا گیا ہے۔

انہی ایام میں بھیرہ شریف ضلع سرگودھا سے ضیاء الامت حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری (جولائی 1918ء۔ اپریل1998ء) نے مئی 1962ء میں حیات مسیح کے موضوع پر ایک مقالہ شائع کیا۔ ان کا ایک اور مقالہ مقام مصطفی انجیل کی روشنی میں بھی ملتا ہے۔ بعد میں اسی سلسلے کے مزید مباحث کا اضافہ انہوں نے اپنی پانچ تخیم جلدوں میں شائع ہونے والی معروف تغیر ضیاء القرآن میں بھی کیا۔ خود حضرت غزالی زماں پیر کے اپنے شہر ملتان سے حکیم محمد شفیع طور کی ادارت میں ماہنامہ ''جلوۂ طور شائع ہوتا تھا۔ اس کی ایک اشاعت خاص کا عنوان پیغمبر اسلام ﷺ انجیل مقدس کی روشنی میں تھا۔ اس کے اداریے بعنوان مقصد اشاعت خاص میں مدیر نے ہزاروں، لاکھوں اور پھر اربوں درود و سلام کے ذیلی عناوین کے تحت نبی اکرم ﷺ کے ساتھ اپنی محبت و عقیدت کے اظہار کے بعد ایک جگہ عیسائیوں کی مشنری اور خلاف اسلام سرگرمیوں کے متعلق لکھا ہے:

"تاریخ شاہد ہے کہ اسلام کے خلاف مسیحی دنیا کی یہ کوئی نئی مخالفت نہیں اور توحید کے خلاف عیسائی مشنریوں کا کوئی نیا محاذ نہیں بلکہ ابتدائے اسلام سے کفر نے اسلام کے خلاف ہر دور میں ہر رنگ میں ہر حالت میں ہر منزل پر ہر دور میں داعی الی الحق کی مخالفت کی مسیح دنیائے اسلام کی حقیقت سے ہمیشہ باخبر رہ کر کفر کے اندھیرے میں سرگرداں و پریشان رہتے ہوئے پھر بھی نور اسلام کی مخالفت کرتے رہے اور کر رہے ہیں اور کرتے رہیں گے۔"

ایک اور جگہ مدیر نے عیسائی مشنریوں کے حوالے سے مسلمان علماء و مشائخ کے عدم التفات اور قلت اہتمام کے متعلق لکھا ہے: پاکستان کا عالم وجود میں آنے کا مقصد ہی ایک خدا، ایک قرآن، ایک رسول، ایک قوم، ایک ملت تھا اور ہے۔ پاکستان کا مقصد اسلام اور قرآن کے قوانین کے تحت حکومت چلانا ہے لیکن مقام حیرت ہے کہ پاکستان بننے کے بعد یورپ سے عیسائی مشنریوں نے پھر اپنا تبلیغی رخ پاکستان و ہندستان کی طرف کیا۔ ہندستان کی سیکولر سٹیٹ میں ان کی سرگرمیوں کو عیسائیوں تک محدود کر دیا گیا۔ یا ہے لیکن پاکستان میں ان کی روز افزوں بڑھتی ہوئی تبلیغی سرگرمیوں کی طرف نہ ہی اراکین سلطنت متوجہ ہوتے ہیں اور نہ ہی ہمارے علماء ربانی، مشائخ کرام، لیڈران عظام ان کے خلاف آواز بلند فرماتے ہیں۔ ماہنامہ جلوہ و مکان کے اس شاہی کا اداریہ میائی تبلیغی اقدامات کے تعلق اپنی پالیسی اور طریق کار کے متعلق کہتا ہے۔ ماہنامہ الہ اور ملتان شمارے مسیحی مشنریوں کی ان بڑھتی ہوئی تبلیغی سرگرمیوں اور اکابرین ملت و رہنمایان قوم کے اس بنیادی مقصد حیات سے

غفلت کے پیش نظر ادارہ جلوہ طور نے فیصلہ کیا ہے کہ مناظرانہ رنگ و طریق اختیار کرنے کے بجائے اسلام کو اصلی رنگ و روپ میں پیش کیا جائے۔ پیغمبر اسلام کی صحیح زندگی مبلغین مسیحیت و عیسائیت کے سامنے پیش کی جائے۔ خواص و عوام کو پیغمبر اسلام کی تعلیمات سے آگاہ کیا جائے۔ امید ہے کہ بفضلہ تعالی اور قارئین جلوہ طور کے تعاون سے ہم پاکستانی عیسائی مشنریوں کو ناکام ولاجواب کر دیں گے جس طرح 1854ء میں پادری نقدر ناکام و نامراد واپس گئے۔ بلکہ ہمیں کوشش کرنی چاہیے کہ عیسائی مشنریوں کے مبلغین کو نور اسلام سے فیضیاب ہونے کا موقع دیں تاکہ یہی مبلغین واپس جاکر اسلام کے مبلغین ثابت ہوں۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ماہنامہ جلوہ طور کے اٹھانوے صفحات پر مشتمل اس خاص نمبر کے مقالات و مضامین اور ان کے مصنفین کی فہرست پیش کر دی جائے تاکہ اس میدان میں تحقیقی کام کرنے کی دلچسپی رکھنے والے تحقیق کار اس ماہنامے سے مزید استفادہ کر سکیں۔

1. ہدیہ نیاز بحضور پیغمبر اسلام (نعت)، پروفیسر کرپال سنگھ بیدار
2. وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِلْعَالَمِينَ: ساری دنیا کے لیے حق و عدل کا پیغام، مولانا ابوالکلام آزاد
3. شجرہ طیبہ خاتم النبیین ﷺ اور نسب نامہ یسوع مسیح علیہ السلام، مولانا عبدالرحمن فرید کوئی
4. محمد رسول اللہ ﷺ کے ذکر پاک کی رفعت و عظمت، مولانا فیوض الرحمن لاہور
5. رسول اللہ (نعت)، جوش ملیح آبادی
6. داعی اسلام، مولانا حسین احمد مدنی
7. معراج بشر (نعت)، خادم کی قلی، ملتان
8. موجودہ انجیل، مولانا ابوالفاروق جالندھری
9. انسان کامل، ابوالکمال اسلم انصاری، ملتان
10. صبح سعادت (نعت)، مولانا ماہر القادری مدیر فاران، کراچی
11. حضرت محمد ﷺ کا اسم مبارک باکمیل میں حکیم برزخ جمیل احمد، پاکستن
12. سیرت سردار عالم (نعت)، منظر اعظمی
13. معجزات، صاحبزادہ ابوالفیض محمد امیر خسرو اشعری چشتی حضور ان کے معجزات، صاحب صورۃ
14. رسول اکرم ﷺ پر کتاب مقدس کی بشارت (خط)، مولانا محمد اسماعیل امرتسری ملتان

ماہنامہ جلوہ طور ملتان سے بہت پہلے مدرسہ اسلامیہ عربیہ انوار العلوم کچہری روڈ ملتان کا علمی اور فکری ماہنامہ السعید اور اس کے مضامین نگار مطالعہ یہ عیسائیت اور ابطال عیسائیت کی ذمہ داری سے پیچھے نہیں رہے تھے۔ تحقیق کار دیکھ سکتے ہیں کہ ماہنامہ السعید ملتان کے جنوری اور

مارچ1962ء کے شماروں میں مدرسہ کے اس وقت کے فاضل نوجوان مدرس مولانا غلام مصطفی رضوی نے اسلام اور عیسائیت اور مقام حیرت (ماالمسیح ابن مریم إلا رسول) کے عنوانات کے تحت اپنے قیمتی علمی مقالات شائع کیے۔ قبلہ مفتی صاحب اسلامی نظریاتی کونسل اسلام آباد کے ممبر بھی رہے اور اب جامعہ انوار العلوم ملتان کے صدر مفتی اور سینکڑوں مفتیوں کے استاد اور رہنما ہیں۔

مذکورہ بالا پس منظر کی مختصر تفصیل سے واضح ہو جاتا ہے کہ وطن عزیز اسلامی جمہوریہ پاکستان کو عیسائی مشنریوں کی آماجگاہ بننے سے محفوظ رکھنے کے لیے مطالعہ عیسائیت، ابطال مسیحیت اور رد کفر و شرک کا کام انفرادی اور ابتدائی سطح تک محدود تھا۔ اسے ایک منظم ادارے کے پلیٹ فارم سے سرانجام دینے کی ضرورت تھی۔ اجتماعی دینی سرگرمیوں کے متعلق تاریخی تحریری ریکارڈ یہ بتاتا ہے کہ سنی علماء اور مشائخ نے ساٹھ کی دہائی میں اسلامی جمہوریہ پاکستان میں غیر مسلموں بالخصوص عیسائیوں کی شرکیہ عقائد پر مشتمل مذہبی سرگرمیوں اور ارتدادی مشنری کاموں کو ملاحظہ کیا تو انہیں بہت تشویش ہوئی۔ مسلم معاشرے میں عیسائی شرکیہ نظریات اور ان کے اثرات کے سدِ باب کے لیے انہوں نے ایک مرکزی ادارہ تعمیر اہل سنت پاکستان قائم کیا۔ اس ادارے کے قیام کے اسباب کو ماہنامہ رضوان لاہور میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔ اس میں علامہ سید محمود احمد رضوی مدیر رضوان اور سید خلیل احمد قادری خطیب مسجد وزیر خان رحمہا اللہ نے "لمحات فکر کے تحت اداریہ کا عنوان ''اے قوم سنبھل للہ سنبھل'' باندھا۔ اس میں مرکزی ادارہ تعمیر اہل سنت پاکستان کے قیام کے محرکات کے متعلق لکھا:

ملک میں بڑھتی ہوئی مذہبی ناشناسی اور اخلاقی پستی کو روکنے اور قرآن و سنت کی صحیح تبلیغ و اشاعت اور اسلام دشمن عناصر کی دست کم دے قوم مسلم کو بچانے کے لیے ایک خالص تبلیغی ادارہ کا قیام عمل میں آگیا لائل پور میں جبکہ حضرت امام اعظم سیدنا ابو حنیفہ رضی اللہ تعالی عنہ کے سراپا قدس کی مجالس ہو رہی تھیں اور ملک کے مقتدر علماء و مشائخ اس مجلس میں شریک تھے۔ اس ادارہ کا قیام عمل میں آیا۔ سنی علماء و مشائخ نے متفقہ طور پر عبوری دور کے لیے حضرت امام اہل سنت مفتی پاکستان مولانا الحاج علامہ ابوالبرکات سید احمد شاہ صاحب قبلہ دامت برکاتہم العالیہ شیخ الحدیث دار العلوم حزب الاحناف پاکستان لاہور کو ادارہ کا صدر منتخب کیا۔ اس تاریخی تعارفی بیان کے بعد انہوں نے ادارہ کے نام مقاصد اور طریق کار کے بارے میں سنی علماء و مشائخ کی اس مجلس میں درج ذیل امور کے طے پا جانے کا ذکر کیا ہے:

1. اس ادارہ کا نام اداری ارہ تعمیر اہل سنت پاپاکستان رہے گا۔
2. مقصد۔۔۔۔اشاعت کتاب و سنت۔ اصلاح معاشرہ۔ خدمت ملک و ملت
3. طریق کار۔۔۔۔۔ ہر ماہ اپنے اپنے حلقہ میں مسائل حاضرہ پر مجالس مذاکرہ کا انعقاد۔ تربیت مبلغین اور مدارس اسلامیہ کے طلباء میں تصنیف و تالیف کا شوق پیدا کر پیدا کرنا۔ اصلاح معاشرہ کے لیے مؤثر قدم اُٹھانا۔ مسلمانان پاکستان میں نظم و ضبط پیدا کرنا اور ان کی تعمیر و تنظیم کی تجاویز کو عملی جامہ پہنانا۔ اس سلسلہ میں یہ بھی طے پایا کہ ادارہ کے مقاصد کو عملی جامہ پہنانے کے لیے فوری طور پر قدم اُٹھایا جائے۔

اس ادارے کے زیر اہتمام دسمبر بروز اتوار بمقام رااعلام مرکزی ام حزب الاحناف پاکستان لال کول کوٹھی میلارام روڈ میں اسلام اور مسیحیت کے اہم عنوان پر ایک مجلس مذاکرہ منعقد کی گئی۔ اس خصوصی اجلاس میں مقامیں مقتدر علمائے اہل سنت ۔ مقالے بنائے اور تقاریر کیں۔ اس اجلاس میں پڑھے گئے مقالات اور تقاریر کی وسیع سطح پر اشاعت کے ۔ کے لیے ایک اور قدم اٹھایا گیا۔

فیصلہ یہ کیا گیا کہ ان علمی و فکری مقالات اور تقاریر کو ماہنامہ رضوان لاہور کے خاص نمبر میں شائع کر دیا جائے۔ اس سلسلے میں لکھتے ہیں:۔ رضوان کا یہ خاص نمبر وقت کے ایک نہایت ہی اہم تقاضہ کو پورا کر رہا ہے۔ عیسائی جس سر گرمی کے ساتھ پاکستان میں اپنے مشن کی تبلیغ واشاعت میں مصروف ہیں وہ آپ سے پوشیدہ نہیں ہے۔ ضرورت ہے کہ آپ بھی! فرض کو پہچانیں اور اس نمبر کی اشاعت میں خصوصی طور پر حصہ لے کر ثواب دارین حاصل کریں۔ آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ عیسائیوں کا ہر فرد خواہ وہ غریب ہو یا امیر اپنے مشن کی حمایت واشاعت میں بہر حال حصہ لیتا ہے۔ کیا ممکن نہیں ہے مسلمان بھی اسلام کی حفاظت واشاعت کے لیے کمر بستہ ہو جائیں؟ کیا مسلمان سرمایہ داروں میں ایک بھی ایسا مخلص مسلمان نہیں ہے جو محض رضائے الٰہی اور اسلام کی سربلندی کے لیے رضوان کے اس خاص نمبر کو ملک کے گوشہ گوشہ میں مفت تقسیم کرانے کا انتظام کر دے؟

اپنے قیام کے وقت ادارہ تعمیر اہل سنت پاکستان کی مالی حالت بہت کمزور اور ناگفتہ ہ تھی۔ ماہنامہ رضوان لاہور کی اس خاص اشاعت سے پہلے سنی علماء و مشائخ کی جو مجلس مذاکرہ منعقد ہوئی تھی اس کے ادارہ کے مالی حالات کے متعلق ذیل کی کی صورت حال معلوم ہوتی ہے:

ہماری بے سر و سامانی آپ کو معلوم ہے کہ دار العلوم حزب الاحناف پاکستان لاہور میں مؤرخہ 24 دسمبر 1961ء کو اسلام اور صیحت کے عنوان سے جو جلس مذاکرہ منعقد ہوئی اس کی حثیت اور پوزیشن کی تھی۔ اسلام کا مقابلہ تھا اور ہماری بے سر و سامانی کا یہ عالم تھا کہ اس مجلس کے انتظام وانصرام کے لیے ہمارے پاس ادارہ کے فنڈ میں ایک پیسہ بھی نہ تھا۔ بہر حال ادارہ کی طرف سے مجلس کے انعقاد کا اعلان کر دیا گیا۔ اللہ تعالی نے اپنے دین اسلام کے ساتھ اخلاص رکھنے والے کچھ لوگوں کے دلوں میں اس کی مدد کا خیال ڈال دیا۔ اخراجات برداشت کر لیے گئے۔ اس مجلس مذاکرہ میں ادارہ تعمیر اہل سنت پاکستان نے پاکستانی مسلم قوم سے اپیل کی کہ وہ اسے مضبوط بنانے، اس کے مقاصد کو تحمیل تک پہنچانے اور سنی عوام کو متحرک بنانے کے لیے ہر شہر میں اس کی شاخیں قائم کریں۔ اس سلسلے میں لکھتے ہیں: قوم مسلم کے خیر اور دین کا درد رکھنے والے احباب کی خدمت میں ملتمس ہیں کہ وہ ادارہ تعمیر اہل سنت کو مضبوط بنائیں اور اس کے مقاصد کی تکمیل کے لئے ہمارے ساتھ تعاون فرمائیں۔ سنی علماء اور سنی عوام کی خدمت میں التماس ہے کہ وہ ہر جگہ ادارہ تعمیر اہل سنت کی شاخیں قائم کریں۔ ہر شہر میں ادارہ تعمیر اہل سنت کی شاخیں قائم کرنے کا یہ پیغام جب گجرات میں پہنچا تو وہاں حضرت علامہ مفتی احمد یار خان کی اہلیہ (1314 – 18941971/1391ء) نے اس کی ایک شاخ قائم کی اور اس شاخ سے انہوں نے اپنا ۴۸ صفحات کا ایک کتابچہ اسلام اور عیسائیت ایک

ہزار کی تعداد میں شائع کیا۔اس کتابچے کے آخری صفحے پر انہوں نے پرانے اور نئے عہد نامہ پر مبنی ایک کتاب عیسائیت اور توہین انبیاء "لکھنے اور شائع کرنے کا اعلان کیا۔راقم الحروف کو معلوم نہ ہو سکا کہ یہ کتاب لکھی اور چھاپی گئی یا نہیں۔ہر شہر میں اور تعمیر اہل سن کی شاخیں قائم کرنے کا یہ پیام جب راولپنڈی پہنچا تو وہاں بھی ایک شاخ قائم کر دی گئی۔راولپنڈی کی شاخ کی سرپرستی حضرت مولانا الحاج شاہ محمد عارف اللہ قادری کے زمہ گئی۔ان کا بھی ایک مقالہ مسیحی اعتراضات کے جوابات ماہنامہ رضوان لاہور کے مذکورہ خاص نمبر کی دوسری جلد میں شائع ہوا تھا۔یہ وہی شاہ محمد عارف اللہ قادری ہیں جنہوں نے یکم اپریل 1962 کو مدرسہ عربیہ اسلامیہ انوار العلوم ملتان کے انیسویں سالانہ جلسہ کی آخری نشست کی صدارت کی تھی۔ ممکن کی ہے کہ وہ اسلام اور عیسائیت کے متعلق مقالات پر مشمل ماہنامہ رضوان کے دونوں شمارے اپنے ساتھ لائے ہوں اور حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی میلہ کی خدمت میں پیش کر کے انہیں اس موضوع پر خطاب کی تجویز دی ہو۔یہ بھی مکن ہے کہ مدرس انوار اعلام ملتان کے اس اہم اجلاس کی آخری نشست میں اسلام اور عیسائیت کے موضوع پر امام اہل سنت علامہ کاظمی و خصوصی خطاب کی دعوت ادارہ تعمیر اہل سنت پاکستان کے صدر حضرت علامہ ابوالبرکات سید احمد شاہ نے دی ہو اور یہ بھی مکن ہے کہ پاکستان میں عیسائیت کے فروغ،ان کی سرگرمیوں اور ان کے متعلق سنی علماء و مشائخ کے علمی، فکری اور عملی اقدامات سے حضرت غزالی زماں اچھی طرح واقف تھے۔اس لیے انہوں نے مدرسہ کے سالانہ اجلاس کے خاص موقع پر اسلام اور عیسائیت کے موضوع پر اپنا خصوصی خطاب فرمایا۔راقم الحروف کو اس وقت دستیاب تحریروں کی مدد سے کسی ایک حقیقی محرک کا تین دشوار ہے۔اس پس منظر اور قوی قرائن سے واضح ہوتا ہے کہ اس جلسہ میں حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی نے اسلام اور عیسائیت کے موضوع پر کیوں خطاب فرمایا تھا؟اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان کا خطاب اپنے تاریخی سیاق، حالات کے تقاضوں اور عوام کی امنگوں کے عین مطابق تھا۔اس خطاب کے بنیادی نکات اور علامہ کاظمی کی انفرادیت کا تجزیہ زیر نظر تحریر کے دوسرے حصے میں اپنے مقام پر آئے گا۔یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسلام اور عیسائیت کے موضوع سے دلچسپی رکھنے والے قارئین اور نے تحقیق کاروں کے استفادے کے لیے ذیل میں پہلے ماہنامہ رضوان لاہور (جلد ۱۴، شمارہ ۲، فروری ۱۹۶۲ء) میں شائع ہونے والے مقالات کے عنوانات کی فہرست پیش کر دی جائے:

1. صدارتی تقریر،از میاں غلام قادر (آف شاز ولیباٹریز و سرپرست ادارہ تعمیر اہل سنت پاکستان)
2. خار و گل از علامہ ابوالاسد حقانی
3. اسلام اور مسیحیت،از مولانا سید محمد اشرف مشہدی کاظمی، فاضل دار العلوم مرکزی انجمن حزب الاحناف،لاہور
4. اسلام اور مسیحیت،از مولانا حسن الدین ہاشمی، مدرس مدرسہ حزب الاحناف،لاہور
5. قرآن اور انجیل،از ڈاکٹر آر ای عباسی،راولپنڈی
6. اسلام اور عیسائیت،از آزاد بن حیدر، ناظم مرکزی انجمن تبلیغ الاسلام۔

7. اسلام اور عیسائیت، مولانا علامہ محمد مطیع الرضاء القادری، خطیب اعظم، راولپنڈی
8. اسلام اور عیسائیت، از محمد نور الھدی دہلوی، راولپنڈی

اسلام اور عیسائیت کے متعلق مقالات پر مشتمل ماہنامہ رضوان لاہور کی دوسری جلد (جلد ا، شمارہ ۴، اپریل ۱۹۶۲ء) ایک بعد شائع کی گئی۔ یہ بھی انہی مقالات پر مشتمل ہے جو ادارہ تعمیر اہل سنت پاکستان کے تحت پاکستان میں عیسائیت کو فروغ کیوں؟'' کے عنوان پر لاہور اور راولپنڈی میں منعقد ہوئے۔ اس خاص نمبر کے مقالات کی فہرست عنوانات یہ ہے:

1) مسیحی اعتراضات کے جوابات، از حضرت مولانا شاہ محمد عارف اللہ قادری، راولپنڈی
2) اسلام اور مسیحیت، از فاتح عیسائیت مولانا ابوالنصر منظور احمد، سرپرست ادارہ تعمیر اہل سنت، منٹگمری (ساہیوال)
3) پاکستان میں عیسائیت کا فروغ کیوں؟، از قاری عبدالحمید قادری
4) مسیحیت میں خدا اور سول کا تصور، از محمد نور الھدی، راولپنڈی
5) اسلام اور مسیحیت میں عملی زندگی، از مولانا صاحبزادہ محمد فیض علی فیضی، خطیب جامع مسجد، راولپنڈی
6) عقیدہ کفارہ و مسئلہ شفاعت، از علامہ مولانا مفتی اعجاز ولی خاں، لاہور

اگر کوئی تحقیق کار ماہنامہ رضوان لاہور کی اپریل 1962ء کے بعد والی جلدوں اور شماروں کی چھان بین کرے تو اُسے اسلام اور عیسائیت مسیحیت کے موضوع پر مزید کئی مقالات اور مضامین ملنے کی امید کی جاسکتی ہے۔ مزید برآں راولپنڈی سے ایک ماہنامہ "سالک" کے نام سے شائع ہوتا تھا۔ راقم الحروف نے اس کی جلد نمبر کے چند رسائل ملاحظہ کیے ہیں۔ ان کی ورق گردانی سے معلوم ہوا کہ یہ بہت مقبول رسالہ تھا۔ اس ماہنامہ رسالے کے مدیر مسئول الحاج الشاہ محمد عارف اللہ قادری میرٹھی جبکہ نائب مدیر صاحبزادہ محمد عفان اللہ قادری تھے۔ اس میں اسلام اور عیسائیت کے متعلق مقالات و مضامین شائع ہوتے تھے۔ مثلاً اس کی جلد ا، شمارہ 4۔ 5، ذی قعدہ و ذوالحج 1383ھ مطابق اپریل مئی 1963ء میں سید حسین آف کراچی کا ایک مقالہ بائبل کی الہامی حیثیت صفحات 59 تا 26 چھپا تھا۔ اسی طرح اس کے اگلے شمارے یعنی جلد ا، شمارہ، محرم الحرام 1383ھ مطابق جون 1963ء میں صفحات 34 تا 37 پر آزاد بن حیدر کا ایک مضمون ''اسلام اور عیسائیت چھپا تھا۔

ماہنامہ رضوان لاہور، اپریل 1962ء کے اسلام اور عیسائیت کے متعلق نمبر میں فاتح عیسائیت مولانا پیر ابوالنصر منظور احمد شاہ کا بھی ایک مقالہ شائع ہوا تھا۔ وہ ادارہ تعمیر اہل سنت پاکستان کی اس شاخ کے سرپرست تھے جو منٹگمری (ساہیوال) میں قائم ہوئی تھی۔ اسلام اور عیسائیت کے متعلق ان کی 621 صفحات پر مشتمل ایک مشہور کتاب ''آئینہ حق'' کے نام سے بار بار چھپی ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے عیسائیوں کے

ساتھ مناظروں میں سامنے آنے والے سوالات، اعتراضات اور شبہات کے مدلل جواب جمع کر دیئے ہیں۔ اس کتاب میں انہوں نے وراثت ابراھیمی، ذبیح اللہ کون؟، رد الوہیت وابن اللہیت صحیح انبیاء میں افضل کون؟ تردید مسئلہ کفارہ، تردید عقیدہ تثلیث، تحریف بائیل، تناقضات بائیبل، اسلام پر اعتراضات کے جوابات، بانی اسلام پر اعتراضات کے جوابات مسیح علیہ السلام کا مقام از روئے مسیحیت واسلام، حریت حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا، بشارات مصطفی، وغیرہ جیسے کئی موضوعات پر سیر حاصل مدلل بحثیں پیش کی ہے اور اپنے کلام کو تورات، زبور، اناجیل اور قرآن مجید کے حوالہ جات سے مستند بنایا ہے۔ شیخ الحدیث پیر ابو النصر منظور احمد شاہ کا ایک رسالہ مناظرہ نیویارک ہے۔ اس میں ایک امریکی عیسائی مسٹر جیکسن جوزف کے ایک سوال کے سترہ جواب پیش کیے گئے ہیں۔ دلچسپی رکھنے والوں کو ان کتابوں کا ضرور مطالعہ کرنا چاہیے۔ ہی رکھنے ملک پاکستان کے مابعد حالات مثلاً 1965ء کی پاک بھارت جنگ، 1971ء کی پاک بھارت جنگ کے سبب مغربی پاکستان سے مشرقی پاکستان کا الگ ہو کر بنگلہ دیش بن جانا، تمبر ۱۹۷۴ء میں ختم نبوت اور مسئلہ قادیانیت کی طرف قوم کا متوجہ ہونا 1973ء کے آئین پاکستان کی تشکیل میں علماء کی شرکت اور مشاورت، ذوالفقار علی بھٹو کے خلاف نو جماعتوں کے اتحاد کی تحریک، جنرل ضیاء الحق (1924–1988ء) کے مارشل لاء کا طویل دور حکومت (1977 تا 1988ء)، وغیرہ سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ادارہ تعمیر اہل سنت پاکستان کی عیسائیت کے خلاف علمی اور عملی سرگرمیں یا تو ماند پڑ گئیں یا بالکل ختم ہو گئیں۔ اس وقت تک دستیاب تحریروں سے حاصل ہونے والی معلومات سے یہی نتیجہ اخذ ہوتا ہے۔

اس پس منظر کے بعد اب یہ مضمون اپنے دوسرے حصے یعنی علامہ سید احمد سعید کاظمی پہلے کے مقالہ "اسلام اور عیسائیت کے اہم نکات اور ان کے تجزیہ کی طرف منتقل ہوتا ہے۔

اسلام اور عیسائیت کا تجزیہ اور اہم نکات:

حضرت غزالی زماں رحمتہ اللہ علیہ کے مقالے اسلام اور عیسائیت میں سب سے پہلے عیسائیت اور اسلام کا مفہوم واضح کیا گیا ہے۔ لفظ عیسائیت کا مفہوم واضح کرتے ہوئے آپ لکھتے ہیں: ''لفظ عیسائیت کا مفہوم ایک ایسے اضافی معنی کے سوا کچھ نہیں جو حضرت عیسی علیہ السلام اور مسیح ابن مریم کی ذات سے نسبت رکھنے پر دلالت کرتے ہیں۔ اس کے بعد اسلام کے معنی کے متعلق واضح کرتے ہیں کہ اسلام اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اپنا سر جھکا دینا ہے۔

عیسائیت اور اسلام کے معنی اور مفہوم کو واضح کرنے کے بعد یہ بیان کیا گیا ہے کہ ان دونوں کا انسان اور انسانیت کے ساتھ کیا ربط اور تعلق ہے۔ دنیا و آخرت میں انسان کی کامیابی اور حیات انسانی کے بارے میں ان دونوں کی افادیت کی حدود اور گہرے مضبوط ربط پر بات کی گئی ہے۔ اس حوالے سے آپ فرماتے ہیں:

اسلام انسانیت کے لیے لازم اور انسانیت اسلام کے لیے ملزوم ہے۔ مزید وضاحت کے لیے یوں کہیے کہ بنی کے اور لیے نوع آدم کے سلسلہ کو یہ نظر بصیرت دیکھنے سے معلوم ہو گا کہ انسانیت سے اسلام جدا نہیں ہوتا اور اسلام سے انسانیت علیحدہ نہیں ہوتی۔ انسان کی انسانیت، اس کی وسعت اور خالق کائنات کی کچی اطاعت کے بارے میں آپ اسلام بطور دین کے متعلق کہتے ہیں: کائنات وسعت انسانیت کا یہ عالم ہے کہ ایک فرد انسان اٹھارہ ہزار عالم کی حقیقتوں کا اجمالی طور پر مجموعہ ہے۔ تمام عالم المخلق کی حقیقتیں انسان کے جسم میں پائی جاتی ہیں اور عالم امر کے حقائق روح انسانی میں مضمر ہیں۔ یہ مجموعہ کائنات اور خلاصہ موجودات جب اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنا سر جھکائے گا تو اس کے دامن انسانیت سے لپٹے ہوئے اٹھارہ ہزار حقائق کائنات کے ذرے اللہ تعالیٰ کے سامنے جھک جائیں گے۔ اس کے بعد عیسائیت کی حیثیت کے متعلق فرماتے ہیں کہ لفظ عیسائیت یا مسیحیت میں بجز ایک معنی اضافی کے اور کچھ نہیں اس کے بعد آپ یہ دین اسلام کے پانچوں ارکان اور ان کے باہمی ربط وضبط کے نکتے کو اٹھاتے ہیں۔ آپ فرماتے رکھا۔ ایسی صورت میں اسلام کے ساتھ عیسائیت کے تقابل کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

اسلام کے چار ارکان یعنی شہادت توحید ورسالت، زکوۃ، روزہ اور حج چاروں عبادت نماز میں اختصار واجمال کے ساتھ پائے جاتے ہیں۔ ان کا ایک عبادت میں پایا جانا توحید معبود کی تعلیم اور اس کا حسن وخوبی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام حیثیت اسلام نے عبدہ ورسولہ سے زیادہ نہیں بتائی بلکہ ان کی الوہیت کا ابطال کیا۔

جبکہ عیسائیت میں نہ توحید الٰہی ہے نہ یہ ارکان پائے جاتے ہیں۔ نہ ہی ان کے درمیان وہ ربط اور افادیت جو دین اسلام کے ارکان میں نظر آتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عیسائیت رسالت ونبوت کے اُس پاکیزہ تصور سے خالی ہے جو دین اسلام کا خاصہ ہے۔ ارکان دین پر گفتگو کے بعد آپ نے انسانی زندگی کے لیے ایک مکمل اور کامل دستور حیات کی ضرورت کے نکتے کو اُٹھایا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ اسلام نے عقائد واعمال اور مکمل دستور العمل قرآن مجید میں پیش کیا ہے جبکہ عیسائیت میں بنی نوع انسان کے لیے نہ کوئی علمی نظریہ ہے نہ عملی پروگرام۔ آپ کا یہ فرمانا بالکل درست ہے۔ اگر ہم غور سے دیکھیں تو معاصر عرب ممالک کی عیسائیت میں رہبانیت، مغربی ممالک کی عیسائیت کی پاپائیت اور راہبوں کی اندھی تقلید پر بہت زور دیا جاتا ہے۔ شادی نہ کرنے والے عیسائی راہب اور عیسائی راہبات (نہیں) معاشرتی اور سماجی زندگی میں کئی قسم کے فساد برپا کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں بیان فرمایا ہے: ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلَى آثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا وَقَفَّيْنَا بِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَآتَيْنَاهُ الْإِنْجِيلَ وَجَعَلْنَا فِي قُلُوبِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ رَافَةً وَرَحْمَةً وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ إِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللَّهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا فَآتَيْنَا الَّذِينَ آمَنُوا مِنْهُمْ أَجْرَهُمْ وَكَثِيرٌ مِنْهُمْ فَاسِقُونَ[33]

"پھر ہم نے ان کے نقش قدم پر اور پیغمبر بھیجے اور ہم ان کے پیچھے لائے عیسی ابن مریم کو۔ اور ہم نے انہیں انجیل عطا فرمائی اور ہم نے ان کی پیروی کرنے والوں کے دلوں میں مہربانی اور رحمت رکھی اور ترک دنیا کا طریقہ انہوں نے خود ہی نکالا، ہم نے ان پر فرض نہ کیا تھا مگر صرف

---

[33] سورۃ الحدید: 27

اللہ کی رضا جوئی، پھر انہوں نے اُس کی رعایت نہ کی جو اس کی رعایت کا حق تھا۔ تو اُن میں سے ایمان لانے والوں کو ہم نے ان کا اجر عطا فرمایا اور ان میں سے اکثر لوگ نافرمان ہیں۔"

عیسائیوں کی شرکیہ باتوں کے متعلق مزید فرمایا:

اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ[34]

"انہوں نے اپنے دینی پیشواؤں اور عبادت گزاروں کو اللہ کے سوا اپنا رب بنالیا۔"

یہاں ایک نکتہ کا اضافہ کرنا قارئین کے لیے مفید ہوگا۔ دیکھیئے اسلام میں قیام ریاست، تشکیل حکومت اور امور سیاست یعنی خلافت ارضی کا علم اللہ کے کلام میں دیا گیا ہے۔ ہمارے پیارے رسول اللہ ﷺ کی سیرت، آپ کے صحابہ کی زندگیوں اور مجتہدین اسلام کے اجتہادات کی مدد سے ریاستی قوانین کا ایک مکمل اور کامل نظام موجود ہے۔ اس کے بغیر کسی ملک کے شہریوں کا کاروبا حیات کامیابی سے نہیں چل سکتا۔ اگر آپ عیسائیت کا مطالعہ کریں تو اس میں خلافت ارضی اور سیاست ملک کا کوئی واضح نظریہ ی نظام نہیں ملے۔ اس لیے اسلام کو چھوڑ کر عیسائیت کو قبول کرنے کی دعوت تبلیغ یا کوئی مشنری کام انسانیت کے لیے معفر اور گمراہی ہے۔

کسی دستور حیات کے خالی ہونے کے کتے پر کلام کے بعد حضرت کاظمی رحمتہ اللہ علیہ نے عیسائیت کے عقیدہ تثلیث پر مختصر کلام فرمایا۔ آپ کے اس کلام کی طرف متوجہ ہونے سے پہلے مناسب ہے کہ تثلیث کے بارے میں قرآن مجید کی متعلق آیات ملاحظہ فرمالی جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ وَلَا تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللَّهِ وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلَى مَرْيَمَ وَرُوحٌ مِنْهُ فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَلَا تَقُولُوا ثَلَاثَةٌ انتَهُوا خَيْرًا لَكُمْ إِنَّمَا اللَّهُ إِلَهٌ وَاحِدٌ سُبْحَانَهُ أَنْ يَكُونَ لَهُ وَلَدٌ لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَكَفَى بِاللَّهِ وَكِيلًا[35]

"اے کتاب والو! اپنے دین میں حد سے تجاوز نہ کرو، اور نہ کہو اللہ پر مگر سچ۔ اس کے سوا کچھ نہیں کہ مسیح عیسی ابن مریم، اللہ کا رسول ہے اور اس کا کلمہ ہے جسے اللہ نے مریم کی طرف القاء کیا اور روح ہے اس کی طرف سے، پس تم ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسولوں پر اور نہ کہو کہ (معبود) تین ہیں (ایسی بات کہنے سے باز رہو۔ یہ تمہارے بے شک اللہ ہی اکیلا معبود ہے۔ پاک ہے وہ اس سے کہ اس کی کوئی اولاد ہو، اس کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے۔ اور کافی ہے اللہ کارساز۔"

---

[34] سورۃ التوبۃ: 31

[35] سورۃ النساء: 17

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ وَقَالَ الْمَسِيحُ يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ اعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ إِنَّهُ مَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ النَّارُ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْأنصار - لقد عَمَّا يَقُولُونَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ قَالَ ثَلَاثَةٍ وَمَا مِنَ الَّهٍ إِلَّا إِلَهَ وَاحِدٌ وَإِنْ لَمْ يَنتَهُوا ا مِنْهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ أَفَلَا يَتُوبُونَ إِلَى اللَّهِ وَيَسْتَغْفِرُونَهُ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِن مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَأُمَّهُ صِدِّيقَةٌ كَانَا يَأْكُلَانِ الطَّعَامَ انْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنَ لَهُمُ الْآيَاتِ ثُمَّ انظُرْ أَنَّى يُؤْفَكُونَ[36]

"بے شک کافر ہو گئے وہ لوگ جنہوں نے کہا۔ یقیناً مسیح ابن مریم ہی اللہ ہے۔ حالانکہ سی نے کہا تھا کہ اسے بنی اسرائیل عبادت کرو اللہ کی جو میرا اور تمہارا رب ہے۔ بے شک جو بھی اللہ کے ساتھ شرک کرے تو یقیناً اللہ نے اس پر جنت حرام کر دی اور اس کا ٹھکانا (دوزخ کی آگ ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔ بے شک کافر ہو گئے وہ لوگ جنہوں نے کہا تین اللہ تین میں سے تیسرا ہے۔ حالانکہ کوئی معبود نہیں سوائے ایک معبود کے۔ اور اگر اپنی ان (بے ہودہ باتوں سے تو بے شک ضرور پہنچے گا ان لوگوں کو جنہوں نے اُن میں سے کفر کیا دردناک عذاب تو کیا وہ اللہ کی طرف رجوع نہیں کرتے اور اُس سے بخش نہیں مانگتے؟ حالانکہ اللہ بہت بخشنے والا بے حد تم فرمانے والا ہے۔ نہیں مسیح ابن مریم مگر ایک رسول۔ بے شک ان سے پہلے بہت رسول گزر چکے ہیں۔ اور ان کی ماں صدیقہ ہیں۔ دونوں کھانا کھاتے تھے۔ دیکھیے ہم ان کے لیے کس طرح کھول کر دلیلیں بیان کرتے ہیں۔ پھر دیکھیے وہ کہاں بھٹکتے پھرتے ہیں۔"

وَإِذْ قَالَ اللَّهُ يَاعِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ أَنتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُونِي وَأُمِّيَ إِلَهَيْنِ مِنْ دُونِ اللَّهِ قَالَ سُبْحَانَكَ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أَقُولَ مَا لَيْسَ لِي بِحَقٍّ إِن كُنتُ قُلْتُهُ فَقَدْ عَلِمْتَهُ تَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِي وَلَا أَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِكَ إِنَّكَ أَنتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ[37]

"اور جب اللہ فرمائے گا اے عیسی مریم کے بیٹے کیا تم نے کہا تھا لوگوں سے کہ مجھے اور میری ماں کو دو معبود بنا و اللہ کے سوا؟ وہ عرض کریں گے تو پاک ہے۔ میرے لائق نہیں کہ میں وہ بات کہوں جس کا مجھے حق نہیں۔ اگر میں نے یہ کہا ہوتا تو اسے تو ضرور جانتا۔ تو میرے دل میں چھپی ہوئی ہر بات جانتا ہے اور جو تیرے علم میں ہے میں اُسے نہیں جانتا۔ بے شک تو ہی سب نبیوں کا خوب جاننے والا ہے۔"

قرآن مجید نے جن الفاظ، جس اسلوب اور جس سیاق میں عیسائیوں کے عقیدہ تثلیث کو بیان فرمایا ہے اس کے پیش نظر حضرت غزالی زماں یہ عقیدہ تثلیث کے رد میں فرماتے ہیں: تثلیث کے متعلق ان کا قول ہے کہ اب، ابن، اور روح القدس، تینوں کا مجموعہ خدا ہے۔ یہ تین بھی ہیں اور تینوں مل کر ایک بھی۔ اس کی دلیل میں بسم اللہ الرحمن الرحیم کو پیش کرتے ہیں کہ دیکھیے قرآن بھی تثلیث کی تعلیم دیتا ہے۔ قرآن میں

---

[36] سورۃ المائدہ: 75، 76

[37] سورۃ المائدہ: 116

سب سے پہلے بسم اللہ ہے جس میں اللہ رحمن اور رحیم تین کا ذکر ہے۔ یہ تینوں مل کر ایک بھی ہیں اور تین بھی۔ مگر اتنا نہیں سمجھتے کہ قرآن نے ایک ذات واجب الوجود کے تین نام بتائے ہیں۔ ہر نام اس کی جداگانہ شان کا مظہر ہے کیونکہ وہ صفات کمالیہ سے متصف ہے۔ کوئی ذات اپنی شان یا صفت کے ساتھ مرکب نہیں ہوا کرتی، نہ کوئی ذات اپنی صفات سے مل کر مجموعہ قرار پاتی ہے۔ اور یہ ایسی کھلی ہوئی روشن بات ہے کہ جو معمولی سمجھ رکھنے والا انسان بھی بلا تامل سمجھ سکتا ہے مگر عیسائیوں کی سمجھ پر حیرت ہوتی ہے کہ ایسی واضح بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی۔ عقیدہ تثلیث کے رو کے بعد حضرت غزالی زماں عیسائیوں کے عقیدہ کفارہ (۳۸) کو زیر بحث لاتے ہیں۔ پہلے اسے بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

عیسائی آدم و حوا علیہما السلام اور ان کی نسل کے ہر فرد کو گناہ گار مانتے ہیں۔ یہاں تک کہ نبیوں اور رسولوں کے بارے میں بھی ان کا اعتقاد ہے کہ کوئی نبی اور رسول گناہ سے پاک نہیں۔ لوط علیہ السلام، سلیمان علیہ السلام اور بڑے بڑے جلیل القدر انبیا علیہم السلام پر انہوں نے بدترین گناہوں کا الزام لگایا۔ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ گناہ کی ابتدا عورت سے ہوئی کیونکہ جنت میں خدا کے حکم کی خلاف ورزی کا پہلا گناہ جانے کیا۔ پھر آدم کو اس درخت سے کھانے کی ترغیب دی جس کے قریب جانے سے اللہ تعلی نے انہیں روکا تھا۔ جب نسل آدم گناہ گار ٹھہری تو اب نسل انسانی کو گناہ سے نجات دلانے کے لیے ایک ایسی ہستی ہونی چاہیے کہ جو خود گناہ گار نہ ہو اور ایسا شخص جو گناہوں سے پاک ہو سوائے مسیح کے دوسرا نہیں ہو سکتا کیونکہ سب آدم و حوا کے بیٹے ہیں۔ صرف مسیح علیہ السلام ابن اللہ ہیں جو خدا کا بیٹا ہونے کی وجہ سے گناہ اور معصیت سے پاک ہیں۔

کفارے کے متعلق عیسائی عقیدے کو بیان کرنے کے بعد حضرت غزالی زماں قرآن مجید کی روشنی میں اس کا رد کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں: اسلام نے اس نظریہ کو بھی مردود قرار دیا اور جس طرح تثلیث کے مقابلہ میں توحید کی ٹھوس حقیقت پیش کی تھی اسی طرح یہاں بھی کفارہ کے مقابلہ میں ناقابل تردید نظریہ پیش فرمایا اور قرآن کریم میں واضح اعلان کر دیا کہ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ اری کوئی نیکی کا ارتقا نہیں کھائے گا حضرت غزالی زماں نے کفارہ کے ابطال اور رد کے لیے قرآن میں سے مذکورہ بالا نقلی دلیل دینے کے بعد ایک ایسی عقلی دلیل بھی دی ہے جس کا جواب نہیں۔ آپ فرماتے ہیں:

مسیح کا مصلوب ہو کر (معاذ اللہ) موت مرنا تمام بنی آدم کا کفارہ کو تو سب کی نجات ہو گی۔ اب عیسائیت قبول کرنے کی کیا ضرورت رہی۔ کوئی سکھ ہو یا یہودی، مجوسی ہو یا مسلمان، جب تمام بنی آدم کے گناہوں کا کفارہ ہو گیا تو مسیحیت بالکل بے معنی اور غیر ضروری ہو گئی۔ آپ بلاوجہ کروڑوں روپیہ صرف کر کے عیسائیت کی تبلیغ کرتے ہیں اور اس دردسر میں مبتلا ہیں اور اگر صرف عیسائیوں کے گناہوں کا کفارہ ہوا تو غیروں کے گناہوں کا کیا ہو گا۔ سزا ملے گی یا معافی؟ جس کو بھی اختیار کرو گے وہی اعتراض وارد ہو گا کہ سزا کی صورت میں رقم نہ رہے گا اور معافی کی صورت میں عدل کا خاتمہ ہو جائے گا اور حسب سابق دوبارہ کفارہ کے لیے یسوع مسیح کے بعد خدا کے دوسرے بیٹے کی ضرورت ہو گی۔ پھر اس کفارہ پر بھی یہی اشکال وارد ہو گا جس کو حل کرنے کے لیے تیسرے کفارہ کا قول کرنا پڑے گا۔ اور اس طرح نہ کفارے ختم ہوں

گے نہ خدا کے بیٹے۔ایسی صورت میں تمام بنی نوع انسان کے لیے یسوع مسیح کا نجات دہندہ ہونا باطل قرار پائے گا اور عیسائیت بالکل بے معنی ہو کر رہ جائے گی۔

مذہب عیسائیت کی مذہبی کتب میں مسئلہ تحریف کے متعلق حضرت غزالی زماں پہلے نے آخر میں فرمایا کہ قرآن مجید جس طرح انبیاء سابقین علیہم السلام کی عزت و ناموس کا ضامن ہے اسی طرح کتب سماویہ کا مصدق بھی ہے۔کتب سابقہ کی تصدیق کے ساتھ ساتھ قرآن مجید نے ان میں یہودیوں اور عیسائیوں کے ہاتھوں رد و بدل اور تحریف کے متعلق بھی واشگاف الفاظ میں معاملے کو واضح کیا ہے۔اس سلسلے میں آپ نے قرآن مجید کی دو آیات سے استدلال کیا ہے۔وہ یہ ہیں:

يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهِ[38]

"وہ بدل دیتے ہیں(اللہ کے)کلام کو اس کی جگہوں سے۔"

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ[39]

"اور حق سے باطل کو نہ ملاؤ اور جان بوجھ کر حق کو نہ چھپاؤ۔"

ان آیات کے پیش نظر آپ نے فرمایا:

یہودیوں اور عیسائیوں کی اس تحریف کے سامنے جب تورات و اناجیل کی قرآنی تصدیق کو رکھا جائے تو صاف طور پر واضع ہو جاتا ہے کہ قرآن کریم نے اصل تورات و انجیل کی تصدیق کی ہے۔یہود و نصاری کی تحریفات کی ہر گز تصدیق نہیں کی۔البتہ ان کی تحریفات کے واقعی تحریفات ہونے پر ضرور مہر تصدیق ثبت فرمائی ہے۔اپریل 1962ء میں علامہ کالمی کے اسلام اور عیسائیت کے موضوع پر محضر مرجامع خطاب اور بعد میں اس کی تحریری شکل میں اشاعت کے بہت مفید اثرات مرتب ہوئے۔ان اثرات کا کچھ اندازہ بعد میں ماہنامہ السعید ملتان میں شائع ہونے والے مقالات و مضامین سے لگایا جا سکتا ہے۔ذیل میں ان کی ایک مختصر فہرست پیش ہے:

1. دلائل النبوۃ مولانا غلام مصطفی رضوی سعیدی،(السعید،جولائی اگست 1962ء)
2. شھادت و شفاعت یا کفارہ است،سید احمد سعید شاہ کاظمی،(السعید، ستمبر 1962ء)
3. کفارہ،مولانا حافظ عبدالحکیم،شجاع آباد،(السعید، مئی۔جون 1963ء)
4. عیسائی مبلغ کا قبول اسلام(انٹرویو:مولانا ابن بشیر دلوی)،(السعید،جولائی 1963ء)

---

[38] سورۃ المائدۃ:13

[39] سورۃ البقرۃ:22

5. ایک تبلیغی خط، مولانا سید شجاعت علی قادری،(السعید، ستمبر اکتوبر 1963ء)
6. مسیحی حضرات سے دس سوال،(السعید، مارچ 1964، ص 37)
7. عیسائیوں کا رد، مفتی محمد سرور قادری،(السعید، دسمبر 1970ء)

علامہ کاظمی رحمتہ اللہ علیہ اور بڑے سنی علماء و مشائخ کی آواز اور کوششوں کے اثرات بعد میں کئی تالیفات و تصانیف کی صورت میں بھی ظاہر ہوئے۔ اس سلسلے میں حضرت علامہ عبدالحکم اختر شاہ جہان پوری پیلے نے ایک کتابچہ حمایت اسلام: کیا یہ وی انجیل ہے جو حضرت عیسی علیہ السلام پر نازل ہوئی: ایک جائزہ" کے نام سے شائع کیا۔ مولانا کوثر نیازی(1933-1994ء) نے عیسائیت کے عقیدہ تثلیث کے متعلق آئینہ تثلیث پہلے اردو میں شائع کی۔ پھر بعد اس کا انگریزی ترجمہ "MerrorTinity" کے نام سے شائع کیا۔ پیر عبدالشکور رضوی لاہوری نے تحفہ عیسائیت" شائع کی۔ شیخ الحدیث علامہ محمد اشرف سیالوی(1359-13342013-1940ء) کی کتاب دی ہولی پاسکیل اور ان انبیاء میں گستاخیاں منظر عام پر آئی۔ ان کی ایک اور کتاب انبیائے سابقین اور بشارات سید المرسلین بھی شائع ہوئی ہے۔
ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی کتاب ''اسلام اور اہل کتاب روایتی انداز سے ہٹ کر تاریخی تناظر میں معاصر ملکی اور بین الاقوامی اور ملی تقاضوں کے مطابق لکھی گئی ہے۔ اسی طرح ان کی ایک اور کتاب "روداد مناظرہ ڈنمارک بسلسلہ اسلام اور عیسائیت بھی ہے جو کہ ایک مناظر کے نتیجے میں لکھی اور شائع کی گئی۔

خاتمہ بحث:

اس مقالے کے آخر میں ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ آج فلسطینی مسلمانوں کے خلاف مغربی اور یورپی عیسائیوں کا یہودیوں کا سیاسی و معاشی لحاظ سے درد کرتا ہو یا پاکستان میں مسلم سیحی تعلقات کے تناظر میں توہین رسالت، ناموس قرآن، اقلیتوں کے حقوق، مکالمہ بین المذاہب، پاکستان کے نظام حکومت میں غیر مسلموں اور عیسائیوں کی شراکت، سرکاری سکولوں کے نصاب تعلیم میں عیسائیوں کے اعتراضات اور دخل اندازی، پاکستان بائبل کارسامان انسٹی ٹیوٹ کیمیائی تبلیغ بذریعہ خط و کتابت اور آن لائن عیسائی لائبریریوں اور مشتری مواد کے عام مسلمانوں پر اثرات ہوں، ان گوناگوں اور سامنے آنے والے نت نئے مسائلکے پیش نظر جب سابق سنی علماء اور مشائخ کو اپنے قابل تقلید بزرگان دین کے کردار کی نہ صرف درست تنظیم کی ضرورت ہے بلکہ جدید مسائل سے نبٹنے کے لیے وہی کردار ادا کرنے کی ضرورت ہے۔ اس سلسلے میں زیر نظر مقالے میں علامہ کے جس علمی کام کا مختصر تعارف کروایا گیا ہے ایسے جمع کرنے اور نوجوان نسل کی تربیت کے لیے استعمال کرنے کی ضرورت ہے۔ اس

سلسلے میں دینی مدارس کے نصاب میں تمیم عیسائیت کے کچھ کورس شامل کیے جانے چاہئیں۔اس سلسلے میں سکول، کالج تغیر اور یونیورسٹیوں کے مسلمان طلبہ وطالبات کی تربیت کے لیے عملی ورکشاپو کے انعقاد کا اہتمام کربات کی اہم ضرورت ہے[40]۔

اسلام اور عیسائیت حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمہ اللہ کی روشنی میں

اسلام اور عیسائیت کا تقابل کرنے سے پہلے اسلام اور عیسائیت کے معنی سمجھ لیناضروری ہے۔

عیسائیت کا مفہوم:

یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ لفظ عیسائیت کا مفہوم ایک ایسے اضافی معنی کے سوا کچھ نہیں جو حضرت عیسی علیہ السلام اور مسیح ابن مریم کی ذات سے نسبت رکھنے پر دلالت کرتے ہیں۔

اسلام کے معنی:

اس کے بر خلاف اسلام کے معنی ہیں" گردن نھادن بطاعت یعنی اللہ تعالی کی اطاعت میں اپنا سر جھکادینا۔ سر جھکانا، خوف اور طمع ومحبت کی وجہ سے ہوتا ہے۔ گویالفظ اسلام یہ بتاتاہے کہ ان تینوں حالتوں میں بندے کو صرف خدا کے سامنے جھکناچاہئے۔ یہاں اتنی بات اور ذہن نشین کرلی جائے کہ خوف طمع اور محبت تینوں میں اصل محبت ہے کیونکہ محبت کی وجہ سے محبوب کی ناراضگی اور جدائی کا خوف پیدا ہوتاہے اور اسی محبت کے باعث محبوب کے وصال اور اس کی خوشنودی کی طمع پیدا ہوتی ہے۔ محبت نہ ہو تو نہ خوف ہو نہ طمع۔

اسلام کی روح محبت ہے جس کے باعث مسلم اپنے محبوب حقیقی کے سامنے جھک کر مسلم قرار پاتاہے اور انسانیت کی اصل بھی انس ومحبت ہے جس کا حامل ہو کر وہ انسان کہلاتاہے[41]۔

اسلام اور انسانیت کا تلازم:

ان مختصر جملوں سے اہل فہم پر روشن ہو گیا ہو گا کہ اسلام انسانیت کے لئے لازم اور انسانیت اسلام کے لئے ملزوم ہے۔مزید وضاحت کے لئے یوں کہیئے کہ بنی نوع آدم کے سلسلہ کو بہ نظر بصیرت دیکھنے سے معلوم ہو گا کہ انسانیت سے اسلام جدا نہیں ہوتا اور اسلام سے انسانیت علیحدہ نہیں ہوتی۔ابھی معلوم ہو

---

[40] سعیدی، خورشید احمد، ماہانامہ ضیائے حرم، اسلام آباد: خیابان کرم، جلد 51، شمارہ 09، جون 2021ء، ص:38-25

[41] کاظمی، علامہ سید احمد سعید، مقالات کاظمی (اول)، لاہور: ضیاء القرآن پبلیکیشنز، سنہ ندارد، ص:370

چکا ہے کہ محبت محبوب کے سامنے اہل محبت کا سر جھکا دیتی ہے۔ اسلام اس معنی کا آئینہ دار ہے جس طرح اسلام کے لفظ سے محبت کے معنی مفہوم ہوتے ہیں اسی طرح لفظ انسان بھی محبت کے معنی دیتا ہے۔ لفظ انسان کی تحقیق اہل لغت کا قول ہے کہ انسان ''انس یا نسی'' سے مشتق ہے۔ انس کے معنی ہیں وہ مانوس ہوا اور نسی کے معنی ہیں وہ بھول گیا۔ غور کرنے سے معلوم ہو گا کہ انسیت بھولنے کے بغیر نہیں ہوتی اور بھولنا انسیت کے بغیر نہیں پایا جاتا کیونکہ جب کسی کو کسی سے انسیت ہو گی تو اس کی پوری توجہ اور کامل التفات اسی کی طرف ہو گا جس سے وہ مانوس ہے۔ ایسی صورت میں اپنے مانوس یعنی محبوب کے غیر سے توجہ اور التفات کا زائل ہونا ضروری ہے اسی کو نسیان اور بھولنا کہتے ہیں۔ اسی طرح جب کوئی شخص کسی چیز کو بھولتا ہے تو اس کی پوری توجہ کسی دوسری چیز کی طرف ہوتی ہے اور کسی چیز کی طرف کامل توجہ اور التفات کا ہونا انس ہے۔ معلوم ہوا کہ انس بغیر نسیان کے نہیں ہوتا اور نسیان بغیر انس کے نہیں پایا جاتا۔ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ انسان کی فطرت میں نسیان اور محبت ہے۔

محبت اور انس کس کے لئے ہے:

اب یہ معلوم کرنا چاہئے کہ محبت کس کی ہے اور نسیان کس کا ہے۔ انسان حسن ازل کا آئینہ اور شان خالقیت کا نمونہ ہے تو گویا وہی احسن الخالقین اور رب کائنات اس کے لئے بمنزلہ اصل ہے اور یہ بمنزلہ فرع۔

لہذا جس طرح فرع اپنی اصل کی طرف مائل اور اس سے مانوس ہوتی ہے اسی طرح انسان اللہ تعالیٰ سے مانوس ہے۔ جب اس کا محبوب اللہ تعالیٰ ہوا تو ضروری ہو گا کہ یہ ماسوی اللہ کو بھول جائے۔ کیونکہ ماسوائے محبوب سے نسیان کا ہونا انسیت کے لوازمات سے ہے۔ جیسا کہ میں ابھی تفصیل سے بیان کر چکا ہوں۔

ایک سوال کا جواب:

یہاں ایک سوال کا جواب دیتا جاؤں اور وہ یہ کہ اگر آپ فرمائیں کہ ماسوی اللہ کو بھول جانا انسانیت کے لوازمات سے ہے تو دنیا میں انسان کے لئے کوئی مقام نہ رہے گا نہ وہ کاروبار کر سکے گا نہ اپنی زندگی کے ضروریات و لوازمات مہیا کر سکے گا کیونکہ یہ سب چیزیں ماسوی اللہ ہیں۔ تو میں جواباً عرض کروں گا کہ جب کوئی کام خواہ وہ زندگی کے لوازمات سے ہو یا کوئی دوسرا کاروبار ہو محبوب کے حکم کو بجالانے کے لئے کیا جائے گا تو وہ محبوب کے ماسوی کی یاد نہ ہو گی بلکہ محبوب ہی کی یاد قرار پائے گی کیونکہ محبوب کے حکم کا بجالانا یہی لوازمات محبت سے ہے۔ ہاں جب محبوب کے احکام کو بھلا کر کوئی کام کیا جائے تو وہ ماسوائے محبوب کی یاد اور محبوب کا بھولنا قرار پائے گا۔ اہل محبت کی شان تو یہ ہے کہ "دل بہ یار و دست بہ کار" خلاصہ یہ کہ دنیا کا جو کام خدا کے حکم کی تعمیل میں ہو گا وہ خدا کی یاد ہو گی اور جو کام اس کے حکم کو پس پشت ڈال کر کیا جائے گا وہ اس کی طرف سے غافل ہونے اور اس کے بھولنے کے مترادف قرار پائے گا۔ معلوم ہوا کہ جس طرح اسلام کے معنی میں محبت پائی جاتی ہے اسی طرح لفظ انسان بھی محبت کے معنی دیتا ہے۔ رہا خوف و طمع تو وہ دونوں

لوازمات محبت سے ہیں کیونکہ محبت ہوتی ہے تو محبوب کی ناراضگی کا خوف اور اس کی خوشنودی کی طمع ضرور ہوتی ہے۔ مختصر یہ ہے کہ اسلام کے پورے معنی انسانیت میں پائے جاتے ہیں اور انسانیت کے معنی مکمل طور پر اسلام میں موجود ہیں۔ اس لئے ایک دوسرے سے جدا ہونا ممکن نہیں[42]۔

اسلام اور انسانیت کی وسعت:

اسلام کی وسعت کو سمجھنے کے لئے انسانیت کی وسعت معلوم کر لینا ضروری ہے۔ وسعت انسانیت کا یہ عالم ہے کہ ایک فرد انسان اٹھارہ ہزار عالم کی حقیقتوں کا اجمالی طور پر مجموعہ ہے۔ تمام عالم خلق کی حقیقتیں انسان کے جسم میں پائی جاتی ہیں اور عالم امر کے حقائق روح انسانی میں مضمر ہیں۔ یہ مجموعہ کائنات اور خلاصہ موجودات جب اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنا سر جھکائے گا تو اس کے دامن انسانیت سے لپٹے ہوئے اٹھارہ ہزار حقائق کائنات سے اللہ تعالیٰ کے سامنے جھک جائیں گے۔ سر کا جھکنا ایک علامت ہے اور دل کا جھکنا حقیقت ہے۔ کوئی علامت حقیقت کے بغیر قابل قبول نہیں ہوتی۔ لہذا جس شخص کا دل اللہ تعالیٰ سے باغی ہو اس کا سر جھکنا بالکل بے معنی اور ناقابل اعتبار ہے۔ اسلام کے معنی اور اس کی وسعت کو انسانیت کے معنی اور اس کی وسعت کے سامنے لایا جائے تو میری بات اور زیادہ روشن ہو جائے گی کہ اسلام اور انسانیت چولی دامن کی طرح ایک دوسرے سے وابستہ ہیں۔

صداقت اسلام کی دلیل:

جب اسلام کے معنی رب تعالیٰ کے سامنے جھکنے کے ہوئے اور انسانیت کو اسلام نے اللہ تعالیٰ کے در پر جھکا دیا تو اس سے بڑھ کر صداقت اسلام کی اور کون سی دلیل ہو سکتی ہے۔ گویا اسلام اپنے سچا ہونے کی دلیل آپ ہے۔

اسلام کے بعد عیسائیت:

اب عیسائیت کی طرف آئے تو ہر شخص جانتا ہے کہ لفظ عیسائیت یا مسیحیت میں بجز ایک معنی اضافی کے اور کچھ نہیں رکھا۔ ایسی صورت میں اسلام کے ساتھ عیسائیت کے تقابل کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

اسلام انسان کا پیدائشی دین ہے:

لطیفہ کے طور پر میرا یہ کہنا غلط نہ ہو گا کہ اسلام بنی نوع انسان کا اصلی اور پیدائشی دین ہے کیونکہ اسلام کے معنی ہیں زمین پر سر رکھنا اور انسان جب پیدا ہوتا ہے تو وہ سر کے بل پر پیدا ہوتا ہے۔ گویا وہ زبانِ حال سے اعلان کرتا ہے کہ میں اسلام پر پیدا ہوا ہوں اور اپنا سر اپنے رب کے سامنے رگڑتا ہوا دنیا میں آیا ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: كل مولود يولد على الفطرة فابواه يهودانه او ينصرانه او يمجسانه یعنی ہر بچہ اسلام پر پیدا ہوتا ہے اس کے ماں باپ اسے یہودی بنالیں یا نصرانی یا مجوسی۔[43]

---

[42] کاظمی، علامہ سید احمد سعید، مقالات کاظمی (اول)، ص:372

[43] کاظمی، علامہ سید احمد سعید، مقالات کاظمی (اول)، ص:374

ایک اور سوال کا جواب:

یہاں اور بھی ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ بعض بچے پاؤں کے بل پیدا ہوتے ہیں پھر یہ کہ سر کے بل پیدا ہونے والوں کے حق میں آپ کا یہ کہنا کہ یہ خدا کے سامنے سر جھکا کر پیدا ہوتے ہیں اور ان کا پیدائشی دین اسلام ہے ایک دعوی بلا دلیل ہے کیونکہ ہر شخص کہہ سکتا ہے کہ پیدا ہونے والے بچے کا سر میرے معبود کے سامنے ہے۔ آگ، پانی، چاند، سورج، پتھروں، درختوں اور لات و منات کے پجاری کہہ سکتے ہیں کہ پیدا ہونے والے بچے کا یہ سر ہمارے معبودوں کے سامنے ہے۔ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ شاذ و نادر کسی بچے کا پاؤں کے بل پیدا ہو جانا ولادت کے قانون عام کا مناقض نہیں ہو سکتا بلکہ وہ بجائے خود کالعدم ہے اور پیدا ہونے والے بچے کا سر معبودان باطلہ کے سامنے جھکا ہوا ہونا اس لئے باطل ہے کہ پیدا ہونے والے شب و روز، بحر و بر، کوہ بیاباں اور مختلف مقامات میں پیدا ہوتے ہیں مگر اس وقت وہاں پیدا ہونے والے بچے کے سامنے مشرکین کے معبودان باطلہ موجود نہیں ہوتے جن کے سامنے پیدا ہونے والے بچے کے سر کو تسلیم کیا جائے۔ مگر حق تعالی معبود حقیقی زمان و مکان سے پاک اور میرا ہونے کے باوجود ہر وقت اور ہر جگہ موجود ہے "أَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللهِ" جہاں منہ کرو اللہ تعالی موجود ہے۔ "وَ هُوَ مَعَكُمْ أَيْنَمَا كُنتُمْ" تم جہاں ہو اللہ تعالی تمہارے ساتھ ہے۔ لہذا ماننا پڑے گا کہ پیدا ہونے والے بچے کا سر کسی معبود باطل کے سامنے جھکا ہوا نہیں بلکہ اپنے معبود برحق کے سامنے جھکا ہے جو قید زمان و مکان سے پاک اور بے نیاز ہو کر ہر جگہ اور ہر وقت موجود ہے۔ معلوم ہوا کہ ہر بچہ اللہ تعالی سے وعدہ کرتا ہوا اس کے سامنے سر جھکاتا ہوا پیدا ہوتا ہے اور یہی اسلام ہے۔

اسلامی تعلیمات صداقت اسلام کی روشن دلیل ہیں:

اس کے بعد اسلامی تعلیمات کی طرف آئے تو صداقت اسلام کا آفتاب اور بھی زیادہ چمکتا ہوا نظر آئے گا۔ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے۔ حدیث شریف میں ہے بنی الاسلام علی خمس شهادة ان لا اله الا الله وان محمدا عبده ورسوله واقامة الصلوة وايتاء الزكوة وصوم رمضان وحج البيت من استطاع اليه سبيلا "یعنی اسلام پانچ چیزوں پر قائم کیا گیا ہے

(1) اس بات کی شہادت دینا کہ اللہ تعالی کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالی کے عبد مقدس اور اس کے رسول برحق ہیں۔

(2) نماز قائم کرنا

(3) زکوۃ دینا

(4) رمضان کا روزہ رکھنا اور

(5) استطاعت والے کے لئے کعبہ کا حج کرنا[44]۔

حقیقت شہادت:

[44] کاظمی، علامہ سید احمد سعید، مقالات کاظمی (اول)، ص: 375

شہادت بظاہر زبان سے ادا کی جاتی ہے مگر اس کی حقیقت بڑی وزنی ہے۔ دیکھئے اگر کسی غریب آدمی سے کسی بڑے امیر آدمی یا کسی حاکم کے خلاف گواہی دلوائی جائے تو وہ گواہی دینے سے پہلو تہی کرے گا کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ یہ شہادت ان تمام طاغوتی طاقتوں کے خلاف ہے جو اللہ اور اس کے رسول کے خلاف اور باغی ہیں۔ اس کا پس منظر نہایت دہشت ناک ہے۔ عظیم ترین مصائب و آلام اس کے نتائج کے طور پر سامنے آنے والے ہیں۔ جس پر تاریخ اسلام گواہ ہے۔ اس وزنی حقیقت کو سامنے رکھ کر جو شخص کلمہ شہادت پڑھے گا اس کے دل میں بہت بڑی قوت اور عظیم الشان طاقت موجود ہو گی۔ وہ اپنے دل میں یہ بات طے کرلے گا کہ اگر مصائب و آلام کے پہاڑ بھی مجھ پر گرا دیے جائیں تو میں اپنی شہادت سے رو گردانی نہ کروں گا۔ دراصل یہی قوت کلمہ شہادت کی حقیقت ہے۔

ارکانِ اسلام کا نماز میں پایا جانا:

نماز، روزہ، حج اور زکوۃ پر الگ الگ تبصرہ کیا جائے تو بہت زیادہ وقت کی ضرورت ہو گی۔ اجمالاً اتنا عرض کیے دیتا ہوں کہ ان پانچوں کو اللہ تعالیٰ نے نماز میں رکھ دیا اور نماز کو پانچوں کا حسین مجموعہ قرار دے دیا۔ غور فرمایئے نماز میں تشہد موجود ہے۔ ہر نمازی قعدہ میں کہتا ہے "اَشْهَدُ اَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ" نماز خود نماز ہے، زکوۃ بھی نماز میں موجود ہے اس لئے کہ ستر عورت کے بغیر نماز نہیں ہوتی جس کپڑے سے بدن چھپایا جائے گا وہ مال ہے تو گویا مال خرچ کئے بغیر نماز نہ ہو گی یہ زکواۃ کی حقیقت ہے۔ روزہ بھی نماز میں ہے اور وہ اس طرح کہ نمازی جب نماز شروع کرتا ہے اور تکبیر تحریمہ کہ کر ہاتھ باندھتا ہے تو وہ سلام پھیرنے تک نہ پانی پی سکتا ہے نہ کھانا کھا سکتا ہے نہ کوئی اور ایسا کام کر سکتا ہے جس سے روزہ جاتا رہے۔ معلوم ہوا کہ نمازی جتنی دیر تک نماز پڑھے گا اتنی دیر تک اسے روزہ دار رہنا بھی ضروری ہو گا۔ یہ روزہ کی اجمالی حقیقت نماز میں رکھ دی گئی۔ اسی طرح حج کی لطیف حقیقت کی چمک بھی نماز میں نظر آتی ہے جس کا مختصر بیانیہ ہے کہ گویا اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے فرمایا کہ اے میرے بندو! تمام اطراف زمین سے سمٹ کر ہر نماز کے وقت تم کعبہ تو نہیں جا سکتے مگر کعبہ کی طرف منہ کر کے تو کھڑے ہو سکتے ہو یعنی جس طرح کعبہ کے بغیر حج نہیں ہو سکتا اسی طرح بغیر کعبہ کے نماز بھی نہیں ہو سکتی۔ الغرض نماز میں کعبہ مطہرہ کی طرف منہ کر کے ارکان صلوۃ ادا کرنا حج کی جھلک ہے جو نماز میں پائی جاتی ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ:

اس مقام پر یہ شبہ نہ کیا جائے کہ نماز میں جب تمام ارکانِ اسلام آگئے تو بس نماز ہی کافی ہے۔ کلمہ شہادت، زکوۃ، روزہ اور حج کی کیا ضرورت رہی۔ میں کہوں گا کہ نماز میں تمام ارکان و عبادات کی روح کا آجانا اس لئے نہیں کہ نماز کے علاوہ اور سب عبادتیں ترک کر دی جائیں بلکہ اس لئے ہے کہ نماز کی روح اور اس کے دل کا رابطہ ہر عبادت کے ساتھ قائم ہو جائے تاکہ جب بھی کسی عبادت کا وقت آئے نمازی کو اسکے ادا کرنے میں تامل نہ ہو۔

اسلام میں توحید کی تعلیم:

اسلام نے خدا تعالیٰ کی توحید کی تعلیم اس حسن و خوبی کے ساتھ دی کہ عقل سلیم کی روشنی میں اس سے بہتر ذات باری تعالیٰ کے متعلق کوئی تعلیم تصور میں نہیں آسکتی۔ قرآن فرماتا ہے "قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ہ اللّٰهُ الصَّمَدُہ لَمْ يَلِدْ ہُ وَلَمْ يُولَدْ . وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌہ" اے نبی! فرما دو اللہ ایک

ہے، اللہ بے نیاز ہے، اس نے کسی کو نہیں جنا، نہ وہ کسی سے جنا گیا، اس کا کوئی مثل نہیں، وہ اپنی شان الوہیت میں یکتا و بے نظیر ہے۔ عیسی علیہ السلام کی حیثیت اسلام نے عبدہ ورسولہ سے زیادہ نہیں بنائی بلکہ ان کی الوہیت کا ابطال کیا[45]۔

اسلام میں رسالت کا پاکیزہ تصور:

توحید کے بعد رسالت و نبوت کے بارے میں جو پاکیزہ نظریات پیش کئے ہیں وہ بھی اپنی نظیر آپ ہیں۔

اسلام نے عقائد واعمال اور مکمل دستور العمل قرآن میں پیش کیا:

مقدس اسلام نے جزاو سزا، دوزخ و جنت، حسن و قبح، حرام و حلال، پاک و ناپاک حتی کہ انسانی زندگی کے ہر شعبہ سے متعلق جزئیات تک کی تفصیلات اور مکمل ہدایات پیش کیں اور قرآن مجید ایک جامع کتاب ہمارے سامنے پیش کی جو انسانیت کے لئے مکمل دستور العمل اور حیات بعد الموت کے تمام مراحل میں مشعل راہ کا کام دیتی ہے۔ جس میں شک وشبہ اور تحریف و تبدیل کے لئے قطعاً گوئی گنجائش نہیں۔ یہ ایک ایسی حقیقت ثابتہ ہے کہ جس کا اعتراف کئے بغیر چارہ کار نہیں۔

اسلام کے مقابلہ میں عیسائیت:

اب اس کے مقابلہ میں عیسائیت کو دیکھا جائے تو اس کا کوئی ایک نظریہ بھی اسلام کے نظریات کے سامنے اس قابل نہیں کہ عقل سلیم کی روشنی میں اسے قبول کر لیا جائے۔ لفظ عیسائیت یا مسیحیت سے جو معنی مفہوم ہوتے ہیں وہ خود بتا رہے ہیں کہ اس میں کوئی ٹھوس حقیقت موجود نہیں ہے۔ جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ اس لفظ کا مفاد محض ایک اضافی معنی ہیں جن کا تصور حضرت عیسی علیہ السلام کے اقوال واعمال اور ان کی سیرت طیبہ کے احوال اور تعلیمات کے موجود ہوئے بغیر قائم نہیں ہو سکتا اور ظاہر ہے کہ مدعیان مسیحیت کے پاس بھی حضرت مسیح کی کوئی ایسی سیرت موجود نہیں جو مسیحیت کے معنی کے صحیح ہونے کے لئے کافی ہو۔

عیسائیت میں نہ کوئی علمی نظریہ ہے نہ عملی پروگرام:

عیسائیت میں بنی نوع انسان کے لئے نہ کوئی علمی نظریہ ہے نہ عملی پروگرام حیات انسانی کے کسی شعبہ کے لئے کوئی ضابطہ عیسائی پیش نہیں کر سکتے۔

عیسائیت کے بنیادی نظریات

مسیحیت یا عیسائیت کے نام سے آج تک جو بنیادی نظریات عیسائیوں نے پیش کئے ہیں وہ صرف دو ہیں "تثلیث" اور "کفارہ"[46]

تثلیث:

---

[45] کاظمی، علامہ سید احمد سعید، مقالات کاظمی (اول)، ص:377

[46] کاظمی، علامہ سید احمد سعید، مقالات کاظمی (اول)، ص:379

تثلیث کے متعلق ان کا قول ہے کہ اب، ابن اور روح القدس۔ تینوں کا مجموعہ خدا ہے یہ تین بھی ہیں اور تینوں مل کر ایک بھی اس کی دلیل میں بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرحیم "کو پیش کرتے ہیں کہ دیکھئے قرآن بھی تثلیث کی تعلیم دیتا ہے قرآن میں سب سے پہلے بسم اللہ ہے جس میں اللہ رحمن اور رحیم تین کا ذکر ہے۔ یہ تینوں مل کر ایک بھی ہیں اور تین بھی مگر اتنا نہیں سمجھتے کہ قرآن نے ایک ذات واجب الوجود کے تین نام بتائے ہیں ہر نام اس کی جداگانہ شان کا مظہر ہے کیونکہ وہ صفات کمالیہ سے متصف ہے کوئی ذات اپنی شان یا صفت کے ساتھ مرکب نہیں ہوا کرتی نہ کوئی ذات اپنی صفات سے مل کر مجموعہ قرار پاتی ہے اور یہ ایسی کھلی ہوئی روشن بات ہے کہ جو معمولی سمجھ رکھنے والا انسان بھی بلا تامل سمجھ سکتا ہے مگر عیسائیوں کی سمجھ پر حیرت ہوتی ہے کہ ایسی واضح بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی۔

کفارہ:

یہی حال کفارہ کے مسئلہ کا ہے۔ اس اجمال کا مختصر بیانیہ ہے کہ عیسائی آدم و حوا علیہما السلام اور ان کی نسل کے فرد کو گناہ گار مانتے ہیں۔ یہاں تک کہ نبیوں اور رسولوں کے بارے میں بھی ان کا اعتقاد ہے کہ کوئی نبی اور رسول گناہ سے پاک نہیں۔ لوط علیہ السلام، سلیمان علیہ السلام اور بڑے بڑے جلیل القدر انبیاء علیہم السلام پر انہوں نے بدترین گناہوں کا الزام لگایا۔ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ گناہ کی ابتدا عورت سے ہوئی کیونکہ جنت میں خدا کے حکم کی خلاف ورزی کا پہلا گناہ حوا نے کیا۔ پھر آدم کو اس درخت سے کھانے کی ترغیب دی جس کے قریب جانے سے اللہ تعالیٰ نے انہیں روکا تھا۔ جب نسل آدم گناہ گار ٹھہری تا اب نسل انسانی کا گناہ سے نجات دلانے کے لئے ایک ایسی ہستی ہونی چاہئے جو خود گنہگار نہ ہو اور ایسا شخص جو گناہوں سے پاک ہو سوائے مسیح کے دوسرا نہیں ہو سکتا کیونکہ سب آدم و حوا کے بیٹے ہیں۔ صرف مسیح علیہ اسلام ابن اللہ ہیں جو خدا کا بیٹا ہونے کی وجہ سے گناہ اور معصیت سے پاک ہیں۔

عدل اور رحم:

خدا نے اپنے اکلوتے بیٹے سے سے کہا کہ میں عادل بھی ہوں اور رحیم بھی، عدل چاہتا ہے کہ گناہ گاروں کو سزا دوں اور رحم کا تقاضا ہے کہ انہیں معاف کر دوں لیکن بڑا دیتا ہوں تو میرا رحم جاتا ہے اور معاف کرتا ہوں تو عدل باقی نہیں رہتا۔ اب صرف یہی ہو سکتا ہے کہ اسے پیارے بیٹے کی گناہ گاروں کے گناہوں کا بوجھ تیرے سر پر رکھ کر صرف تجھ ہی کو سزا دے دوں۔ تو صلیب پر چڑھ جا اور تین دن تک (معاذ اللہ) لعنت کی موت مردہ رہ کر گناہ گاروں کے گناہوں کا کفارہ کر دے تا کہ میری صفت عدل و رحم دونوں قائم رہیں اور بنی نوع انسان کی نجات بھی ہو جائے۔

اسلام اور کفارہ:

اسلام نے اس نظریہ کو بھی مردود قرار دیا اور جس طرح تثلیث کے مقابلہ میں توحید کی ٹھوس حقیقت پیش کی تھی اسی طرح یہاں بھی کفارہ کے مقابلہ میں جزا و سزا کا ناقابل تردید نظریہ پیش فرمایا اور قرآن کریم میں واضح اعلان کر دیا کہ "ولا تزد وَازِرَةٌ وِزْرَ اخری" کوئی شخص کسی کا بار قطعا نہیں اٹھائے گا"۔ یہ کسی نامعقول بات ہے کہ گناہ گار گناہ کرے اور بے گناہ کو سزا دی جائے۔ رہا یہ امر کہ آدم و حوا اور ان کی پوری نسل گناہ گار ہے تو قرآن نے جابجا اس کی بھی تردید فرمائی جس طرح ایک کے گناہ کی سزا دوسرے کو دینا سراسر ظلم ہے اس طرح ماں باپ کا گناہ وراثت کے طور پر اولاد میں منتقل ہونا بھی باطل اور نامعقول ہے۔ اسلام نے رسل و انبیاء علیہم السلام کو قرآن مجید میں عباد صالحین اور عباد تلقین قرار دیا۔ عیسائیوں نے آیات قرآنیہ

سے اناعالم اسلام کا گناہگار ہونا ثابت کرنے کی ناتمام کوشش کی ہے۔وہ آیات ہر گز اس دعوئی کی دلیل نہیں بلکہ عیسائیوں کی نہ سمجھی کہ انہوں نے بغیر سوچے سمجھے آیات قرآنیہ کو ایک صریح بطلان دعوے کے ثبوت میں پیش کر دیا۔ان شاءاللہ دوسرے موقع پر ان آیات کی مکمل تشریح کی جائے گی[47]۔

سزا رحم کے اور معافی عدل کے منافی نہیں:

رہا یہ امر کہ سزا رحم کے خلاف ہے اور معاف کرنا عدل کے منافی ہے تو یہ بھی نادانی وجہالت پر بنی ہے۔رحم سے عدل کو نقصان نہیں پہنچتا بلکہ ظلم سے عدل کا دامن داغدار ہوتا ہے پھر یہ کہ عدل کو رحم کے منافی قرار دے کر بھی عیسائیت کو سہارا نہیں ملتا کیونکہ جب سزا دینا رحم کے خلاف ہے تو دوسروں کے گناہوں کی سزا مسیح علیہ السلام کو دینا بھی رحم کے خلاف ہو گا بلکہ یہاں تو یہ خلاف اور زیادہ قوی ہو جائے گا کیونکہ جب گناہ گار کو مزا دینا رحم کے خلاف ہے تو بے گناہ کو سزا دی سراسر ظلم ہوا پھر مجھ میں نہیں آتا عیسائی بے گناہ مسیح علیہ السلام کو سزا دینے کا اعتقاد کیوں رکھتے ہیں؟

کفارہ صرف عیسائیوں کا ہوا یا تمام بنی آدم کا:

اس کے علاوہ میں دریافت کروں گا کہ مسیح کا مصلوب ہو کر (معاذاللہ) لعنت کی موت مرنا تمام بنی آدم کا کفارہ کہو تو سب کی نجات ہو گی۔اب عیسائیت قبول کرنے کی کیا ضرورت رہی۔کوئی مسیحی ہو یا یہودی، مجوسی ہو یا مسلمان، جب تمام بنی آدم کے گناہوں کا کفارہ ہو گیا تو مسیحیت بالکل بے معنی اور غیر ضروری ہو گئی۔آپ بلاوجہ کروڑوں روپیہ صرف کر کے عیسائیت کی تبلیغ کرتے ہیں اور اس دردسر میں مبتلا ہیں اور اگر صرف عیسائیوں کے گناہوں کا کفارہ ہوا تو غیروں کے گناہوں کا کیا ہو گا۔سزا ملے گی یا معافی؟ جس کو بھی اختیار کرو گے وہی اعتراض وارد ہو گا کہ سزا کی صورت میں رحم نہ رہے گا اور معافی کی صورت میں عدل کا خاتمہ ہو جائے گا اور حسب سابق دوبارہ کفارہ کے لئے لئے یسوع مسیح کے بعد خدا کے دوسرے بیٹے کی ضرورت ہو گی پھر اس کفارہ پر بھی یہی اشکال وارد ہو گا جس کو مل کرنے کے لئے تیسرے کفارہ کا قول کرنا پڑے گا اور اس طرح نہ کنارے ختم ہوں گے نہ خدا کے بیٹے۔ایسی صورت میں تمام بنی نوع انسان کے لئے یسوع مسیح کا نجات دہندہ ہونا بالکل قرار پائے گا اور عیسائیت بالکل بے معنی ہو کر رہ جائے گی۔

کفارہ کا نظریہ انتہائی خطرناک ہے:

کفارہ کا نظریہ بجائے خود مضحکہ خیز ہونے کے علاوہ بنی نوع انسان کے لئے انتہائی خطرناک ہے۔اس لئے کہ کفارہ پر ایمان لانے کے بعد انسان خواہ کتنے ہی بڑے جرم کا ارتکاب کرے اس کے دل میں سزایابی کا تصور نہیں آسکتا کیونکہ اس قسم کا تصور کفارہ پر ایمان لانے کے قطعا منافی ہے۔جب گناہوں اور جرائم کی سزا کا تصور بھی جرم وگناہ قرار پایات بنی نوع انسان کا کسی قسم کے جرم وگناہ سے محفوظ رہنا ممکن نہیں بھی رہا بلکہ دنیا کا کوئی گناہ اس صورت میں گناہ نہیں رہتا کیونکہ گناہ وہی کام ہو سکتا ہے جس پر کوئی سزا ہو سکے۔جب سزا کا تصور نہ رہا تو گناہ اور معصیت کا وجود ہی ختم ہو گیا۔چلو چھٹی ملی، نہ قتل وغارت

---

[47] کاظمی، علامہ سید احمد سعید، مقالات کاظمی (اول)، ص:381

پر کوئی پکڑ رہی، نظلم وجور پر کوئی گرفت، زنا، چوری، حرام خوری سب کچھ کئے جائے۔ کسی کو پوچھنے کا حق نہیں کہ تونے یہ کام کیوں کیا؟اس اعتقاد کے بعد عیسائیوں کا اپنی حدود مملکت میں جرائم کے لئے سزاؤں کے قوانین وضع کرنا عیسائیت کے ساتھ مذاق نہیں تواور کیا ہے[48]؟

قرآن کا توراۃ وانجیل کی تصدیق کرنا موجودہ توراۃ وانجیل کے غیر محرف ہونے کی دلیل نہیں:

اسلام جس طرح انبیاء سابقین علیہم السلام کی عزت وعظمت کا ضامن ہے اسی طرح کتب سماویہ کا بھی مصدق ہے اور تورات وانجیل کا نام لے کر قرآن نے ان کی تصدیق کی ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہود ونصاری کی تحریفات بھی اس تصدیق کے ماتحت ہیں کیونکہ قرآن کریم نے اہل کتاب کی تحریفات کا واشگاف الفاظ میں اعلان کیا ہے۔ قرآن کریم میں ہے "يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهِ"(مائدہ:13)دوسری جگہ فرمایا"ولا تلبسوا الْحَقِّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تعْلَمُونَ"(بقرۃ:(۴۲)اس کے علاوہ دیگر آیات قرآنیہ میں بھی یہ مضمون وارد ہے۔ یہودیوں اور عیسائیوں کی ان تحریف کے سامنے جب تورات وانجیل کی قرآنی تصدیق کو رکھا جائے تو صاف اور پر واضح ہو جاتا ہے کہ قرآن کریم نے اصل تورات و انجیل کی تصدیق کی ہے۔ یہود ونصاری کی تحریفات کی ہر گز تصدیق نہیں کی۔ البتہ ان کی تحریفات کے واقعی تحریفات ہونے پر ضرور مہر تصدیق ثبت فرمائی ہے۔

حضور ﷺ اللہ تعالیٰ کا جزو نہیں بلکہ نور ذات کا جلوہ ہیں:

آخر میں یہ مسئلہ بھی صاف کردوں کہ حضور پیالے کو خدا کے نور سے مخلوق ماننے کا یہ مطلب نہیں کہ (معاذ اللہ) حضور ﷺ اللہ تعالی کا جزو ہیں بلکہ نبی کریم ﷺ اللہ تعالی کے نور ذات کا جلوہ میں بلا تشبیہ جس طرح آئینہ میں سورج کی روشنی اس کے انوار کا جزو نہیں ہوتی بلکہ ایک تجلی ہوتی ہے اسی طرح نبی کریم ہے اور ذات کی جھلی اور اس کا جلوہ ہیں۔ حضور ﷺ نے خود فرمایا"انا مراۃ جمال الحق میں اللہ تعالی کے جمال کا آئینہ ہوں۔ البتہ عیسائی حضرت عیسی علیہ السلام کو اقانیم ثلاثہ میں سے ایک قوم مانتے ہیں اور اب وابن وروح القدس تینوں کو اجزاء قرار دے کر ان کے مجموعہ کو خدا کہتے ہیں۔ مختصر یہ کہ خدائے قدوس کے لئے اس کے نور ذات کا جلوہ ماننا اسلام ہے اور اس کے لئے جز ثابت کرنا عیسائیت ہے[49]۔

سائنس ومذہب:

---

[48] کاظمی، علامہ سید احمد سعید، مقالات کاظمی (اول)، ص:382

[49] کاظمی، علامہ سید احمد سعید، مقالات کاظمی (اول)، ص:383

سائنس کی عبرت ناک ترقی کے کارنامے اہل علم حضرات سے مخفی نہیں۔ عصر جدید میں اس کی ترقی بظاہر محیر العقول سہی لیکن فلسفہ قدیمہ کے حالات کا مطالعہ اس کو کوئی خاص اہمیت نہیں دیتا۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ زمانے کا ہر نیا دور اپنی انقلابی کیفیات میں جب گوناگوں حد تیں اور بوقلموں اسباب انکشاف وذرائع معلومات لے کر آتا ہے تو ہر لاحق دور سابق سے منازل ارتقا میں بلند و بالا ہوتا ہے جس کی نظیر میں جنس نباتاتی و حیوانی اور نوع انسانی کے افراد موجود ہیں۔ ایک چھوٹے سے پودے کو دیکھ لیجئے کہ وہ اپنے ابتدائی دور میں وصف نباتیت تو رکھتا ہے لیکن اوصاف شجریت کے ظہور نام سے معرا ہے، کمزور تنے اور چند نرم و نازک پتیوں کے سوا ابھی تک کسی اور چیز سے وابستہ نہیں[50]۔ اس کے بعد رفتار زمانہ بہت ہی سرعت کے ساتھ اس کو ضعف سے قوت اور نرمی سے سختی کی طرف لے جاتی ہے اور پھر رفتہ رفتہ وہ اپنے کمالات شجریت کو پوری طرح حاصل کر لیتا ہے۔ یہی حال ہر جاندار اور تمام انسانوں کا ہے بلکہ کائنات کی تمام انقلابی کیفیات اور عالم کے تغیرات اس نہج پر ہیں۔

ماہرین تاریخ پر یہ امر بخوبی واضح ہے کہ انسانی زندگی کا معیار ابتداء کیا تھا اور نسلاً بعد نسل اس میں کس کس طرح تبدیلیاں واقع ہوتی رہیں، موجودہ زمانے میں اس کی تہذیب و تمدن اور معاشرت کا جو معیار ہے کیا ابتداء بھی وہی تھا؟ اصول سلطنت اور آئین حکمرانی جس طریق پر آج یا آج سے چند صدیوں پہلے ہمارے پیش نظر ہے ابتدائے دور انسانی میں اسی طرح تھا یا اس سے کچھ مختلف۔ ضروریات انسانیہ لباس وبعام، صنعتو حرفتو غیرہ کا انقضاء کس نوعیت پر تھا؟ کیا موجودہ اور ابتدائی حالات کو یکساں قرار دیا جا سکتا ہے؟ اوائل عہد انسانی میں علوم وفنون کا معیار کیا تھا اور اب کیا ہے؟ واقعات کی روشنی میں اس امر کا تسلیم کرنا ضروری ہے کہ قدرت رفتار زمانہ کے ساتھ فطرت انسانیہ کے بالقوۃ کمالات کو بافعل کرتی اور منظر شہود و معرض ظہور پر لاتی رہتی ہے چونکہ اقوام عالم کے افراد اپنے تسلسل میں جنسی اور نوعی لگاؤ کی بنا پر بہت ہی گہرا تعلق رکھتے ہیں اس لئے جوہر مشترک کا قوت سے فعل میں آجانا (جس کا ظہور نسل لاحق میں ہے) بعید از قیاس نہیں۔ انقلاب زمانہ اس امر کا مقتضی ہے! ہاں، رفتار زمانہ جس طرح بعض بالقوۃ اشیاء کو بالفعل کرتی ہے اسی طرح اس کی باد سموم کے جھونکے درخت کی ٹہنیوں اور انسان و حیوان کے اعضاء کو بھی مضمحل اور بے کار کر دیتے ہیں اور درختوں کی قوت نباتی، حیوانوں کی قوت حیوانی اور انسانوں کی صفت انسانیت کا خاتمہ کر ڈالتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ زمانہ ماسبق میں بہت سے ایسے علوم وفنون جاری ہوئے جن کو رفتار زمانہ کی ناہمواریوں نے پامال کر ڈالا اور ان موجدان باکمال کو اس جہانِ فانی سے روپوش کر دیا۔ ان حالات میں سائنس جدید کا محیر العقول ہونا کسی طرح قابل تسلیم نہیں ہو سکتا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں سائنس جدید کو برا سمجھتا ہوں بلکہ اس سلسلہ میں میرے نزدیک جو چیز قابل اعتراض ہے وہ یہ ہے کہ سائنس جدید کے پرستاروں نے سائنس کو جو مرتبہ دے رکھا ہے وہ سائنس دانی کا کچھ اچھا مظاہرہ نہیں کر رہا۔ مثلاً قدیم اہل مذاہب نے اپنے مذہبیات اور معتقدات کو اس کی قربان گاہ پر قربان کر دیا اور انے خرمن ایمانیات کو سائنس کی آگ میں جلا کر خاکستر کر ڈالا یعنی سائنس کے اصول مخترعہ کے مطابق جو چیز غلط سمجھ لی گئی اس کو کسی طرح صحیح نہیں کہا جا سکتا۔ خواہ الہام ربانی ہی اس کی صحت پر مہر تصدیق ثبت کرتا ہو جس کی وجہ یہ ہے کہ انسان اپنی خلقی کمزوری کے باعث ہر اس چیز کو لغو تصور کرتا ہے جو اس کے ادراک ومشاہدہ سے دور ہو۔

---

[50] کاظمی، علامہ سید احمد سعید، مقالات کاظمی (دوم)، لاہور: ضیاء القرآن پبلیکیشنز، سنہ ندارد، ص: 397

میرے ایک دوست نے اپنا ایک عجیب و غریب خواب بیان کیا جس کو سن کر میں نے اس حقیقت کو بخوبی سمجھ لیا کہ واقعی انسن کا ناقص مشاہدہ اور کمزور ادراک ایک بے اصل چیز کو اصلی اور واقعی سمجھ لیتا ہے اور اصلی و واقعی چیز تک دماغ نہ پہنچنے کی وجہ سے اس کو بے حقیقت قرار دے کر انکار کر جاتا ہے[51]۔

دوست محترم یو۔ پی کے باشندے اور خاندانی رئیس ہیں۔ انہوں نے ایک نہایت حسین و جمیل عورت کو خواب میں دیکھا اور بیک نظر اس پر شیفتہ و فریفتہ ہو گئے۔ ہر چند کوشش کی کہ وہ حسینہ کسی طرح میرے عقد نکاح میں آجائے لیکن ناکام رہے۔ بالآخر حسینہ کے اقارب نے یہ فیصلہ کیا کہ اگر آپ اپنا دین اسلام ترک کر کے ہمارا مذہب عیسائی قبول کریں اور اپنی زوجہ اول کو طلاق دے دیں نیز کل جائیداد اس حسینہ کے نام لکھ دیں تو کامیابی ہو سکتی ہے۔ بجز اس کے کوئی چارہ کار نہ دیکھتے ہوئے تینوں کام کرنے ہی پڑے۔ مذہب بھی بدلا، زوجہ اول کو طلاق بھی دی اور تمام جائیداد منقولہ و غیر منقولہ بھی اس کے نام لکھ دی۔ اسٹامپ پر رجسٹری کرا کر جب فارغ ہوئے تو نہ وہ عالم تھا اور نہ وہ دوشیزہ۔

گھر بھی چھوٹا دیار بھی چھوٹا کیا غضب ہے کہ یار بھی چھوٹا یہ ظاہر ہے کہ عالم خواب میں فی الواقع نہ کوئی دوشیزہ تھی اور نہ اس کے عزیز و اقارب! یہ صرف صاحب خواب کے اپنے فانی اور بے اصل تخیلات و تصورات کے مناظر تھے جس کو ناقص مشاہدے اور کمزور اور ادراک نے جامعہ اصلیت پہنا کر گھر بار، مال و دولت، سب کچھ قربان کر دیا۔ اس پر بھی بجز کف افسوس ملنے کے نتیجہ کچھ نہ ملا۔ آپ کہیں گے خواب کوئی دلیل نہیں ہو سکتی۔ واقعی آپ کا خیال صحیح ہے مگر میں نے سنداً یا استدلالاً اس کو پیش نہیں کیا بلکہ بر سبیل تذکرہ تمثیلاً کہہ گیا ہوں۔ میرا مقصد یہ ہے کہ سائنس کی بنیاد عقل اور مشاہدہ پر ہے اور صرف عقل و مشاہدہ ہی انسان کی صحیح رہنمائی کے لئے کافی نہیں۔ عقل و مشاہدہ دونوں چیزیں ایک دوسرے سے الگ تھلگ ہیں۔ مشاہدہ کا تعلق حواس خمسہ سے ہے اور عقل کا دماغ ہے۔ مشاہدہ محکوم ہے اور عقل حاکم، مشاہدہ کی کمزوریوں اور غلطیوں کو عقل دور کیا کرتی ہے اور اگر مشاہدہ کے ساتھ عقل نہ ہوتی تو انسان اپنے مشاہدات میں ہر مرتبہ غلطی کرتا اور اس سے رہائی کا راستہ اسے کبھی نہ ملتا۔

ہمارا تجربہ ہے کہ ہم ریل میں بیٹھے ہوئے جب کہیں جاتے ہیں اور ریل اپنی پوری رفتار سے چل رہی ہوتی ہے تو ادھر ادھر کے درخت (جو زمین پر کھڑے ہوتے ہیں) بڑی تیزی سے چلتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ مشاہدہ نے غلطی کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی مگر عقل کا خدا بھلا کرے جس نے صاحب مشاہدہ کی گوشمالی کر کے اسے لغزش سے بچا لیا۔ اسی طرح رات کے وقت جب چاند بھی روشن ہو اور بادل کے ٹکڑے بھی کہیں کہیں منتشر نظر آئیں اور تیزی سے کسی سمت کو جا رہے ہوں تو اس وقت ہمیں چاند چلتا نظر آتا ہے حالانکہ یہ واقعہ نہیں[52]۔

---

[51] کاظمی، علامہ سید احمد سعید، مقالات کاظمی (دوم)، ص:399

[52] کاظمی، علامہ سید احمد سعید، مقالات کاظمی (دوم)، ص:400

بہر حال مشاہدہ غلطیاں کرتا ہے اور عقل ان کی تھی۔اس صورت میں مشاہدہ کا ناقص ہونا ظاہر ہے۔اب رہی عقل سو وہ بھی نقص سے پاک نہیں۔ عقل کا کام ہے نامعلوم چیز کو معلوم کر لینا اور اس کی حقیقت سے بقدر وسعت واقف ہو جانا۔ یہ ظاہر ہے کہ جس قدر عقلا پیدا ہوئے وہ سب عقل کے مدعی رہے اور واقعی وہ اپنے دعوے میں حق پر بھی تھے پھر وہ سب عقلیات میں ایک دوسرے کے نظریہ کا نقص اور عیب نکالتے رہے اور ایک کی عقل دوسرے کے مخالف اور متضاد رہی۔اس ماحول میں ہم کس کی عقل کو اپنا رہنما بنائیں۔اگر ہر شخص اپنی ہی عقل کے تابع رہے تو دوسروں کی عقل اس کے نزدیک کیا مرتبہ رکھے گی؟ نہ یہ کسی کو اپنے برابر تظمند خیال کرے گا نہ اپنی غلطیوں کی اصلاح کے لئے دوسروں کی طرف رجوع ہو گا پھر اوروں کے نزدیک اس کی عقل کا کیا حال ہو گا؟ وہی جو اس کے نزدیک دوسروں کی دانائی کا ہے۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ صحیح رہنمائی کے معیار پر نہ ہو سکی عقل پوری اتری نہ اس کی یہ تو دو عقلوں کی جنگ تھی ۔اب سنیئے۔ایک شخص کسی اہم معاملہ میں اپنی عقل سے کام لینا چاہتا ہے اور ہر پہلو پر غور و خوض کر کے اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ مجھے یہ کام ضرور کر لینا چاہئے۔ مستقل ارادہ کے بعد اس کو معاً دوسرا خیال پیدا ہوتا ہے کہ یہ کام نہیں کرنا چاہئے۔اس کی رائے بدل جاتی ہے اور وہ اس کے نہ کرنے کو کرنے پر ترجیح دینے لگتا ہے۔ جائے غور ہے کہ ایک ہی شخص کی عقل میں یہ اختلاف موجود ہے۔ایک چیز کو کبھی اچھا اور کبھی برا مجھے لگتی ہے جب کسی معاملہ میں ایک شخص کا دوسرے سے اختلاف ہو تو عقلاً ایک ثالث کی ضرورت پڑتی ہے۔ مشاہدہ کے اختلاف کا فیصلہ تو عقل نے کیا۔اب عقل کے جھگڑوں کو کون چکائے۔اگر عقل اختلاف سے پاک ہوتی تو اس کے اوپر کسی حاکم یا ثالث کی ضرورت نہ تھی لیکن ہم نے ثابت کر دیا کہ ایک شخص کی عقل دوسرے کی عقل کے مخالف اور معارض ہوا کرتی ہے۔ پس ایسی صورت میں لازمی طور پر عقل کے تنازعات و اختلافات کے فیصلہ کے لئے کسی چیز کو تسلیم کرنا پڑے گا اور وہ چیز ایسی ہونی چاہئے جو دوسروں کی طرح اختلافات سے پاک ہو۔اس لئے کہ اگر وہ بھی آپس میں متنازعہ ہو تو پھر اس کے لئے بھی کسی تیسرے کی ضرورت لاحق ہو گی۔اس طرح یہ سلسلہ غیر متناہی ہو کر ہمیشہ کے لئے ناقابل اختتام ہو جائے گا اور یہ صراحتہ باطل ہے۔

بنابر میں عقل کے ثالث کو اختلاف و تعارض کے عیوب سے مبرا ہونا چاہئے۔ وہ ثالث الہام ربانی ہے جو عقل کے تمام اختلافات کو ختم کر کے حقیقت واقعیہ کو پیش کرتا اور عقلاء کو لغزش سے بچاتا ہے اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرنے کے لئے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا کہ "وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا،اور اگر یہ قرآن حکیم غیر اللہ کی طرف سے ہوتا تو اس میں بہت اختلاف پایا جاتا لیکن چونکہ یہ خالص وحی الہی ہے اس لئے ہر قسم کے اختلاف اور تناقض سے پاک ہے۔ثابت ہوا کہ عقلیات کے انتہائی عروج اور ترقی کے باوجود بھی الہام ربانی اور وحی الہی کی ضرورت ہے۔اسی کو مذہب کہا جاتا ہے۔ پس سائنس والوں کا اپنے گھڑے ہوئے اصول کے سامنے مذہب کو پس پشت ڈال دینا سراسر عقل کے خلاف اور نہایت افسوس ناک امر ہے۔

مذہب ایک ایسی چیز ہے جو کمالات انسانیہ کا ذمہ دار اور امن کا علمبردار ہے۔ نظام قدرت کی رفتار کا تعلق اصول مذھبیہ کے ساتھ اس قدر استوار ہے کہ اگر تردید مذہب کو نظام قدرت کے درہم برہم کرنے کے مترادف قرار دیا جائے تو بعید از عقل نہ ہو گا۔اس اجمال کی تفصیل یہ مایہ ہے کہ مذہب انسان کو ان اصولوں پر چلاتا ہے جن کے بغیر وہ اپنی ضروریات زندگی اور اس کے متعلقات کو دائرہ انسانی میں رہ کر پورا نہیں کر

سرشت میں گناہ کا مواد بھرا ہو وہ کسی حال میں گناہ کرنے سے نہیں رک در شاہ سکتا تاوقتیکہ کوئی زبردست طاقت اس کو روکنے والی نہ پائی جائے۔انسان کی فطرت میں گناہ کا مادہ موجود ہے۔گناہوں کا صدور اس سے مختلف حالات میں ہوتا ہے بھی اس سے باز رہنے کے اسباب موجود ہوتے ہیں کبھی نہیں[53]۔

مثلاً ایسے موقعہ پر گناہ کیا جائے جہاں اس کے افشا ہونے کا بظاہر کوئی احتمال نہیں یا اس حکومت کی طرف سے کوئی ممانعت نہیں یا اس ماحول میں اس کو گناہ نہیں سمجھا جاتا۔اسباب انسداد معاصی کے ہوتے ہوئے تو کسی حد تک انسان گناہوں سے بچ سکتا ہے لیکن مؤخر الذکر تینوں صورتوں میں اور بالخصوص صورت اخیرہ میں کوئی طاقت گناہ ہے انسان کو گناہ سے نہیں روک سکتی۔

ملجد گر من در خانہ خالی پر خواں

عقل باور نکند کز رمضاں اندیشد

ایسی صورت میں اگر کوئی طاقت گناہ سے روک سکتی ہے تو صرف خوف خداوند یا اور اصول مذہب کی پاسداری ہی ہے نہ کہ کچھ اور۔حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ پر غور کر لیجئے۔امراۃ عزیز کے مقاصدی تکمیل کے اسباب میں کسی چیز کی کمی باقی تھی؟ حالات پر گہری نظر ڈالیے بجز خوف خداوندی اور الہام و وحی ربانی کے آپ کو اور کوئی چیز نظر نہ آئے گی جس نے زلیخا کو محروم مدعا رکھا ہو۔

معلوم ہوا کہ انسانیت کا نگہبان اور عصمت کا پاسبان مذہب ہے اور صرف مذہب! گناہ سے روکنے کے جب تمام اسباب کا فقدان ہو جائے تو اس وقت مذہب ہی اپنی طاقت سے کمزور انسان کی دستگیری کرتا اور نجاست گناہ میں ملوث ہونے سے بچاتا ہے۔جن لوگوں نے مذہب کو بالائے طاق کر دیا ہے وہ حقیقتاً انسانیت کی حفاظت اور عصمت کی پاسبانی سے علیحدہ ہو گئے ہیں۔اب ان سے بہیمیت کے افعال سرزد ہوں یا سبعیت کے، بے حیائی پر کمر بستہ ہوں یا دیگر انسانیت سوز اعمال پر سب درست اور بجا ہے اور ذرہ بھر بھی مقام تعجب نہیں۔مغرب کی پہلی ترقی جس نے مشرق کو بھی اپنی رو میں بہا دیا اور نہایت سرعت سے اطراف عالم میں پھیلتی جا رہی ہے۔

بدل دیا رخ مشرق کو تو نے اے مغرب

تری ہوا سے بچائے خدا زمانے کو[54]

علامہ غلام رسول سعیدی رحمہ اللہ (1937ء-2016ء) کی مطالعہ ادیان میں خدمات

---

[53] کاظمی، علامہ سید احمد سعید، مقالات کاظمی (دوم)، ص:402

[54] کاظمی، علامہ سید احمد سعید، مقالات کاظمی (دوم)، ص:403

مفسر مولانا غلام رسول سعیدیؒ 10 رمضان المبارک 1356ھ بمطابق 14 نومبر 1937ء بروز جمعہ دہلی میں پیدا ہوئے آپ کے والد کا نام محمد سید منیر تھا۔ آپ سادات کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ نے تدریسی خدمات کا آغاز جامعہ نعیمیہ سے کیا اور 1985ء تک آپ جامعہ نعیمیہ لاہور میں تدریسی فرائض سرانجام دیتے رہے۔ بعدازاں آپ دارالعلوم نعیمیہ کراچی تشریف لے گئے اور تادم آخر وہیں تدریسی خدمات سرانجام دیتے رہے۔ علامہ سعیدی صرف درس وتدریس اور خطابت میں کمال حاصل نہیں کیا بلکہ تحریر و تصنیف میں بھی گراں قدر خدمات سرانجام دی۔ آپ نے تقریباً پچاس ہزار الفاظ سے زائد صفحات تحریر کیے جو بلاشبہ علم کا بیش بہا خزانہ ہیں۔ جن میں تفسیر تبیان اور تذکرۃ المحدثین بہت معروف ہیں۔ 4 فروری 2016ء میں دل کے عارضہ کے باعث آپ اپنے خالق حقیقی جا ملے۔ نماز جمعہ کے بعد آپ کی نماز جنازہ مفتی اعظم پاکستان مفتی منیب الرحمٰن حفظہ اللہ نے پڑھائی اور جامعہ مسجد اقصیٰ فیڈرل بی ایریا بلاک 15 کے قریب آپ کی تدفین کی گئی۔

تفسیر تبیان القرآن کا تعارف اور امتیازی خصوصیات:

تفسیرِ مذکور، اردو زبان میں ایک بڑی تفسیر بالماثور ہے۔ جس میں ہر آیت کی تفسیر سے متعلق جتنی آیات اور احادیث ممکن ہو سکیں، نقل کی گئی ہیں۔

تفسیر تبیان القرآن کا مطالعہ ادیان میں انداز و اسلوب

سابقہ آسمانی کتب سے استدلال:

جناب غلام رسول سعیدی نے تقابل ادیان کے میدان میں اکثر مسائل کو قرآن وسنت کی روشنی میں بیان کرنے کے ساتھ ساتھ سابقہ آسمانی کتب سے استدلال کیا ہے۔ اور اسلامی عقائد و تعلیمات کی برتری کو ثابت کیا ہے۔ جیسا کہ عیسائیوں کا حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں عقیدہ ہے کہ وہ ابن اللہ ہیں یا خود بعینہ خدا ہیں۔ اس عقیدہ کی تردید علامہ سعیدی نے قرآنی آیات کی روشنی میں کی ہے۔ بعدازاں چند آیات انجیل سے پیش کر کے فاسد عقیدہ کی تردید پر مہر ثبت کر دی۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

"موجودہ انجیل میں لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کو بھوک لگتی تھی ان کو سولی دی گئی اور وہ درد سے چلائے۔ اور ظاہر ہے کہ جس کا یہ حال ہو وہ خدا نہیں ہو سکتا۔"

متی کی انجیل میں ہے:

" اور صبح کو پھر شہر جارہا تھا اسے بھوک لگی۔(متی باب 21آیت18)اور راہ چلنے والے سر ہلا ہلا کر اسے لعن طعن کرتے اور کہتے تھے۔اے مقدس کے ڈھانے والے اور تین دن میں بنانے والے اپنے تئیں بچا۔اگر تو خدا کا بیٹا ہے تو صلیب سے اتر آ(متی باب 27آیت39۔40)

اور پھر یسوع نے بڑی آواز کے ساتھ جان دے دی(متی باب 27آیت50)

اقتباسات کو درج کرنے کے بعد لکھتے ہیں ان آیات کو دیکھنے کے بعد کوئی صاحب عقل یہ باور نہیں کر سکتا کہ حضرت مسیحؑ کے خدا یا خدا کے بیٹے تھے البتہ ضد اور ہٹ دھرمی کا کوئی علاج نہیں۔[55]

آسمانی کتب کا تعارف اور تحقیق:

مفسر بڑی وضاحت کے ساتھ سابقہ آسمانی کتب کا تعارف کرانے کے ساتھ ساتھ ان کتب کے متعلق سامی ادیان کے مفکرین کی آراء کو ذکر کرتے ہیں۔بعد ازاں قرآن مجید کی آیات سے تقابل کرتے ہوئے ان کتب کی تحقیق ذکر کرتے ہیں۔ چنانچہ تورات کی لفظی تحقیق اور مشمولات کے متعلق لکھتے ہیں۔

بعض علماء نے کہا ہے کہ توراۃ کا لفظ توریہ سے ماخوذ ہے ،توریہ کنایہ کو کہتے ہیں چونکہ توراۃ میں زیادہ تر مثالیں ہیں اس لیے اس کو توریہ کہا گیا اور بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ عبرانی زبان کا لفظ ہے اور عبرانی زبان میں توراۃ کا معنی شریعت ہے۔یہ دوسری رائے زیادہ صحیح ہے۔

توراۃ موجودہ بائبل(کتاب مقدس)کا ایک حصہ ہے ،کتاب مقدس کے دو اہم حصے ہیں۔

پرانا عہد نامہ:

نیا عہد نامہ۔پرانا عہد نامہ نئے عہد نامے سے نسبتاً زیادہ ضخیم ہے ،کل بائبل تمام عیسائیوں کی مذہبی کتاب ہے لیکن یہودیوں کی مذہبی کتاب صرف پرانا عہد نامہ ہے۔

پرانے عہد نامہ کے مشمولات:

پرانا عہد نامہ یہودیوں کے مختلف مقدس صحیفوں کا مجموعہ ہے علماء یہود نے عہد نامہ قدیم کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے۔

---

[55]۔ تفسیر تبیان القرآن، ج2، ص36،37

توراۃ

صحائف انبیاء

صحائف مقدسہ۔

توراۃ کو حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔اس میں بنی نوع بشر کی پیدائش سے لے کر بنی اسرائیل کی تاریخ تک اور اس کے بعد حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کی وفات تک بحث کی گئی ہے ،بنی اسرائیل کے لیے جو معاشرتی قوانین اور عبادات کے طریقے واضع کئے گئے تھے وہ سب اس میں مندرج ہیں۔اصل توراۃ حسب ذیل پانچ صحیفوں پر مشتمل ہے۔

اصل توراۃ کے مشمولات:

تکوین: اس میں حضرت موسیٰ (علیہ السلام) سے پہلے کے لوگوں کے احوال بیان کئے گئے ہیں تاکہ آل یعقوب نمایاں ہو۔اردو کی کتاب میں اس صحیفہ کا نام پیدائش ہے۔

خروج: اس میں حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کی ولادت سے لے کر ان کے اعلان نبوت اور کوہ طور پر جانے اور ان کو احکام دیئے جانے تک کے احوال مذکور ہیں۔

لاویین: اس میں خصوصیت کے ساتھ بنی اسرائیل کی عبادتوں کے طریقہ کا ذکر ہے۔اردو کی کتاب میں اس صحیفہ کا نام احبار ہے۔

عدادا:

اس میں خروج کے بعد کے بنی اسرائیل کے احوال مذکور ہیں کہ کس طرح بنی اسرائیل نے اردن اور ماوراء اردن کا علاقہ فتح کیا نیز اس میں تدریجی احکام اور قوانین کا بھی ذکر ہے اردو کی کتاب میں اس صحیفہ کا نام گنتی ہے۔ تثنیہ :اس میں تاریخی پس منظر پر نظر ڈالی گئی ہے اور قوانین کا ایک مجموعہ پیش کیا ہے ،یہ صحیفہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کی وفات کے ذکر پر ختم ہوتا ہے۔یہ پانچ صحائف اصل توراۃ ہیں۔اس کے علاوہ عہد نامہ قدیم میں حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے بعد میں آنے والے انبیاء پر نازل ہونے والے صحیفوں کو بھی شامل کیا گیا مثلاً یوشع ،قضاۃ، صموئیل اور ملوک وغیرہ زبور بھی ان صحائف میں شامل ہے۔ بعض صحائف کا جزو ہیں۔یہ کل 34 صحیفے ہیں عہد نامہ قدیم (اردو) میں توراۃ کے پانچ صحائف کے یہ 34 صحائف شامل ہیں۔شروع میں ان 39 صحائف کی فہرست ہے۔یہ تمام صحائف عبرانی زبان میں تھے۔البتہ دانیال اور عزرا آرامی زبان میں تھے۔

موجودہ توراۃ کے متعلق یہودی اور عیسائی علماء اور مفکرین کا نظریہ:

پہلی صدی عیسوی تک تمام یہودیوں اور عیسائیوں کا یہ متفقہ عقیدہ تھا کہ توراۃ باقی تمام صحائف سمیت یعنی مکمل عہد نامہ قدیم لفظاً لفظاً وحی منزل من اللہ ہے اور جو کچھ بھی بین الدفتین (اس جلد میں) ہے۔ وہ اللہ کا کلام ہے۔ اوریجن متوفی 604ء پہلا عیسائی عالم تھا جس نے یہ اعتراف کیا کہ عہد نامہ قدیم کی بعض عبارتیں معنوی طور سے صحیح نہیں ہیں اور بعض عبارات اخلاقی اعتبار سے پست اور مذموم ہیں ایک اور عیسائی عالم پوفری متوفی 304ء نے یہ خیال ظاہر کیا کہ صحیفہ دانیال بابل کی جلاوطنی کے زمانہ میں نہیں لکھا گیا بلکہ چار صدی بعد ضبط تحریر میں آیا۔ اسی طرح ایک ہسپانوی یہودی عالم ابن عذراء متوفی 1147ء نے تحقیق کی کہ صحائف خمسہ (توراۃ) حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے بعد کی تالیف ہیں۔ ایک فاضل جرمن عالم رائمارو س متوفی 1737ء نے ایک ضخیم تصنیف شائع کی، جس میں اس نے بائبل کے منزل من اللہ ہونے سے انکار کیا اسی طرح اور بہت سے محققین نے یہ ثابت کیا ہے کہ توراۃ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کی وفات کے بعد تالیف کی گئی ہے اور موجودہ توراۃ مع بقیہ صحائف وحی الٰہی نہیں ہیں۔

حوادثِ روزگار کے ہاتھوں توراۃ کا تلف ہو جانا:

تاریخ سے ثابت ہے کہ حوادث زمانہ کے ہاتھوں توراۃ کئی بار تلف ہوئی۔ 705 قبل مسیح سے 135ء تک فلسطین مسلسل مختلف حملہ آوروں اور فاتحین کی جولانگاہ بنا رہا۔ 700ق م میں سنے کرب حملہ آور ہوا اور یروشلم کا محاصرہ کیا۔ 587ق م میں بخت نصر حملہ آور ہوا اور یروشلم کو تباہ کر دیا اس تباہی میں توراۃ خاکستر ہو گئی اور یہودیوں کو مملکت بابل میں جلاوطن کر دیا گیا۔ 538ق م سے لے کر 332ق م تک فلسطین ایران کے زیر اقتدار رہا۔ 333ق م سے لے کر 323ق م تک فلسطین سکندر اعظم کے زیر اقتدار رہا اور 43ق م سے لے کر 395ء تک فلسطین سلطنت روما کے زیر اقتدار رہا۔ اس تفصیل سے ظاہر ہو گیا کہ یہودیوں کے اصل صحائف مقدسہ حوادث زمانہ کی نذر ہو گئے۔[56]

قرآن مجید اور تورات اور انجیل کے احکام کا تقابل:

موجودہ انجیل کی بعض وہ آیات جن کا قرآن مصدق ہے۔ اس نے جواب میں کہا کہ میں اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا۔ (متی: باب: 15 آیت: 24) (نیا عہد نامہ ص 19۔ مطبوعہ پاکستان بائبل سوسائٹی لاہور)

(آیت) ''ورسولاً الی بنی اسرائیل''۔ (آل عمران: 49)، ترجمہ: (مسیح عیسیٰ بن مریم) بنی اسرائیل کی طرف رسول ہو گا۔

---

[56]۔ تفسیر تبیان القرآن، ج2، ص40،39

اورایک بڑی بھیڑ لنگڑوں ،اندھوں ،گونگوں ،ٹنڈوں اور بہت سے بیماروں کواپنے ساتھ لے کراس کے پاس آئی اوران کواس کے پاس پاؤں میں ڈال دیااوراس نے انھیں اچھا کر دیا۔(متی: باب:15آیت:30)(نیاعہد نامہ ص19)

اورایک کوڑھی نے اس کے پاس آکر منت کی اوراس کے سامنے گھٹنے ٹیک کراس سے کہاا گر تو چاہے تو مجھے پاک صاف کر سکتا ہے،اس نے اس پر ترس کھا کر ہاتھ بڑھایااور اسے چھو کراس سے کہامیں چاہتا ہوں تو پاک صاف ہو جا،اور فی الفوراس کا کوڑھ جاتارہااور وہ پاک صاف ہو گیا۔ (مرقس ':باب:1آیت:40)(نیاعہد نامہ ص35)

وہ یہ کہہ ہی رہا تھا کہ عبادت خانہ کے سردار کے ہاں سے لوگوں نے آکر کہا تیری بیٹی مر گئی،(الی قولہ)وہ اس پر ہنسنے لگے لیکن وہ سب کو نکال کر جہاں لڑکی پڑی تھی اندر گیا،اور لڑکی کا ہاتھ پکڑ کراس سے کہاتلیتا قومی۔ جس کا ترجمہ ہے اے لڑکی میں تجھ سے کہتا ہوں اٹھ،وہ لڑکی فی الفور اٹھ کر چلنے پھرنے لگی کیونکہ وہ بارہ برس کی تھی اس پر لوگ بہت ہی حیران ہوئے۔(مرقس': باب:5آیت:42۔35)(نیاعہد نامہ ص 39)

(آیت) ''وابرئی الاکمہ والابرص واحی الموتی باذن اللہ''۔[57]

ترجمہ:میں مادرزاد اندھے کواور کوڑھی کو شفایاب کرتا ہوں اور اللہ کے حکم سے مردوں کو زندہ کرتا ہوں۔

یہ نہ سمجھو کہ میں توراۃ یا نبیوں کی کتابوں کو منسوخ کرنے آیا ہوں۔ منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے آیا ہوں کیونکہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک آسمان اور زمین ٹل نہ جائیں ایک نقطہ یا ایک شوشہ توراۃ سے ہر گز نہ ٹلے گا جب تک کہ سب کچھ پورا نہ ہو۔(متی: باب:5آیت: 18۔17)(نیاعہد نامہ ص8)

(آیت) ''ومصد قاًلما بین یدی من التورۃ''۔[58]

ترجمہ:میں توراۃ کی تصدیق کرنے والا ہوں جو میرے سامنے ہے۔

اس نے ایک اور تمثیل ان کو سنائی کہ آسمان کی بادشاہی اس رائی کے دانے کی مانند ہے جسے کسی آدمی نے لے کر اپنے کھیت میں بو دیا،تو وہ سب بیجوں سے چھوٹا تو ہے مگر جب بڑھتا ہے تو سب ترکاریوں سے بڑا اور ایسا درخت ہو جاتا ہے کہ ہوا کے پرندے آکر اس کی ڈالیوں پر بسیرا کرتے ہیں۔(متی: باب:13آیت:32۔31)(نیاعہد نامہ ص17)[59]

---

[57]۔آل عمران:49

[58]۔آل عمران:50

[59]تبیان القرآن،ج2،ص57،56

خلاصہ کلام:

جناب غلام رسول سعیدی اپنی اس تفسیر "تبیان القرآن" میں تقابل ادیان کے موضوع پر بات کرتے ہوئے مذاہب کا تعارف بیان کرتے ہیں۔اس میں مذہب کی تعریف،وجہ تسمیہ،معروف انبیاء،قوم کے حالات اور ساتھ ہی موجودہ دور میں مذہب کی حقیقت کو واضح کرتے ہیں۔مذاہب کے بارے میں درج ابحاث کو بڑی تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔

خودآزمائی:

1. امام احمد رضا خان رحمتہ اللہ علیہ کی مطالعہ مذاہب میں خدمات کا جائزہ لیں۔
2. یہود و نصاری کے عقائد پر امام احمد رضا خان کے نظریات کا جائزہ لیں۔
3. یہود و نصاری کے ساتھ کھانے پینے کا کیا حکم ہے؟قرآن و سنت سے وضاحت کریں۔
4. عیسائیوں کی چھوئی ہوئی چیز سے متعلق امام احمد رضا رحمتہ اللہ علیہ کیا حکم دیتے ہیں؟
5. وفات حسرت آیات سے کیا مراد ہے؟
6. یہود و نصاری کی تعبیداری کرنے والوں کے لئے کیا حکم ہے؟
7. نصرانیہ/عیسائیہ سے نکاح کا کیا حکم ہے؟مفصل بیان کریں۔
8. فی زمانہ نصاری کا حکم مع تفصیل بیان کریں۔
9. یہود و نصاری کا مسلمان ہونا کیوں ضروری ہے؟قرآن و سنت کی روشنی میں وضاحت کریں۔
10. یہود و نصاری سے موالات کے احکام مفصل بیان کریں۔
11. پیر کرم علی شاہ الازہری رحمتہ اللہ علیہ کی مطالعہ مزاہب میں خدمات کا جائزہ لیں۔
12. پیر کرم علی شاہ الازہری رحمتہ اللہ علیہ کی مشہور تصانیف کا تفصیلی تعارف پیش کریں۔
13. تفسیر ضیاء القرآن کا اجمالی تعارف پیش کریں۔
14. ضیاء القرآن کی تصنیف کب مکمل ہوئی اور پہلی جلد کب شائع ہوئی۔
15. یہودیت اور عیسائیت سے متعلق پیر کرم علی شاہ صاحب کے نظریات کا جائزہ لیں۔
16. یہود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلہ سے کیسے فتح طلب کیا کرتے تھے؟

17. علماء یہود کی گستاخیوں پر نوٹ قلمبند کریں۔
18. نصاری اور یہود کے ایک دوسرے کو گمراہ کہنے کی وجوہات پر روشنی ڈالیں۔
19. یہود کے غلط مرعومات نے کس طرح ان کو گمراہ کیا وضاحت کریں۔
20. یہود کی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حسد کی وجوہات کا جائزہ لیں۔
21. علامہ احمد سعید کاظمی رحمتہ اللہ علیہ کی مطالعہ مذاہب کی خدمات پر روشنی ڈالیں۔
22. علامہ احمد سعید کاظمی رحمتہ اللہ علیہ کے مقالہ "اسلام اور عیسائیت" پر تفصیلی نوٹ تحریر کریں۔
23. نسب نامہ "یسوع مسیح علیہ السلام" کس کی تصنیف ہے؟
24. اسلام اور عیسائیت پر لکھے گئے مقالات کے مقاصد تحریر کریں۔
25. اسلام اور عیسائیت کے تجزیہ کے اہم نکات پر روشنی ڈالیں۔
26. اسلام انسانیت کے لئے کیوں لازم ہے؟ وضاحت کریں۔
27. عیسائیوں کی شرکیہ باتوں کے جواب میں اللہ تعالی نے کون سی آیات نازل فرمائیں؟ مفصل بیان کریں۔
28. عیسائیت کے عقیدہ تثلیث کی قرآنی آیات کی روشنی میں وضاحت کریں۔
29. حضرت غزالی زماں عقیدہ تثلیث کے رد میں کیا فرماتے ہیں؟
30. حضرت غزالی زماں نے کفارے سے متعلق عیسائی عقیدے کو کس طرح بیان کیا اور اس کا کس طرح رد کیا؟ وضاحت کریں۔
31. مطالعہ مذاہب میں بڑے علماء و مشائخ کی کوششوں کے اثرات کس طرح مرتب ہوئے؟ تفصیلا بیان کریں۔
32. غلام رسول سعیدیؒ کی مطالعہ ادیان میں خدمات کا جائزہ لیں۔
33. علامہ غلام رسول سعیدیؒ کے حالات زندگی پر نوٹ قلمبند کریں۔
34. تفسیر تبیان القران کا تعارف اور اس کی امتیازی خصوصیات پر نوٹ تحریر کریں۔
35. علامہ غلام رسول سعیدیؒ نے سابقہ آسمانی کتابوں سے کیسے استدلال کیا؟ وضاحت کریں۔
36. علامہ غلام رسول سعیدیؒ کی لکھی گئی کتاب میں سابقہ آسمانی کتابوں کا ذکر کیوں کیا گیا؟ وضاحت کریں۔
37. پرانے عہد نامہ کے مشمولات کی وضاحت کریں۔

38. اصل تورات کے مشمولات پر نوٹ تحریر کریں۔

39. موجودہ تورات کے متعلق یہودی اور عیسائی علماء اور مفکرین کا نظریہ پیش کریں۔

40. حوادث زمانہ کے ہاتھوں تورات کئی بار تلف ہوئی دلیل سے وضاحت کریں۔

41. قرآن مجید اور تورات اور انجیل کے احکام پر تقابلی نوٹ تحریر کریں۔

جوابات:

تمام سوالوں کے جواب متعلقہ یونٹ سے تلاش کریں۔

مصادر و مآخذ/مزید مطالعہ کے لیے:

- احمد رضا، اعلی حضرت امام، فتاوی رضویہ، لاہور: رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ، 2009ء
- الازھری، پیر کرم علی شاہ، ضیاء القرآن، لاہور: ضیاء القرآن پبلیکیشنز، 1995ء
- سعیدی، خورشید احمد، ماہنامہ ضیائے حرم، اسلام آباد: خیابان کرم، جلد 37، شمارہ 11، اگست 2007ء
- سعیدی، خورشید احمد، ماہنامہ ضیائے حرم، اسلام آباد: خیابان کرم، جلد 51، شمارہ 09، جون 2021ء
- کاظمی، علامہ سید احمد سعید، مقالات کاظمی (اول)، لاہور: ضیاء القرآن پبلیکیشنز، سنہ ندارد۔
- شمائلہ، "وحدت ادیان علمائے برصغیر کی فکر کا مطالعہ" مقالہ برائے ایم اے علوم اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، 2006ء
- سعیدی، علامہ غلام رسول، تبیان القرآن، لاہور، مکتبہ ضیاء القرآن، 2010ء

یونٹ نمبر 09

علامہ حمید الدین فراہی، علامہ عبد الرحمن کیلانی اور مولانا اشرف علی تھانوی کی مطالعۂ مذاہب میں خدمات

مؤلف: پروفیسر ڈاکٹر عاصم نعیم
نظر ثانی: ڈاکٹر حسن بیگ، عثمان علی شیخ، شمع ناز

فہرست مضامین

عنوانات	صفحہ نمبر
یونٹ کا تعارف	310
یونٹ کے مقاصد	312
مطالعہ ادیان میں مولانا حمید الدین فراہیؒ کی خدمات	313
نام ونسب اور ولادت	313
تعلیمی مراحل	313
مولانا فراہیؒ کے معاصرین، اساتذہ و تلامذہ	314
معاصر علماء کرام	314
اساتذہ	314
شاگرد	315
تصانیف	315
مولانا فراہیؒ کی تفسیری کاوشیں	316
تفسیر نظام القرآن کی خصوصیات	316
ادیان عالم سے متعلق آیات قرآنیہ میں جناب فراہیؒ کا تفسیری منہج نصاریٰ سے متعلق تفسیرات فراہیہ میں مباحث	317
لفظ نصاریٰ کی تحقیق	317
انجیل کی زبان اور دینی وتاریخی حیثیت	317
تحریفات انجیل	318
انجیل کی عبارات کی تعبیرات وتاویلات اور قرآنی آیات سے مطابقت	318
سورۃ فاتحہ اور نصاری کی فاتحہ کی مطابقت	318
نصاریٰ کی فاتحہ	319
یہود سے متعلق آیات قرآنیہ میں تفسیری نکات	320

تاریخ ومعتقدات یہود کے تذکرے	320
تفسیر بسم اللہ الرحمان الرحیم میں تذکرہ یہود	320
شریعتِ یہود کا آتشیں اور سخت ہونا	320
یہودیوں پر عبرت انگیز عذاب	321
یہودیوں کی سرگذشتیں	322
بائیل سے تفسیر قرآن میں استفادہ	322
جبل زیتون کی اہمیت بلحاظ تاریخ	323
جبل زیتون کی اہمیت بلحاظ تاریخ	324
نبوت محمدی ﷺ کی دائمی دلیل	325
حضرت ابراہیم کو برکت دینے کا وعدہ	325
مباحث ادیان سے متعلق جناب حمید الدین فراہی کی تصنیفات کا تجزیہ	327
آنحضرت ﷺ کا سلسلہ نسب اور اہل کتاب	327
کتاب کی تاریخ طباعت	327
موضوع کتاب	327
مشمولات کتاب	327
أسلوب بیان	327
أسلوب بیان کے خصائص	328
سادگی وسلاست	328
تحقیق	328
اختصار وجامعیت	329
أسلوب استدلال	329
اعتراضات یہود ونصاری اور ان اعتراضات کا تفصیلی جواب بزبان بابل	329
الکلیل فی شرح الاجمیل کا تجزیہ کتاب کا تعارف	330

مشمولات کتاب	330
الرائی الصحیح من ھوالذبیح(ذبیح کون ہے)	331
مشمولات کتاب	331
نتائج بحث	331
مولاناعبدالرحمان کیلانی کی مطالعہ ادیان میں خدمات	333
مولاناعبدالرحمٰن کیلانی-ایک تعارف	333
تصانیف	334
تفسیر تیسیرالقرآن میں مطالعہ ادیان کے نمایاں پہلو	334
عقیدہ نزول مسیح کے متعلق سامی ادیان کے شبہات اوران کا مدلل جواب	334
یہود کی ذلت ومسکنت کی تاریخی داستان	337
یہود کی پہلی بار فتنہ انگیزی اوراس کی سزا	337
بنی اسرائیل میں کونسافرقہ یہودی کہلایا	338
صابیین کا تعارف	339
عیسائیوں کے مختلف نام	339
مجوس کی تعریف	339
خلاصہ کلام	339
مولاناااشرف علی تھانوی کی مطالعہ ادیان میں خدمات	340
تعارف	340
تفسیر بیان القرآن میں مطالعہ ادیان کی بحثیں	341
مذاہبِ سماویہ پر ایمان اور دیگر مذاہب کا احترام	341
اہل کتاب سے معاملات ومعاشرت	342
معبودانِ کُفار کی شماتت کا معاملہ	342
اہلِ کتاب ودیگر کے شرک میں مبتلا ہونے کی وجوہ	343

مزید نکات	344
مولانا اشرف علی تھانوی کی دیگر تصانیف میں مباحث مطالعہ ادیان	345
فہرست رسائل	345
معاملات المسلمین باھل الکتاب والمشرکین	346
اہم کتاب اور اہل یورپ کے ذبیحہ کا حکم	347
غیر مسلم حاکم کے وقف میں تصرف کا حکم	347
خود آزمائی	347
جوابات	349
مصادر و مآخذ/مزید مطالعہ	349

یونٹ کا تعارف

حمید الدین فراہی(م- :1930ء) برصغیر پاک وہند کے ممتاز قرآنی مفسر اور دین اسلام کی تعبیر جدید کے بانی تصور کیے جاتے ہیں آپ نے امت میں تفقہ فی الدین کو دور حاضر کے تقاضوں کے عین مطابق ایک لافانی نہج پر قائم کیا بعد ازاں اسی نہج نے دین اسلام کے خلاف اٹھنے والے ہر پیچیدہ سوال کا دندان شکن جواب دیا۔ حمید الدین فراہی ایک متبحر عالم اور مجتہد فی المذہب تھے آپ گہری علمیت اور بے مثال وسعت نظری کا عجیب وغریب مرقع تھے۔ مولانا نے امت کے لیے وہ علمی خدمات سرانجام دیں جن کے بارے میں امت مسلمہ کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتی۔ زعمائے ملت کی نظر میں مولانا ایک بلند مقام ومرتبہ رکھتے تھے۔ زمانہ طالب علمی ہی میں مولانا کا علمی پایہ مسلم تھا، عربی وفارسی ہی میں وقت کے بڑے بڑے اساتذہ اور ادیب جن سے انھوں نے تعلیم حاصل کی، ان کی ذہانت اور علمی فکر سے متاثر تھے۔ مولانا حمید الدین فراہی بہت لکھنے اور رطب ویابس اکھٹا کرنے کے قائل نہ تھے جہاں تک ان کی تصانیف کا تعلق ہے تو انھیں دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا ایک مصنف ہی نہیں بلکہ ایک بہت بڑے مفکر اور مصلح بھی تھے اور ان کی تصانیف سے ان کی اعلیٰ فکری صلاحیتوں، مصلحانہ کردار اور بلند علمی مرتبے کا پتہ چلتا ہے مولانا کے منہج تالیف میں یہ بات قابل ذکر ہے کہ ان کا طریقہ تصنیف وتالیف یہ نہیں تھا کہ ایک موضوع کے بارے میں فکر اور معلومات اکھٹی کر کے اسے ایک کتاب کی صورت میں مرتب کر دیں بلکہ بیک وقت کئی ایک موضوعات ان کے پیش نظر موجود رہتے تھے، جب کسی موضوع پر تحقیق مکمل ہو جاتی، ذہن مطمئن ہو جاتا تو اسے لکھ لیتے اور بعد میں وقت ملنے پر ایک موضوع پر مختلف موقعوں پر لکھی ہوئی تحقیقات کو مرتب کرتے تھے اس طرح گویا وہ ایک ہی وقت میں کئی کتب پر کام کر رہے ہوتے۔ مولانا فراہی کے نام کے بارے میں مختلف بلکہ متضاد آراء اور روایات ملتی ہیں تحریر دستاویزات میں حمید الدین اور عبد الحمید دونوں نام کثرت سے موجود ہیں اور اہل علم نے اپنے اپنے انداز سے اس کی توجیہ بھی کی ہے۔ اسی طرح مولانا عبد الرحمن کیلانی(م-1995ء) کی شخصیت محتاجِ تعارف نہیں، انکی علمی و تحقیقی کتب ہی ان کا مکمل تعارف ہیں۔ موصوف جس موضوع پر بھی قلم اٹھاتے ہیں اس کا حق ادا کر دیتے ہیں، مولانا کیلانی اسلامی اور دینی ادب کے پختہ کار قلم کار تھے۔ کتب کے علاوہ ان کے بیسیوں علمی و تحقیقی مقالات ملک کے معروف علمی رسائل و جرائد (ماہنامہ محدث، ترجمان الحدیث، سہ ماہی منہاج لاہور وغیرہ) میں شائع ہوئے ان کی بیشتر تالیفات اہل علم وبصیرت سے خراج تحسین پا چکی ہیں۔ مولانا کیلانی نے فوج کی سرکاری ملازمت سے استعفی کے بعد کتابت کو بطورِ پیشہ اختیار کیا۔ آپ عربی، اردو کے بڑے عمدہ کاتب تھے۔ 1947ء سے 1965ء تک اردو کتابت کی اور اس وقت کے سب سے بہتر ادارے، فیروز سنز سے منسلک رہے۔ 1965ء میں قرآن مجید کی کتابت شروع کی اور تاج کمپنی کے لئے کام کرتے رہے۔ تقریباً پچاس قرآن کریم کی انہوں نے کتابت کی۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ 1972ء میں حج کرنے گئے تو مکی سورتوں کی کتابت باب بلال (مسجد حرام) میں بیٹھ کر اور مدنی سورتوں کی کتابت مسجد نبوی میں اصحاب صفہ کے چبوترہ پر بیٹھ کر کی۔ یہ وہی قرآن کریم ہے جو پاک وہند کے مسلمانوں کے لیے ان کے مانوس رسم الخط میں سعودی حکومت نے حمائل سائز میں چھاپا اور ہر سال لاکھوں کی تعداد میں چھپتا اور فری تقسیم ہوتا ہے یعنی پاکستان اور سعودی عرب میں مروجہ رسم قرآنی میں سب سے زیادہ چھپنے والے قرآن کی

کتابت کی سعادت بھی آپ کو حاصل ہے۔ تفسیر 'تیسیر القرآن' میں قرآن مجید کی اسی بابرکت کتابت کو ہی بطور متنِ قرآن شائع کیا گیا ہے کتابت کے سلسلہ میں موصوف نے خاندان کے بہت سے لوگوں کو کتابت سکھا کر باعزت روزگار پر لگایا۔1980ء کے بعد جب انہیں فکر معاش سے قدرے آزادی نصیب ہوئی تو تصنیف وتالیف کی طرف متوجہ ہوئے۔اس میدان میں بھی ماشاءاللہ علماء و مصنفین حضرات کی صف میں نمایاں خدمات انجام دیتے ہوئے تقریبا 15 کتب تصنیف کرنے کے علاوہ 'سبل السلام شرح بلوغ المرام' اور امام شاطبیؒ کی کتاب 'الموافقات' کا ترجمہ بھی کیا۔ دو دفعہ قومی سیرت کانفرنس میں مقالہ پیش کر کے صدارتی ایوارڈ حاصل کیا۔ آخری عمر میں تفسیر تیسیر القرآن لکھ رہے تھے اور انکی خواہش تھی کہ اسکو خود طبع کروائیں مگر عمر نے وفانہ کی 18 دسمبر 1995ء کو باجماعت نمازِ عشاء ادا کرتے ہوئے حالتِ سجدہ میں اپنے خالق حقیقی جا ملے۔

اس یونٹ کی آخری اور اہم شخصیت مولانا اشرف علی تھانوی (1863ء - 1943ء) ہیں ۔آپ ایک حنفی عالم، صوفی، چشتی مرشد اور بیان القرآن اور بہشتی زیور جیسی کئی کتابوں کے مصنف تھے۔ ظاہری علوم کی تکمیل کے بعد دل میں تزکیہ باطن کا داعیہ پیدا ہوا، چنانچہ شوال 1201 ھ میں جب کہ وہ طالب علمی کی زندگی ختم فرما کر کانپور میں اشاعت علوم میں مصروف تھے۔ سفر حج کی توفیق ہوئی۔ وہ اپنے والد کی معیت میں زیارت حرمین شریفین کے لیے روانہ ہوئے۔ مکہ معظمہ پہنچ کر حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حاجی صاحب؛ ان کے آنے سے بہت خوش ہوئے اور دست بدست بیعت کی نعمت سے سرفراز کیا اور 1310ھ میں وہ دوبارہ مکہ مکرمہ تشریف لے گئے اور چھ ماہ حاجی صاحب کی خدمت میں رہے۔اس دوران میں حاجی صاحب نے ان کو شرف خلافت سے نوازا۔آپ نے اپنی خانقاہ میں مقیم ہو کر شروع ہی سے اپنی آئندہ زندگی کے انضباط اور اہم خدمات دین کے انصرام کے لئے اپنے مذاق فطری اور نصب العین کے موافق ایک لائحہ عمل مقرر فرمایا اور اسی کے مطابق اپنے پیش نظر کام سرانجام دینے میں مشغول ہو گئے۔ اس وقت آپکی عمر تخمیناً 35 سال تھی۔ خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون میں توکلاً علی اللہ قیام پذیر ہونے کے بعد حضرت کی ساری زندگی تقریباً نصف صدی سے زائد تک تصنیف وتالیف میں اور مواعظ و ملفوظات ہی میں بسر ہوئی۔ ملک اور بیرون ملک ہزاروں طالبین حق و سالکین طریق تعلیم و تربیت باطنی اور تزکیہ نفس سے فیض یاب اور بہرہ اندوز ہو کر بحمد اللہ تعالیٰ امت مسلمہ کے رہبر و مرشد بن گئے۔

مذکورہ یونٹ میں انہی تین اہم شخصیات کی علمی و دینی خدمات کا جائزہ لیا جائے گا اور ان کی اہم کتابوں کا تعارف پیش کیا جائے گا۔

یونٹ کے مقاصد

امید ہے کہ اس یونٹ کے مطالعے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ

1. حمید الدین فراہی کے حالاتِ زندگی اور خدمات کے بارے میں آگاہی حاصل کر سکیں۔
2. حمید الدین فراہی کے حالاتِ زندگی اور ان کی تصانیف کے بارے میں واقفیت حاصل کر سکیں۔
3. حمید الدین فراہی کی مطالعۂ مذاہب عالم میں خدمات پر بحث کر سکیں۔
4. مولانا عبد الرحمن کیلانی کے حالاتِ زندگی اور خدمات کے بارے میں آگاہی حاصل کر سکیں۔
5. مولانا عبد الرحمن کیلانی کے حالاتِ زندگی اور ان کی تصانیف کے بارے میں واقفیت حاصل کر سکیں۔
6. مولانا عبد الرحمن کیلانی کی مطالعۂ مذاہب عالم میں خدمات پر بحث کر سکیں۔
7. مولانا اشرف علی تھانوی کے حالاتِ زندگی اور خدمات کے بارے میں آگاہی حاصل کر سکیں۔
8. مولانا اشرف علی تھانوی کے حالاتِ زندگی اور ان کی تصانیف کے بارے میں واقفیت حاصل کر سکیں۔
9. مولانا اشرف علی تھانوی کی مطالعۂ مذاہب عالم میں خدمات پر بحث کر سکیں۔

مطالعہ ادیان میں مولانا حمید الدین فراہیؒ (1863-1930ء) کی خدمات:

مولانا حمید الدین فراہی (1863-1930ء) کئی انفرادی خوبیوں کی حامل، گوناگوں شخصیت کے مالک اور کئی علوم وفنون کے ماہر تھے۔ مولانا فراہی نے حفظ، ترجمہ و تفسیر قرآن، عربی و فارسی ادب، انگریزی زبان سیکھنے کے ساتھ ساتھ مغربی علوم پر دسترس حاصل کی، علم کلام و فلسفہ اور تعلیم و تربیت جیسے مختلف میدانوں میں اپنے فضل و کمال کے نقوش ثبت کیے۔ علامہ حمید الدین فراہی ان نابغہ روزگار عظیم ہستیوں میں سے ہیں۔ جنہیں علم و تحقیق کی دنیا بھی فراموش نہیں کر سکتی۔ علامہ فراہی نے فہم قرآن کے لیے جو دروازے کھولے ہیں اور قرآنی علم و تحقیق کے جس وسیع تر میدان سے آگاہی بخشی ہے اور دین حق کے جن اسرار ورموز کا انکشاف کیا ہے اہل نظر کبھی بھی انہیں نظر انداز نہ کر سکیں گے۔ علامہ فراہی کے مختصر حالات اور مطالعہ مذاہب کے حوالے سے ان کی خدمات کا مختصر تجزیہ حسب ذیل ہے۔

نام ونسب اور ولادت:

آپ کا مکمل نام ونسب حمید الدین بن عبد الکریم بن قربان بن قنبر بن تاج علی تھا۔ علامہ حمید الدین فراہی ضلع اعظم گڑھ (یو۔پی ۔بھارت) کے ایک گاؤں پھریہا میں پیدا ہوئے۔ آپ کی ولادت 1823ء بمطابق 1680ھ میں ہوئی۔ فراہی آپ کا نسبتی نام ہے۔ ایک نئی تحقیق کے مطابق یہ افغانستان کے ایک مقام "فراہ" کی جانب منسوب ہے جہاں سے ان کا خاندان منتقل ہو کر ہندوستان آیا تھا۔ فراہی کے خاندان کے مورث اعلی بہاوالدین تھے۔ مولانا فراہی کا نسبی تعلق صدرِ اول کے مسلمانوں کی دوسری وحدت سے معلوم ہوتا ہے لیکن بات قرائن اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ ان کا تعلق انصار مدینہ سے تھا یہی وجہ ہے کہ مولانا کے خاندان کے بہت سے افراد اپنے نام کے ساتھ ایک عرصہ تک انصاری لکھتے رہے ہیں۔[1]

تعلیمی مراحل:

آپ کی ابتدائی تعلیم اپنے گھر پر ہوئی۔ اس کا آغاز دستور کے مطابق ناظرہ اور حفظ قرآن سے ہوا۔ دس برس کی عمر میں حفظِ قرآن کا مرحلہ طے کرلیا۔ [2]مولانا فراہیؒ کے تعلیمی سفر کا تذکرہ کرتے ہوئے ان کی آخری عمر کے تلمیذ، امین احسن اصلاحیؒ ایک جگہ لکھتے ہیں:۔ "مولانا فراہی نے لکھنؤ چھوڑنے کے بعد لاہور کا سفر کیا اور لاہور میں مشہور ادیب مولانا فیض الحسن سہارنپوری مرحوم کی خدمت میں حاضر ہوئے مولانا فیض الحسن مرحوم اس وقت اورینٹل کالج لاہور میں پروفیسر تھے اور عربی ادب میں پورے ملک کے اندر اپنا ثانی نہیں رکھتے

---

[1]۔ اصلاحی، ڈاکٹر شرف الدین، ذکرِ فراہی (لاہور: دار التذکیر، 2002)، 39-40۔

[2]۔ اصلاحی، شرف الدین، مقالات ترجمۃ القرآن مولانا حمید الدین فراہی (اعظم گڑھ: معارف، 1991)، 7۔

تھے ادب میں مولانا شبلی بھی انہی کے شاگرد تھے مولانا فراہی نے ان کی شاگردی سے بھرپور فائدہ اٹھایا اور مولانا فیض الحسن مرحوم نے بھی وقت کے ساتھ مولانا کو علوم ادب کی تکمیل کرائی"۔[3]

سید سلیمان ندویؒ کے مطابق:

اس زمانے میں انگریزی پڑھنا کفر سمجھا جاتا تھا مگر یہ کفر مولانا نے حالاتِ حاضرہ سے آگاہی کے لئے کرتے ہوئے انگریزی کچھ پڑھ لینے کے بعد کرنل گنج سکول الہ آباد میں داخل ہوگئے۔ انٹر کا امتحان پرائیویٹ طور پر دے کر ایم اے او کالج علی گڑھ میں داخل ہوگئے۔ یہ علیگڑھ کالج کے عروج کا زمانہ تھا۔ سر سید اس کے ناظم اعلی، مسٹر آرنلڈ اور بک وغیرہ اس کے پرنسپل اور پروفیسر تھے۔ مولانا شبلی نعمانی اس کے مدرس اور مولانا حالی وہاں کے مقیم وساکن تھے، ہر وقت مسائل و تحقیقات کا کہتے رہتے۔ ان بزرگوں کی صحبتیں حاصل کیں جن میں ہونہار طالب علم کو فطری جوہر کے چمکنے کا موقع حاصل تھا۔[4]

مولانا فراہیؒ کے معاصرین، اساتذہ و تلامذہ

معاصر علماء کرام:

علامہ حمید الدین فراہیؒ کی ذات گرامی علمی دنیا میں کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے۔ وہ اپنے علم و فضل اور محققانہ بصیرت کی وجہ سے مستند علماء میں شمار کئے جاتے ہیں۔ نظمِ قرآن کے فکر و فلسفے اور اس کے اسرار و رموز سے روشناس کرانے میں حمید الدین فراہی نے اہل علم و دانش کے ایکبڑے طبقے کو اپنی جانب متوجہ کیا ہے۔ مولانا مناظر احسن گیلانی، مولانا ابوالکلام آزاد، شیخ تقی الدین ہلالی، شاہ معین الدین ندوی، مولانا حبیب الرحمن خاں شروانی، مولانا عبد الحق صاحب، مولانا عبد الماجد دریابادی اور مولانا سید ابوالاعلی مودودی جیسے عظیم علماء کی انہیں تائید حاصل رہی ہے۔

اساتذہ:

مولانا فراہی کا ایک طرف دل و دماغ فطری صلاحیتوں سے مالا مال تھا تو دوسری طرف انہیں وقت کے بہترین اساتذہ کی مدد اور رہنمائی حاصل تھی۔ انہوں نے ایک مثالی طالب علم کی حیثیت سے مثالی اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذ کیا۔ آج اتنا عرصہ گزر جانے کے باوجود ان اساتذہ کی عزت و عظمت کا سکہ رواں ہے۔ آپ کے جلیل القدر اساتذہ میں علامہ شبلی نعمانی، مولانا عبد الحہ لکھنوی، حافظ احمد سکروتی، مولوی محمد مہدی چتاروی، مولانا ارشاد حسین حسین رامپوری اور مولانا فیض الحسن سہانپوری تھے۔

---

[3]۔ اصلاحی، مولانا امین احسن، مجموعہ تفاسیر فراہی (لاہور: جماعت اسلامی، 1978)، 21

[4]۔ ندوی، سید سلیمان، یادرفتگان (کراچی: مجلس نشریات اسلام، 1983ء)، 116

شاگرد:

فکر فراہی کی تفہیم و تشریح اور اسے آگے بڑھانے میں ان کے تلامذہ، خاص کر مولانا اختر احسن اصلاحیؒ، مولانا امین احسن اصلاحیؒ، مولانا سید سلیمان ندویؒ، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ اور مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کا قابل قدر حصہ ہے۔ قرآن مجید میں غور وتدبر سے مولانا کو خصوصی لگاؤ رہا ہے۔ اس کے لیے انہوں نے اپنی پوری زندگی وقف کر دی تھی، بہ قول مولانا سید ابوالاعلی مودودی انہوں نے اپنی عمر کا بیش تر حصہ کلام اللہ کے معانی کی تحقیق میں صرف کیا اور عربی زبان میں محققانہ تفسیر لکھی، جس کی نظیر متقدمین کی تصنیفات میں کم ملتی ہے۔[5] لیکن یہ بات کم لوگ جانتے ہیں کہ مولانا فراہی کو عربی اور فارسی زبان وادب پر بھی کامل دستگاہ حاصل تھی اور ان میں ان کی تخلیقات کے اعلی نمونے موجود ہیں۔ مولانا فراہی کے خصوصی شاگرد وہ تھے جن کی تعلیم و تربیت پر قیام مدرسۃ الاصلاح کے زمانہ میں انہوں نے خصوصی توجہ صرف کی اور ایسے افراد تیار کرنے کی کوشش کی جو ان کے علم وفکر کے وارث بن سکیں۔

نومبر 1930ء میں مرض الموت نے آلیا۔ ۱۱ نومبر 1930ء کو شب کے وقت ان کا انتقال ہوا۔ آپ نے 67 سال عمر پائی۔[6]

تصانیف:

مولانا ان معنوں میں مصنف نہیں تھے جن معنوں میں لوگ عموی مصنف ہوا کرتے ہیں۔ وہ محض لکھنے کی خاطر لکھنے کے قائل نہیں تھے۔ وہ لکھنے کے لیے صرف اس وقت قلم اٹھاتے تھے جب ان کے سامنے کوئی نیا تحقیقی مسئلہ ہوتا۔ ان کو ایک مصنف کے بجائے ایک مفکر اور ایک فلسفی کہنا زیادہ موزوں ہوگا۔ وہ لکھنے سے زیادہ غور کرتے تھے اور یہ غور وفکر بیک وقت مختلف مباحث و مسائل پر جاری رہتا تھا۔ مولانا ان سارے مسائل کو الگ الگ عنوان بحث و تحقیق قرار دے لیتے اور ان کے متعلق اپنے نتائج افکار جمع کرتے جاتے۔ جب کوئی بات ذہن میں آتی اس کو فوراً کسی رقعے پرزے پر ٹانک لیتے۔ لکھتے ہمیشہ پنسل سے تھے لیکن نہایت خوش خط لکھتے اس وجہ سے ان کی لکھی ہوئی تحریریں پڑھنے میں کوئی زحمت نہیں ہوتی تھی۔ اس طرح کی جو یادداشت لکھتے اس پر اس وقت یہ بھی نوٹ کر دیتے کہ یہ کس کتاب سے متعلق ہے۔ یہ یادداشتیں گویا اس کتاب کی فصلیں ہوتیں۔ اس طرح جب کسی کتاب کی تمام فصلیں ان کے ذہنی خاکہ کے مطابق پوری ہو جاتیں تو ان یادداشتوں کو بھی کم و بیش کر کے مرتب کر دیتے اور کتاب تیار ہو جاتی۔ مولانا کے اس مخصوص طریقہ تصنیف کے سبب سے بیک وقت ان کے زیر قلم یا صحیح تر الفاظ میں ان کے زیرِ فکر متعدد تصنیفات رہتی تھیں۔ جن میں سے بعض تکمیل کو پہنچ جاتی تھیں، بعض چلتی رہتی تھیں اور بعض آخر تک ایک آدھ فصلوں سے آگے نہ بڑھ سکیں۔[7]

---

[5]۔ مودودی، مولانا، ترجمان القرآن (لاہور: جماعت اسلامی، 1354ھ)، 475۔

[6]۔ اصلاحی، شرف الدین، مقالات ترجمۃ القرآن، 105-106

[7]- http//www.Imam Hamid Uddin Farahi (Publications) Javed Ahmad Ghamidi - Javed Ahmad Ghamidi.htm.6,30,2016.1:35

آپ کی اہم تصانیف میں سے چند ایک کے نام یہ ہیں:

دلائل النظام، التکمیل فی اصول التاویل، اسالیب القرآن، تاریخ القرآن، اقسام القرآن، تفسیر نظام القرآن، اسباق النحو وغیرہ

مولانا فراہیؒ کی تفسیری کاوشیں:

ترجمان القرآن مولانا حمید الدین فراہیؒ تاریخ اسلامی کی ان نابغہ روزگار ہستیوں میں ہیں جو فکر و فہم کی دنیا میں اپنا ایک خاص مقام رکھتے ہیں۔ فراہی کی فکرِ تازہ کا ایک اہم پہلوان کی تفسیری کاوشیں ہیں۔ ''تفسیر نظام القرآن''آپ کی مشہور تفسیر ہے۔ تفسیری اصولوں کو فراہی صاحب نے تین حصوں میں تقسیم کیا ہے:۔

1. بنیادی اصول
2. ترجیحی اصول
3. باطل اصول[8]

تفسیر نظام القرآن کی خصوصیات:

1. نظم القرآن
2. تفسیر آیات بآیات[9]

مولانا نے اپنی تفسیر نظام القرآن میں جگہ جگہ نظائر آیات سے آیات کی تفسیر کی ہے۔ قوم لوط کی تباہی کا تذکرہ کرتے ہوئے ایک جگہ قرآن نے فرمایا: حِجَارَةً مِّن طِينٍ[10] مٹی کے پتھر، یعنی کنکر اس کو سجیل بھی کہتے ہیں جو دراصل سنگ مرمر سے معرب ہے۔[11] سورہ ہود میں بھی اس کا ذکر اس طرح آیا ہے: حِجَارَةً مِّن سِجِّيلٍ مَّنضُودٍ[12] سنگ گل کے پتھر آیا ہے جو اول الذکر کی وضاحت کر رہا ہے۔

ادیان عالم سے متعلق آیات قرآنیہ میں جناب فراہیؒ کا تفسیری منہج نصاریٰ سے متعلق تفسیرات فراہیہ میں مباحث:

---

[8]۔اصلاحی، مولانا امین احسن، مجموعہ تفاسیر فراہی، 65

[9]- http://rushdjournal.com/shumara/392-rushd-1-jan-2014/3723-farahi-nazam-quran jamhoor-mufasireen.5,3,2017.2:19

[10]۔سورۃ الذاریات، 33:51

[11]۔اصلاحی، مولانا امین احسن، مجموعہ تفاسیر فراہی، 185

[12]۔سورۃ ھود، 82:11

لفظ نصاریٰ کی تحقیق:

نصاری، نصران کی جمع ہے جس طرح ندامی ندمان کی جمع ہے۔ شروع شروع میں نصاری کا یہی نام تھا اور ان کے متقدمین اس نام کو پسند کرتے تھے لیکن متاخرین نے اپنے متقدین کے بر خلاف اس کو اپنی تحقیر سمجھا۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ نصاری بعد کے دور میں دو فرقوں میں تقسیم ہو گئے۔ ایک فرقہ نے خلیفہ بر حق شمعون (پیٹر) کی پیروی کی، اس نے اپنے آپ کو نصاری سے موسوم کیا۔ اس گروہ کے لوگ آنحضرت ﷺ کی بعثت کے بعد آپ صلی اللہ وعلیہ وسلم پر ایمان لائے۔[13] یہی گروہ ہے جس کی قرآن نے مختلف مقامات میں تعریف فرمائی ہے مثلا:

لَتَجِدَنَّ أَشَدَّ ٱلنَّاسِ عَدَٰوَةً لِّلَّذِينَ ءَامَنُواْ ٱلْيَهُودَ وَٱلَّذِينَ أَشْرَكُواْ ۖ وَلَتَجِدَنَّ أَقْرَبَهُم مَّوَدَّةً لِّلَّذِينَ ءَامَنُواْ ٱلَّذِينَ قَالُوٓاْ إِنَّا نَصَٰرَىٰ[14] (اور تم اہل ایمان کی دوستی میں ان لوگوں کو زیادہ قریب پاؤ گے جنہوں نے اپنے آپ کو نصاری کہا۔)

اس آیت میں اس بات کی تصریح ہے کہ قرآن کا ممدوح گروہ وہی ہے جس نے اپنے آپ کو نصاری سے موسوم کیا۔ دوسرے گروہ نے مبتدع پولوس کی پیروی کی، ان لوگوں کے نزدیک نصاری کا لفظ ایک تحقیر کا لفظ ہے۔[15] **چنانچہ متی کے باب دو 24 میں ہے:**

اور ناصرہ نام ایک شہر میں جا بسا تا کہ جو نبیوں کی معرفت کہا گیا تھا وہ پورا ہو کہ وہ ناصری کہلائے گا۔[16]

انجیل کی زبان اور دینی و تاریخی حیثیت:

انگریزی میں انجیل کو Gospel کہا جاتا ہے یہ قدیم انگریزی لفظ Godpel سے ماخوذ ہے۔ یہ دو لفظوں سے مل کر بنا ہے، ایک God اور دوسرا god,spel کے معنی اچھا اور spel کے معنی اچھی خبر کے godspel کے معنی ہوئے (بشارت)۔ قریم انگریزی کا یہ لفظ اور رومی لفظ Evangelium جو یونانی لفظ Evaggelion بالکل لفظی ترجمہ ہے، معنا مترادف ہیں۔[17]

انجیل سب سے پہلے یونانی زبان میں مرتب کی گئی لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان بھی یونانی تھی۔ بعض اہلِ علم کا خیال ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مادری اور مذہبی زبان عبرانی تھی۔ رینن جیسے محقق کی رائے ہے۔ یہ عبرانی آمیز سریانی تھی۔[18]

---

[13] ۔عبید اللہ فہد فراہی، امام فراہی کے قرآنی افکار (نئی دھلی: دائرہ حمیدیہ، س.ن)، 306

[14] ۔سورۃ المائدہ، 5:82

[15] ۔عبید اللہ فہد فراہی، امام فراہی کے قرآنی افکار، 307

[16] ۔متی، 24:2

[17] ۔الطاف احمد اعظمی، مولانا حمید الدین فراہی کے بنیادی افکار (نئی دہلی: اعظمی اپارٹمنٹ پبلیکیشنز، 2010ء)، 188

[18] ۔الطاف احمد اعظمی، مولانا حمید الدین فراہی کے بنیادی افکار، 190

اکثر علماء اسلام انجیل کی دینی حیثیت متعین کرنے میں افراط و تفریط کا شکار ہوئے ہیں۔ کسی نے اس کو میلاد نامہ کہا اور کسی نے ایک آسمانی کتاب کی حیثیت سے اسے ہر خطا اور نقص سے مبرا قرار دیا ہے۔ فراہی نے جو موقف اختیار کیا وہ زیادہ معتدل اور قرین حق وصواب ہے۔ فراہی کے نزدیک اصل واساس کی حیثیت صرف قرآن مجید کو حاصل ہے اس کے سوا جو چیز بھی ہے اس کی حیثیت فرع کی ہے۔[19]

تحریفات انجیل:

مولانا فراہی اس بات کو مانتے تھے کہ انجیل میں حذف و اضافہ ہوا ہے اس بارے میں علماء اسلام کے خیالات کی اصولی تائید کرتے ہوئے لکھا ہے: ہمارے علماء کا یہ دعوی ہے اور مسیحی علماء بھی اس دعوی کی تصدیق کرتے ہیں کہ اصل انجیل مفقود ہو چکی ہے۔ ہمارے ہاتھوں میں آج جو چیز انجیل کے نام سے موجود ہے، اس کی حیثیت محض ترجمے کی ہے، جس میں مسیح کے اقوال کے ساتھ انجیل کے راویوں کے اقوال بھی خلط ملط ہیں اور یہ روایتیں باہم دگر مختلف بلکہ بعض جگہ بالکل متضاد ہیں۔ اتصال وصحت کا سوال تو درکنار خود متن کا اضطراب اور اس کا بے سند ہونا بالکل واضح ہے۔[20]

انجیل کی عبارات کی تعبیرات وتاویلات اور قرآنی آیات سے مطابقت

سورۃ فاتحہ اور نصاری کی فاتحہ کی مطابقت:

سورہ فاتحہ:

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ،	اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے
الْحَمْدُ اللهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ	سب تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کی پرورش فرمانے والا ہے
الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ	نہایت مہربان بہت رحم فرمانے والا ہے
مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ	روزِ جزا کا مالک ہے

---

[19] ۔ الطاف احمد اعظمی، مولانا حمید الدین فراہی کے بنیادی افکار، 193

[20] ۔ مولانا حمید الدین فراہی، امعان فی اقسام القرآن، اردو ترجمہ: اقسام القرآن، امین احسن اصلاحی (اعظم گڑھ: دائرہ حمیدیہ، س.ن)، 122۔123

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِينُ	(اے اللہ) ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور ہم تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں
اِهدِنَا الصِّرَاطَ المُستَقِيمَ	ہمیں سیدھا راستہ دکھا ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام فرمایا۔
صِرَاطَ الَّذِينَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيرِ المَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلاَ الضَّالِّيْنَ	ان لوگوں کا نہیں جن پر غضب کیا گیا ہے اور نہ (ہی) گمراہوں کا (آمین)[21]

نصاریٰ کی فاتحہ:

لوقا میں ہے: پھر ایسا ہوا کہ وہ کسی جگہ دعا کر رہا تھا، جب کر چکا تو اس کے شاگردوں میں سے ایک نے اس سے کہا اے خداوند! جب یوحنا نے اپنے شاگردوں کو دعا کرنا سکھایا تھا تو تو بھی ہمیں سکھا۔ اس نے ان سے کہا جب تم دعا کرو تو کہو اے ہمارے آسمانی باپ! تیرا نام پاک مانا جائے۔ تیری بادشاہی آئے۔ تیری مرضی زمین میں بھی پوری ہو جس طرح آسمان میں پوری ہوتی ہے۔ ہماری روز کی روٹی ہمیں روز دیا کر۔ اور ہمارے گناہ معاف کر کیونکہ ہم بھی اپنے ہر قرض دار کو معاف کرتے ہیں اور ہمیں آزمائش میں نہ لا بلکہ ہمیں شر سے نجات دے۔[22] **انجیل کے الفاظ** اے ہمارے آسمانی باپ اے ہمارے رب، کی بگڑی ہوئی صورت ہے۔ حضرت مسیح کا قول قرآن مجید میں اس طرح نقل ہوا ہے۔وَإِنَّ اللَّهَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ[23] "بے شک اللہ ہی میرا رب اور تمہارا رب ہے پس اسی کی بندگی کرو" سبحانک (تیرا نام پاک مانا جائے) الحمد للہ کی طرح ہے۔ لیکن فرق یہ ہے: سبحانک صرف تعظیم و تنزیہ کے لیے آتا ہے اور الحمد للہ تعظیم اور شکر دونوں پر مشتمل ہے۔ تیری بادشاہی آئے۔ تیری مرضی زمین میں بھی پوری ہو جس طرح آسمان میں پوری ہوتی ہے۔ مالک یوم الدین سے مشابہ ہے۔ لیکن انجیل کے الفاظ سے صاف صاف روز جزا کی دعا کا اظہار ہوتا ہے۔ اور مالك يوم الدين صرف حوالگی اور اعتماد و توکل کا کلمہ ہے۔ اور اسلام میں روز جزا کی آمد کے لیے دعا سے احتراز کیا گیا ہے۔ کیونکہ سورہ شوری میں اللہ تعالی نے فرمایا ہے :يَسْتَعْجِلُ بِهَا

---

[21]۔ سورۃ الفاتحہ، 1:1۔7

[22]۔ لوقا، 11:1۔4

[23]۔ سورۃ آل عمران، 3:51

الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهَا ۚ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مُشْفِقُوْنَ مِنْهَا[24](جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے وہ اس کے جلدی آنے کا تقاضا کرتے ہیں اور جو لوگ ایمان لائے وہ اس سے ڈرتے ہیں)۔

یہود سے متعلق آیات قرآنیہ میں تفسیری نکات:

یہودی مذہب، وہ آسمانی مذہب ہے جس کا انحصار زیادہ تر تورات، تلمود اور علماء، مفتیان اور قضاۃ یہود کے فتاویٰ یا فیصلوں پر ہے۔ زمانے کے اتار چڑھاؤ اور یہودیوں کی دنیا پرستی کے سبب اتنے زیادہ تاریخی مد و جزر، عروج و زوال سے گزرا ہے کہ تحریفات کا ایک ڈھیر لگ گیا کہ جس کی وجہ سے اصل دین کو پہچاننا مشکل ہو گیا ہے۔ بہر حال موجودہ زمانے میں یہودی مذہب کی جو بھی شکل موجود ہے اس پر یہودی تاریخ اور یہودیوں کے دوسری اقوام سے تعلقات کا گہرا مطالعہ کیے بغیر مذہب یہود کو سمجھنا تقریباً محال ہے۔

تاریخ و معتقدات یہود کے تذکرے

تفسیر بسم اللہ الرحمان الرحیم میں تذکرہ یہود:

مولانا فراہی بسم اللہ الرحمان الرحیم کی تفسیر کرتے ہوئے الرحمان اور الرحیم کی صفات لانے کی توجیہ و حکمت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں "یہود نے یہ رحمان اور رحیم کی صفتیں حذف (ضائع) کر دی تھیں جس کی سزا ان کو یہ بھگتنی پڑی کہ اللہ تعالیٰ ان کے لیے یکسر قہر و جلال بن کے رہ گیا اور ان کا پیغمبر بھی ان کی سخت دلی کے سبب سے ان کے لیے ہیبت و شدت ہی کے بھیس میں نمودار ہوا اور ان کی سرکشی کے باعث ان کی شریعت بھی ان کے لیے نہایت سخت ہو گئی"۔[25] اس تفسیری شذرے میں مولانا یہ فرما رہے ہیں کہ اللہ کا رحمان اور رحیم ہونا جب کوئی قوم تسلیم کرتی ہے تو اس کی طبیعت و نفسیات اور مزاج اور رویوں میں ترحم و شفقت در آتی ہے۔ چنانچہ یہود کے مزاج میں سخت اور شقاوت کا پہلو غالب تھا۔ نتیجتاً ان کو بھی مغضوب کر دیا گیا۔

شریعتِ یہود کا آتشیں اور سخت ہونا:

قرآن میں یہود پر عذاب کی شکل ایک یہ بھی تھی کہ ان کی شریعت انتہائی سخت تھی۔ احکامات میں شدت کا عنصر غالب رہا۔ جیسا کہ سورہ الانعام میں وارد ہے۔ وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ ۚ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهُمَآ اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَآ اَوِ الْحَوَايَآ اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ۭ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ ۡ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ[26](اور ان لوگوں پر جو یہودی بن گئے، ہم نے ہر ناخن والا جانور حرام کر دیا اور گائیوں اور بکریوں میں سے ہم نے ان پر دونوں کی چربیاں حرام کر دیں، سوائے اس

---

[24]۔ سورۃ الشوریٰ، 18:41

[25]۔ اصلاحی، مولانا امین احسن، مجموعہ تفاسیر فراہی، 114

[26]۔ سورۃ الأنعام، 146:6

کے جوان کی پشتیں یا انتڑیاں اٹھائے ہوئے ہوں، یا جو کسی ہڈی کے ساتھ ملی ہو۔ یہ ہم نے انھیں ان کی سرکشی کی جزا دی اور بلاشبہ ہم یقیناً سچے ہیں۔)

فراہی صاحب لکھتے ہیں اس کی شہادت اسپوزانے بھی دی ہے وہ کہتا ہے:

"یرمیاہ نبی نے کہا تھا کہ بنی اسرائیل کا خدا اس دن سے ان پر غضب ناک ہے جس دن سے انھوں نے اپنے شہر کی تعمیر کی۔ لیکن ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ بنی اسرائیل پر خدا کی غضب ناکی اسی روز سے ہے جس روز سے ان کو شریعت ملی اور حزقیل نبی کے کلام سے ہمارے دعوے کی تصدیق ہوتی ہے۔ یرمیاہ میں ہے۔ سو میں نے ان کو برے آئین اور ایسے احکام دیے جن سے وہ زندہ نہ رہیں"۔[27]

اگر اس معاملہ پر غور کروگے تو یہ حقیقت تم پر واضح ہوگی کہ اس طرح کی سخت شریعت دائمی شریعت نہیں ہوسکتی۔ اللہ تعالیٰ جو رحمن و رحیم ہے، لوگوں کو ہمیشہ کے لیے کسی شکنجہ میں کس کر نہیں رکھ سکتا۔ چنانچہ اس سخت شریعت سے نجات کی بشارت بھی اس نے شروع میں ہی دے دی۔[28] سورہ اعراف میں اس بشارت کی طرف اشارہ موجود ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے خطاب کرکے فرمایا جاتا ہے۔ عَذَابِیۡۤ اُصِیۡبُ بِہٖ مَنۡ اَشَآءُ ۚ وَرَحۡمَتِیۡ وَسِعَتۡ کُلَّ شَیۡءٍ ؕ فَسَاَکۡتُبُہَا لِلَّذِیۡنَ یَتَّقُوۡنَ وَیُؤۡتُوۡنَ الزَّکٰوۃَ وَالَّذِیۡنَ ہُمۡ بِاٰیٰتِنَا یُؤۡمِنُوۡنَ اَلَّذِیۡنَ یَتَّبِعُوۡنَ الرَّسُوۡلَ النَّبِیَّ الۡاُمِّیَّ الَّذِیۡ یَجِدُوۡنَہٗ مَکۡتُوۡبًا عِنۡدَہُمۡ فِی التَّوۡرٰىۃِ وَالۡاِنۡجِیۡلِ[29] (میرا عذاب، میں اسے پہنچاتا ہوں جسے چاہتا ہوں اور میری رحمت نے ہر چیز کو گھیر رکھا ہے، سو میں اسے ان لوگوں کے لیے ضرور لکھ دوں گا جو ڈرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور (ان کے لیے) جو ہماری آیات پر ایمان لاتے ہیں۔ وہ جو اس رسول کی پیروی کرتے ہیں، جو امی نبی ہے، جسے وہ اپنے پاس تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔)

یہودیوں پر عبرت انگیز عذاب:

یہودی اپنی سرزنشوں کے سبب جن جن عبرت انگیز عذاب میں مبتلا ہوئے ان میں سے دو طرح کے عذاب درج ذیل ہے جس پر فراہی نے بائبل کے حوالے سے مفصل روشنی ڈالی ہے۔

1. **پھوڑے اور پھپھولے کا عذاب۔**
2. **ٹڈیوں کا عذاب۔**

---

[27]۔ یرمیاہ، 25:20

[28]۔ اصلاحی، مولانا امین احسن، مجموعہ تفاسیر فراہی، 115

[29]۔ سورۃ الأعراف، 7:156-157

فراہی صاحب یہودیوں پر اس عبرت انگیز عذاب کی تصویر کشی کو کتاب خروج کے حوالے سے بیان کرتے ہوئے اس بات کی وضاحت کرتے ہیں کہ یہود کس طرح، کیسے اور کون کون سے عذاب میں مبتلا ہوئے۔

کتاب خروج میں ہے:

اور خداوند نے موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام سے کہا کہ دونوں ہاتھ بھر کے بھٹی کی راکھ سے لو اور موسیٰ علیہ السلام اسے آسمان کی طرف اڑائے اور وہ مصر کی ساری غبار ہو جائے گی اور تمام ملک مصر میں آدمی اور چار پایوں کے بدن پر پھوڑے اور پھپھولے ہوں گے۔ چنانچہ انہوں نے بھٹی کی راکھ لی اور فرعون کے آگے کھڑے ہوئے اور موسیٰ نے اسے آسمان کی طرف پھینک دیا اور وہیں آدمی اور بائم کے بدن پر پھوڑے اور پھپھولے پیدا ہو گئے اور جادو گر پھوڑوں کے سبب سے موسیٰ کے آگے کھڑے نہ رہ سکے، کہ جادو گروں اور سارے مصریوں پر پھوڑے تھے۔[30]

یہودیوں کی سرگذشتیں:

فراہی صاحب سورہ شمس کی تفسیر کرتے ہوئے یہودیوں کی ایک سب سے بڑی شرارت کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہودیوں نے انبیاء وصالحین کو قتل کیا۔ سورہ بقرہ میں ہے:

وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ [31]

(اور ان پر ذلت اور محتاجی مسلط کر دی گئی اور وہ اللہ کی طرف سے بھاری غضب کے ساتھ لوٹے۔ یہ اس لیے کہ وہ اللہ کی آیات کے ساتھ کفر کرتے اور نبیوں کو حق کے بغیر قتل کرتے تھے، یہ اس لیے کہ انھوں نے نافرمانی کی اور وہ حد سے گزرتے تھے۔) یعنی انہوں نے سرکشی کی وجہ سے انبیاء کو قتل کیا۔[32]

بائبل سے تفسیر قرآن میں استفادہ:

بائبل یونانی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی کتاب کے ہیں۔ یہود و عیسائی اس کے متن کو دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں پہلے حصے کو عہد نامہ قدیم یہودوں اور عیسائیوں دونوں کے نزدیک مقدس اور الہامی کتاب سے عام طور پر اسے تورات بھی کہا جاتا ہے عہد نامہ قدیم میں سابقہ شریعتیں محفوظ کی گئی۔ جبکہ عہد نامہ جدید بائبل کا دوسرا حصہ ہے جس میں مسیح کے حالات اور مسیحی کلیسا کی ابتدائی تاریخ ہے۔ عام طور پر اس

---

[30]۔ کتاب خروج، 9:8۔11

[31]۔ سورۃ البقرۃ، 2:61

[32]۔ اصلاحی، مولانا امین احسن، مجموعہ تفاسیر فراہی، 416

حصے کو انجیل کہا جاتا ہے۔[33] توریت عبرانی زبان کا لفظ ہے، اور اس کا معنی ہے: تعلیم، قانون، شریعت۔ اسے عبرانی میں توراہ، انگریزی میں (Torah) اور عربی میں توراۃ کہا جاتا ہے۔ قرآنی اصطلاح میں تورات سے مراد وہ کتاب ہے جو عبرانی زبان میں بنی اسرائیل کی رہنمائی کے لیے اللہ تعالی نے کوہ طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل فرمائی تھی۔ انجیل یونانی لفظ انگلیوں سے معرب ہے، اس کا معنی ہے: خوش خبر کی کی باتیں۔ قرآنی اصطلاح میں انجیل سے مراد وہ کتاب ہے جو اللہ تعالی نے بنی اسرائیل کی راہ نمائی کے لیے بنی اسرائیل کے آخری نبی حضرت عیسی علیہ السلام پر نازل فرمائی۔ ان دونوں کتابوں کے نزول کا تذکرہ کرتے ہوئے اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا:

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ [34]

اے اہل کتاب! تم کسی چیز پر نہیں ہو، یہاں تک کہ تم تورات اور انجیل کو قائم کرو اور اس کو جو تمہارے رب کی جانب سے تمہاری طرف نازل کیا گیا اور یقینا جو کچھ تیری طرف تیرے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے۔ فراہی صاحب نے کتب سماویہ کے ثمرہ میں سے چند واقعات کو سورہ تین اور سورہ کوثر کی تفسیر میں بیان کیا ہے، سورہ تین میں اللہ تعالی نے چند مقامات کی قسم کھائی جو واقعات گزشتہ قوموں اور انبیاء (حضرت آدم نواح اور قوم بنی اسرائیل) کے ساتھ پیش آئے جس پر ایک اجمالی نظر ڈالتے ہیں۔

جبل زیتون کی اہمیت بلحاظ تاریخ:

تین (تین کے لغوی معنی انجیر کے ہیں) وہ پہلا مقام ہے جہاں انسان کے لئے اللہ تعالی کی طرف سے جزا اور سزا کا معاملہ پیش آیا اس کی تفصیل یہ ہے جب آدم نے اللہ تعالی کا عہد والا دیا اور اپنے حاسد کی بات مان لیں اللہ تعالی نے ان کو اور ان کی بیوی کو اپنی سرفرازی سے محروم کر دیا اور جنت کا خلعت جو ان کو بخشا گیا تھا ان سے چھین لیا گیا اور انہوں نے اپنے آپ کو انجیر کے پتوں سے ڈھانپا اس کی تصریح تورات میں بھی ہے۔[35]

کتاب پیدائش میں ہے: پھل کھانے کے بعد اب ان دونوں کی آنکھیں کھل گئیں انہیں معلوم ہوا وہ ننگے ہیں اور انہوں نے انجیر کے پتوں کو سی کر لیے پیش بند بنا لئے۔[36] قرآن مجید نے اسے یوں فرمایا:

وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ؕ [37]

ان کی شرمگاہیں ظاہر ہو گئیں اور دونوں جنت کے پتوں سے (لے لے کر) اپنے آپ پر چپکانے لگے۔ پھر قرآن میں تصریح موجود ہے کہ آدم اور حوا نے اس وقت توبہ کی اور اللہ تعالی نے ان کی توبہ قبول فرمائی اور ارشاد باری تعالی ہے:

---

[33]۔ ساجد میر، پروفیسر، عیسائیت تجزیہ و مطالعہ (لاہور: دار السلام، 2001ء)، 218

[34]۔ سورۃ المائدۃ، 68:5

[35]۔ تفسیر سورۃ التین، 443

[36]۔ کتاب پیدائش، 7:3

[37]۔ سورۃ الأعراف، 22:7

رَبَّنَا ظَلَمۡنَآ اَنۡفُسَنَا وَاِنۡ لَّمۡ تَغۡفِرۡ لَنَا وَتَرۡحَمۡنَا لَنَكُوۡنَنَّ مِنَ الۡخٰسِرِيۡنَ [38]

دونوں نے کہااے ہمارے رب! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیااور اگر تونے ہمیں نہ بخشااور ہم پر رحم نہ کیاتو یقیناہم ضرور خسارہ پانے والوں سے ہو جائیں گے۔اس سے معلوم ہوا کہ جبل تین کا واقعہ اپنے اندر دو بالکل متضاد خصوصیات رکھتے ہیں۔اس دن اللہ تعالی نے ایک طرف حضرت آدم سے اپنی ایک نعمت چھینی اور دوسری طرف ایک عظیم الشان نعمت ان کو بخشی، چھینی اسی لیے انہوں نے خدا کے پہلے عید کو فراموش کر دیا تھا جس کے بعد ہو گئے اور انہوں نے توبہ کی۔

جبل زیتون کی اہمیت بلحاظ تاریخ:

سورہ تین میں اللہ تعالیٰ نے والزیتون کی قسم کھائی ہے۔زیتون وہ پہاڑ ہے جہاں پر خدانے یہود سے اپنی شریعت کی امانت چھینی اور وہ امانت سلسلہ ابراہیمی کی ایک دوسری شاخ کے حوالے کر دی۔یہ واقعہ حضرت مسیح کے آخری زندگی سے تعلق رکھتا ہے ایک روز وہ شب بھر جاگ کر خدا سے دعاو مناجات کرتے رہے کہ ان کی قوم کی کشتی غرق ہونے سے بچ جائے لیکن تقدیر کا فیصلہ اٹل تھا، بالآخر وہ قوم کے مستقبل سے مایوس ہو گئے اور جب آپ کو معلوم ہوا کہ یہود آپ کے قتل کے درپے ہیں تو آپ کو نہایت غم ہوا، کیونکہ آپ جانتے تھے، کہااس اقدام کے بعد یہود پر اللہ کی لعنت ہو گی اور خدا اپنی امانت ان سے چھین کر دوسروں کے حوالے کر دے گا۔[39] اللہ تعالی کا یہ خاص منصب رہا ہے جب ایک قوم بار بار تنبیہ کے باوجود طاغوت و نافرمانی میں مبتلا رہے مقررہ مدت تک اپنی سرکشی میں ڈوبی رہے تب اس پر عذاب الٰہی اترتا ہے، اللہ تعالی سرکش و نافرمان قوم سے شریعت چھین کے دوسری قوم کے حوالے کر دیتا ہے جو اس کی ہوتیہے۔

متی میں ہے:

یسوع نے ان سے کہا کیا تم نے کتاب مقدس میں کبھی نہیں پڑھا کہ جس پتھر کو معماروں نے رد کیا وہی کونے کے سرے کا پتھر ہو گا۔[40]

اس تفصیل سے یہ واضح ہو گیا کہ یہی وہ مقام ہے جہاں ایک قوم دھتکاری جاتی ہے اور دوسری پیار کے ساتھ بلائی جاتی ہے۔یہیں رحمت و نعمت اور نور و ظلمات کے کرشمے ایک ساتھ دیکھے جاتے ہیں۔

نبوت محمدی ﷺ کی دائمی دلیل:

---

[38]۔سورۃ الأعراف، 23:7

[39]۔اصلاحی، مولانا امین احسن، مجموعہ تفاسیر فراہی، 444-445

[40]۔متی، 46:21

قرآن مجید میں بہت سی آیات ایسی ہیں جو یہ ثابت کرتی ہیں نبی ﷺ کی نبوت دائمی نبوت ہے یعنی سلسلہ نبوت کی آخری کڑی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں آپ تمام جہانوں کے لیے رحمت العالمین بنا کے بھیجے گئے ہیں۔ آنحضرت کی دائمی نبوت کی حتمی دلیل سورہ کوثر میں ہے جس کی تفسیر میں فراہی صاحب نے سیر حاصل بحث کی ہے۔ سورہ کوثر کی تفسیر میں فراہی سب سے پہلے لفظ کوثر کی تاویل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔اس سورۃ میں آنحضرت کو اس امر کی بشارت دی گئی تھی کہ آپ کی امت زیادہ ہو گی اور آپ کے دشمن بیت اللہ کی برکتوں سے محروم ہوں گے، یعنی پیغمبر عالم کے لیے برکت اور کثرت اُمت کی جو گرانمایہ دولت مقدر تھی، إنا اعطيناك الكوثر[41] اس آیت میں اسی کا پیام بشارت ہے۔ جب اس وعدے کی تکمیل کا وقت قریب گیا تو اس کی خبر دے دی گئی تاکہ آنحضرت اور مسلمانوں کے لیے اسلام کا غلبہ اور مکہ کی فتح کی خوشخبری ہو یعنی سادہ لفظوں میں یوں کہا گیا: اللہ تعالی نے تم کو نماز پڑھنے والی اور راہ خدا میں خرچ کرنے والی ایک عظیم الشان مت دی ہے۔[42]

تثنیہ میں ہے:

> میں ان کے لیے ان کے بھائیوں میں سے تجھ جیسا ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اسے فرماؤں گا۔ وہ سب ان سے کہے گا اور ایسا ہو گا کہ جو کوئی باتوں کو، جنہیں وہ میرا نام لے کر کہے گا نہ سنے گا تو میں اس کا حساب اس سے یوں لوں گا۔ لیکن وہ نبی جو ایسی گستاخی کرے کہ کوئی بات میرے نام سے کہے جس کے کہنے کا میں نے حکم نہیں دیا۔ اور معبودوں کے نام لے کر کہے تو وہ نبی قتل کیا جائے گا اور اگر تو اپنے دل میں کہے کہ میں کیونکر جانوں کہ یہ بات خداوند کی کہی ہوئی نہیں؟ تو جان رکھو کہ جب نبی خداوند کے نام سے کچھ کہے اور جو اس نے کہا ہے واقع نہ ہو یا پورا نہ ہو تو وہ بات خداوند نے نہیں ہیں بلکہ اس نبی نے گستاخی سے کہی ہے اس سے مت ڈرو۔[43]

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو برکت دینے کا وعدہ:

فراہی تفسیر سورہ کوثر کی آیت:

ان شانئك هو الأبتر کی تفسیر وتاویل کے ضمن میں لکھتے ہیں۔ یہ حقیقت بالکل روشن ہو گئی ہے کہ اللہ تعالی نے پیغمبر صلی اللہ و علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین کو خیرِ کثیر کی دولت بخشی۔ آپ کے اعداء کو اس سے محروم فرمایا۔ یہ بعینہ اس وعدے کی تکمیل ہے کہ اللہ تعالی نے حضرت ابراہیم سے فرمایا تھا کہ تمام اہل زمین ان کی ذریت کے ذریعہ سے برکت پائیں گے اور جو ان پر برکت بھیجے گا، وہ مبارک ہو گا، جو لعنت بھیجے گا وہ ملعون ہو گا۔ یہ دونوں باتیں سورہ کوثر میں بھی موجود ہیں۔ پہلی بات: اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ میں موجود ہے

---

[41]۔ سورۃ الکوثر، 1:108

[42]۔ تفسیر سورہ کوثر، 424

[43]۔ تثنیہ، 18:7

اور دوسری بات: ان شانئك هو الأبتر میں، دونوں باتوں کو پیش نظر رکھ کر غور کرو تو تم کو حضرت ابراہیم اور آنحضرت صلی اللہ وعلیہ وسلم میں ایک نمایاں مشابہت نظر آئے گی۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالی کی حکمت ورحمت مقتضی ہوئی کہ تمام برکات کا سرچشمہ حضرت ابراہیم کو بنائے۔ چنانچہ حضرت نوح کے بعد تمام آسمانی برکتوں کے وارث وہی ہوئے، جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَى آدَمَ وَنُوحًا وَآلَ إِبْرَاهِيمَ وَآلَ عِمْرَانَ عَلَى الْعَالَمِينَ[44] (اللہ نے آدم، نوح اور ابراہیم اور آل عمران کو تمام عالم پر برگزیدہ کیا)۔ جیسا کہ فراہی اپنی کتاب: الرائی الصحیح في من هو الذبیح میں یہ وضاحت کر چکے ہیں کہ یہودیوں کی تحریف کے باوجود اصل اشارات باقی ہیں جو اپنے آپ میں دلیل ہیں۔

جیسا کہ تکوین میں ہے: اور خداوند نے ابرام کو کہا تھا کہ تو اپنے ملک اور قرابتوں کے درمیان سے اور اپنے باپ کے گھر سے اس ملک میں جو میں تجھے دکھلاؤں گا، نکل چل۔ اور میں تجھے ایک بڑی قوم بناؤں گا اور تجھ کو مبارک اور تیرا نام بڑا کروں گا اور تو ایک برکت ہوگا۔ اور ان کو جو تجھے برکت دیتے ہیں، برکت دوں گا اور دنیا کے سب گھرانے تجھ سے برکت پائیں گے۔ یہ وعدہ اللہ تعالی نے اس وقت فرمایا ہے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مروہ کی طرف ہجرت فرمائی جو حضرت اسماعیل کی قربانی کی جگہ ہے۔ اس وجہ سے اس میں اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ یہ عام برکت کا وعدہ ان کی ذریت کے واسطے سے پورا ہوگا۔ چنانچہ فراہی نے تکوین کے باب بائیس کے اقتباس سے اس کی صاف تصریح بھی فرمادی۔ خداوند فرماتا ہے اس لیے کہ تو نے ایسا کام کیا اور اپنا بیٹا اپنا اکلوتا ہی دریغ نہ رکھا میں نے اپنی قسم کھائی کہ میں برکت دیتے ہی تجھے برکت دوں گا. تیری نسل سے زمین کی ساری قومیں برکت پائیں گی، کیوں کہ تم نے میری بات مانی اس سے صاف معلوم ہو گیا کہ برکت کا اصل سرچشمہ حضرت اسماعیل ہی کی ذریت ہے نیز آپ صلی اللہ وعلیہ وسلم کی بعثت سے تمام روئے زمین کے لیے برکت کا وعدہ پورا ہوا، کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پورے عالم کے لیے ہے۔[45]

مباحث ادیان سے متعلق جناب حمید الدین فراہی کی تصنیفات کا تجزیہ

---

[44]۔ سورۃ آل عمران، 33:3

[45]۔ تفسیر سورہ کوثر، 460

الف۔ آنحضرت ﷺ کا سلسلہ نسب اور اہل کتاب

کتاب کی تاریخ طباعت:

یہ نسب نامہ نبوی ﷺ پہلی بار ماہنامہ معارف اعظم گڑھ دسمبر 1916ء اور جنوری 1917ء کے شماروں میں شائع ہوا تھا، یہ ماہنامہ انڈیا کے شہر یوپی سے چھپا ان رسالوں کا وجود اب ناپید ہو چکا ہے۔ مگر محمد فاروق خاں نے بڑے اہتمام سے اسے کتابی صورت میں شائع کرایا۔ محمد فاروق خاں آنحضرت ﷺ کے سلسلہ نسب اور اہل کتاب،، کے پیش لفظ میں لکھتے ہیں: "امام فراہی سیمینار کے موقع پر امام فراہی کی اس کاوش و تحقیق کو کتابی شکل میں شائع کرنے کی سعادت حاصلہوئی"۔[46] محمد فاروق خان نے پیش لفظ 15 اکتوبر 1990ء میں لکھا۔

موضوع کتاب:

کتاب کا موضوع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سلسلہ نسب اہلِ اسلام اور اہل کتاب (یہود و نصاری) کے نزدیک کیا ہے، یہ کتاب تقابلی انداز یا مطالعہ اہلِ کتاب کے طور پر لکھی گئی۔ اس کتاب میں نسب نامہ نبوی ﷺ، ''افاداتِ علامہ فراہی'' سے ماخوذ ہے۔ اس کے بعض بنیادی امور پر محققانہ بحث کی گئی ہے۔ اس کے مطالعہ سے ایک طرف ایسے اصولوں کی رہنمائی حاصل ہوتی ہے۔ جن سے کسی قوم کی تاریخ کو سمجھنا آسان ہو جاتا ہے۔ دوسری طرف اس سے ان اعتراضات کی اصل حقیقت کا پتہ چلتا ہے، جو اعتراضات یہود و نصاری نے خانہ کعبہ کی تاریخ اور آنحضور ﷺ کے سلسلہ میں کیے ہیں۔

مشمولات کتاب:

اس کتاب کے صفحہ نمبر تین سے عنوانات کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ شروع میں پیش لفظ ہے۔ اس کتاب میں مباحث کے اعتبار سے عنوانات تیرہ (13) ہیں۔

اُسلوب بیان:

مولانا فراہی کی تصنیف ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سلسلہ نسب اور اہل کتاب'' کا اسلوب سلیس، سادہ، آسان اور عام فہم ہے۔ ان کی تحریر تاریخی تحقیق پر مبنی ہے، اس کی دو وجوہات ہیں: ایک تو یہ کہ آنحضرت ﷺ کا سلسلہ نسب آدم تک نقلی اور عقلی دلائل سے واضح کیا۔ دوسرا یہود کے اعتراضات کا مدلل جواب انہی کی مقدس کتاب بائبل کے پرانے نسخوں کی تحریروں سے دیا۔ مختلف نسخوں کے اختلافات کو بھی واضح کیا گیا ہے۔

---

[46]۔ حمید الدین فراہی، آنحضرت ﷺ کا سلسلہ نسب اور اہل کتاب (دھلی: مرکزی مکتبہ اسلامی، 1994ء)، 6

اُسلوب بیان کے خصائص

سادگی وسلاست:

فراہی صاحب کی تحریر میں سادگی، آسان الفاظ اور الفاظ میں سلاست وروانی ہے، یہ تحریر دقیق الفاظ اور نا قبل فہم سے پاک ہے۔ فراہی لکھتے ہیں: اصل حقیقت یہ ہے کہ یہود کو جو سلسلہ نسب ملا، اس میں سے بہت سی کڑیاں غائب تھیں۔ نامور اجداد کے ناموں سے ان کی اولاد پکار ی جاتی تھی۔ تورات میں اس کی بہت سے مثالیں ہیں، بنی اسرائیل کو جابجا صرف اسرائیل کہا گیا ہے اسی طرح حضرت شعیب کو کہیں ثیر واور کہیں حباب کے نام سے یاد کیا ہے۔ اسی طرح استعمال کا یہ اثر ہوا کہ سلسلہ نسب میں اکثر اجداد قبائل کے نام باقی رہ گئے، اور بیچ کے اسماء ساقط ہو گئے۔ یہ نقطہ مرکوز خاطر رینا چاہیے کیونکہ انساب کی اکثر دقتیں اس سے رفع ہوتی ہیں۔[47]

تحقیق:

فراہی صاحب کی تحریر میں کوئی دلیل ایسی نہیں جو نقل و عقل کے اصولوں پر پورا نہ اترتی ہو۔ یہاں تک کہ اہلِ کتاب کی تحریروں کو بھی جوں کا توں بیان کیا۔ اضافی الفاظ سے اجتناب کیا اور حق کے ساتھ فرق کو واضح کیا۔

فراہی لکھتے ہیں:

یہود کیبہ عام عادت تھی اشخاص اور مقامات کے متعلق روایتیں گھڑ لیا کرتے تھے اور قدیم ناموں کو بدل کی نیا نام رکھ لیا کرتے تھے، چونکہ یہ روایتیں مختلف زمانوں میں مختلف مصنفین نے داخل کی ہیں، یہود کی مختلف روایات نے بیت المقدس کو مقدس کا مذبح ابراہیمی قرار دیا۔[48] چونکہ قربان گاہِ ابراہیمی کی اصل جگہ مکہ ہی ہے۔ یہود نے بہت کوشش کی کہ اسے بیت المقدس ثابت کریں، نصاری نے اسے مصلوب کی جگہ ثابت کرنے کی کوشش کی مگر فراہی نے یہود و نصاری کے اس دعوی کا جواب انہی کی کتاب تکوین کی عبارت سے دیا۔ ملاحظہ فرمائیں: "زمین مور (موریا) کی طرف جااور وہاں ایک پہاڑ پر، جس کو میں بتاؤں گا، قربانی چڑھا"۔[49]

یہودی خاندان رقابت کی وجہ سے چاہتے تھے کہ ان کو بنی اسماعیل پر فوقیت حاصل ہو۔ اس خواہش کی تکمیل کے لیے انہوں نے ہر وہ حربہ استعمال کیا، جس سے بنی اسماعیل کی تنقیص ہو سکتی تھی۔ اس کے لیے بائبل میں تحریف کرنے سے بھی انہوں نے گریز نہیں کیا۔ ساتھ ہی ایسی روایتیں انہوں نے گھٹ کر اپنے صحیفوں میں داخل کیں جن کی سرے سے کوئی بنیاد نہ تھی۔[50]

---

[47]۔ حمید الدین فراہی، آنحضرت ﷺ کا سلسلہ نسب اور اہل کتاب، 9

[48]۔ حمید الدین فراہی، آنحضرت ﷺ کا سلسلہ نسب اور اہل کتاب، 24

[49]۔ حمید الدین فراہی، آنحضرت ﷺ کا سلسلہ نسب اور اہل کتاب، 25

[50]۔ حمید الدین فراہی، آنحضرت ﷺ کا سلسلہ نسب اور اہل کتاب، 6-7

اختصار و جامعیت:

فراہی صاحب کے اسلوب بیان کی ایک خاص خوبی اختصار ہے۔ جملے چھوٹے اور عام ہیں اور الفاظ جامع ہیں۔

فراہی لکھتے ہیں: جہاں ایک حد تک بائبل کی تصدیق ہو گئی وہاں یہ بھی مسلم ہو گیا، اس موجودہ بائبل میں ترمیم اور بے اصل واقعات کا اضافہ کیا گیا ہے۔۔۔۔۔اور اب حق اور باطل کی تمیز نہایت مشکل ہو گئی ہے۔[51]

اُسلوب استدلال:

مولانا فراہی صاحب کی تصنیف **"آنحضرت ﷺ کا سلسلہ نسب اور اہل کتاب"** کے نام سے ہی اندازہ ہو جاتا ہے یہ تصنیف استدلالی پہلوؤں پر مشتمل ہے۔ حضرت آدم سے انبیاء کے مبعوث ہونے کا سلسلہ جاری رہا جو انسان کی ہدایت کا ذریعہ بنا لیکن اس حقیقت کو بھی فراموش نہیں کیا جا سکتا انبیاء کی قوم اپنے ہی نبی کی دشمن بن جاتی رہی بھی نبی کی شریعت کا انکار کرتی تو بھی ان کی زندگی میں ہی بت پرستی و کبیر اشرک و گناہ میں مبتلا ہو جاتی، فراہی صاحب نے اپنی اس تصنیف میں یہود و نصاری کے مطابق سلسلہ نسب اور ان کے اعتراضات و تنقیدات کا جواب معتدل انداز میں پیش کیا ہے اور اپنے دلائل سے یہ بھی ثابت کر دیا کہ یہودیوں کے پاس کوئی ٹھوس دلیل نہیں بس یہود و نصاری نے کمزور حافظہ اور قیاس آرائی سے کا لیا جس کی وجہ سے ان کے مقلدین و محققین نے بہت زیادہ اپنے پاس سے لکھ دیا، اس موجودہ دور میں توراۃ و انجیل اپنی اصل حقیقت کھو چکی ہے فراہی نے یہ بات باور کرانے کی کوشش کی ہے، اس تصنیف کا اسلوب استند لالی ہے کوئی بحث نبوت و دلیل سے خالی نہیں ہے۔

اعتراضات یہود و نصاری اور ان اعتراضات کا تفصیلی جواب بزبان بابل

اعتراض: حضرت ابراہیم عرب میں نہیں آئے نہ حجاز میں آباد ہوئے بیر شبع بیت المقدس کے پاس ہے اور وہی حضرت ابراہیم کا مسکن تھا۔[52]

جواب: حضرت ابراہیم کی ہجرت کا ذکر تکوین کے باب 13 اور 16 بیان میں مذکور ہے جس سے صاف یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ بیت المقدس کی طرف ہر گز نہیں گئے بلکہ حجاز کا رخ کیا جس کا خلاصہ بیان یہ ہے کہ حضرت ابراہیم مع حضرت لوط اور حضرت سارہ فاران سے

---

[51] ۔ حمید الدین فراہی، آنحضرت ﷺ کا سلسلہ نسب اور اہل کتاب، 7-8

[52] ۔ حمید الدین فراہی، آنحضرت ﷺ کا سلسلہ نسب اور اہل کتاب، 18

کنعان کو آئے پھر وہاں سے مقیم ہوتے ہوئے مورہ کو گئے، اور ایک مزبح بنایا اور بیتایل میں خیمہ زن ہوئے، اور جنوب کی طرف برابر چلے گئے، اور مصر ہو کر گزرے۔[53]

الکلیل فی شرح الا جمیل کا تجزیہ کتاب کا تعارف:

فراہی کیہ غیر مطبوعہ تصنیف ہے جو ان کے انتقال کے بعد شائع ہوئی۔ یہ تصنیف ایک مسودہ اور مبیضہ دونوں موجود ہیں۔ مسودہ کے پانچ صفحات اور مبیضہ کے سات صفحات ہیں۔[54] میزان ان فو ویب سائٹ پر یہ کتاب 12 مئی 2016ء کو ایڈ ہوئی، اس کے علاوہ یہ کتاب میزان ٹی وی میڈیا کس کی ویب سائٹ پر اور ویب سائٹ ڈیڈیکیٹ ٹو حمید الدین فراہی پر بھی موجود ہے، اس کتاب پر صفحہ نمبر اور عنوانات کی کوئی فہرست موجود نہیں ہے نہ اس کا ناشر ہے نہ مکتبہ وغیرہ۔ **الکلیل فی شرح الانجیل** میں مولانا نے انجیل کے ان الفاظ اور عبارتوں کی شرح کی ہے جن کی نصاری نے خاص طور پر تحریف کی ہے۔

مشمولات کتاب:

مسودہ کے کل اوراق کی تعداد دس ہے لیکن مکتوبہ صفحات صرف تین ہیں۔ سرورق پر خطبۃ الکتاب اور مقدمہ ہے۔ دوسرے ورق پر **معنیکلمة الإنجيل** کے عنوان سے لفظ انجیل کی لغوی تحقیق ہے۔ تیسرے ورق پر "**الأصول للشرح**" کے عنوان سے ایک بحث ہے۔ **خطبة الكتاب** کے بعد دیباچہ اس طرح شروع ہوتا ہے۔ یہ کتاب ان اناجیل کی شرح ہے جن کے سوا کوئی انجیل اس وقت نصاری کے پاس موجود نہیں۔ نصاری ان انجیلوں کی صحت کے قائل ہیں اور ان کا دعوی ہے کہ حوارییین نے یہ انجیلیں روح القدس کی مدد سے قلم بند کیں حالانکہ خود عیسائی علماء کو اس کا اعتراف ہے کہ اصل انجیل ضائع ہو گئی اور یہ نسخے جعلی ہیں۔[55] اس کے علاوہ اس کتاب میں مولانا فراہی نے امثال انجیل سے نبی کی بشارت کا ذکر کیا ہے۔ اسی طرح اس کتاب میں فراہی نے معتدد مقامات پر انجیل کے اشارات میں بیان کیے گئے افراد کی تعیین کرتے ہوئے یہاں بیان کیا ہے کہ انجیل میں کون فرد مراد ہے اسی طرح یہود نے تحریف کی ہے۔

الرائی الصحیح من ھو الذبیح (ذبیح کون ہے)

---

[53] ۔ حمید الدین فراہی، آنحضرت ﷺ کا سلسلہ نسب اور اہل کتاب، 12

[54] ۔ اصلاحی، ڈاکٹر شرف الدین، ذکرِ فراہی، 763

[55] ۔ مولانا جلال الدین انصر عمری، مقالات فراہی، 70-71

یہ کتاب مولانا حمید الدین فراہی کی گراں قدر تصنیف ہے، اس میں حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل کے واقعہ قربانی کی حقیقت کو واضح کیا گیا ہے۔ اور یہود و نصاری کے اس خیال کی تردید کی گئی ہے کہ ذبیح حضرت اسحاق ہیں۔ یہ کتاب اس پہلو سے بھی نہایت اہم ہے کہ اس میں اس مسئلہ سے محض علمی اور واقعاتی سطح پر ہی بحث نہیں کی گئی ہے بلکہ اسلام اور دین و شریعت کی اصل حقیقت کو سمجھنے، خاتم النبیین کی بعثت کی غرض و غایت کو جاننے اور امت محمدیہ، جو ملت ابراہیمی کی تکمیل کیلئے برپا کی گئی ہے اس کے منصب حقیقی سے واقف ہونے نیز صحیح دینی تصور قائم کرنے کے لیے اس واقعہ کی جو اہمیت ہے اور جس کا شعور و احساس بہت کم لوگوں کو ہے اس کی طرف متوجہ کیا گیا ہے۔[56]

جہاں تک ہماری معلومات کا تعلق ہے ہمارے علماء و مفسرین میں کوئی بھی ایسا شخص نہیں جس نے اس مسئلہ کی نزاکت کو کماحقہ محسوس کیا ہو اور اس پر کوئی محققانہ گفتگو کی ہو بلاشبہ علامہ ابن کثیر اور کچھ دوسرے مفسرین نے حضرت اسماعیل کا ذبیح ہونا ثابت کیا ہے اور اس کے لئے کچھ دلائل بھی دیتے ہیں مگر ان کی گفتگو میں کچھ سرسری انداز کی ہیں، انہوں نے کوئی تحقیقی انداز نہیں اختیار کیا ہے، ہماری نگاہ میں علامہ فراہی وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے صحیح معنوں میں اس موضوع کو ہاتھ لگایا اور حق یہ ہے کہ تحقیق کا حق ادا کیا، پہلے انہوں نے تنقیدی نگاہ سے یہود کے دعووں کا جائزہ لیا۔ علمی انداز سے ان کی تحریفات کا پردہ چاک کیا اور خود تورات کی روشنی میں حضرت اسماعیل کا ذبیح ہونا ثابت کیا۔ پھر قرآنی دلائل سے اس دعوے کو مستحکم کیا اس کتاب کے آخر میں لکھتے ہیں:۔ ہم نے مختصر لفظوں میں جامع دلائل کی طرف صرف اشارے کر دیئے ہیں، اگر ہم ان مباحث میں تفصیل کا حق ادا کرتے تو دلائل کی تعداد بہت بڑھ جاتی۔[57]

مشمولات کتاب:

یہ کتاب ایک سو تراسی (183) صفحات پر مشتمل ہے صفحہ نمبر ایک پر کتاب و مصنف اور ناشر کا نام صفحہ نمبر دوم پر کتاب، مصنف، سن اشاعت، مطبع اور ناشر کا نام ہے صفحہ نمبر سوم تا ششم تک فہرست مضامین کا سلسلہ پھیلا ہوا ہے، اس کتاب کے شروع میں پیش لفظ اور خطبہ کتاب ہے، اور اس کتاب میں مباحث کے اعتبار سے تین ابواب ہیں۔

نتائج بحث:

انیسویں صدی عیسوی کے وسط تک برصغیر ہندوستان میں انگریز کا اقتدار نہایت مستحکم ہو چکا تھا۔ مسلمانوں کے جذبہ حریت اور شوق سلطانی کو اس نے اپنے پنجہ استبداد سے بڑی حکمت عملی سے دبا دیا تھا۔ برطانوی حکومت نے جو استعماری پالیسی اختیار کی اس کے تحت انہوں نے ایک طرف عیسائی مبلغین کو ہر قسم کی مراعات دیں کہ وہ ہندوستان کے لوگوں کو ان کے دین و مذہب سے برگشتہ کر روس، چنانچہ وہ مسلمان علماء سے آئے دن مناظرے کرتے اور عقل کے نام پر ایسی باتیں پھیلاتے جن کے نتیجے میں مخالفین کو ان کے دینی تصورات کے بارے میں

---

[56]۔ علامہ حمید الدین فراہی، الرائی الصحیح من ھو الذبیح، مترجم: امین احسن اصلاحی (دہلی: دائرہ حمیدیہ، 1999ء) 7

[57]۔ حمید الدین فراہی، کتابیات فراہی، 36

شک وشبہ میں مبتلا کیا جا سکے اور وہ مغربی تہذیب و تمدن کے ساتھ سمجھوتہ کر لیں۔ انگریزی حکومت کے استیلاء کے اس دور میں مولانا حمید الدین فراہی نے آنکھیں کھولیں۔ مولانا فراہی نے مختلف اداروں میں معلم کے فرائض سرانجام دیے اور اسی دوران انہوں تحقیق و تصنیف کا کام بھی جاری رکھا۔ مولانا فراہی کو عبرانی، عربی، فارسی، انگریزی جیسی زبانوں پر مہارت حاصل تھی لیکن اردو اتنی اچھی نہیں تھی شاید یہی وجہ تھی کہ مولانا نے اپنی تصانیف عربی، فارسی اور انگریزی میں زیادہ تحریر کی صرف تفسیر سورہ اخلاص آپ نے اردو میں لکھی۔ مولانا حمید الدین فراہی نے کم و بیش چالیس سورتوں (سورہ القیامہ تا سورہ الناس) کا ترجمہ کیا، اور مولانا فراہی نے متعدد سورتوں کی تفسیر بھی لکھی جن میں سے آخری پاروں کی چودہ سورتوں کی تفسیر "مجموعہ تفاسیر فراہی" کے نام سے مطبوعہ شکل میں موجود ہے۔ مولانا نے ثابت کیا ہے کہ قرآن مجید کی ہر سورہ اول تا آخر بالکل مربوط ہے۔ تمام سورتیں نہ صرف اندرونی طور پر مربوط ہیں بلکہ اپنی سابق و لاحق سورتوں کے ساتھ مربوط ہیں مضمون کا ایک پہلو اگر کسی سورہ میں بیان ہوا ہے تو اس کا دوسرا پہلو دوسری ملحق سورہ میں ہے۔ فراہی نے تمام سورتوں کی تفاسیر تقابلی انداز میں کی لیکن سورہ فاتحہ کا اسلوب باقی تفاسیر سے ہٹ کے ہے اس میں فراہی صاحب نے سورہ فاتحہ کی اصل حاکمیت و فرضیت کو وضاحت سے بیان کیا (سورہ فاتحہ ایک دعا کی صورت میں نازل ہوئی تھی) اور ساتھ ہی حضرت عیسی علیہ السلام کی دعا جو انہوں نے اپنے حواروں کو سیکھائی تھی، دونوں دعاوں کا تقابل کیا اور یہ حقیقت سامنے آئی کہ سورہ فاتحہ میں روز جزا کی دعا نہیں کی گئی لیکن انجیل کے الفاظ ''تیری بادشاہی آئے۔ تیری مرضی زمین میں بھی پوری ہو جس طرح آسمان میں پوری ہوتی ہے'' سے صاف صاف روز جزا کی دعا کا اظہار ہوتا ہے۔ فراہی نے الہامی کتب کا مطالعہ کیا اور ان کے خاص خاص پہلو کا نہایت باریک بینی کے ساتھ تحقیقی جائزہ لیا، مولانا کیبیہ صفت ان کی تفاسیر میں موجود ہے، کیونکہ فراہی تفسیر کرتے ہوئے یہودی کتب سے اقتباسات کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں جیسے بسم اللہ الرحمان الرحیم کی تفسیر کرتے ہوئے الرحمان اور الرحیم کی صفات لانے کی توجیہ و حکمت بیان کی کہ یہودوں نے رحمان اور رحیم کی صفتیں حذف کر دی تو اللہ نے ان کی شریعت سخت کر دی۔ یرمیاہ میں ہے۔ سو میں نے ان کو برے آئین اور ایسے احکام دیے جن سے وہ زندہ نہ رہیں۔ مولانا فراہی صاحب نے بہت سے مسائل پر سیر حاصل بحث کی ان کی تمام تصنیفات میں سے تین (آنحضرت ﷺ کا سلسلہ نسب اور اہل کتاب، **الکلیل فی شرح الا نجیل** اور **الرائی الصحیح الی من ھو الذبیح** تصانیف ایک منفرد حیثیت کی حامل ہیں۔ مولانا کی تصنیف آنحضرت کے سلسلہ نسب اہل اسلام اور اہل کتاب کی نظر میں کیا ہے؟ یہ کتاب تقابلی انداز یا مطالعہ اہل کتاب کے طور پر لکھی گئی۔ مولانا ربانی کی یہ تصنیف تاریخی تحقیق پر مبنی ہے۔ اس کی دو وجوہات ہیں۔ ایک تو یہ آنحضرت کا سلسلہ نسب آدم تک نقلی اور عقلی دلائل سے واضح کیا۔ دوسرا یہود کے اعتراضات کا مدلل جواب انہی کی مقدس کتاب قبائل کے پرانے نسخوں کی تحریروں سے دیا۔ مختلف نسخوں کے اختلافات کو بھی واضح کیا۔ الکلیل فی شرح الانجیل اس میں مولانا نے انجیل کے ان الفاظ اور عبارتوں کی شرح کیا ہے جن کی نصاری نے خاص طور پر تحریف ہے۔ مولانا فراہی کی نزدیک یہود و نصاری نے لفظی و معنوی تحریف کی، فراہی لکھتے ہیں:۔ یہ وہ کلام کی تحریف ہے جو نبی کے'

دور میں ہی ہوئی۔ اور یہ اصل میں اس وقت ان کے افعال کا نتیجہ تھی۔ قرآن حکیم نے اس آیت میں ان کی جس تبدیلی کا ذکر کیا ہے وہ تبدیلی حرف ہے۔ یعنی اتنا کی جگہ عینا راعناک کے اندر ہی کا اضافہ کرنا "ع" کو زیر دے کر لمبا کھینچنے کی تحریف اور اسی طرح کلمہ غیر مسمی کہنا

ہلکی سی آواز اسی طرح انہوں نے کلمات کو ان کی جگہ تبدیل کیا وہ اس طرح مقدم کو موخر کر دیا اور موخر کو مقدم تا کہ وہ حق اور باطل میں شک پیدا کر سکیں۔[58] عصر حاضر کے دور جدید کا تقیہ کلام یہ عام ہے کہ تمام مذاہب باہمی سخت اختلافات کے باوجود ایک ہی مرکز ہر پہنچتے ہیں۔ یہ تصور اپنے آپ میں ایک بہت بڑا فتنہ ہے کیونکہ مذہب کی ابتدا بے شک ایک ہے **(کل مولود یولد علی فطرۃ)** مگر اس کی انتہا مختلف مختلف مذاہب کے ماننے والوں کی گمراہی کا سبب نفس اور رب کو پہنچانے میں ان کی غلطی ہے۔ انہوں نے ایک بے بنیاد پر پوری نگاہ نہیں ڈالی اور دوسری میں بنیاد سے اغماض برت لیا۔ کیونکہ وہ ان مختلف بنیادوں کے مابین موافقت نہیں کر پائے، ہندومت، بدھ مت، مجوسیت، یہودیت، نصرانیت، ملاحدہ ہنود، یونان کے مشرکین، جیسے عام مذاہب میں گمراہی شاید ان کے غلو، بدعات اور خواہشات نفس کی راہ سے داخل ہوئی ہے۔ مولانا فراہی نے تفسیر سورہ اخلاص میں ان تمام مذاہب کے عقائد کی نفی ہے۔ سورہ اخلاص کو پورے قرآن کے دیباچہ کے طور پر پیش کیا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالی ہے۔ قُلِ اللّٰهُ يُحۡيِيۡكُمۡ ثُمَّ يُمِيۡتُكُمۡ ثُمَّ يَجۡمَعُكُمۡ اِلٰى يَوۡمِ الۡقِيٰمَةِ لَا رَيۡبَ فِيۡهِ وَلٰكِنَّ اَكۡثَرَ النَّاسِ لَا يَعۡلَمُوۡنَ[59] (کہہ دے اللہ ہی تمہیں زندگی بخشتا ہے، پھر تمہیں موت دیتا ہے، پھر تمہیں قیامت کے دن کی طرف (لے جا کر) جمع کرے گا، جس میں کوئی شک نہیں اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔)

مولانا عبدالرحمان کیلانی (م 1948ء) کی مطالعہ ادیان میں خدمات

مولانا عبدالرحمٰن کیلانی-ایک تعارف:

مولانا عبدالرحمٰن کیلانی، کیلیاں والا ضلع گوجرانوالہ کے ایسے خاندان سے تعلق رکھتے تھے جن کا آبائی پیشہ کتابت تھا۔ بچپن میں تعلیم حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ ٹیوشن پڑھا کر اور کبھی دکان کے ذریعہ اپنے والد صاحب کا ہاتھ بٹایا۔ تاہم امتحانات میں عموماً اعلیٰ کارکردگی دکھائی۔ مختصر عرصہ کے لیے فوج میں ملازمت کی۔ بعد ازاں وہاں سے استعفیٰ دے کر کتابت کو بطور پیشہ اختیار کیا۔ ۱۹۴۷ء سے ۱۹۶۵ء تک اردو کتابت کی اور اس وقت کے سب سے معروف ادارے فیروز سنز سے منسلک رہے۔ ۱۹۶۵ء میں قرآن مجید کی کتابت شروع کی اور تاج کمپنی کے لیے کام کرتے رہے۔ مولانا نے پچاس (50) کے قریب قرآن پاک کی کتابت کی سعادت حاصل کی۔ کتابت کے سلسلہ میں خاندان کے بہت سے لوگوں کو کتابت سکھا کر باعزت روزگار پر لگا دیا۔ 1980ء کے بعد جب انہیں فکر معاش سے قدرے آزادی نصیب ہوئی تو تصنیف وتالیف کی طرف متوجہ ہوئے۔ عمر کے اخیر حصہ میں تفسیر قرآن کی طرف متوجہ ہوئے[60] اور اپنی وفات سے قبل وہ اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچا چکے تھے۔ تفسیر کی اشاعت ان کی وفات کے بعد ہوئی۔ چار جلدوں

---

[58]۔ شرح الانجیل، 9

[59]۔ الجاثیۃ، 45:26

[60] کیلانی، عبدالرحمٰن: تیسیر القرآن، ۱/۶۔۷

میں عمدہ کاغذ پر تصحیح و تخریج کے ساتھ مکتبۃ السلام نے اس تفسیر کو شائع کرنے کا اہتمام کیا ہے۔ان کا ایک اور علمی و دینی کارنامہ "مدرسہ تدریس القرآن والحدیث للبنات" لاہور ہے۔اس ادارے سے سیکڑوں کی تعداد میں لڑکیاں دینی علوم سے آراستہ ہو چکی ہیں۔18 دسمبر 1945ء کو نماز عشاء میں سجدہ کی حالت میں روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔

تصانیف:

مصنف موصوف نے معاشرت، معیشت، سیاست، عقائد اور جدید دینی مسائل پر تحقیق و تنقید کی اور علمی حلقوں میں داد تحسین پائی۔ان کی تصانیف میں مترادفات القرآن، آئینہ پرویزیت، شریعت وطریقت، خلافت وجمہوریت، تجارت اور لین دین کے مسائل، عقل پرستی اور انکار معجزات، روح، عذاب قبر اور سماع موتی، احکام ستر و حجاب، اسلام میں دولت کے مصارف اور الشمس والقمر بحسبان، شامل ہیں۔تیسیر القرآن ان کی عمر کے آخری سالوں کی کاوش کا ماحصل ہے۔

تفسیر تیسیر القرآن میں مطالعہ ادیان کے نمایاں پہلو:

عقیدہ نزول مسیح کے متعلق سامی ادیان کے شبہات اور ان کا مدلل جواب:

اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَىَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ اِلَىَّ مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ[61]

حضرت عیسیٰؑ کے رفع الی السماء اور ان کی پیدائش سے متعلق یہود و نصاریٰ اور مسلمانوں کے اندر پیدا ہونے والے شبہات کا دلائل سے ازالہ کرتے ہوئے مذکور آیت کی تشریح میں مولانا عبدالرحمٰن کیلانی لکھتے ہیں:

> اس جملہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ سے دو باتوں کا وعدہ فرمایا اور انھیں یقین دلایا۔پہلی بات یہ کہ اللہ تعالیٰ عیسیٰ (علیہ السلام) کو ان کافروں کے الزامات سے پاک کرے گا اور کافروں سے مراد اہل کتاب یعنی یہود اور نصاریٰ دونوں ہیں۔ یہود کا الزام یہ تھا کہ حضرت عیسیٰ معاذ اللہ ولد الحرام ہیں، اور عیسائیوں کا الزام یہ تھا کہ آپ فی الواقعہ مصلوب ہوئے تھے۔اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی زبان پر ان دونوں الزاموں کی مدلل اور بھرپور تردید فرما کر عیسیٰ (علیہ السلام) کو ان الزامات سے پاک و بری قرار دیا۔
>
> اور دوسرا وعدہ یہ تھا کہ میں (اے عیسیٰ) تیرے تابعداروں کو تجھے نہ ماننے والے یعنی یہودیوں پر غالب رکھوں گا۔پھر حضرت عیسیٰ کو ماننے والوں میں مسلمان بھی شامل ہو جاتے ہیں اور یہ پیشین گوئی یوں پوری ہوئی کہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے قریباً چالیس سال بعد

---

[61]۔ سورۃ آل عمران ۳:۵۵

رومی قیصر طیطوس یہودیوں پر حملہ آور ہوااور شہر یروشلم کو ڈھا کر تباہ کر دیا۔ حتیٰ کہ بیت المقدس کو بھی مسمار کر دیا۔ لاکھوں یہودیوں کو قتل کیا اور بہت سے پکڑ کر ساتھ لے گیااور انھیں غلام بنایا۔ اس دن سے یہود کی رہی سہی عزت و شوکت بھی خاک میں مل گئی جو بعد کے ادوار میں بھی بحال نہ ہو سکی۔

آیت نمبر: 54 کی وضاحت میں رقم طراز ہیں: ''یہ اختلاف صرف یہود اور نصاریٰ میں ہی نہیں مسلمانوں میں بھی ہے۔ قرآن و حدیث کے ان واضح ارشادات کے باوجود مسلمانوں کا ہی ایک فرقہ معجزات کا منکر ہے۔ یہ لوگ احادیث کو در خور اعتنا سمجھتے ہی نہیں اور قرآنی آیات کی ایسی دور از کار تاویلیں کرنے لگتے ہیں کہ ان سے عقل شرمانے لگتی ہے۔ عیسیٰ (علیہ السلام) کی پیدائش اور وفات کو بھی ان لوگوں نے تختہ مشق بنایا ہے ان حواشی میں تمام معجزات پر بحث ناممکن ہے۔ البتہ جو حضرات یہ تفصیلات دیکھنا چاہیں وہ میری تصانیف 'عقل پرستی اور انکار معجزات' اور 'آئینہ پرویزیت' ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔ موقعہ کی مناسبت سے میں حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کی پیدائش اور وفات کے متعلق کچھ عرض کروں گا۔ پیدائش کے متعلق قرآن پاک میں دو مقامات پر سورۃ آل عمران اور سورۃ مریم میں تفصیلی ذکر موجود ہے۔ جن سے صاف طور پر معلوم ہو جاتا ہے کہ عیسیٰ (علیہ السلام) کی پیدائش بن باپ معجزانہ طور پر ہوئی تھی۔ اب اگر بفرض محال منکرین معجزات کی بات تسلیم کر لیں اور سمجھیں کہ حضرت عیسیٰ کی پیدائش بھی اللہ کے عام قانون کے مطابق ہوئی اور حضرت مریم کا (نعوذ باللہ) کوئی شوہر بھی تھا تو اس پر درج ذیل اعتراضات وارد ہوتے ہیں۔

1. اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں جہاں بھی کسی پیغمبر یا کسی دوسرے شخص کا ذکر کیا ہے تو اس کی ابنیت کا کبھی ذکر نہیں کیا۔ آخر عیسیٰ میں کیا اختصاص ہے کہ جہاں بھی ان کا نام آیا تو ابنیت کا ذکر یعنی ابن مریم کا لاحقہ ضروری سمجھا گیا۔
2. اللہ تعالیٰ نسب کے بارے میں فرماتے ہیں(اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآىِٕهِمْ)[62] یعنی ہر شخص کو اس کے باپ کے نام سے منسوب کیا کرو۔ اگر عیسیٰ (علیہ السلام) کا واقعی کوئی باپ تھا تو اللہ تعالیٰ کو اپنے مقرر کردہ ضابطہ کے مطابق اس کا نام لینا چاہیے تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ہر ہر مقام پر عیسیٰ کی ماں ہی کا کیوں نام لے کر انھیں ماں سے منسوب کیا ہے۔؟
3. اس دور کے یہود نے حضرت مریم پر زنا کی تہمت لگائی۔ اگر انھیں حضرت مریم کا کوئی شوہر معلوم تھا تو تہمت لگانے کی کیا تک تھی۔ پھر اگر انھیں شوہر کا علم نہ ہو سکا تو آج کل کے لوگوں کو کیسے علم ہو گیا؟
4. اگر عیسیٰ کی پیدائش بھی عام لوگوں کی طرح فطری طور پر ہوئی تھی تو اللہ تعالیٰ کو متعدد مقامات پر آپ کی پیدائش کے متعلق تفصیلات دینے کی کیا ضرورت تھی؟ اللہ تعالیٰ یہود کو یہ جواب نہ دے سکتے تھے کہ عیسیٰ کا باپ تو فلاں ہے۔ پھر تم کیسے تہمت لگا رہے ہو اور یہ مضمون صرف ایک جملہ یا آیت میں ادا ہو سکتا تھا۔
5. حضرت عیسیٰ کی پیدائش کے متعلق سورۃ مریم کی آیت 21 میں (اٰيَةً لِّلنَّاسِ)19۔ مریم:21) فرمایا اور سورۃ مومنون کی آیت نمبر 50 میں حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ دونوں کو (اٰيَةً لِّلنَّاسِ)19۔ مریم:21) فرمایا: اگر حضرت عیسیٰ عام دستور کے مطابق ہی پیدا ہوئے تھے تو وہ خود اور ان کی ماں لوگوں کے لیے نشانی کیسے بن گئے؟۔

---

[62]- سورۃ الأحزاب 33:5

6. اگر حضرت عیسیٰ کی پیدائش عام دستور کے مطابق ہوئی تھی تو حضرت مریم اکیلی دور دراز مقام میں کیوں چلی گئی تھیں اور بچہ کی پیدائش کے وقت اپنے مرنے کی آرزو کیوں کی تھی؟

اب آپ رفع عیسیٰ کے متعلق غور فرمایئے۔ منکرین کا سارا زور لفظ توفی پر ہوتا ہے جس کے لغوی معنی پورے کا پورا وصول کر لینا۔ اس لفظ کو قرآن ہی نے نیند اور موت کے موقع پر قبض روح کے لیے استعمال کیا۔ حالانکہ نیند کی حالت میں پوری روح قبض نہیں ہوتی بلکہ جسم میں بھی ہوتی ہے۔ پھر اگر اس لفظ کو روح اور بدن دونوں کو وصول کرنے کے لیے استعمال کیا جائے تو لغوی لحاظ سے یہ معنی اور بھی زیادہ درست ہے (رَافِعُکَ اِلَیَّ) کے الفاظ اس معنی کی تائید مزید کرتے ہیں اور دوسرے مقام پر تو اس سے بھی زیادہ واضح الفاظ میں فرمایا (وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ)[63] اس آیت میں آپ کی زندگی اور رفع پر تین دلائل دیئے گئے ہیں۔

1) یہ یقینی بات ہے کہ یہود عیسیٰ (علیہ السلام) کو مار نہ سکے۔
2) پھر مزید صراحت یہ فرمائی کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی طرف اٹھالیا۔
3) بعد میں (وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا)[64] کہہ کر یہ وضاحت فرمادی کہ یہ رفع روح مع الجسد تھا ورنہ یہاں لفظ (عَزِیْزًا) لانے کی کوئی تک نہیں کیونکہ رفع روح تو ہر نیک و بد کا ہوتا ہے اور رفع درجات ہر صالح آدمی کا۔ لہٰذا لازماً روح مع الجسد کا رفع ہی ہو سکتا ہے۔

واضح رہے کہ شریعت کے مسلمہ امور کو تسلیم کرنے میں دو چیزیں رکاوٹ کا سبب بنتی ہیں۔

1. فلسفیانہ یا سائنٹیفک نظریات سے مرعوبیت اور
2. اتباع ہوائے نفس۔ منکرین معجزات خارق عادت امور کا انکار اور پھر ان کی تاویل اس لیے کرتے ہیں کہ یہ موجودہ زمانہ کے مادی معیاروں پر پوری نہیں اترتیں۔ لہٰذا سب عقل پرستوں نے حضرت عیسیٰ کے بن باپ پیدائش۔ ان کے دیگر سب معجزات اور آسمانوں پر اٹھائے جانے کی تاویل کر ڈالی۔ البتہ ان میں مرزا غلام احمد قادیانی متنبی منفرد ہیں جو باقی سب معجزات کے تو قائل ہیں۔ البتہ حضرت عیسیٰ کے آسمانوں پر اٹھائے جانے اور پھر قیامت سے پہلے اس دنیا میں آنے کے منکر ہیں وہ اس لیے کہ اس نے خود مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا، اور اگر یہ رفع عیسیٰ کو تسلیم کر لیتے تو ان کی اپنی بات نہیں بنتی تھی۔ گویا یہ کام اس نے دوسری وجہ یعنی اتباع ہوائے نفس کے تحت سرانجام دیا ہے۔

یہود کی ذلت و مسکنت کی تاریخی داستان:

یہود کی ذلت و مسکنت کی تاریخی داستان بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

---

[63]۔ سورۃ النسآء 4:157

[64]۔ سورۃ النساء 4:58

تاذن کا عربی میں وہی مفہوم ہے جو ہمارے ہاں نوٹس دینے کا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے یہود کو خبر دار کر دیا تھا کہ اگر تم اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے تو تم پر تا قیامت ایسے حکمران مسلط کر دے گا جو انھیں طرح طرح کے دکھ پہنچاتے رہیں گے۔ان دکھوں سے مراد ان کی محکومانہ زندگی ہے چنانچہ یہود کبھی یونانی اور کلدانی بادشاہوں کے محکوم بنے رہے کبھی بخت نصر کے شدائد کا نشانہ بنے جس نے بیت المقدس کی اینٹ سے اینٹ بجادی اور ان یہود کی کثیر تعداد کو غلام بنا کر اپنے ساتھ بابل لے گیا۔ پھر یہ لوگ دور نبوی سے پہلے مجوسیوں کے باج گزار رہے۔ پھر اللہ نے مسلمان حکمرانوں کو ان پر مسلط فرما دیا۔ غرض مالدار قوم ہونے کے باوجود انھیں کہیں بھی عزت کی زندگی نصیب نہ ہو سکی اور ہمیشہ محکوم بن کر ذلت کی زندگی گزارتے رہے اور اس بیسویں صدی کے اوائل میں ہٹلر کے ہاتھوں بری طرح پٹے اور اس نے لاکھوں یہودیوں کو بے دریغ قتل کر دیا۔ اس بیسویں صدی ہی کے وسط میں چند حکومتوں کے سہارے تھوڑے سے علاقہ پر اپنی حکومت بنائی ہے۔ مگر امن پھر بھی نصیب نہیں اور قیامت کے قریب جب دجال کا ظہور ہو گا تو یہ اس کے مددگار ہوں گے پھر سیدنا عیسیٰ (علیہ السلام) اور ان کے مسلمان رفقاء کے ہاتھوں سب کے سب تہہ تیغ کر دیئے جائیں گے۔ جیسا کہ بے شمار احادیث صحیحہ سے واضح ہوتا ہے۔[65]

یہود کی پہلی بار فتنہ انگیزی اور اس کی سزا:

سیدنا موسیٰ کے ساتھ مصر سے آنے والے بنی اسرائیل جب فلسطین میں داخل ہو گئے تو انھیں حکم یہ تھا کہ فلسطین کا سارا علاقہ فتح کریں اور وہاں کے رہنے والے لوگوں کی اخلاقی اور اعتقادی خرابیوں میں مبتلا ہونے سے اجتناب کریں۔ مگر ایک تو انھوں نے سارے علاقہ کو فتح نہ کیا اور جو کر چکے تھے اس پر ہی قناعت کر لی۔ دوسرے وہ قبائلی عصبیت میں مبتلا ہو گئے اور مفتوحہ علاقہ کو بارہ حصوں میں تقسیم کر کے ہر قبیلہ نے الگ الگ حکومت قائم کر لی۔ ان باتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی حکومت کو کبھی استحکام نصیب نہ ہو سکا۔ نیز سابقہ اقوام کی اخلاقی اور اعتقادی بیماریاں یعنی شرک، بے حیائی اور بدکاری وغیرہ ان میں بھی پھیلنے لگیں۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کی ہدایات کو یکسر بھول گئے۔ سیدنا داؤد اور سیدنا سلیمان نے بہت حد تک اصلاح احوال کی اور ایک دفعہ پھر سے حکومت بنی اسرائیل کو مستحکم بنا دیا۔ مگر جلد ہی بنی اسرائیل پھر سے انھیں بیماریوں اور خرابیوں میں مبتلا ہو گئے۔ بت پرستی اور بے حیائی عام ہو گئی اور حکومت بھی متزلزل ہو گئی۔ یہ صورت حال دیکھ کر بابل کے بادشاہ بخت نصر نے دولت یہودیہ کو مسخر کیا اور بادشاہ کو قید کر لیا۔ اس دوران سیدنا یرمیاہ ان کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔ ان کے سمجھانے کے باوجود وہ اپنے اعمال درست کرنے کے بجائے بابل کے خلاف سازش اور بغاوت کر کے اپنی قسمت بدلنے کی کوشش کرنے لگے۔ آخر 587 ق م میں بخت نصر نے ایک زوردار حملہ کر کے سلطنت یہودیہ کے تمام چھوٹے بڑے شہروں کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ کشت و خون کا بازار گرم کیا۔ یروشلم اور ہیکل سلیمانی کو پیوند خاک کر دیا۔ بہت سے قیدیوں کو اپنے ساتھ لے گیا اور جو لوگ بچ رہے وہ ہمسایہ قوموں کے ہاتھ بری

---

[65] ۔ کیلانی، عبدالرحمٰن، تفسیر تیسیر القرآن، مکتبہ السلام، وسن پورہ لاہور، ج2، ص122

طرح ذلیل ہو کر رہے۔ یہ تھا وہ پہلا فساد جس سے بنی اسرائیل کو متنبہ کیا گیا تھا۔ جو قیدی وہ اپنے ساتھ لے گیا تھا انھیں میں سے ایک عزیر (علیہ السلام) بھی تھے۔ ان قیدیوں کو سات سال بعد بخت نصر نے چھوڑ دیا۔ آپ جب واپس اپنے وطن آ رہے تھے تو ایک اجڑی ہوئی اور برباد شدہ بستی دیکھی تو کہنے لگے "پروردگار! تو اس بستی کو کیسے دوبارہ زندہ یا آباد کرے گا؟ یہ بستی بھی دراصل بخت نصر کے حملے میں ہی تباہ ہوئی تھی۔ تو اللہ تعالیٰ نے اسی مقام پر سیدنا عزیر (علیہ السلام) کو موت دے دی۔ رہی یہ بات کہ وہ کون سی کتاب تھی جس میں بنی اسرائیل کے دوبار سرکشی کرنے اور سزا پانے کی انھیں اطلاع دی گئی تھی۔ بعض مفسرین نے اس سے مراد توراۃ ہی لی ہے مگر اس وقت توراۃ کے نام سے جو کتاب اہل کتاب کے پاس ہے اور جسے وہ عہد نامہ عتیق کہتے ہیں۔ ایسی صراحت کے ساتھ یہ مضمون مذکور نہیں جیسی صراحت سے قرآن میں مذکور ہے البتہ اس کے بعض فقروں سے ایسے اشارے ضرور مل جاتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اصلی توراۃ میں یہ مضمون ضرور موجود ہو گا اور بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہاں کتاب سے مراد لوح محفوظ ہے جو جملہ کائنات کی قضاو قدر کی کتاب ہے اور یہ دونوں توجیہات ہی قرین قیاس ہیں۔[66]

بنی اسرائیل میں کونسا فرقہ یہودی کہلایا:

حضرت موسیٰ (علیہ السلام) پر جو لوگ ایمان لائے تھے وہ بھی مسلمان ہی تھے اور بنی اسرائیل کی قوم سے تعلق رکھتے تھے۔ موسیٰ (علیہ السلام) کی زندگی میں انھیں یہود نہیں کہا جاتا تھا۔ یہود تو وہ اس وقت کہلائے جب ان کے۔۔ میں بھی ان کے بدعی عقائد بھی شامل ہو گئے اور انھوں نے کتاب اللہ میں تحریف تک کر ڈالی۔ بعض لوگوں کے خیال کے مطابق ان کی نسبت یعقوب کے بڑے بیٹے یہودا کی طرف ہے۔ مگر یہ توجیہہ دو لحاظ سے درست معلوم نہیں ہوتی ایک یہ کہ اس لحاظ سے یہودی ایک قبیلہ تو کہلا سکتے ہیں ایک مذہب نہیں کہلا سکتے ہیں۔ حالانکہ یہودی ایک مذہب کا نام ہے کسی قبیلہ کا نام نہیں اور دوسرے اس لحاظ سے یہودیوں میں تمام بنی اسرائیل شامل ہیں صرف یہودا کی اولاد کی اولاد نہیں۔ اور بعض علماء کے خیال کے مطابق بنی اسرائیل حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) تک بنی اسرائیل ہی کہلائے تھے۔ بعد میں نصاریٰ کے مقابلہ میں ان کا نام یہودی پڑ گیا۔[67]

صابیین کا تعارف:

صابی دراصل وہ ستارہ پرست اور سورج پرست قوم ہے جس نے اپنے معبودوں کی حمایت میں حضرت ابراہیم کو آگ میں ڈالا تھا۔ یہ لوگ اپنے آپ کو حضرت نوح کا پیروکار بتلاتے ہیں اور باقی بعد میں آنے والے سب انبیاء کے منکر ہیں۔ بعد میں صباء کا لفظ دین میں تبدیل

---

[66] ۔ کیلانی، عبدالرحمٰن، تفسیر تیسیر القرآن، مکتبہ السلام، وسن پورہ لاہور، ج2، ص569

[67] ۔ کیلانی، عبدالرحمٰن، تفسیر تیسیر القرآن، مکتبہ السلام، وسن پورہ لاہور، ج2، ص232

کرنے یا آبائی مذہب سے سے رو گردانی کرنے کے معنوں میں استعمال ہونے لگا اور ایک گالی کی حیثیت اختیار کر گیا۔ چنانچہ مشرکین مکہ بھی اسلام لانے والوں کو اسی محبت سے نوازتے تھے اور کہتے تھے کہ فلاں شخص صابی ہو گیا ہے۔ یعنی بے دین اور لا مذہب ہو گیا ہے۔ جیسا کہ ہندوستان میں توحید کی طرح رجوع کرنے والوں کو وہابی کے لقب سے نوازا جانے لگا ہے۔

عیسائیوں کے مختلف نام:

حضرت عیسیٰ اور ان پر نازل شدہ کتاب انجیل کے پیروکار۔ ابتداً ان کا نام ناصری یا گلیلی تھا۔ حضرت عیسیٰ ناصرہ ضلع گلیل میں پیدا ہوئے تھے۔ چنانچہ یہود انھیں ایک بدعتی فرقہ کی حیثیت سے ناصری یا گلیلی کہہ کر پکارتے تھے۔ قرآن میں ان کا نام نصاریٰ مذکور ہے۔ اور اسے بھی ناصرہ سے منسوب قرار دیا جاسکتا ہے اور اس کی دوسری توجیہہ یہ ہے کہ عیسیٰ (علیہ السلام) کے پیروکار یا حواریوں نے (نَحْنُ اَنْصَار اللّٰہِ)[68] کا اقرار کیا تھا۔ لہٰذا یہ لوگ نصاریٰ کہلائے۔ بعد میں انھوں نے اپنے لیے عیسائی کا لقب پسند کر لیا ان لوگوں نے بھی بعد میں بہت سے بدعی عقائد شامل کر لیے جیسے عقیدہ تثلیث، الوہیت مسیح اور کفار مسیح وغیرہ۔

مجوس کی تعریف:

مجوسی بھی آتش پرست اور ستارہ پرست لوگ تھے اور صابی فرقہ کی طرح اپنے آپ کو حضرت نوح کے پیروکار بتلاتے ہیں اور باقی پیغمبروں کے منکر ہیں۔ ان کے نزدیک نیکی اور بدی کے خدا الگ الگ ہیں۔ نیکی کا خدا یا خالق یزدان ہے اور بدی کا خدا یا خالق اہرمن ہے۔ یہ لوگ اپنی الہامی کتابوں کا نام للہ نداوستا بتلاتے ہیں۔ مزوک نے ان کے مذہب اور اخلاق کو بری طرح مسخ کر کے رکھ دیا تھا حتیٰ کہ حقیقی بہن سے نکاح بھی ان کے ہاں جائز قرار دیا گیا۔

خلاصہ کلام:

درج بالا اقتباسات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مولانا کیلانیؒ کی تفسیر "تیسیر القرآن" تفسیر بالماثور اور تفسیر بالرائے المقبول کا انتہائی حسین امتزاج ہے جو کہ تقابل ادیان کی ابحاث کو سمجھنے میں کلیدی کردار ادا کرتا ہے اس تفسیر میں انہوں نے نقلی اقتباسات میں سے صرف ان کو ذکر کیا ہے جو انہیں اقرب الی الصواب محسوس ہوئے اور اس کا تجزیہ کر کے ایک رخ متعین کرنے کی کوشش کی ہے اس کے ساتھ ساتھ دورِ جدید کے اسلوب میں فکری طور پر بھی آیات کی وضاحت کر کے دور جدید پر اس کے اطلاق کر کے بھی دکھایا گیا ہے۔

مولانا اشرف علی تھانوی (1280ھ/1863ء-1362ھ/1943ء) کی مطالعہ ادیان میں خدمات

---

[68]۔ سورۃ آل عمران 3:52

تعارف:

مولانا اشرف علی تھانوی ، بیسویں صدی عیسوی میں ہندوستان کے ایک عظیم عالمِ دین تھے۔آپ مسلکاً حنفی دیوبندی اور مشرباً چشتی تھے۔''تفسیر بیان القرآن'' اور ''بہشتی زیور'' جیسی مشہور و معروف کتابوں کے مصنف تھے۔آپ وہ نابغہ رُوزگار ہستی ہیں جنہوں نے برصغیر کے مسلمانوں کی اس وقت رہنمائی فرمائی،جب مسلمان انگریزی حکمرانوں کی غلامی میں دن گزار رہے تھے اور سیاسی حالت کی ابتری کے ساتھ مذہبی لحاظ سے انتہائی کمزور ہو چکے تھے۔اس دور کے مسلمان دین اسلام کی تعلیمات سے بہت دور اور غیر اسلامی طور طریقے اور بالخصوص ہندوانہ رسومات کو دین سمجھ کر اپنی زندگی کا حصہ بنا چکے تھے۔مولانا اشرف علی تھانوی نے ایسے نازک حالات میں ہر محاذ پر مسلمانوں کے ہر طبقے کے لیے زبان اور قلم سے تقریباً ایک ہزار کے قریب تصنیفات اور ہزاروں مواعظ کے ذریعے رہنمائی فرمائی۔

مولانا اشرف علی تھانوی،5 ربیع الثانی 1280ھ بمطابق 19 ستمبر 1863ء تھانہ بھون ضلع مظفر نگر،ہند میں پیدا ہوئے۔ دارالعلوم دیوبند اور مدرسہ فیض عام کان پور وغیرہ میں تعلیم حاصل کرتے رہے۔دارالعلوم دیوبند میں ایک عرصہ تک درس وتدریس اور افتا ووعظ کی خدمات سرانجام دیتے رہے۔بعدازاں تھانہ بھون آ گئے اور بقیہ زندگی یہیں گزاری۔آپ کے مشہور اساتذہ کرام میں حضرت مولنا یعقوب، قاری محمد عبداللہ مہاجر مکی، مولنا محمد قاسم نانوتوی، مولنا فتح محمد، سید احمد دہلوی، شیخ الہند محمود الحسن دیوبندی، وغیرھم شامل ہیں۔

آپ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی سے بیعت تھے اور خلافت سے بھی سرفراز ہو چکے تھے۔چنانچہ بیعت وارشاد کی خدمت میں مشغول ہو گئے۔لاکھوں علماء، صلحاء، مشائخ اور خواص وعوام آپ کے حلقہ میں داخل ہوئے۔[69]

تکمیل تعلیم کے بعد والد اور اساتذہ کرام کی اجازت سے آپ کانپور تشریف لے گئے اور مدرسہ فیض عام میں پڑھانا شروع کر دیا ۔چودہ سال تک وہاں پر فیض کو عام کرتے رہے، 1315ھ میں کانپور چھوڑ کر آپ آبائی وطن تھانہ بھون تشریف لائے اور یہاں حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کی خانقاہ کو نئے سرے سے آباد کیا اور مدرسہ اشرفیہ کے نام سے ایک درسگاہ کی بنیاد رکھی جہاں آخر دم تک تدریس، تزکیہ نفوس اور اصلاح معاشرہ جیسی خدمات سرانجام دیتے رہے۔[70]

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی، قرآن وحدیث اور فقہ وتصوف کے متبحر عالم تھے۔علوم اسلامیہ میں ان کا درجہ ایک بالغ نظر محقق کا ہے۔ایک ہزار سے زائد ان کی تصنیفات ہیں جو حدیث کی شرح، تفسیر، فقہ، اخلاقیات اور تصوف وتزکیہ نفس نیز دور حاضر کے توجہ طلب مسائل وتحقیقات پر مشتمل ہیں۔ یہ کتابیں اپنی جگہ مستند ہیں، علماء فقہاء کے لیے مرجع کی حیثیت رکھتی ہیں اور خواص وعوام میں مقبول ومعتبر ہیں۔

---

[69]۔اشرف الجواب صفحہ نمبر 34،اشرف الجواب، تھانوی، مکتبہ عمر فاروق فیصل کالونی کراچی

[70]۔خواجہ عزیز الحسن: اشرف السوانح، ادارہ تالیفات اشرفیہ 1427ھ

آپ کی چند مشہور تصانیف یہ ہیں: تفسیر بیان القرآن، اعمال قرآنی، حقیقۃ الطریقۃ، احیاء السنن، امداد الفتاوی، الانتباہات، بہشتی زیور، المصالح العقلیہ، جمال القرآن، نشر الطیب فی ذکر الحبیب۔ وغیرھم

تفسیر بیان القرآن ایک جامع تفسیر ہے جس میں تفسیر کے تمام پہلوؤں کو مختصر انداز میں سمو دیا گیا ہے۔ تفسیر میں فقہی، کلامی اور نحوی مسائل سے مختصراً بحث کی گئی ہے۔ تصوف کے مسائل پوری طرح بیان کئے گئے ہیں اور ان سب میں آیات قرآنیہ سے استدلال کیا گیا ہے۔ بنیادی طور پر ایک دعوتی واصلاحی تفسیر ہے تاہم مطالعہ ادیان کی بحثیں بھی قابل ذکر ہیں۔

تفسیر بیان القرآن میں مطالعہ ادیان کی بحثیں:

مطالعہ ادیان کے نقطہ نظر سے بیان القرآن کا جائزہ لیا جائے، تو درج ذیل نکات بیان کیے جا سکتے ہیں۔

مذاہبِ سماویہ پر ایمان اور دیگر مذاہب کا احترام:

اسلام ایک ایسا دین ہے کہ جس کا امتیاز یہ ہے کہ پہلے مذاہب وادیان کا احترام سکھاتا ہے اور اس سے بڑھ کر یہ کہ پہلے تمام وہ ادیان جو اللہ کی طرف سے نازل شدہ تھے ان پر ایمان لانے کو لازمی قرار دیتا ہے اور اگر ان میں سے کسی کا انکار کرتا ہے تو اس کے ایمان کو مکمل نہیں کہا جا سکتا اور پہلے جتنے انبیاء تھے ان پہ ایمان بھی ضروری ہے۔

آیت قرآنی: وَ الَّذِیۡنَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡکَ وَ مَاۤ اُنۡزِلَ مِنۡ قَبۡلِکَ ۚ [71]

(اور وہ لوگ ایسے ہیں کہ یقین رکھتے ہیں اس پر بھی آپ کی طرف اتاری گئی اور کتابوں پر بھی جو آپ سے پہلے اتاری جا چکی ہیں)

اس آیت کی تفسیر میں تھانوی صاحب ایک لطیف نقطہ بیان فرماتے ہیں: "ایمان سچا سمجھنے کو کہتے ہیں عمل دوسری بات ہے پس جتنی کتابیں اللہ نے پہلے انبیاء پر نازل کی ہیں سب کو سچا سمجھنا فرض اور شرط ایمان ہیں یعنی یوں سمجھیں کہ اللہ تعالی نے جس طرح نازل فرمائیں تھیں وہ صحیح ہیں خود غرض لوگوں نے جس قدر تغیر تبدل کر دیا غلط ہے رہ گیا عمل تو وہ قرآن پر ہو گا پہلی کتابیں منسوخ ہو گئیں ہیں اس لیے ان پر عمل جائز نہیں۔ [72]

---

[71]۔ سورۃ البقرۃ 4:2

[72]۔ تھانوی، اشرف علی: تفسیر بیان القرآن، 1، 23، مکتبہ رحمانیہ، لاہور

اسی طرح اسلام اپنے ماننے والوں کو یہ تلقین کرتا ہے کہ باقی ادیان اگرچہ منسوخ ہیں لیکن ان کا احترام ضروری ہے۔ فاضل مصنف کے رائے میں: "ہمارا دین کتنا انصاف پسند دین ہے کہ سب انبیاء کو مانتے ہیں، سب کی کتابوں کو سچا جانتے ہیں، سب کے معجزات کو سچا جانتے ہیں بوجہ منسوخ ہونے کے اکثر احکام شریعت محمدیہ پر عمل کرتے ہیں لیکن انکار و تکذیب کسی کی نہیں کرتے بخلاف یہود و نصاریٰ کے"[73]

دیگر ادیان کی عبادت گاہوں کی حفاظت کی بھی تعلیم دی گئی ہے۔ یہ بات اگرچہ حقیقت ہے کہ ان عبادت گاہوں میں اب اللہ کا ذکر باقی نہیں بلکہ وہ شرک کے اڈے بن چکے ہیں پھر بھی انکی کسی نہ کسی طریقے اصلاح کی کوشش کی جائے کیونکہ جب تک ان میں اللہ کا ذکر باقی تھا تو اللہ بھی ان کی حفاظت کرتا تھا اور ان کو منہدم ہونے سے بچاتا تھا۔[74]

اہل کتاب سے معاملات و معاشرت:

اسلام نے بہت ساری چیزیں جو پہلی امتوں کی ہیں اس کو باقی رکھا ہے مثلاً ان کا ذبح کردہ جانور، ان کی پاک دامنہ عورتوں سے نکاح۔ مولانا تھانوی کی رائے میں ان دونوں امور کی اجازت صرف ان اہلِ کتاب کے لیے ہے جن میں اپنی کتاب پر ایمان موجود ہو۔

معبودانِ کُفار کی شماتت کا معاملہ

آیتِ کریمہ:

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللهِ (الی قولہ تعالی) فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَاكَانُوْا يَعْمَلُوْنَوَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللهِ (الی قولہ تعالی) فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَاكَانُوْا يَعْمَلُوْنَ[75]

کے تحت شیخ لکھتے ہیں:

بتوں کو بُرا کہنا فی نفسہ امرِ مباح ہے مگر جب وہ ذریعہ بن جائے ایک امرِ حرام یعنی گستاخی بجانب باری تعالیٰ کا، تو وہ بھی منہی عنہ اور قبیح ہو جائے گا، اس سے ایک قاعدہ شرعیہ ثابت ہوا کہ مباح، جب حرام کا سبب بن جائے، وہ حرام ہو جاتا ہے، اور ہر چند یہ کہ اوپر یا دوسری آیات میں جو مضامین اثباتِ توحید و رسالت و ابطالِ شرک و کفر کے مذکور ہیں، بعض اوقات ان پر بھی کفار گستاخی بجناب باری جل شانہ و تکذیب حضور پر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کلمات کہا کرتے تھے، چنانچہ مقامات متعددہ میں وہ منقول ہیں لیکن ان مضامین کا بیان کرنا ممنوع نہیں ہوا، وجہ فرق یہ کہ ان مضامین کا ظاہر کرنا واجب اور مطلوب عند الشرع تھا۔ ایسے امر پر اگر کچھ مفاسد مرتب ہو جائیں تو اس امر کو ترک نہ کیا جائے گا۔ یہ دوسرا قاعدہ ثابت ہوا، اور دشنامِ بُت، امرِ مباح تھا۔ واجب مطلوب عند الشرع نہ تھا، ایسے امر پر جب مفاسد مرتب ہوں گے، اس

---

[73]۔ تھانوی، اشرف علی: تفسیر بیان القرآن، 1، 97، مکتبہ رحمانیہ، لاہور

[74]۔ تھانوی، اشرف علی: تفسیر بیان القرآن، 2، 524، مکتبہ رحمانیہ، لاہور

[75]۔ سورۃ الانعام 108:6

کو ترک کرنا واجب ہوگا۔ یہی فرق ہے دونوں امر میں، یہ دونوں فقہی قائدے علمِ عظیم ہے۔ بے شمار فروع کا حکم اور فیصلہ اس سے معلوم ہوتا ہے۔[76]

اہلِ کتاب و دیگر کے شرک میں مبتلا ہونے کی وجوہ:

آیتِ کریمہ:

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ۔[77]

(اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ فرما دیجئے کہ اہل کتاب آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو کہ ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے

۔

بجز اللہ تعالی کی ہم کسی اور کی عبادت نہ کریں اور اللہ تعالی کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے کوئی کسی دوسرے کو رب نہ قرار دے خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر۔ پھر اگر وہ لوگ اعراض کرے تو تم لوگ کہہ دو کہ تم اس کے گواہ رہو کہ ہم تو ماننے والے ہیں۔)

اس مضمون کو مسلم اس لیے کہا گیا ہے کہ سب شرائع میں اس کی تعلیم دی گئی ہے۔ اور اجمالاً اور کلیتاً اہل کتاب بھی اس کو مانتے ہیں کہ توحید فرض ہے اور شرک کفر ہے، اور کسی مخلوق کو رب قرار دینا شرک ہے۔ لیکن باوجود اس کے وہ لوگ شرک میں اس لئے مبتلا تھے کہ وہ اس کو شرک اور خلاف توحید نہ سمجھتے تھے۔ ان لوگوں کے مشرک ہونے کی وجہ یہ تھی کہ یہ لوگ بعض صفات خاصہ حق تعالی جیسے الوہیت ہے، حضرت عیسی علیہ السلام اور حضرت عزیز علیہ السلام کے لیے ثابت کرتے تھے، جس کو آیت میں عبادت غیر اللہ کہا گیا ہے۔ اسی طرح مطاع علی الاطلاق ہونے کو جو خواص باری تعالی سے ہے، اپنے رہبان اور احبار کے لئے مانتے تھے، جس کو آیت میں ربوبیت من دون اللہ فرمایا گیا ہے۔ کیونکہ ان کی تحلیل و تحریم کو گو کہ وہ نصوص قطعیہ محکمہ معمولہ بالاجماع کے بھی خلاف ہو، حجت واجب العمل سمجھتے تھے اور حقیقت شرک کی یہی ہے کہ خواص واجب کو ممکن کے لیے ثابت مانا جائے، لیکن ان کو اشتباہ اس سے ہو گیا تھا کہ وہ بالذات اور بالعرض کا فرق کرتے تھے، حالانکہ یہ فرق صفات غیر مختصہ میں صحیح اور صفات مختصہ میں غیر صحیح اور غیر دافع شرک ہے۔ اور یہ جو فرمایا کہ خدا کو چھوڑ کر اول تو اس وجہ سے کہ احبار اور رہبان کی ایسی طاعت میں خدا تعالی کے احکام متروک ہو ہی جاتے ہیں، دوسرے اس لیے کہ مراد یہ ہے کہ خدا کی توحید کو اور ظاہر ہے کہ شرک کے ساتھ توحید چھوٹ ہی جاتی ہے اور چونکہ ظاہر میں مشرک خدا اور غیر خدا دونوں کو ہی مانتا ہے اس لیے بعض جگہ مع

---

[76] ۔ تھانوی، اشرف علی: تفسیر بیان القرآن، ۲، ۵۸۳، مکتبہ رحمانیہ، مطبع لٹل سٹار پرنٹرز، لاہور

[77] ۔ سورۃ آل عمران ۳: ۶۴

اللہ الٰھۃ فرمادیا۔اور یہ کہنے کے جو فرمایا کہ تم گواہ رہو اس میں تعلیم ہے کہ جب وضوح کے بعد بھی کوئی حق کو نہ مانے تو اتمام حجت کے لیے اپنا مسلک ظاہر کر کے کلام ختم کر دینا چاہیے۔[78]

مزید نکات:

1. امسیح علیہ السلام کے بارے میں یہود و نصاریٰ دونوں افراط و تفریط کا شکار ہوئے ہیں۔ نصٰاری نے حضرت عیسی کے بارے مثبت انداز میں ایسی باتیں شامل کیں کہ ان کو الوہیت کے درجے تک پہنچادیا اور یہود نے انکار کی یہ حد کر دی کہ ان پہ بغیر اخلاقی جواز کے تہمتیں لگادیں۔ یہ دونوں نقطہ نظر غلط اور قابل مذمت ہیں۔[79]
2. فاضل مصنف نے آیت قرآنی:

وَ قَالَتِ الْیَہُوْدُ عُزَیْرُ ۘ ابْنُ اللّٰہِ وَ قَالَتِ النَّصٰرَی الْمَسِیْحُ ابْنُ اللّٰہِ ؕ ذٰلِکَ قَوْلُہُمْ بِاَفْوَاہِہِمْ ۚ یُضَاہِـُٔوْنَ قَوْلَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ؕ قٰتَلَہُمُ اللّٰہُ ۚ اَنّٰی یُؤْفَکُوْنَ[80]

(یہود نے عزیر کو اللہ کا بیٹا کہا اور نصری نے عیسی ابن مریم کو حالانکہ یہ محض ان کے قول ہیں ان کے منہ کے) کی وضاحت میں حکیم الامت نے یہود و نصاری کو ایسے ہی کافر و مشرک قرار دیا ہے جیسے ان سے پہلے مشرکین تھے جنہوں نے فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہا تھا۔[81]

3. سورۃ المائدہ کی آیت نمبر 14 کی وضاحت کرتے ہوئے شیخ تھانوی نے اس رائے کا اظہار کیا ہے کہ کتاب انجیل ساری کی ساری حکمتوں سے بھری تھی تو نصاریٰ نے اس کتاب کا بڑا حصہ فوت کر دیا۔ کتاب کا جو حصہ انہوں نے ترک کیا اس میں توحید اور رسالت کا ذکر تھا جب توحید چھوڑا تو اللہ نے انہی کے درمیان تین فرقے قائم کر دیے جن میں سے ایک فرقہ نسطوریہ اٹھا جو عیسیٰ کو ابن اللہ کہتے۔ دوسرا یعقوبیہ جو اللہ کے ساتھ عیسیٰ کو متحد مانتے۔ تیسرا فرقہ وہ تھا جو مسیح علیہ السلام کو تین خداوں میں سے ایک کا جزو مانتے۔[82]

---

[78] ۔ تھانوی، اشرف علی: تفسیر بیان القرآن، 2، 246,247، مکتبہ رحمانیہ، مطبع لٹل سٹار پرنٹرز، لاہور

[79] ۔ تھانوی، اشرف علی: تفسیر بیان القرآن، 2، 444، مکتبہ رحمانیہ، مطبع لٹل سٹار پرنٹرز، لاہور

[80] ۔ سورۃ التوبہ 30:9

[81] ۔ تھانوی، اشرف علی: تفسیر بیان القرآن، 2، 445، مکتبہ رحمانیہ، مطبع لٹل سٹار پرنٹرز، لاہور

[82] ۔ تھانوی، اشرف علی: تفسیر بیان القرآن، 2، 459، مکتبہ رحمانیہ، مطبع لٹل سٹار پرنٹرز، لاہور

4. دین کے اصل امور کو قائم کرنے کی دعوت: سورۃ المائدہ کی آیت نمبر 66 کی تفسیر میں مولانا لکھتے ہیں کہ یہ یہود و نصاری یعنی دیگر مذاہب سے تعلق رکھنے والے لوگ اگر امورِ حق پر ایمان لے آئیں جنہیں وہ ترک کیے بیٹھے ہیں یعنی توحید و رسالت اور رسول اللہ کے واسطے جن تمام امور کا کفر و معصیت ہونا بتلایا گیا ہے، ان کو ترک کر کے ایمان والے ہو جائیں، اپنی شریعتوں کے تابع ہو جائیں تو اللہ رب العزت، ضرور ان کے پچھلے تمام گناہ کفر و شرک ردو بدل اور تمام معاصیاں معاف فرما کر انہیں چین کے باغوں میں یعنی جنت میں داخل کرے گا۔[83]

مولانا اشرف علی تھانوی کی دیگر تصانیف میں مباحث مطالعہ ادیان:

تفسیرِ قرآن کے علاوہ آپ کی دیگر تصانیف میں بھی مطالعہ ادیان پر بحثیں موجود ہیں جن میں دیگر مذاہب کے نظریات کا جائزہ بھی لیا گیا ہے اور اسلام پہ ہونے والے اعتراضات کے جوابات بھی دیے گئے ہیں۔

ان میں آپ کے رسائل سر فہرست ہیں جو مختلف عنوانات سے شائع ہوتے رہے، نیز آپ کے فتاوٰی، امداد الفتاوی میں بھی ایسی چیزیں مذکور ہیں۔

فہرست رسائل:

1) ارسال الجنود الی ارسال الھنود

اس رسالہ میں اس بات کی تحقیق ہے کہ اقوام ہنود کے پاس مبلغین احکام الہیہ کی جماعت کے آنے کا وقوع ہوا یا نہیں اور اس وقوع کا قطعیت و عدم قطعیت کے اعتبار سے کیا درجہ ہے تا کہ اس کے متعلق احکام شریعت متعین ہو سکیں کیونکہ بعض حضرات نے ہنود کو اہل کتاب میں داخل کر کے ان کی عورتوں سے عقدِ نکاح جائز قرار دیا تھا۔ حضرت تھانوی نے دلائل کے ساتھ ان کی تردید فرمائی ہے۔[84]

2) الحجۃ الانتبائیہ علی المحجۃ البہائیہ

فرقہ بہائیہ نے ایک رسالہ "فرقہ بہائیہ" کے نام سے شائع کیا تھا جس میں انھوں نے یہ دعوی کیا تھا کہ قرآن مجید اور شریعت محمدیہ منسوخ ہو چکی ہے اس کی تائید میں انہوں نے آیات اور احادیث اور مستند دلائل پیش کیں۔ ایک صاحب نے تھانوی صاحب کی خدمت میں اس کا جواب پیش کرنے کی درخواست کی آپ نے پھر یہ رسالہ ان کے جواب میں لکھا اور جن آیات سے انہوں نے استدلال کیا تھا اس کا دلائل سے رد بھی کیا۔[85]

---

[83]۔ تھانوی، اشرف علی: تفسیر بیان القرآن، 2، 498، مکتبہ رحمانیہ، مطبع لٹل سٹار پرنٹرز، لاہور

[84]۔ پی ایچ ڈی مقالہ، ڈاکٹر سیف الرحمن، ص 231

[85]۔ امداد الفتاوی ج 4، ص 124

3) اصلاح الخیال

مغربی تہذیب و تمدن سے مرعوب اور جدید تعلیم یافتہ حضرات اور نئی روشنی کے اندھے مقلدین کے بیانات و شبہات کے معقول جوابات کا مجموعہ ہے جس میں تھانوی صاحب نے بڑے احسن انداز سے ان کی تردید فرمائی ہے اور دلائل کی روشنی میں اصلاح فرمائی ہے۔

ذیل میں ان رسائلکی فہرست دی گئی ہے جن میں دیگر ادیان کے اعتراضات یا ان کے ان نظریات کا دلائل سے رد ہے، جو اختراع کیے گئے ہیں۔

4) المصالح العقلیہ للاحکام العقلیہ (مقالہ ص260)
5) کشف الحجاب عن مسئلۃ تعظیم بعد الانصاب
6) الحکم الحقانی فی حزب الآغاخانی (ص266)
7) معاملۃ المسلمین فی مجادۃ غیر المسلمین (ص408)
8) الانسداد لفتنۃ الارتداد (ص363)
9) انفاس عیسی (ص،415)
10) قائد قادیان (ص،276)
11) الفتوح فیما یتعلق بالروح (ص،263)
12) اصلاح الرسوم
13) تعلیم الدین مع تکمیل الیقین (ص269)

"امداد الفتاوی" میں مطالعہ ادیان کی بحثیں

حضرت تھانوی کی باقی علمی، دینی، سماجی و اصلاحی خدمات کی طرح "امداد الفتاوٰی" بھی ایک اہم علمی کاوش ہے، جس میں متعدد مقامات پر ادیان و مذاہب کے متعلق مباحث مذکور ہیں جن میں سے چند کا ذکر مندرجہ ذیل ہے۔

معاملات المسلمین باھل الکتاب والمشرکین:

اس باب میں مسلمانوں کے غیر مسلموں سے معاملات کا خصوصی جائزہ لیا گیا ہے کہ غیر مسلموں کے اپنے دین کے مطابق ان کے ساتھ معاملات کا کیا حکم ہے۔[86]

---

[86]۔امداد الفتاوی، ص413, ج9, زکریا بک ڈپو انڈیا

اہم کتاب اور اہل یورپ کے ذبیحہ کا حکم:

اس باب میں تھانوی صاحب نے بحث کی ہے کہ یورپ کے لوگ اپنے آپ کو اہل کتاب کہتے ہیں لیکن اس کے باوجود ان کے اعمال و نظریات ان کی تعلیم کے بالکل برعکس ہیں لہذا جو حکم اہل کتاب کا ہے وہ اہل یورپ کا نہیں۔[87]

غیر مسلم حاکم کے وقف میں تصرف کا حکم:

اس باب میں تھانوی صاحب بیان فرماتے ہیں کہ اگر کسی ریاست کا حاکم غیر مسلم ہے تو وقف کی چیزوں میں اس کا تصرف کرنا کیا حیثیت رکھتا ہے۔[88]

المختصر یہ کہ شیخ نے عقلی اور نقلی دلائل سے اسلام کی فوقیت دیگر ادیان پر ثابت کی ہے۔ اسلام کی تعلیمات کے فوائد و ثمرات کو واضح کیا ہے۔ دیگر ادیان کے ماننے والوں کو ایمان کی اہمیت سے آگاہ کیا ہے۔

خود آزمائی:

1. مولانا فراہی کے معاصرین، اساتذہ و تلامذہ پر نوٹ لکھیں۔
2. انجیل کی عبارات کی تعبیرات کی قرآنی ایات سے مطابقت واضح کریں۔
3. یہود سے متعلق آیات قرآنیہ کے تفسیری نکات پر نوٹ لکھیں۔
4. مباحث ادیان سے متعلق حمید الدین فراہی کی تصنیفات کا تجزیہ کریں۔
5. مولانا حمید الدین فراحی لے حالات زندگی پر نوٹ قلمبند کریں۔
6. حمید الدین فراحہ کی مطالعہ مذاہب میں خدمات کا تفصیلا جائزہ لیں
7. انجیل کی عبارات کی تعمیرات وتاویلات پر تفصیلی نوٹ لکھیے۔

---

[87] ۔امداد افتاوی، ص213,ج8

[88] ۔ تھانوی، امداد الفتاوی، مکتبہ زکریا بک ڈپو انڈیا، 6، 76

8. سورہ فاتحہ سے نصاری کی مطابقت بیان کریں۔
9. یہود سے متعلق آیات قرآنیہ میں اہم تفسیری نکات تحریر کریں۔
10. مباحث ادیان سے متعلق حمید الدین فراہی کی تصنیفات کا تجزیہ پیش کریں۔
11. الکلیل فی الاشرح جمیل کا تجزیہ، کتاب کا تعارف، نتائج، یہود و نصاری کے اعتراضات پر تفصیلی نوٹ لکھیے۔
12. مولانا فراحی کی تفسیری کاوشوں کا جائزہ لیتے ہوئے ان کے بیان کردہ تفسیر کے اصول تحریر کریں۔
13. تفسیر نظام القرآن کی خصوصیات پر روشنی ڈالیں۔
14. ادیان عالم میں سے متعلق آیات قرآنیہ میں جناب فراحی کا تفسیری منہج بیان کریں۔
15. مولانا عبدالرحمان کیلانی کی مطالعہ ادیان میں خدمات کا تفصیلا جائزہ لیں۔
16. مولانا عبدالرحمان کیلانی کے حالات زندگی پر تفصیلا نوٹ تحریر کریں۔
17. تفسیر تیسیر القرآن مین مطالعہ ادیان کے نمایاں پہلوؤں پر روشنی ڈالیں۔
18. عقیدہ نزول مسیح کے متعلق سامی ادیان کے شبہات اور ان کا مدلل جواب تحریر کریں۔
19. عیسائیوں کے عقیدہ کی تردید میں پیش کئے گئے اعتراضات پر نوٹ تحریر کریں۔
20. مولانا عبدالرحمان کیلانی یہودیوں کی ذلت و مسکنت کی تاریخی داستان بیان کرتے ہوئے کیا لکھتے ہیں؟ مفصل نوٹ تحریر کریں۔
21. یہود کی پہلی بار فتنہ انگیزی اور اس کی سزا بیان کریں۔
22. بنی اسرائیل میں کون سا فرقہ یہودی کہلایا؟ وضاحت کریں۔
23. صابیین کا تعارف پیش کریں۔
24. کون کون سی تفاسیر تقابل ادیان کو سمجھنے کے لئے کلیدی کردار ادا کرتی ہیں؟
25. مولانا اشرف علی تھانوی کی مطالعہ ادیان میں خدمات کا تفصیلا جائزہ لیں۔
26. مولانا اشرف علی تھانوی کے حالات زندگی پر تفصیلا نوٹ تحریر کریں۔
27. تفسیر بیان القرآن کا تفصیلی تعارف پیش کریں۔
28. مذاہب سماویہ پر ایمان اور دیگر مذاہب کا احترام کیوں لازم ہے؟
29. اہل کتاب سے معاملات اور معاشرت کو تفصیلا بیان کریں۔

30. معبودان کفار کی شماتت کے معاملہ کو قرآنہ آیات کی روشنی میں واضح کریں۔
31. اہل کتاب و دیگر کے شرک میں مبتلا ہونے کی وجوحات بیان کریں۔
32. مسیح علیہ اسلام کے بعد کس طرح یہود و نصاری افراط و تفریق کا شکار ہوئے وضاحت کریں۔
33. مولانا اشرف علی تھانوی کی دیگر تصانیف میں مباحث ادیان کو تفصیلا بیان کریں۔
34. مولانا اشرف علی تھانوی کے رسائل کی فہرست مع تعارف پیش کریں۔

جوابات:

تمام سوالوں کے جواب متعلقہ یونٹ سے تلاش کریں۔

مصادر و مآخذ/مزید مطالعہ کے لیے:

- اصلاحی، ڈاکٹر شرف الدین، ذکرِ فراہی (لاہور: دار التذکیر، 2002)
- اصلاحی، شرف الدین، مقالات ترجمۃ القرآن مولانا حمید الدین فراہی (اعظم گڑھ: معارف، 1991)
- اصلاحی، مولانا امین احسن، مجموعہ تفاسیر فراہی (لاہور: جماعت اسلامی، 1978)
- ندوی، سید سلیمان، یادرفتگان (کراچی: مجلس نشریات اسلام، 1983ء)
- مودودی، مولانا، ترجمان القرآن (لاہور: جماعت اسلامی، 1354ھ)
- الطاف احمد اعظمی، مولانا حمید الدین فراہی کے بنیادی افکار (نئی دہلی: اعظمی اپارٹمنٹ پبلیکیشنز، 2010ء)
- عبید اللہ فہد فراہی، امام فراہی کے قرآنی افکار (نئی دھلی: دائرہ حمیدیہ، س.ن)
- حمید الدین فراہی، آنحضرت ﷺ کا سلسلہ نسب اور اہل کتاب (دھلی: مرکزی مکتبہ اسلامی، 1994ء)
- علامہ حمید الدین فراہی، الرائی الصحیح من ھو الذبیح، مترجم: امین احسن اصلاحی (دہلی: دائرہ حمیدیہ، 1999ء)
- کیلانی، عبد الرحمٰن، تفسیر تیسیر القرآن، مکتبہ السلام، وسن پورہ لاہور، س ن
- اشرف الجواب، تھانوی، مکتبہ عمر فاروق فیصل کالونی کراچی، س ن

- خواجہ عزیزالحسن:اشرف السوانح،ادارہ تالیفات اشرفیہ 1427ھ
- تھانوی،اشرف علی: تفسیر بیان القرآن، ۲،۵۸۳، مکتبہ رحمانیہ، مطبع لٹل سٹار پرنٹرز، لاہور
- تھانوی،اشرف علی: تفسیر بیان القرآن، مکتبہ رحمانیہ، مطبع لٹل سٹار پرنٹرز، لاہور، س ن
- امدادالفتاوی، زکریا بک ڈپو، انڈیا
- http//www.Imam Hamid Uddin Farahi (Publications) Javed Ahmad Ghamidi - Javed Ahmad Ghamidi.htm.6,30,2016.1:35
- http://rushdjournal.com/shumara/392-rushd-1-jan-2014/3723-